

انوار الباری اُردو شرح صحیح البخاری

مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ **سید محمد انور شاہ کشمیری** رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفۂ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بخاری

ادارۂ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ ملت، ن پاکستان
 (061-4540513-4519240)



انوار الباری

از و شرح

صحیح البخاری

انوار الباری (جلد ۳-۴)

تاریخ اشاعت..... شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

انوار الباری صحیح البخاری

جلد ۳-۲

مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ

حضرت مولانا سید محمد رضا صاحب بخاری

(تمیذ علامہ کشمیری)

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ گلستان پکشتان

☎061-540513-519240

فہرست مضامین

۵۶	عہد نبوت کا ایک زریں باب *	۱۵	مقدمہ
۵۷	حروب روم و فارس	۱۹	کتاب الوحی
۵۷	فارس کی فتح اور روم کی شکست کے اثرات	۲۰	وحی اور اس کی عظمت
۵۷	خلیفہ روم و شکست فارس	۳۱	گھنٹی کی آواز کی طرح
۵۸	فتوحات اسلامیہ صلح حدیبیہ	۳۵	انبیاء علیہم السلام کا سب سے بڑا وصف امتیازی وحی ہے
۵۸	صلح حدیبیہ کے فوائد و نتائج	۳۶	برکات و انوار نبوت و نزول وحی
۵۹	فتح مبین	۳۶	ابتداء نبوت و نزول قرآن مجید
۵۹	فتح مکہ معظمہ کے حالات	۳۷	نبی کے دل میں فرشتے کا القاء بھی وحی ہے
۵۹	سیاسی تدابیر کے فوائد	۳۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا ایک منظر
۵۹	ابوسفیان پر مکرم اخلاق کا اثر	۳۷	وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا
۶۰	اسلامی حکومت رحمت عالم تھی	۳۷	شدتہ وحی کی کیفیت
۶۰	حدیث برقل	۳۸	وحی الہی کا نقل و عظمت
۶۱	ایمان برقل	۳۸	سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور علمی ترقیات کا دور
۶۱	مکاتیب رسالت	۳۸	قرآن مجید کا ادب و احترام
۶۱	زوال کسریٰ و عروج حکومت اسلام	۴۲	شرح حدیث
۶۲	کتاب الایمان	۴۲	عالم مثال
۶۳	حقیقت ایمان	۴۲	عالم خواب
۶۳	ایمان و اسلام کا فرق	۴۲	انتخاب حراء
۶۴	ایمان و اعمال کا رابطہ	۴۳	عطا نبوت و نزول وحی
۶۴	ایمان کا درجہ	۴۴	دبانے کا فائدہ

۹۰	امام صاحب کی وقت نظر	۶۴	حضرت نانوتویؒ کی تحقیق
۹۱	حافظ عینی کے ارشادات	۶۴	حضرت مجدد صاحبؒ کی تحقیق
۹۴	دارغ عبدیت و تاج خلافت	۶۵	شیخ دباغ کے ارشادات
۹۵	عبادات کی تقیم	۶۶	بخاریؒ کا ترجمہ الباب
۹۵	روزہ و حج کا ارتباط	۶۶	امام بخاریؒ کی شدت
۹۷	ایمان کی کتنی شاخیں ہیں	۶۸	اہل حق کا اختلاف
۱۰۲	ایک اہم علمی فائدہ	۶۸	حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد
۱۰۴	اختلاف جوابات کی وجوہ	۶۹	امام بخاریؒ کا امام صاحبؒ کو مرجع بتلانا
۱۰۴	حد و غبط کا فرق	۷۰	طعن ارجاء کے جوابات
۱۰۸	جہاد کی تشریح سے اجتناب	۷۰	امام صاحبؒ کی تائید دوسرے اکابر سے
۱۱۰	طاعات و عبادات کی ضرورت	۷۲	علامہ شعرانیؒ سے تشریح ایمان
۱۱۲	باب حلاوة الایمان	۷۲	ابن حزم
۱۱۲	”خلافت ایمان کے بیان میں“	۷۲	امام غزالی
۱۱۴	شیخ ابوالعباس اسکندرانیؒ کا ارشاد	۷۲	قاضی عیاض
۱۱۴	حضرت ابراہیم ادہمؒ کا ارشاد	۷۳	نواب صاحب
۱۱۴	حضرت چنید رحمہ اللہ کا ارشاد	۷۳	امام بخاریؒ اور دوسرے محدثین
۱۱۴	شیخ اسکندرانیؒ کا بقیہ ارشاد	۷۳	اساتذہ امام بخاریؒ
۱۱۵	علمی فائدہ	۷۳	امام بخاریؒ کے چھ اعتراض
۱۱۵	اشکال و جواب	۷۸	ایمان کے ساتھ استثناء کی بحث
۱۱۶	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے	۸۲	ایک اہم غلط فہمی کا ازالہ
۱۱۶	حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ دہی	۸۲	امام بخاریؒ اور ان کا قیاس
۱۱۷	انصار مدینہ کے حالات	۸۴	امام بخاریؒ کے دلائل پر نظر
۱۱۸	ایک انصاری جنتی کے کا واقعہ	۸۸	مراتب ایمان و اعمال پر دوسری نظر
۱۲۰	حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟	۹۰	حضرت شاہ صاحبؒ کا جواب

۱۳۹	وزن اعمال	۱۲۲	بیعت اور ان کی اقسام
۱۵۰	امام غزالی کا استنباط	۱۲۶	امام اعظمؒ سے تعصب
۱۵۵	حکم تارک صلوٰۃ	۱۲۷	عصمت انبیاء علیہم السلام
۱۵۶	خلفاء راشدین کا منصب	۱۲۹	انبیاء کی سیرت صفات ملکات
۱۵۷	حکم تارک صوم	۱۳۱	عصمت انبیاء کے متعلق مختلف نظریات اور حقیقت عصمت
۱۵۸	ایک خدشہ کا جواب	۱۳۲	وجود و اسباب عصمت
۱۵۸	چند سوال و جواب	۱۳۳	صحابہ معیار حق ہیں
۱۵۹	تبلیغ دین کی ضرورت اور اس کا کامیاب عملی پروگرام	۱۳۳	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
۱۵۹	قتال و جہاد	۱۳۴	شرک فی التسمیہ والی لغزش بے بنیاد ہے
۱۶۰	حج پر جہاد کا تقدم	۱۳۵	شک فی الاحیاء والی لغزش بے بنیاد ہے
۱۶۰	فرض کفایہ کی اہمیت	۱۳۸	عصمت انبیاء کے متعلق حضرت نانوتویؒ کی تحقیق
۱۶۰	اسلام جہاد کا مقصد	۱۳۹	بقیہ فوائد متعلقہ حدیث باب
۱۶۱	فضائل جہاد و شہادت	۱۴۰	اشکال و جواب
۱۶۳	جہاد و شہادت کے اقسام	۱۴۰	دوسرا اشکال و جواب
۱۶۳	مسئلہ قتال تارکین واجبات اسلام	۱۴۰	حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد
۱۶۴	دارالاسلام و دارالحرب کے متعلق علامہ کشمیریؒ کی تحقیق	۱۴۰	عتاب نبوی کا سبب
۱۶۶	پہلا مکتوب	۱۴۳	حضرت شاہ صاحب کے بقیہ جوابات
۱۶۷	دوسرا مکتوب گرامی	۱۴۴	شیخ اکبرؒ کی رائے
۱۶۷	مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا العلام محمد	۱۴۴	امام بخاریؒ کے استدلال پر ایک نظر
	ذکر یا سہارن پوری رحمہ اللہ	۱۴۵	کتبہ بدیعہ
۱۶۷	مکتوب گرامی حضرت الحدیث العلام مولانا المفتی	۱۴۶	ایمان و کفر اہم سابقہ میں
	سید محمد مہدی حسن شاہ جہان پوری رحمہ اللہ	۱۴۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و خدمات
۱۶۸	مکتوب گرامی حضرت الحدیث العلام مولانا المفتی محمد شفیع دہلوی	۱۴۸	ترجمان القرآن کا ذکر
	ہندی رحمہ اللہ کرم فرما ہمت محمد مولانا احمد رضا صاحب دام فضلہ	۱۴۹	مولانا آزادؒ کی سیاسی خدمات

۱۹۸	حافظ ابن تیمیہ کی تحقیق	۱۶۹	مکتوب گرامی حضرت احمد شہد العلام مولانا ابو الوفا افغانی زبدۃ الخلقان واخلص الاخوان سیادت مآب مولانا سید احمد رضا صاحب دام مجیدہ
۱۹۹	امام بخاریؒ و حافظ ابن تیمیہؒ کے نقطہ نظر کا اختلاف	۱۷۰	تہنیرہ گرامی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی رحمۃ اللہ علیہ
۱۹۹	امام بخاریؒ کا بلند پایہ علمی مقام	۱۷۰	مکتوب گرامی جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
۲۰۰	ایک اشکال اور اس کا حل	۱۷۱	مکتوب گرامی محترم مولانا عزیز احمد صاحب بہاری دامت برکاتہم
۲۰۰	حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد	۱۷۱	مکتوب گرامی محترم مولانا امتیاز علی صاحب
۲۰۱	امام بخاریؒ کا مقصد	۱۷۱	مکتوب گرامی محترم مولانا محمد ایوب صاحب قادری رحمۃ اللہ
۲۰۱	ایک اہم مغالطہ اور اس کا ازالہ	۱۷۲	مکتوب گرامی شیخ الشیر مولانا ذاکر حسن صاحب دامت برکاتہم
۲۰۳	جنگ جمل و جنگ صفین	۱۷۶	مکتوب گرامی مولانا حکیم محمد یوسف صاحب قاضی بنارس دامت برکاتہم
۲۰۷	معاصی سے مراد کہاں ہیں	۱۷۹	جلد چہارم
۲۰۷	ایک اشکال اور جواب	۱۸۶	جہاد فی سبیل اللہ
۲۰۸	اصل مقصد ترجمہ بخاری	۱۸۸	خوف قتل کی وجہ سے اسلام لانا
۲۰۸	تائید حق	۱۸۸	استسلام کی صورت
۲۰۸	شرک و کفر میں فرق	۱۸۸	آری اور آری کا فرق
۲۰۹	ایک اہم اشکال اور جواب	۱۸۸	اوسلما کا مطلب
۲۰۹	ایک اہم علمی و دینی فائدہ	۱۸۹	بغیل بن سراوقہ کی مدح
۲۱۰	مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم	۱۸۹	ایک اشکال و جواب
۲۱۰	حضرت علیؑ اور خلافت	۱۸۹	حدیث سے ترجمہ کی مطابقت
۲۱۰	تکمیل بحث	۱۹۵	شوہر کے حقوق
۲۱۱	ظلم و قتل کا فرق	۱۹۵	بقیہ تشریح حدیث الباب
۲۱۳	مقصد سوال و معروضہ اور عربوں کا حال	۱۹۶	کل تعداد حدیث بخاری شریف
۲۱۳	زمانہ رسالت کے چند حالات	۱۹۸	حافظ ابن حجر کی رائے پر تنقید
۲۱۵	فیض رسالت		
۲۱۵	حضرت ابوذرؓ کا مقام رفیع		
۲۱۶	سب صحابہ کا مسئلہ		

۲۳۳	باب الجہاد من الایمان	۲۱۶	حکم و انفس
۲۳۳	(جہاد ایمان کا ایک شعبہ ہے)	۲۱۶	حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک
۲۳۵	شب قدر و جہاد میں مناسبت	۲۱۶	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی رائے
۲۳۶	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے	۲۱۷	کنز سے کیا مراد ہے
۲۳۶	درجہ نبوت اور تمنائے شہادت	۲۱۷	تحقیق صاحب روح المعانی
۲۳۶	مراحب جہاد	۲۱۸	حضرت ابوذرؓ کی رائے دوسرے صحابیؓ کی نظر میں
۲۳۷	ہجرت و جہاد	۲۱۸	واقعہ ابی ذر اور شیعی تحریف
۲۳۸	باب تطوع قیام رمضان من الایمان	۲۱۸	اسلام کا معاشی نظام
۲۳۸	(تطوع قیام رمضان بھی ایمان کا شعبہ ہے)	۲۲۰	معاشی مساوات
۲۴۱	جماعت ثواب اور اکابر دیوبند	۲۲۳	سوال و جواب
۲۴۵	بعض کبار ائمہ حدیث تراویح کو بھی مساجد میں غیر افضل کہتے ہیں	۲۲۳	اعتراض و جواب
		۲۲۳	دقیق علمی فائدہ
۲۴۶	حدیث الباب کا اولیٰ مصداق	۲۲۵	باب علامة المنافع
۲۵۵	افادات انور	۲۲۵	منافع کی علامتوں کا بیان
۲۵۵	حافظ ابن تیمیہؒ کی غلطی	۲۲۹	حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق
۲۵۷	حدیث الباب کی اہمیت	۲۲۹	تحقیق بیضاوی پر تنقید
۲۵۷	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۲۹	حافظ ابن تیمیہؒ کا مسلک
۲۶۰	قبلہ کے متعلق اہم تحقیق	۲۲۹	ایک شبہ اور جواب
۲۶۱	حافظ ابن قیمؒ کی رائے	۲۳۰	علامہ نووی و قرطبی کی تحقیق
۲۶۱	قبلہ کی تقسیم حسب تقسیم بلاد	۲۳۰	یعنی و حافظ کی تحقیق
۲۶۲	دونوں قبلے اصالتاً برابر تھے	۲۳۰	باب قیام لیلة القدر من الایمان
۲۶۲	اہم علمی نکات	۲۳۰	شب قدر کا قیام ایمان سے ہے
۲۶۲	تاویلی قبلہ والی پہلی نماز	۲۳۲	ایمان و احتساب کی شرط
۲۶۳	حافظ علامہ سیوطیؒ	۲۳۲	حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق

۲۷۲	علامہ قسطلانی کی رائے	۲۶۳	مدینہ میں استقبال بیت المقدس کی مدت
۲۷۳	نواب صاحب کی تنقید	۲۶۳	یہود و اہل کتاب کی سرست و ناراضگی
۲۷۳	تشقیق و تبصرہ	۲۶۴	تحویل قبلہ سے قبل کے مقتولین
۲۷۳	حافظ کی فردگزاشت	۲۶۵	فتح احکام کی بحث
۲۷۳	بڑا بیٹے کا طعنہ	۲۶۶	دلیل جوازِ فتح سنت پھر قرآن مجید
۲۷۴	نواب صاحب کی دوسری غلطی	۲۶۶	علمی افادہ
۲۷۴	اساقہ اسلام والی حدیث پر بحث	۲۶۷	باب حسن اسلام المرء
۲۷۴	امام بخاریؒ کی رائے	۲۶۷	انسان کے اسلام کی خوبی
۲۷۴	علامہ خطابی کا ارشاد	۲۶۸	ابراہیمؑ کے اسباب و وجوہ
۲۷۴	حافظ ابن حجرؒ کی تنقیح	۲۶۸	صدقہ و امداد کا اجر عظیم
۲۷۵	اختلاف کی اصل بنیاد	۲۶۹	نماز کی غیر معمولی فضیلت
۲۷۵	جمہور کی طرف سے جواب	۲۶۹	اسلام کی اچھائی یا برائی کے اثرات
۲۷۵	قابلِ توجہ	۲۶۹	حضرت شاہ صاحب کی رائے
۲۷۵	امام احمدؒ کے جوابات	۲۶۹	طاعات و عبادات کا فرق
۲۷۶	امام اعظمؒ کا عمل بالحدیث	۲۷۰	عذاب ہائے کفار کا باہم فرق
۲۷۷	حضرت عمرؓ کا سفر آخرت	۲۷۰	اسلام کی اچھائی و برائی کا مطلب
۲۷۷	بحث زیادۃ نقص ایمان	۲۷۰	امام نوویؒ کی رائے
۲۷۷	علامہ نوویؒ کی غلطی کا ازالہ	۲۷۰	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے
۲۷۷	قاضی عیاض وغیرہ کا اختلاف	۲۷۰	علامہ قسطلانی کی رائے
۲۷۷	تنقیح مسئلہ	۲۷۱	ضروری تبصرہ
۲۷۷	کفار کی دنیوی راحتیں	۲۷۱	قدیم الاسلام مسلمانوں کے لیے لمحہ فکر
۲۷۷	مومنین کا حاملہ	۲۷۱	نماز اور پردہ کی اہمیت
۲۷۷	نومسلموں کے لیے اصول	۲۷۱	ہمارا اسلام اور شریکی تصویر!
۲۷۸	شوافع و احناف کا اختلاف	۲۷۲	حافظ اور عینی کا مقابلہ

۲۸	حافظ عینی کی رائے	۲۸	امام الحرمین
۲۸	حافظ ابن حجر کی رائے	۲۸	امام رازی
۲۹	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۲۸	شارح حاشیہ
۲۹	اتمام و قضاء و نوافل	۲۸	ایمان میں قوت و ضعف مسلم
۲۹	شوافع کا استدلال	۲۸	شیخ اکبر کی رائے
۲۹	حافظ کا تسامح اور عینی کی گرفت	۲۸	علامہ شعرانی کا فیصلہ
۲۹	حنفیہ کے دلائل	۲۸	حضرت شاہ صاحب کی رائے
۲۹	مالکیہ حنفیہ کے ساتھ	۲۸	ایمان میں اجمال و تفصیل
۲۹	سب سے عمدہ دلیل حنفیہ	۲۸	حافظ عینی کی محققانہ بحث
۲۹	حضرت شاہ صاحب کا فیصلہ	۲۸	حافظ ابن تیمیہ کی رائے
۲۹	بحث وجوب وتر	۲۸	حافظ ابن تیمیہ کا مقصد
۲۹	عدم زیادۃ و نقص	۲۸	علامہ عثمانی کا ارشاد
۲۹	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۲۸	امام اعظم کی گرانقدر رہنمائی
۲۹	علامہ سیوطی کے قول پر تنقید	۲۸	طعن ارجاء درست نہیں
۲۹	اہل حدیث کا غلط استدلال	۲۸	تخیلی بحث
۲۹	درجہ وجوب کاشوت	۲۸	حافظ ابن تیمیہ کے قول پر نظر
۲۹	مراعات و استثناء	۲۸	نواب صاحب کا مغالطہ
۲۹	حلف غیر اللہ کی بحث	۲۸	اجمال و تفصیل کا فرق
۲۹	حضرت شاہ صاحب اور علامہ شوکانی	۲۸	بدع اللفاظ کی بات
۲۹	علامہ شوکانی پر تنقید	۲۸	افادہ انور
۲۹	قسم نفوی و شرعی	۲۸	مسلمانوں کی عید کیا ہے
۲۹	شعراء کے کلام میں قسم نفوی	۲۸	افادات انور
۲۹	نواب صاحب کی تحقیق	۲۸	نواب صاحب اور عدم تقلید
۲۹	قاضی بیضاوی کا جواب	۲۸	حضرت شہام کا سال حاضری

۲۹	نماز جنازہ کہاں افضل ہے	۳۰	بحث و نظر.... ترجمہ حدیث کی مطابقت حافظ عیسیٰ کی نظر میں
۲۹	مسک شوافعؒ	۳۰	حافظ ابن حجر پر تنقید
۳۰	امام صاحب پر تعریفیں	۳۰	دو ترجمے اور دو حدیث
۳۰	ائمہ حنفیہ کے عقائد	۳۰	قاضی عیاض کی تحقیق اور سوال و جواب
۳۰	محمدؐ الیوب کی حق گوئی	۳۰	افادات انور رحمہ اللہ
۳۰	حافظ ابن تیمیہؒ اور عقائد حنفیہؒ	۳۱	حافظ ابن حجر کی تصریحات
۳۰	ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں	۳۱	حافظ کے نزدیک ماہصل کلام بخاریؒ
۳۰	امام بخاریؒ کی جزء القراءة	۳۱	حافظ کا فیصلہ
۳۰	امام صاحب اور امام احمدؒ	۳۱	فیصلہ حافظ کے نتائج
۳۰	علاء موطی حنبلی کا دفاع عن الامام	۳۱	حدیث جبریل کی اہمیت
۳۰	مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ کا تعصب	۳۱	حضرت شاہ صاحب کی مزید تحقیق
۳۰	علاء مذہبی کا ارشاد	۳۱	امام بخاریؒ کا جواب محل نظر ہے
۳۰	معز لہ اور امام صاحب	۳۱	دونوں حدیث میں فرق جواب کی وجہ
۳۰	عمر بن عبید اور امام صاحب	۳۱	واعظ و معلم کی مثال
۳۰	امام بخاریؒ کی کتاب الایمان	۳۱	ایمان کا تعلق مغنیات سے ہے
۳۰	امام بخاریؒ اور امام اعظمؒ	۳۱	لقاء اللہ کا مطلب
۳۰	امام بخاریؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ	۳۱	حضرت شاہ صاحب کی تحقیق
۳۰	امام بخاریؒ رحمہ اللہ	۳۱	فلسفہ یونان اور عقول
۳۰	امام اعظم رحمہ اللہ	۳۱	دیوتا و ادتار
۳۰	ایمان کے بارے میں مزید تحقیق	۳۱	اسلام میں لقاء اللہ کا عقیدہ
۳۰	مراتب ایمان کا تفاوت	۳۱	مسافت در میان دنیا و آخرت
۳۰	شب قدر باقی ہے	۳۱	احسان کی حقیقت
۳۰	حدیث کا ربط ترجمہ سے	۳۱	دو مطلوب حالتیں اور ان کے شرائط
۳۰	حضرت شاہ صاحب کی تحقیق	۳۱	علامہ نووی کی شرح

۳۲	خرم کا جواز و عدم جواز	۳۱	کون سی شرح رائج ہے
۳۲	علمی تحقیق	۳۱	علامہ عثمانی کے ارشادات
۳۲	حضرت شاہ صاحب کے تشریحی ارشادات	۳۱	استغراق و محویت کے کرشمے
۳۲	حافظ علی الدین و علامہ شوکانی کا ذکر	۳۱	اقادات انور
۳۲	حدیث الباب اور علامہ نووی	۳۱	شریعت، طریقت و حقیقت
۳۲	مشہدات اور خطابی	۳۱	امام غزالی کا ارشاد
۳۲	علامہ قسطلانی کی رائے	۳۲	ایمان و اسلام کا باہمی تعلق
۳۲	نواب صاحب کی رائے	۳۲	قرب قیامت اور انقلاب احوال
۳۲	بحث و نظر... تحقیق مشہدات	۳۲	فی غم و علم غیب
۳۲	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۳۲	علم غیب سے مراد
۳۲	دوسرا اشکال و جواب	۳۲	کون سا علم خدا کی صفت ہے
۳۲	قلب کے خصائص و کمالات	۳۲	پانچ کا عدد کس لیے
۳۲	تحقیق لطائف	۳۲	امام بخاریؒ کے وجوہ استدلال پر نظر
۳۲	عقل کا محل کیا ہے	۳۲	”زبردست شہادت“ پر نقد و نظر





انوار الباری

اُردو شرح

صحیح البخاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُقَدِّمَةٌ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ انوار الہاری کی دو جلدوں کے بعد انوار الہاری (شرح بخاری شریف) کی تالیف حق تعالیٰ جل ذکرہ کے بھروسہ پر شروع کر دی گئی اور محض اس کی توفیق و تیسیر سے اس کی پہلی جلد پیش ہے، کسی حدیث کی شرح یا اس پر بحث و نظر کے سلسلہ میں جو کچھ مواد مل سکا اس کو یکجہ کرنے کی سعادت حاصل کی گئی۔ امید ہے کہ ناظرین پسند کریں گے اور استفادہ کے ساتھ اپنی خصوصی دعوات و توجہات نیز ضروری اصلاحات سے نوازیں گے۔ تمام مخلصین خصوصاً اہل علم کے مشورے قدر و منزلت کے ساتھ قبول کئے جائیں گے۔

انوار الہاری کی تشریحات اور بحث و نظر سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ صہاء کرام و محدثین عظام نے علوم نبوت کی خدمت گزاروں میں کیسی کچھ کاوشیں کی ہیں اور اس آخری دور میں ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنے وسیع علم و مطالعہ سے جو گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ کس قدر بلند پایہ ہیں مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے جو حضرت شاہ صاحب کے بارے میں فرمایا تھا کہ ”صاحب کا قافلہ جا رہا تھا یہ پیچھے گرے تھے“ (یقیناً یہ مختصر جملہ حضرت شاہ صاحب کے علمی و عملی کمالات کا صحیح تعارف ہے اور انوار الہاری کے انوری افادات امید ہے کہ اسی اجمال کی امکانی تفصیل ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

انوار الہاری پڑھ کر آپ ضرور حیرت کریں گے کہ صدیوں کے بعد ہزاروں میل بڑا اسلامیہ عربیہ سے دور ایک گننام ہندی قریہ سے ایسا بلند پایہ قیصر، محقق، محدث و مفسر جامع معقول و منقول عالم پیدا ہوا جس نے تقریباً تیرہ سو سال کے تمام علمی و فکری کائنات گہری نظر سے مطالعہ کیا، امت محمدیہ کے بڑے اور چھوٹے ایک ایک عالم کی علمی گہرائیوں کے اندازے لگائے اور خوب لگائے اس نے اپنے علم و عقل کی کسوٹی پر ہر ایک کو پرکھا اور اس کے حق و ناحق کو الگ کیا جس میں اپنے و غیر کا ذرہ برابر فرق نہیں کیا اس نے جس طرح کھلے دل سے غیروں کے کمالات کا اعتراف کیا انہوں کی خامیاں پیش کرنے سے بھی باک نہیں کیا بلکہ کسی بڑے پرنفوذ کی ضرورت محسوس کی تو اس کے اظہار و اعلان میں بھی تردد نہیں کیا۔

حضرت شاہ صاحب سے قبل یا بعد کسی کے درس حدیث کی یہ خصوصیت سامنے نہیں آئی کہ کسی حدیث کی شرح یا بحث و نظر کے وقت متقدمین و متاخرین کی تحقیقات پر پوری بصیرت کے ساتھ فیصلے کئے گئے ہوں ہر ایک کی شرح و تحقیق کو قرآن و سنت کے معیار پر رکھ کر خدا الگ بات کہی گئی ہو۔ آپ نے صحیح بخاری شریف کا درس دیا تو اس شان سے کہ نہ صحیح کی شان پر فہم نظروں سے گری نہ امام بخاری کے

خدا داد و بہترین اوصاف و کمالات و جمیل ہوئے اور ساتھ ہی امام بخاری کی بشری خامیاں اور نقائص بھی پردے میں نہ رہے۔ انوار الہاری میں جگہ جگہ امام بخاری کے تراجم ابواب ان کے فقہی نظریات ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالفتاں پر بے لاگ تبصرے آئیں گے جو عم و تحقیق کی جان ہیں امام بخاری بدھ وی کے بعد سب سے بڑا موضوع کتاب الایمان کا لائے ہیں جس کے تحت بہت سے ابواب اور یہ کثرت احادیث و اقوال جمع کئے۔ علامہ قسطلانی شافعی شارح بخاری شریف نے لکھا کہ امام بخاری کی غرض ان تمام ابواب سے یہی ثابت کرنا ہے کہ اعمال اجزاء ایمان ہیں اور یہ بھی علامہ موصوف نے امام بخاری کے ترجمہ ابواب باب من قال ان الایمان مہر العمل کے تحت لکھا کہ امام بخاری کا مقصد اس قسم کے ابواب سے ان حضرات کا رد کرنا ہے جو عمل کو داخل ماہیت ایمان نہیں کہتے، لیکن امام بخاری نے جو اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عمل کا تعلق ایمان سے جزیت کا ہے البتہ صرف ایمان پر عمل کے اطلاق کا جواز نکل سکتا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس کو سب ہی مانتے ہیں کہ ایمان بھی تصدیق قلبی ہونے کی حیثیت سے ایک عمل قلب ہے (اس لیے اعمال میں اس کا بھی شمار ہو سکتا ہے حالانکہ نزاع جو کچھ ہے وہ اعمال جوارح میں ہے عقائد یا اعمال قلب میں نہیں ہے)

غرض امام بخاری نے ایک عمل جوارح کو لے کر باب کا عنوان باندھا کہ یہ بھی ایمان کا جزو ہے وہ بھی ایمان کا جزو اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے کسی ایسے شخص سے اپنی صحیح میں روایت نہیں کی جو ایمان کو قول و عمل کا مجموعہ مرکب نہ مانتا ہو۔ نیز فرمایا کہ میں ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا جو سب ہی ایمان کو قول و عمل کہتے تھے ظاہر ہے کہ یہ سب تعریضات مرجعہ اہل بدعت سے متعلق نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے چھیننے ائمہ حنفیہ پر بھی ضرور پڑتے ہیں اس لیے امام بخاری کے اس قدر شدید رویہ کے مقابلہ میں معمولی مدعی جوابات سے کام نہیں چل سکتا اب ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے کس طرح جواب دی فرمائی اور اس سے ناظرین اندازہ کر لیں گے کہ درس بخاری کا حق حضرت شاہ صاحب ایسے متقی و واسع الاطلاع بحر مواجہی کا تھا۔ ہر ہونے کے ناند جام و سداں بافتن

آپ نے ارشاد فرمایا (۱) امام بخاری نے فرمایا کہ سلف کا قول ایمان کے بارے میں قول و عمل یزید و بنقص تھا انہوں نے سلف کے قول کو اختصار نقل کے ساتھ پیش کیا سلف کا پورا قول یہ تھا الایمان یزید بالطاع و ینقص بالمعصیۃ امام بخاری نے طاعت و معصیت کے الفاظ کم کر دیے۔ چنانچہ علامہ عینی نے صفحہ ۱۲۶ میں حافظ ابوالقاسم لا نکاتی کی کتاب شرح اصول اعتقاد دلائل اللہ والجماعہ سے بھی یہی الفاظ نقل کئے جس کی تفصیل ہم نے صفحہ ۹/۱۱ اور صفحہ ۱۲/۱۳ انوار الہاری میں پیش کی ہے اور علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث کے تحت بھی یہی لکھا کہ ایمان میں طاعت و معصیت سے زیادتی و کمی کو ابوہم نے ضمیمہ میں ذیل ترجمہ شافعی نقل کیا ہے۔

نیز فرمایا (۲) امام بخاری کا یہ فرمانا کہ ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا لیے خود بھی اس نظریہ کی کمزوری ظاہر کرتا ہے کیونکہ ضروریات دین کے بارے میں اس طرح ہزار پانچ سو کے اقوال نقل نہیں ہوا کرتے نہ ان کے بارے میں سوال ہوا کرتا ہے (وہ تو عوام و خواص سب ہی کو معصوم ہوا کرتے ہیں) عاجز راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بظاہر امام بخاری نے ایک ہزار کے عدد کو اہمیت دی ہے حالانکہ اس وقت کی اسلامی دنیا لاکھوں علماء سے پنی پڑی تھی۔ چپہ چپہ پر محدثین کہا رہے ہوئے تھے۔ ایک ایک محدث کے درس میں تیس تیس ہزار اور چالیس چالیس ہزار علماء جمع ہوتے تھے اور وہ سب اپنے وقت کے تہر محدث و مفسر ہوتے تھے کوثر بھرہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور ملک شام تو بڑے بڑے علمی مرکز تھے اس لیے ایک ایک ہزار کی اقل قلیل اہمیت ہے پھر بقول حضرت شاہ صاحب ان ایک ہزار کے اقوال بھی صرف ان تک ہی محدود ہیں کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے یہ قول صحابہ و تابعین سے حاصل کیا ہے یہ تو ایسا ہے کہ جیسے ایک حلقہ خیال کے لوگ یا ایک استاد کے سب متلازمہ ایک ہی بات کہا کرتے ہیں اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہے اس کے علاوہ ہم نے متعدد جگہ انوار الہاری میں دوسرے اکابر و ائمہ محدثین کے اقوال بھی پیش کئے ہیں جو ائمہ حنفیہ کی تائید و موافقت میں ہیں۔ انوار الہاری کی پہلی دو جلدوں میں کتاب

الایمان بخاری کی مختلف جہات پر سیر حاصل اباحت آگئی ہیں۔ یہ بات حضرت شاہ صاحبؒ کے درجہ و فہرہ درجہ ارشادات نیز دوسرے کثیر مطالعہ کی روشنی میں ثابت و واضح ہو چکی ہے کہ جہاں تک امام بخاریؒ کی صحیحؒ کا تعلق ہے وہ نہایت اہم، مستند ترین و خیرہ حدیث ہے اور جن احادیث کے روایت میں کلام کیا گیا ہے وہ بھی دوسرے اہل روایت ثقات کے ذریعہ قوی ہو چکی ہیں۔ اس لیے بخاریؒ کی تمام احادیث کو صحیح قوی اور ناقابل تنقید کہنے میں کوئی ادنیٰ تامل نہیں کیا جاسکتا اس کے بعد صحیح بخاریؒ کے اندر جس قدر حصہ تراجم ابواب کا ہے۔ یا امام بخاریؒ نے جو کچھ اپنی دوسری حدیثی تالیفات میں یا تاریخ و رجال پر لکھا ہے اس پر تنقید میں کوئی مضائقہ نہیں اسی لیے ہم نے بھی امام بخاریؒ کے تذکرہ میں ان کی تالیفات پر مفصل کلام کیا، صحیح بخاریؒ کے تراجم میں امام بخاریؒ کے نظریات کلامی فقہی وغیرہ پر بھی بحث برابر آئے گی، جس طرح کتاب الایمان میں آئی ہے، فقہی مسائل میں حسب تحقیق حضرت شاہ صاحبؒ امام بخاریؒ نے دوسری فقہوں کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی موافقت زیادہ کی ہے، لیکن وہ بعض مشہور مسائل میں شوافع کی موافقت اور حنفی کی شدید مخالفت کے سبب نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے، جن مسائل میں امام بخاریؒ نے ائمہ اربعہ سے الگ ہو کر اپنا اجتہاد کیا ہے۔ ان پر بھی خاص طور سے بحث آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے علاوہ ایک اہم گزارش یہ ہے کہ انوار الباری کا مقصد وحید شرح معانی احادیث ہے یہ امر آخر ہے کہ بقول امام عبداللہ ابن مبارکؒ (جن کو خود امام بخاریؒ نے بھی اپنے زمانہ کا سب سے بڑا قرآن وحدیث کا عالم تسلیم کیا ہے) امام اعظمؒ کے تمام فقہی مسائل ان کی ذاتی رائے نہیں ہیں بلکہ وہ سب معانی حدیث کی شرح ہیں اس لئے جتنی تاہید مسلک حنفی کی آئے گی وہ بھی معانی حدیث کی اصح ترین شرح ہی کہلائے گی اور جہاں کہیں حدیث و قرآن اجماع یا قیاس صحیح شرعی کی، دوسرے کسی حنفی مسئلہ میں کمزوری ہوگی وہ ضرور تسلیم کی جائے گی کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں یہی طریقہ استعمال ہوتا تھا فقہ حنفی کی جس برتری کی طرف امام حدیث عبداللہ ابن مبارکؒ نے اشارہ فرمایا اس کی نیلک نامی کو معاند خائفین کے غلو و مسلط پروپیگنڈے سے اگرچہ کافی نقصان پہنچا ہے مگر پھر بھی بہت سے خائفین نے اس کی بلندی مرتبت کا اقرار کسی نہ کسی نچ سے ضرور کیا ہے مثلاً حافظ ابن حجرؒ (جنہوں نے اپنی پوری قوت اور قابلیت فقہ حنفی کی مخالفت اور فقہ شافعی کی موافقت میں صرف کی ہے) بہت سے حنفی علماء سے فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے مذہب کو اختیار کروں، کیونکہ تمہارے مذہب کے فروغ و اصول میں بڑی مطابقت ہے مگر یہاں یہ بات بھی بڑی حیرت و استعجاب کے ساتھ لکھی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی اتنی بڑی تحقیق پر صرف اس لئے عمل نہ کیا کہ ابن برہان ظاہری کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا کہ گزری؟ کہا اب تو خیریت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ناخوش ہیں میں نے کہا کیوں؟ کیا تمہارے حنفی کی طرف میلان کے سبب سے؟ یہ سارا قصہ خود حافظ نے ہی ”المجمع الموسم“ میں لکھا ہے علامہ کوثریؒ نے مجموعہ ذیل تذکرۃ الحفاظ کے حواشی صفحہ ۳۲۸ میں لکھا کہ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے خصوصاً اس لئے کہ خواب کی وجہ سے حافظ نے ساری علمی تحقیق پر پانی پھیر دیا اور خواب میں بھی ابن برہان ظاہری جیسے شخص کے کہنے کی وجہ سے جس کے علم و دیانت پر شذرات الذہب وغیرہ میں کافی نقد و جرح کی گئی ہے ائمہ حنفیہ کے جامع و متحکم اصول فقہیہ و حدیثیہ اور مطابقت فروغ و مسائل پر ہم کسی دوسری فرصت میں سیر حاصل بحث کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

”انوار الباری“ کے مطالعہ سے ناظرین اس امر کا اندازہ بھی بخوبی لگا سکیں گے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے درس حدیث کا معیار کس قدر بلند کر دیا اور آپ کے محققانہ طرز تدبیر کے اثرات دوسرے علوم و فنون پر بھی پڑ رہے تھے، جس سے دارالعلوم کی مرکزیت کو صحیح معنی میں چار چاند لگ گئے تھے مگر نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ بیس سال شوق علمی خدمات کے بعد ۴۶ برس جب شاہ صاحبؒ نے انتظامی تفصیلات کی اصلاح چاہی تو وہ زور خورداختہ نہ ہو سکی۔ آپ نے مجبور ہو کر ایک جگہ حق (مدرسہ وقف ہے ارشاد نہیں)؛ دارالفرمانہ کر دارالعلوم کی صدر مدرس سے استعفیٰ دے دیا اور آپ کے ساتھ دوسرے اکابر و افاضل بھی احتجاجاً مستعفی ہو گئے اس طرح دارالعلوم کے آسان علم سے

بڑے بڑے آفتاب و مانتاب اور نجوم رشد و ہدایت نوٹ کر جدا ہو گئے اور مادی اقتدار کے مقابلہ میں روحانی اقتدار کو شکست ہوئی جس کے غیر معمولی نقصانات کی تلافی آج تک نہ ہو سکی اور اس جیسے تابناک دور علم و افتاء کے پھر آنے کی بحالات موجودہ کوئی توقع ہے الا ماشاء اللہ حضرت شاہ صاحب اور آپ کے رفقاء نے جن فحائض کی اصلاح سے مایوس ہو کر وہ اقدام کیا تھا اس کے ۳۷ سال کی طویل مدت میں وہ کتنے بڑے اور علمی انحطاط کہاں تک پہنچا اہل علم و نظر سے مخفی نہیں کاش! اصلاح حال کے لیے کوئی موثر سعی عمل میں آئے۔ جس سے مادر علمی دارالعلوم کا علمی و عالمی وقار بھی مجروح نہ ہو۔ واللہ الموفق والمیسر لكل عسیر۔

دورۂ حدیث کا سال ہمارے مدارس عربیہ میں عوم و فنون کی تکمیل کا آخری سال ہوتا ہے اس لیے حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں تمام علوم و فنون کے مشکل و اہم مباحث پر بھی فیصلہ کن تبصرے ہوتے تھے اور فن حدیث میں خصوصیت سے رجال، طرق و متون حدیث مذاہب ائمہ و دیگر محدثین وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث ہوتی تھی اور حضرت شاہ صاحب نہایت احتیاط و انضباط کے ساتھ دوسروں کے اقوال اور کتابوں کے حوالے ذکر فرماتے تھے۔ اس ہمارے درس کی یہ بھی بڑی خامی ہے کہ اساتذہ بغیر پوری مراجعت و انضباط کے اور اپنی اہم ترین ذمہ داریوں کا لحاظ کئے بغیر دوسروں کی چیزیں نقل کرتے ہیں خصوصیت سے رجال اور طرق اسانید وغیرہ پر توان کی نظر بہت ہی محدود بلکہ ناقص ہے جب کہ فن حدیث میں ان امور کی اہمیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی افسوس ہے کہ اس دور کے بعض اساتذہ حدیث تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ رجال پر بحث کی ضرورت نہیں اس سے تو پہلے لوگ فارغ ہو چکے ہیں۔ حالانکہ فن رجال کی ضرورت اور ان پر بحث و فحس کی اہمیت قیامت تک باقی رہے گی بلکہ یہ وقت علماء احناف کے لیے اس علم میں پوری سعی و محنت و مطالعہ سے مہارت حاصل کرنے کا ہے عمدۃ القاری اور شروح طحاوی میں حافظہ قوتی نے جس قدر رجال پر کلام کیا ہے اس کا مطالعہ نہایت ضروری و مفید ہے علامہ قاسم بن قطلوبغا کی تاج التراجم بھی چھپ گئی ہے اسی طرح تذکرۃ الحفاظ و ذیل تذکرۃ الحفاظ مع تالیقات الکوثری وغیرہ کے مطالعہ سے کوئی استاذ حدیث مستغنی نہیں ہو سکتا واللہ الموفق۔

”مؤلف“

ضروری نوٹ:

یہ جلد کئی بار طبع ہوئی ہے اور سوء اتفاق سے ہر طبع میں اغلاط کا اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس بار زیادہ وقت صرف کر کے عمدہ تصحیح کر دی گئی ہے اس لیے سابقہ طبعات والے نسخے بھی صحیح کر لیے جائیں۔ (مؤلف)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده

کتاب الوحی

باب :- کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عز وجل "انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعده"

ترجمہ :- نبی الانبیاء والامم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الہی کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ اور حق تعالیٰ جل ذکرہ کا ارشاد ہے کہ "ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد والے انبیاء پر بھیجی تھی۔"

تشریح :- حضرت شیخ الطہیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے لکھا کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ کا حکم اور پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور انبیاء سابقین پر جیسے وحی نازل ہوئی تھی ویسے ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہیے اور جس نے اس کا انکار کیا گویا وہ ان سب کا منکر ہو گیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پہلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شائد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہو گئی، گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی۔ حضرت نوح کے زمانے میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ چنانچہ انبیاء اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الہی سے سر تابی کرنے والوں پر اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کی وقت سے شروع ہوا خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو معذور سمجھ کر ڈھیل دی جاتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا۔ تو اب نافرمانیوں پر عذاب نازل ہوا اول حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا اس کے بعد حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام کے زمانے میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پہلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دے کر اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ پر نازل شدہ وحی کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔

اس آیت مبارکہ کے بعد صراحتاً مستقیماً تک غور سے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وحی کی عظمت و شان کس کس طرح سے بیان کی گئی ہے شاید کسی دوسرے موقع پر اتنی تاکیدات نہ ملیں۔ اس سے امام بخاریؒ کے فہم و تتبع کی شان معلوم ہوتی ہے اس کے بعد چند روایات و آیات ذکر کیں جن سے ظاہر ہوا کہ خدا کے نبی کی نیت اعلیٰ اور خالص نسبت نہایت ہی عالی اور اخلاق و اعمال کامل ہوتے ہیں وہ نقص عہد جھوٹ اور دوسری اخلاقی کمزوریوں و برائیوں سے مبرا ہوتے ہیں حتیٰ کہ خالقین بھی ان کے صدق و یقین، عمدگی اخلاق و افعال کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں خدا کے نبی میں اعلیٰ نکات علم و عمل و دینیت ہوتے ہیں پھر ان باطنی کمالات کو عبادات، ریاضات، خلوت و کثرت عبادات سے جلادی جاتی ہے تاکہ ان کے پیرو بھی ظاہر و باطن کو اسی طرح مزین کریں۔

وحی اور اس کی عظمت

ہم یہاں حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الہندی تحقیق درج کرتے ہیں۔

وحی لغت عرب میں اشارہ 'کتابت' مکتوب 'رسالت' الہام القاء کو کہتے ہیں اور اصطلاح و عرف میں اس کلام و پیام کا نام ہے جو حضرت رب العزت کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا واسطہ بلا سطر کے تفاوت اور وسائل کے اختلاف سے اس کے اقسام متعدد ہیں مگر کلام الہی ہونے میں سب شریک ہیں۔ نزدیک کلام بلا واسطہ سنو یا بوسطہ ہیولوگراف یا کتابت یا پیغام زبانی ہر حال میں اس کو کلام زید کہنا درست ہوگا۔ اصل کلام مضمون و معنی ہیں الفاظ و حروف اس کے لیے عنوان ہیں لہذا قرآن مجید احادیث قدسیہ و دیگر احادیث و اقوال نبویہ سب کلام الہی اور وحی من اللہ ہیں عوارض خاصہ اور بعض احکام میں تو ان کا باہم امتیاز ہوا اور ضرور ہونا چاہیے مگر کلام الہی ہونے میں کوئی تفاوت نہیں چنانچہ جملہ کابر کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ احادیث رسول علیہ السلام حتیٰ کہ ان کا خواب بھی وحی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت رب العزت جل ذکرہ سے ہم تک اس کا کلام پہنچنے میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانے والا فرشتہ دوسرے جس پر وحی لے کر آیا یعنی نبی در رسول اور دونوں کی صداقت و عصمت و اتفاق اہل عقل و نقل ثابت ہے کون نہیں جانتا کہ ملائکہ الرحمان اور انبیاء اکرام قرین باگاہ الہی ہیں؟ وحی الہی چونکہ نہایت عظیم المرتبت چیز ہے اور اس کے نزول کی بھی خاص شان ہوتی ہے اس لیے جو وحی حضرت رسول اکرم نبی الانبیاء والامم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ چونکہ آپ کے خصوصی فضل و امتیاز اور علو مرتبت و قرب الہی کے باعث سب سے اعلیٰ درجہ کی وحی ہے امام بخاری نے اس کے خاص حالات و کیفیات کو بیان کرنے کے لیے سب سے پہلے اسی کا باب قائم کیا جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جملہ اصول و فروع حتیٰ کہ ایمان و علم کا مخد و منشاء بھی وحی الہی ہے اور تمام فروع و اصول وہی مستبر ہو سکتے ہیں جن کا مخد وحی ہو۔ اور اس کتاب میں بھی جو کچھ مذکور ہوگا اصول ہوں یا فروع عبادات ہوں یا معاملات وغیرہ سب کا مخد وحی ہوگی۔

غرض دو باتوں کا خیال یہاں ضروری ہے اول یہ کہ لفظ وحی میں جملہ اقسام وحی و وحی مملو قرآن مجید اور غیر مملو (حدیث وغیرہ) داخل ہیں دوسرے یہ کہ ابتداء وحی سے کوئی خاص ابتداء مقصود نہیں بلکہ عام ہے خواہ بلاخا زمانہ ہو یا بلاخا مکان یا باعتبار احوال ہو یا بلاخا اوصاف اسی لیے امام بخاری آیت مذکورہ لائے جس سے معلوم ہوا کہ مبداء وحی (جہاں سے یہ کلام صادر ہوئے) کو حق تعالیٰ جل ذکرہ کی برتر ذات ہے اور جن پر ہر زمانے میں اور مختلف حصص عالم میں اس کی وحی آتی رہی وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس و مطہر ذات ہیں۔ اسی طرح وحی الہی کا سب سے اعلیٰ اور تمام سابقہ حیوں کا خلاصہ و مجموعہ خاتم النبین سرور انبیاء و مرسلین سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات پر نازل ہوا اور چونکہ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا تھا اس لیے اس کی ظاہری حفاظت کا وعدہ بھی حق تعالیٰ جل ذکرہ نے فرمایا اور اس کے اولین وارث (یعنی حاکمین علوم نبوت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوئے جو علوم شرعیہ میں کامل اور حق پرستی میں طاق تھے ان ہی کے ذریعے سے وحی مملو (قرآن مجید) ساری امت کو پہنچا اور ان ہی سے وحی غیر مملو یعنی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہوئی چنانچہ موجودہ ذخیرہ حدیث میں دس ہزار صحابہ سے پہنچا ہے پھر اس کی صحیح و راویات تابعین تابعین وغیرہم تک ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی اور قیامت تک حسب ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاہرین لا یضر ہم من خالفہم حتی یاتی امر اللہ (میری امت میں قیامت تک ہمیشہ ایک جماعت حق پر رہے گی جو دوسروں پر غائب رہے گی اور مخالفین کی مخالفت اس کو کچھ ضرر و نقصان نہ پہنچا سکے گی۔)

نیز حسب ارشاد ولن تجمع امتی علی الضلالۃ (میری امت گمراہی پر گرجے نہ ہوگی) علوم نبوت کی حفاظت کا وعدہ ہو چکا حق تعالیٰ کے اس عظیم فضل و انعام پر امت محمدیہ ہرگز شکر و سپاس بھی بجالا نہ سکے۔

یہ جماعت جس کے ہمیشہ حق پر رہنے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہی ہے جس نے وحی الہی کو اپنا ہادی و یاسر اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا مقتدا و پیشوا بنایا، یہی جماعت اہل حق و اہل سنت کہلانے کی مستحق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما افنا علیہ و اصحابہ (جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ) کا مصداق ہے۔

اس کے برخلاف جن لوگوں نے بوجہ نقصان فہم یا بوجہ غرض و ہوا یا بسبب کج فطرتی و کج حجتی اپنی رائے و توہمات کو امام بنایا اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کی یا خالص مذہبی و دینی مسائل میں سلف کی آراء کو بہتم کیا انہم دین کو ہدف لعن و طعن کیا وہ سب طریق حق سے دور ہو گئے اور اختلاف مذہب کے مرکب ہوئے جماعت اہل حق کا فرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے صراطِ مستقیم اور حضرات صحابہ و تابعین انہم مجتہدین و علمائے راہنما اور جملہ صلحائے امت و صدیقین کے طریقِ توہم سے سر مو انحراف کو جائز نہ سمجھے۔ واللہ الموفق و المیسر لما یحب و یرضی۔

نوٹ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ الی وائی) کے ارشاد ما افنا علیہ و اصحابہ میں مسلک حق کی جو شفا نہائی کی گئی ہے اس کی مکمل علی و عملی تفسیر سب سے پہلے حضرت امام اعظم اور آپ کے اصحاب شرکاء مدین فدا اسلامی نے دنیا کے سامنے پیش کی جس کا اعتراف ابن ندیم نے اس طرح کیا علوم نبوت کا شریق و غرب اور بروجر میں پھیلاؤ امام اعظم رحمہ اللہ کی تدوین شریعت کے ذریعہ ہوا۔ اور غلامہ تحقیق شعرائے شافعی میزان میں یوں لکھا ہوا ہے۔

”پہلے گزر چکا کہ جب حق تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرما کر شریعت اسلامیہ کے سرچشمہ سے واقف کیا تو میں نے دیکھا کہ تمام مذاہب فقہیہ اس شریعتِ حقہ سے مرتب ہیں، پھر یہ بھی دیکھا کہ انہما بعد کے تمام مذاہب کی نہریں جاری ہیں اور باقی مذاہب جو مت گئے ہیں۔ وہ پتھریاں بن گئی ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ سب سے پہلے میرا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی ہے اس کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کی اس کے بعد امام شافعیؒ کی اس کے بعد امام احمدیؒ کی اور ان سب سے چھوٹی امام داؤد کی جو کہ پانچویں قرن میں ختم ہوئی اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ نبیوں کی بڑائی چھوٹائی سے ان مذاہب کے رواج کی مدت مراد ہے اور چونکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب سب سے پہلے مدون ہو کر رائج ہوا تو وہی سب سے آخر میں ختم ہوگا اور یہی اہل کشف کی بھی رائے ہے۔“

1- حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحییٰ بن سعید الانصاری قال أخبرنی محمد بن ابراہیم

التیمی انہ سمع علقمہ بن و قاص الذببی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر یقول

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لامری ما نوى فمن كانت

ہجرته الی دنیا یصیبہا اوامرة ینزع وجہا لہجرته الی ما ہاجر الہیہ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بلاشبہ تمام اعمال کا تعلق دل کے ارادوں سے ہے اور ہر کسی کو اس کی نیت کے مطابق ہی ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔ جس کسی کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی غرض کے لیے شمار ہوگی۔

تشریح: اعمال ظاہری کی اچھائی برائی کا مدار دل کے اچھے برے ارادوں پر ہے حتیٰ کہ ہجرت جیسے بڑی سعادت و عبادت بھی بری نیت کے سبب اکارت ہو جاتی ہے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو اس حدیث سے شروع کیا تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ ہر عمل خیر

۱۔ علامہ محدث حمیدی کا مفضل تذکرہ مقدما انوار الہادی صفحہ ۱۳۵/۱۳۶ میں ہو چکا ہے۔ ۲۔ یہ محدث جلیل سفیان بن حذیفہ لکھنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ (دیکھو مقدمہ صفحہ ۱۳۵/۱۳۶)

۳۔ بہت بڑے محدث و فقیہ تابعی ہیں آپ بشیر الدین ترمذی و حجت تھے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مالک امام اوزاعیؒ وغیرہ کا محدثین نے آپ سے روایت کی ہے (جامع السنیہ مقدمہ ۲)

۴۔ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں آپ سے بھی امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے شیوخ نے حدیث کی روایت کی ہے (جامع السنیہ صفحہ ۱۳۵/۱۳۶)

سے پہلے دل کے ارادے کو صحیح کرنے کا اہتمام کیا جائے نیت صحیح ہو اور اچھی ہو اور ہر بھلائی و نیکی صرف خدا کی خوشنودی کے لیے ہو اگر ایمان اسلام تحصیل علم تمام اعمال صالحہ طاعات عبادات جہاد صرف مال زکوٰۃ و صدقات حج بیت اللہ و ہجرت وغیرہ بھی اخلاص و لہبیت اور اچھی نیت سے نہ ہوں بلکہ کسی غرض دنیوی یا ریاضہ و نمود کے لیے ہوں تو ان کی کوئی قدر و قیمت خدا کے یہاں نہیں اور لہبیت و اخلاص کے ساتھ ہر چھوٹی و بڑی نیکی حتیٰ کہ زبان سے کوئی کلمہ تحریر نہ کیا ہو یا راستوں سے کوئی معمولی تکلیف کی چیز ہٹا دینا بھی موجب اجر و ثواب ہے۔

بحث و نظر: امام بخاری نے سب سے پہلی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جو احادیث صحیح مجردہ کی حج و تہ وین کا سب سے پہلا اقدام تھا (کیونکہ اس سے پہلے جو ایک سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے مدون ہوئے تھے۔ ان میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین بھی تھے۔)

اس سے یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمع و روایت احادیث کے خلاف ہرگز نہ تھے اپنے دور خلافت میں آپ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ بھی کیا تھا جس میں تمام صحابہ کی رائے یا قاعدہ کتابت جمع احادیث کی تھی مگر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ہم کو صرف اس احتیاط کے پیش نظر ملتوی کر دیا تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ احادیث کا اختلاط نہ ہو جائے۔ باقی زبانی روایت احادیث کا سلسلہ دستور آپ کے عہد میں بھی جاری رہا مگر اس میں آپ غایت احتیاط کو پسند کرتے تھے اسی لیے خود بہت کم روایت کی ہے اور دوسروں پر بھی سختی کرتے تھے حتیٰ کہ بعض مواقع پر مزید اطمینان کے لیے روایت کرنے والوں سے گواہ بھی طلب کر لیتے تھے۔

سب سے پہلے امام بخاری نے اس حدیث کو اس لیے درج فرمایا کہ ہر عمل خیر کے لیے تحقیق و تمحیص نیت کے لیے تہذیب ہو اسی طرح دوسرے اکابر محدثین و مؤلفین نے بھی اسی حدیث سے ابتداء کرنے کو پسند فرمایا ہے۔ محدث عبدالرحمان ابن مہدی نے فرمایا کہ اگر میں کوئی

لے یہ امام مالک شعبہ سفیان بن عیینہ سفیان ثوری وغیرہ کے تلمیذ حدیث اور امام اسحاق و اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں امام اعظم کے مداحین میں سے ہیں امام صاحب کو قاضی قضاۃ الاعضاء کا لقب ہوا تھا بلکہ بعض و سطوں سے ان کے تلامذہ میں بھی داخل ہیں مگر آپ کا سیلان بعض مذاہب الجہد سے اور رائے اہل مدینہ کی طرف تھا جبکہ آپ کے معاصر محدث کبیر سیرید الخفافہ و سکن قادیان رحال بنی بن سعید القطان کا سیلان رائے اہل کوئی کی طرف تھا (لاحظہ ہو تہذیب صفحہ ۲۵۹) راقم الحروف کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ امام بخاری نے جو بہت سے مسائل میں فقہی کی شدت سے مخالفت کی ہے وہ شیخ عبدالرحمن ابن مہدی نصر بن شمس اور اتقی بن راہوی وغیرہ کا اثر ہے نصر بن شمس اہل مسائل فقہی میں مامون الرشید سے بحث کیا کرتے تھے اور مامون جو خود بڑا محدث و فقیہ تھا ان کو جواب کر دیا کرتا تھا نیزہ و اتقی بن راہوی یہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کتب فقہی کو رد یا میں بھادیا تھا جس پر خلیفہ مامون نے ان سب کو کلا کر تنہا قتل کیا (لاحظہ ہو مقدمہ انوار لبی صفحہ ۹۱) اس طرح امام بخاری نے جو اثرات امام اعظم رحمہ اللہ کے بارے میں ہیں وہ ان کے شیوخ حیدری و نعم غزالی اسماعیل بن عمرہ وغیرہ کے باعث ہیں واللہ اعلم شیخ عبدالرحمن ابن مہدی اپنے زمانے کے عظیم القدر محدث و فقیہ تھے (۱۹۸ھ میں ان کی وفات ہوئی رحمہ اللہ رحمۃ اللہ)

اوپر کے حوالے میں حافظ ابن جریر نے اعتراض کیا کہ امام بنی القطان فقہاء کوئی کی طرف مائل تھے امام موصوف کے حالات مقدمہ انوار الباری صفحہ ۱۲۰/۱ میں ذکر ہو چکے ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ حدیث و فقہ اور شریعت مجلس تدوین فقہ تھے عقلی نے آپ کو اپنے زمانے کا امام بلا مبالغہ ثابت کیا اور فرمایا کہ آپ کے ساتھ سارے ائمہ جہت بکڑے تھے اور مکمل اتحاد کی وجہ سے کہتے تھے کہ جس کو بنی بن القطان نے چھوڑ دیا ہم بھی اس کو چھوڑ دیں گے۔ ابن حبان کا قول ہے کہ آپ سے امام احمد بن حنبل بنی بن مہین بن علی اور جہاد سے امام احمد سے علم حاصل کیا ابن مہین نے آپ کو ہم و حفظ وغیرہ کے اعتبار سے سادات اہل زمانہ سے کہا اور یہ کہ آپ ہی نے اہل عراق کے لیے رسم حدیث کے راستے ہموار کئے ثقافت کی تلاش اور ترک ضعفاء کا بڑا اہتمام کیا اعلیٰ نے فقہی اللہ حدیث حافظ ابو زرعہ نے ثقافت حفاظ میں شمار کیا کہ فقہ ابو حاتم نے حافظ جہت کہا امام نسائی نے فقہ شریعتی کہا امام بنی بن مہین نے آپ کو عبدالرحمن بن مہدی سے اوپر کا درجہ دیا کہ فقہ ابن خریزمی نے بغداد سے امام اہل زمانہ کا تعلق کیا صاحب بن احمد نے اپنے والد سے نقل کیا کہ بنی القطان عبدالرحمن بن مہدی اور کعب وغیرہ سب سے زیادہ واجب تھے بنی بن المدینی و شیخ امام بخاری کا قول ہے کہ میں نے بنی القطان سے زیادہ واجب کسی کو نہیں دیکھا عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد کو کنا کردہ سبھی القطان سے احادیث روایت کرتے تھے پھر فرماتے کہ میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا میں نے کہا کہ ہم بھی نہیں؟ فرمایا کہ ہم شیخ وقت ہیں میں نے کہا کہ (بقیہ شہدائے گلے صفحہ ۶)

شان و رود کا بھی اگر اہتمام ہوتا تو نہایت مفید ہوتا اور کوئی مستقل کتاب اس موضوع پر لکھ دی جائے تو بڑا نفع ہو علامہ ابن دقیق العید کا قول ہے کہ سوا ابوحنفہ عکبری کے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

امام بخاریؒ کی حدیث مذکور "الاعمال بالنیات" کو اپنی صحیح میں سات جگہ لائے ہیں پہلی تو یہی ہے دوسری صفحہ ۱۳ میں "باب ماجاء ان الاعمال بالنية والحسنة ولكل امری ما نوى" کے الفاظ سے لائے ہیں پھر فرمایا کہ اس میں ایمان و وضو نماز زکوٰۃ حج روزہ وغیرہ سب داخل ہو گئے مطلب یہ کہ اعمال خیر کا اجر و ثواب جب ہی حاصل ہوگا کہ ارادہ طلب ثواب کا ہو اگر نیت فاسد ہے یا طلب ثواب کا ارادہ نہیں تو وہ عمل ثواب سے خالی ہوگا۔

تیسری کتاب احق میں لائے چوتھی باب الحجر میں یا نجیس نکاح میں چھٹی تذکر کے بیان میں ساتویں کتاب الحیل میں کسی جگہ ان کا مقصد صحت اعمال کا مدانیت پر بتلانا ہے اور کہیں ثواب اعمال کو نیت پر موقوف بتلانا ہے جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک حدیث کا مفہوم عام ہے جو دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث مذکور سے صرف صحت اعمال کی تخصیص جیسا کہ شوافع کرتے ہیں درست نہیں جس طرح ثواب اعمال کی تخصیص مناسب نہیں جو بعض فقہاء احناف نے کی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان ہر دو شخصیات سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا مفصل تذکرہ فرمایا کہ فقہاء حنفیہ کو سب سے زیادہ وضو کے بارے میں مطعون کیا گیا ہے حالانکہ ان کی فقہی پوزیشن اس مسئلہ میں بھی بہت قوی ہے جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث مذکور عبادات میں وارد ہوئی ہے نہ کہ قربات و طاعات میں اور اس امر کو حنفیہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ وضو بغیر نیت کے عبادات کے درجہ میں نہیں آئے گی نہ اس پر ثواب عبادات کا ملے گا لیکن یہ کہ وہ مقابہ صلوٰۃ بھی نہ بن سکے گی اس سے حدیث مذکور بالکل سارکت ہے (چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی جہاں مفصل ادا کام وضو نماز وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں حدیث سے مراد ثواب اعمال ہی لیا ہے صحت اعمال نہیں۔

شیخ زکریا انصاریؒ نے تفصیل سے بتلایا ہے کہ عبادات میں نیت کے ساتھ اس ذات کی معرفت حاصل ہونا بھی ضروری ہے جس کا تقرب اس عبادت سے مقصود ہے قربت میں نیت ضروری نہیں صرف معرفت مذکور ضروری ہے جیسے تلاوت قرآن مجید اطاعت میں کوئی شرط نہیں (صرف اس کا عمل خیر ہونا کافی ہے) جیسے ان امور کا غور و فکر اور مطالعہ جن سے اسلام قبول کرنے کی رہنمائی حاصل ہو۔

۲۔ تمام مسائل دین پر ایک اجمالی نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کی ترکیب پانچ چیزوں سے ہے عبادات، عقوبات، معاملات، اعتقادات، اخلاق فقہی کتابوں میں صرف پہلی تین چیزوں کا ذکر ہوا ہے عبادات مقصودہ میں بالاطفاق سب کے نزدیک نیت شرط صحت ہے معاملات کا اطلاق پانچ چیزوں پر ہوتا ہے مناکات، معاوضات، مالیہ، خصومات، ترکات، امانات، ان سب میں کسی کی یہاں بھی نیت شرط نہیں ہے عقوبات کی بھی پانچ اقسام ہیں حدود، حد قذف، حد زنا، حد رقتہ اور قصاص ان میں بھی کسی نے نیت کو شرط قرار نہیں دیا۔ (حد شرب فرماؤ گا تو اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اس کا اجرا ذمیوں پر نہیں ہوتا)۔

پس اگر وسائل کے بارے میں حنفیہ پر طعن کیا جاتا ہے کہ حدیث مذکور کے خلاف کرتے ہیں تو معاملات و عقوبات میں تو دوسرے بھی مخالفت حدیث کے مرتکب ٹھہریں گے اس کا ان کے پاس کیا جواب ہے؟

۳۔ بہت سے وسائل میں حنفیہ کے یہاں بھی نیت شرط صحت ہے جیسے ختم، غیضہ سے وضو وغیرہ حالانکہ مشہور و معروف محدث فقیر شام حضرت امام اوزاعیؒ (امام اوزاعی کا تذکرہ مقدمہ انوار الباری حصہ اول کے صفحہ پر ہو چکا ہے)

اور حافظ حدیث حسن بن صالح بن حاتم میں بھی نیت کو شرط صحت نہیں مانتے تھے (یعنی) اس طرح ہر دونوں ائمہ حدیث ہمارے امام اعظمؒ سے بھی نیت کو شرط صحت نہ ماننے میں آگے بڑھے ہوئے ہیں پھر صرف فقہاء احناف کو مطلقوں کو ناکیا انصاف ہے؟

وضو اور نیت میں وجہ فرق ہمارے یہاں یہ ہے کہ پانی میں باطنیہ والذات پاک کرنے کا وصف موجود ہے کیونکہ قرآن مجید میں تصریح ہے والذین امن السماء ماء طهوراً ہم نے پانی کو پاک کرنے والا اتارا ہے لہذا نیت کی ضرورت نہیں لیکن مٹی اور زمین میں یہ وصف ذاتی نہیں ہے حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کے خصوصاً اکرام اور دفع حرج کے لئے پانی نہ ملنے کے وقت اس کو پاک کرنے کا وصف عطا فرمایا ہے اس لئے اس میں نیت کی ضرورت ہوگی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے شائع نے جمع بین اصلو تین میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کی نیت کو ضروری قرار دیا ہے۔

وضو ہائیند میں نیت حنیفہ کے نزدیک اس لئے ضروری ہے کہ وہ ماء مطلق و مقید کے بین میں ایک صورت ہے اگرچہ ظاہر و بطور ہے جس طرح حقیقت قاصرہ کو حقیقت مطلقہ و نیاز کے درمیان ایک وجہ دیا گیا ہے اور اس کو محاذ سے اوپر اور حقیقت مطلقہ سے نیچے مانا گیا ہے حاصل یہ کہ ہمارے یہاں وسائل میں بھی نیت کی شرط موجود ہے لہذا جن لوگوں نے مٹی اختلاف وسائل و مقادیر کو سمجھا ہے انہوں نے نقل مغایب میں غلطی کی ہے۔

۴۔ اگر زیادہ وقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ماء مطلق سے وضو میں بھی حنیفہ کے یہاں نیت کا لحاظ موجود ہے کیونکہ نیت سے مراد اگر زبان سے نیت کرتا ہے تو وہ کسی کے یہاں بھی لازمی و ضروری نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ اور بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے کا ثبوت نہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور نہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اور اگر اس سے مراد وہ دل کا ارادہ ہے جو بفضل اختیاری سے پہلے ہوا ہی کرتا ہے تو اس میں ہم اور دوسرے مخالفت کرنے والے برابر ہیں یعنی ہم بھی اس سے منکر نہیں ہیں ظاہر ہے کہ نماز سے پہلے نیت کرنے کا مطلب یہی ہے کہ نماز پڑھنے والے کے دل میں اس امر کا شعور ہو کہ میں کون سی نماز پڑھ رہا ہوں تو کیا کوئی حقیقی المسک ایسا ہوگا جس کو وضو کرتے وقت اس امر کا شعور نہ ہو کہ میں نماز کے لئے فرض طہارت ادا کر رہا ہوں غرض نیت صرف ایک امر قلمی ہے جو تمام اختیاری افعال میں ہوا کرتی ہے۔

۵۔ مشہور حدیث حدیث فقیر عابد زاد تہذیب۔ حافظ ابو زرعہ حافظ ابو حاتم امام نسائی وغیرہ نے فقہ کہا سید الخطاط امام بخاری القلان نے فرمایا کہ سفیان ثوری ان کے بارے میں ابھی رائے نہیں رکھتے تھے ایسی طرح دوسرے کچھ حضرات نے بھی ان پر نقد کیا ہے مثلاً کہا کہ وہ امت میں سکوا چلانے کو پسند کرتے تھے۔ (یہ بھیجہ وہی، اعتراض بنی ہوا ہم بخاری نے اپنے رسالہ قرآنہ خلف الامام میں امام اعظمؒ پر کیا ہے۔) (دیکھو صفحہ ۱۰) حافظ ابن حجرؒ نے یہاں اس اعتراض کو دفع کیا اور کہا کہ بیہک حافظ حسن بن علی اندجور کے خلاف خروج ہالیف کو جائز سمجھتے تھے اور یہی سلف کا قدیم مسلک بھی تھا۔ لیکن جب سیاسی حالات کی نزاکت حد سے بڑھ گئی تو اس رائے کو ترک کرنا پڑا لہذا اس بھی رائے کی وجہ سے کسی ایسے شخص پر جرح کرنا صحیح نہیں جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اور وہ حافظ القلان اور در عام میں مشہور ہو چکا ہو پھر یہ بھی ہے کہ باوجود باطنی اس رائے کے بھی حسن بن علی نے کسی حکومت کے خلاف خروج کا عملی مظاہرہ نہیں کیا یا نہیں یا اعتراض کیا کہ وہ جسکی نماز نہیں پڑھتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی رائے میں فاسق کے پیچھے نماز درست نہیں جس کے بعد حافظ نے کہا کہ حسن بن علی کی طرف سے یہ عذر قبیح ہو سکتا ہے اور اگر موصاب اس کے خلاف بھی ہو تو بہر حال وہ امام مجتہد تھے۔" (تہذیب صفحہ ۲۸۸)

آپ نے دیکھ کہ حافظ نے حسن بن علی کی طرف سے خروج ہالیف اور ترک نماز جمعہ کے اعتراض کو کس خوبی سے دفع کیا۔ مگر یہی اعتراض دی السیف علی الامۃ کا امام بخاری نے امام اعظمؒ پر کیا تو حافظ نے ان کی طرف سے اس کا دفاع نہیں کیا حالانکہ امام صاحب کی پوزیشن حسن بن علی سے زیادہ صاف تھی لیکن حسن موصوف امام صاحب کے مخالفوں میں تھے ان کی ہر طرح نصرت و حمایت اور وثیق و تقویت ضروری تھی لہذا امام صاحب اور ان احسان حنفی کی طرف سے دل صاف نہیں تھا اس لئے وہاں زبان و قلم میں بھی رکاوٹ ہو جاتی ہے۔ واللہ المستعان۔

حافظ کی مذکورہ بالا عمارت میں کئی باتیں بڑے کام کی ہیں امید ہے کہ ناظرین ان کو یاد رکھیں گے ایک ضروری امر یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حسن بن علی موصوف کو اکابر محدثین نے متعلق بھی کہا ہے جس کی کوئی مدافعت حافظ نے نہیں کی اور آخر میں حافظ نے ذکر بیان بخاری السامی کے حوالے سے محدث کبیر شیخ عبد اللہ بن داود الخولسی (مفتی) کے بارے میں بھی خلاف شان بات نقل کر دی حالانکہ سامی روایت میں غیر معتبر اور ان تصحیحین تھے۔ (لاحظہ ہوتا نیب المخطیب صفحہ ۱۸)

حسن بن علی کی ولادت ۱۰۰ھ میں اور وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی (رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ)

اگر نیت میں اس سے زیادہ کسی چیز کو مانا جائے تو اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے اس کے بعد اختلافی صورت صرف ایک فرضی شکل بطور فرض منطقی رہ جاتی ہے کہ ایک شخص اتفاقی طور پر بارش میں بھیگ جائے جس سے اعضاء وضو بھی دھل جائیں اس صورت میں بظاہر اس کے دل کا ارادہ بھی وضو کا نہیں ہے آیا ایسی صورت میں وہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ایسی اتفاقی تاثر صورت کو حدیث کے عام و وسیع اور واضح و بدیہی مطلب کے تحت داخل نہ کیا جائے بلکہ ایک نظری و اجتہادی مسئلہ سمجھا جائے اور اس کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے فیصلے کو "مخالفت حدیث" سے معطون نہ کیا جائے۔

۱۔ یہاں ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ سب کو شیعہ ہے کہ قرآن وحدیث کی مراد سمجھنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی فقہی واجتہادی صلاحیت کی ضرورت تھی جو خدا کے فضل و کرم سے ہمارے امام اعظم اور دوسرے آپ کے علاوہ مستفیدین میں میں بدیہی اتم موجود کسی ان کا زمانہ بھی غیر القرون کا تھا ان کے زمانے میں اکثر احادیث ثنائیات میں کمر صرف ایک صحابی اور ایک تابعی کے واسطے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تھیں اس لئے صحت وغیرہ کا امکان تقریباً نادر تھا اس مبارک دور میں امام الکرام امام عظیم اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں سیکڑوں کمرہ دین و فقہ کی موجودگی اور چالیس جلیل القدر ائمہ محدثین و فقہاء کی تقریباً تیس سال کی شانہ روز بحث و تحقیق کے بعد سزا دے ارادہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین عمل میں آئی جو فقہی طور سے بھی تمام اسلامی مذاہب تک میں رائج ہوئے اور سلطنت عباسیہ کے طویل وعرض میں حکومتی سطح پر بھی نافذ کئے گئے خلیفہ مامون نے جو اس دور کے ہند یا پیدہ محدثین امام مالک وغیرہ کا شاگرد تھا ایک موقع پر جب اس کے سامنے اسحاق بن راہویہ احمد بن زہیر تھیں جن میں اختلاف تھا تو انھوں نے خود فقہی کی طرف سے پوری مدافعت کی اور احادیث روایت کر کے ان لوگوں کو جواب دیا کہ انھوں نے بھی کہا تھا کہ اگر ہم دیکھتے تو خود بھی احادیث کے خلاف ہے تو ہم خود ہی اس کو اپنے فکر میں نافذ نہ کرتے۔

کہنا یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے جو حاصل کلیہ مستطاب ہوتے ہیں ان کی رعایت میں فقہ مرتب ہوئی ہے اور جیسا کہ حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ احکام تو ایسے ہوتے ہیں جو قرآن وحدیث کی عبارت ذلالت اشارات و اقتضائے سے بدیہی طور پر نکل آتے ہیں ان کا تعلق براہ راست علوم نبوت سے ہے دوسرے درجہ پر وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین کے خلیفہ اجتہاد سے ہے چنانچہ انہوں کی صحت و بطلان جواز و کراہت کا فیصلہ اجتہاد سے وابستہ ہے اور جہاں تک نبوت و رسالت کے فیصلوں کی حدود وسیع ہیں وہاں تک مجتہدین کو اپنی رائے و اجتہاد کو دخل دینے کا اصلاً کوئی حق نہیں اور نہ ان حضرات نے ایسی عقلی کار کاغذ کیا کہ اہل بیت مآثر اجتہاد مجتہدین کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کے خلاف اس قسم کے مخالفانہ حق بن راہویہ وغیرہ کی طرح بعد کے محدثین و فقہاء کو بھی پیش آئے اور آج تک بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

محدث شمس ابو بکر بن ابی شیبہ نے بھی اسی قسم کا اعتراض کیا تھا پھر امام بخاری نے بھی صحیح بخاری اور دوسری تالیفات میں اس غلط فہمی کے باعث حیران کنائی کی بھر ابن حزم آئے تو اور بھی زیادہ حد سے بڑھ گئے پھر طریقہ اہل حدیث وغیرہ مقلدین نے تو کوئی کسر ہی اٹھا کر نہ رکھی۔ ہمارے زمانہ میں ایک عالم حدیث مرعاۃ شرح مشکوٰۃ کا شریف لکھ رہے ہیں جس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں ان کا طریقہ نقد ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۲۰۴/۲ باب الوتر کی ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حنیفہ کے لئے بہت مشکل ہے کیونکہ وہ فرض و فصل کی ہر دو رکعت پر بیٹھنا اور تشہد پڑھنا واجب کہتے ہیں اور انہوں نے اس کے جوابات جن وجوہ سے دیئے ہیں وہ مردود باطل ہیں پھر پانچ وجوہ لکھ کر سب کو بزم خود باطل و مردود قرار دیا پھر لکھا کہ سب وجوہ "حدیث صحیح" کی تحریف اس کے مقصد کو باطل بنانے والی سنت ثابتہ کا رد استہزاء اور اس کو ترک کرنے کے حیلے خالے ہیں اس سے ان لوگوں کا شدت غضب اور غیر قیصر معمول میں غلو ظاہر ہے بلکہ ان کو سنت سے بغض و عناد معلوم ہوتا ہے ہم نے ان مشکوٰۃ خیر تو جہات کو صرف اس لئے عرض کر دیا ہے تاکہ عقل و بصیرت والے عبرت حاصل کریں۔"

یہ تمام اعتراضات اور خصوصیات سے محدثین و فقہاء احناف پرست سے بغض رکھنے کا گراں ترین التزام و افتراء آپ نے ایک ایسے عالم تحقیق کی زبان قلم سے سنا جن کے علم و فضل و عبادت و عجمیہ کے راقم الحروف کو بڑی اچھی تو قہات تھیں اسی لئے مقدمہ حدودم کے آخر میں ان کا تعاون بھی اچھے اسی الفاظ سے کرایا تھا جس پر بغض اہل علم نے جو ان سے زیادہ خبر ہیں۔ مجھے اس مدح سرائی پر شکوہ بھی لکھا تھا۔ "لو اصبحت من اموی ما استبدت"

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ لفظ مصوف نے شر مذکور ہی جنت سے ترتیب دی ہے جو ہر طریق قائل قدر ہے اور بیشتر جگہ احناف کا تذکرہ بھی و قیغ الفاظ میں کیا ہے جس کے شر گزار ہیں جس طرح ان کی بے جا بصیرت و حیران لسانی کا شکوہ بھی ضرور ہے۔

محدث مرد لفظ کے تحت لفظ پر تفصیلی بحث تو ہم اپنے موقع پر کریں گے یہاں مختصر طور پر اکتی گزارش ہے کہ نماز کی ہر دو رکعت پر بیٹھنا اور احنافیت پڑھنا اول تو یہ صرف حنیفہ کا مسلک نہیں ہے بلکہ متاثرہ بھی ان دونوں کو واجب کہتے ہیں ملاحظہ ہو (کتاب الفقہ علی انداز ابی یوسف ص ۱۶۹) بلکہ تشہد اولیٰ حنیفہ کے یہاں ایک روایت میں سنت بھی نقل ہوا ہے (الحکم ص ۱۰۰) شوافع فقہ اولیٰ تشہد اولیٰ کو سنت اور اخیر میں کو فرض کہتے ہیں۔

غرض اول تو جو تہجد اولیٰ لفظ نے حنیفہ پر کیا ہے وہ متاثرہ بھی عائد ہو جائے دوسرے یہ کہ حنیفہ فقہ اولیٰ و تشہد اولیٰ کو اس سے وابستہ ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

۵۔ اگر حدیث کو صرف عبادات کے ساتھ خاص سمجھا جائے جیسا کہ طر فین کے کلام و نزاع سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو صرف ثواب سے متعلق کریں، جیسا کہ ہمارے فقہاء حنفیہ نے کہا تو اس کو ہم مانتے ہیں کہ وضوء بغیر نیت کے عبادت کے درجہ میں نہ آئے گا مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایسا وضو بھی صحت نماز کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کا پاک کرنے کا وصف ظاہری و حسی طور سے موجود و ناقابل انکار ہے اور ایسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵) بوجہ دیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی عبادت نیت کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب تم در رکعت پر بیٹھو تو ایتھات پر سہو (یہ روایت نسائی میں اور مسند احمد میں بھی ہے جس کے تمام راہل سند ثقہ ہیں (دیکھو نسل الاوطار مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۵) اعلام و اسائن صفحہ ۱۱۸) نیز شیخ مسلم باب حدیث اصولوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مفصل حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں رکب کی پوری تفصیل بیان کی ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ حضور فرمایا کرتے تھے کہ در رکعت پر تہجد ہے (یعنی تہجد) ایک حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تہجد سکھایا اور بیان نماز کے بھی اور آخر میں بھی (صحیح ابوداؤد حنفی صفحہ ۱۳۲) بخشی نے وہاں یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام راہل سند ہیں بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ جب تم قیام سے کوئی تہجد پڑھو گے تو اس کے بعد دو رکعت پڑھو جنہ سے پناہ ملے گی (اصب الراہ صفحہ ۱۸۳) صحیح بخاری باب سنتہ ۱۱۲ میں ابی ہریرہ ساعدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صلوٰۃ کا پورا ذکر ہوا ہے جس میں در رکعت کا ذکر بھی ہے کہ اس حدیث کو اس نے مسلم کے اور بھی صحاح حائلوں نے روایت کیا ہے۔

غرض حنفیہ کے سامنے بیسیوں احادیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صلوٰۃ کی موجود ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے اور تابعین نے بھی فیصلہ کیا کہ ہر رکعت پر چلوں و تہجد ہونا چاہئے وہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو مسلم میں مروی ہے اور غلطی سے حافظ ابن جریر صاحب مشکوٰۃ نے اس کو بخاری کی طرف بھی منسوب کر دیا ہے حاکم انہوں نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا بلکہ بناءً علیہا تک کہا ہے کہ کلام بخاری چونکہ فعل کے قائل ہیں۔ اس لیے اس کو روایت نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی عادت ہے جس جانب کو اختیار کرتے ہیں صرف اسی کے موافق احادیث کی روایت کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث مسلم کو اس بناءً علیہا ابن عبد البر نے معلول قرار دیا ہے جس کی تفصیل رزقانی نے شرح المواہب میں ذکر کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث فصل اثبت در اکثر طرق سے مروی ہیں (فتح المکرم صفحہ ۲۱۶) نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رات کی نماز کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے تھے اور در رکعت پر سلام پھیرتے تھے پھر بیٹھ کر تہجد دو رکعت پڑھتے تھے اس کے بعد پھر در رکعت پڑھتے تھے (کنز العمال صفحہ ۸۹/۳) اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ جو آخری پانچ رکعت کا اہتمام کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان میں صرف آخر میں بیٹھتے تھے وہاں بھی مراد ہوگا کہ تہجد کے نو افول دور کے درمیان میں جس طرح چھ رکعت کرتے تھے وہ صورت و ترو کی نماز میں نہ ہوتی تھی (فتح المکرم صفحہ ۲۱۶/۲)

آپ نے دیکھا کہ حنفیہ کے جس مسلک پر مؤلف ہر عاۃ اتے مجلے سے دو پوری طرح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤید ہے اور انہوں نے خلاف سنت کوئی دوسرا طریقہ ہرگز اختیار نہیں کیا ہے ہر در رکعت پر بیٹھنا اور تہجد پڑھنا بہت ہی احادیث قطعیہ سے ثابت اور ائمہ اربعہ کے یہاں معمول بہا ہے شافعیہ کے یہاں چونکہ وجوب کا درجہ نہیں ہے اور صرف فرض و سنت دونوں درجات ہیں اس لیے انہوں نے ان دونوں کو درجہ سنت دیا لکھ کے یہاں بھی تقریباً یہی صورت ہے تابعین کا مذہب حنفیہ کے مطابق ہے اور تابعین کا عمل بالحدیث غیر مقلدین کے یہاں بھی مسلم ہے

فتح الباری فی ترتیب مسند الامام احمد کے محقق نے صفحہ ۸۰/۱ پر لکھا کہ مجبور حدیثین کے نزدیک ہر دو تہجد واجب ہیں اور امام احمد اہل کو واجب اور دوسرے کو فرض کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ و مالک رحمہما اللہ تعالیٰ اور مجبور تہجد دونوں کو سنت کہتے ہیں اب مجبور حدیثین کے بارے میں مؤلف سرعۃ کا فرمایا ہے کہ تہجد اول اور ثانی کو واجب کہنے والے تو راہلین سنت بلکہ بعضین سنت تھے شیخ احمد عبدالرحمان الہنکی تحقیق کے تو سارا اہل اہل اہل خیر سے اٹھا کہ مجبور حدیثین پر رکھ دیا۔

قال محمد بن کوری کے مطالعہ میں امام احمد یا تابعین و مجبور حدیثین کا مسلک پوری طرح نہیں آیا اور صرف حنفیہ سامنے آگئے جن پر تہجد کا ثواب حاصل کرنے میں جگت سے کام لینا پڑا اور مجبور حدیثین یا تابعین سے صرف نظری جرأت وہ بھی نہ کر سکتے تھے شیخ افسر مسئلہ میں حنفیہ پر نہ صرف اعتراض کرنا بلکہ ایک عالم کی شان سے انہر کثرت ترین الفاظ استعمال کرنا پھر جس حدیث مسلم کی توجہات پر انہوں نے حنفیہ کو تارک سنت میں دستور رسول سے بغض رکھنے والے کی کہہ دیا اس کو امام بخاری نے معلول سمجھ کر اور اس کی وجہ سے روایت نہ کیا بناءً علیہ ابن عبد البر نے اس کو معلول قرار دیا دوسری بہت ہی احادیث مجھو قیہ ہیں کہ ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تصویر پر اصرار کیا ہے اور صاحبین رضی اللہ عنہم کی روشنی میں بھی اس پر عمل و شواہد کیونکہ حضرت مسور بن عفرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابھی تک دفن نہیں دے دوں پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے ہم نے ان کے پیچھے صف باندھ لی انہوں نے تہ کی تین رکعت پڑھا میں اور صرف آخری رکعت پر سلام پھیرا اس کی سند صحیح ہے (معانی آلاام صفحہ ۱۷)

حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فقہاء کے فیصلہ سے مدینہ طیبہ میں نماز کی تین رکعت مقرر کر دی تھیں جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا تھا۔ (معانی آلاام صفحہ ۱۷) (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵)

وضوء پر اجرو ثواب بھی ملے گا جیسا کہ پہلے شیخ الاسلام زکریا انصاری کی تحقیق مگر دیکھیں کہ طاعات و قربات میں نیت ضروری نہیں حالانکہ اجرو ثواب ان پر بھی حاصل ہوتا ہے بلکہ ثواب کے اعتبار سے وہ بھی عبادات کہانے کی تحقیق ہیں اس کے بعد اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ صحت نماز کے لیے وضوء بدرجہ عبادت ہونا ضروری ہے تو اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مستدرک میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وتر ہے جس کو اہل مدینہ نے معمول بنایا جیسا کہ معصف ابن ابی شیبہ میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کی تین رکعات دو سلام سے مروی ہیں اس پر حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ان کے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ اہل علم تھے (اس سے زیادہ تحقیق المعروف الفہم ص ۲۱۴ میں ہے)

آپ نے دیکھا کہ وتر تین رکعات ایک سلام سے جو حنفیہ کا مسلک معمول ہے وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا اسی کو حضرت عمر بن مہاجر نے مدینہ طیبہ میں رائج کیا اور وہی حضرت ابن مسعود ابی بن کعب ابن عباس انس ابواء سادہ اور فقہا وسیعہ نیز حضرت مخیان ثوری اور دوسرے اہل کوفہ کا بھی مذہب ہے محدث طویل ابن ابی شیبہ نے تو حضرت حسنؒ سے یہ بھی نقل کیا کہ تمام مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وتر تین رکعات ایک سلام سے ہیں (اوجز المسلسلہ ص ۱۳۳/۱۳۴) پھر پانچ رکعت والی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ترک یا سنت سے بغض رکھنے کا اصرام کس کس کو دیا چاہے گا ۱۲ اور اسباب کا براستہ سے کسی غیر معصوم کی تقلید میں ایہ غلط راستہ اختیار کیا تھا ۱۹؟ تاہم حال ہے کہ ایک معمولی مسلمان کے متعلق بھی ایسے سخت الفاظ کہنے سے دل ڈرنا ہے مگر عباد اہل حدیث کی جرات و ہمت کی داد دیجئے کہ وہ اکابر ائمہ محدثین و فقہاء کے متعلق بھی بے تحاشہ زبان لیں وطن دراز دیکھتے ہیں بعض حضرات کا خیال ہے کہ جس طرح شیعی فرقہ کے لوگ یہ بد وغیرہ پر لعن و لعن کرنے کی مشق کرنے کے بعد سب صحابہ اور تبعہ تک ترقی کر گئے پھر اسی طرح غیر مقلدین کی خفی عصیت نے بھی ترقی کر کے ہمارے گٹے کئے ہیں۔

مؤنف مرعاۃ شرح مشکوٰۃ کی گراں قدر حدیثی خدمت کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں اس لیے ہماری دلی تمنا ہے کہ مطبوعہ دوم بخیر جلدوں میں جو اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ یا خلاف شان اہل علم تحقیق کا تیس درج ہوگی ہیں ان کے بارے میں وہ معذرت کریں اور آئندہ جلدوں میں وہ احتیاط کریں۔

واللہ الموفق۔ یہاں تکمیل قاعدہ کے لیے اتنا اور لکھنا مناسب ہے کہ عباد اہل حدیث جو اس قدر بڑھ چکے کہ انہیں متبیین اور ان کی نقد پر بے جا تنقید کی جسامت کرتے ہیں یہ ان کے لیے کسی طرح مفید نہیں بلکہ مضر ہوگی اس وقت اگر وہ حکومت سعودیہ پر نجد سے گھرہ میں اور دوسرے اسباب و وسائل سے غلط قاعدہ و افکار حد و سے تیار کر دیں گے تو اس کے نتائج بھیخبر نہیں ہو سکتے۔

جو حضرات ان سے پہلے محض تصعب سے جتنا لکھ گئے ہیں اس کی بھی اہل علم میں کوئی وقت نہیں ہے ان لوگوں کا تو علم و فہم حافظہ الدین ابن جریر عقداتی کے مقابے میں کچھ کم نہیں ہے انہوں نے بھی جہاں محض تصعب سے کام لیا وہ درجہ تحقیق سے کر کیا یا تو ان کے ہمارے حضرت شاہ صاحب نے درس بخاری شریف میں بحث وتر میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر فرمایا جس کو مسلم میں روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد کے بعد وتر تین رکعات پڑھیں اس حدیث کو حافظہ نے فتح الباری ص ۳۳۱/۳ میں ذکر کر کے لکھا کہ اس حدیث کی اسناد میں حصین بن عبد الرحمن ہیں اور ان میں گلام کیا گیا ہے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ حصین بخاری کے بھی رواۃ میں سے ہیں بخاری باب السواک یوم الجمعة میں ان سے روایت ذکر ہوئی ہے اور وہاں حافظ نے ان پر کچھ کلام نہیں کیا دوسرے یہ کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے حصین کے سوا اور بہت سے ہیں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے رسالہ وتر میں اس کے چھ متابع ذکر کئے ہیں اس لیے جو فہانہ جبر کا اس حدیث مسلم کو راوی مذکور کے باعث یہ سمجھ کر یا کھلا کر کہ وہ متقدم ہیں مگر جرح قرار دیا درست نہیں۔

اس کے بعد بطور مزاح کے یہ بھی فرمایا کہ حافظہ ابن جریر کا غلط ہے کہ وہ اور ان کے ہم مسلک جنت میں جائیں اور حنفیہ جہنم میں جائیں تو ایسا نہیں ہو سکتا البتہ وہ اور ہم ساتھ جہنم تو ٹھیک ہے غرض تصعب و تنگ نظری کی بات تو حافظہ جیسے طویل القدر محدث کی بھی نہیں چلی سکی مبارک پوری صاحب اور ان کے ہم مسلک علماء کی اہل کمال سکتی ہے ان سے براۓ چندے دنیا کی سر فروشی عزت و دولت ضرور مل سکتی ہیں جو آخرت کی ابدی عزت و دولت کے مقابلے میں پرکاش کے برابر بھی نہیں ہیں دوسرے یہ یا نہیں منصب خدمت علم حدیث کے بھی سرسبزانی ہیں اللہم اوزنا الحق حقا و اوزنا الباطل باعہ

یہاں یہ تمام تفصیل صرف اس لیے ذکر کی کہ وہ حال حدیث کے سطر تحقیق اور محدثین و فقہاء حنفیہ کے ساتھ ان کے متحابانہ و غیرہ منافقانہ برتاؤ سے ناظرین کرام متاثر ہیں۔ غرض غلطی کا ابتداء میں کچھ لوگوں نے رد کر دیا اجتہاد امام اعظم وغیرہ تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے خلاف سنت سمجھا کچھ حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ سنت پر تپاں کو ترجیح دی گئی ہے کچھ لوگ حدود و تنگ کا شکار ہو کر مخالفت کر گئے اس کے بعد کچھ لوگوں نے محض تصعب کا رنگ غالب آگیا جن کی باقیات و صالحات اب بھی موجود ہیں۔

عن المجدود حقہ الاحادیث اور مرعاۃ میں بہت سی جگہ بے جا تنقید و تنقید مغلطہ آمیزی اور نا انصافی سے کام لیا گیا ہے جن کی کثرت دعویٰ و جواب دہی انوارالباری میں اپنے مواقع میں ہوتی رہے گی۔

۶۔ اس امر پر بھی تنبیہ ضروری ہے کہ حصولِ ثواب کے لیے نیت مرتبہ علم میں ہمارے نزدیک کافی ہے جس میں ذہول وعدم شعور وقتی خارج نہیں اور عرفی نیت بھی اسی قدر ہے باقی منقذوں کا علم کا درجہ جس میں شعور و استحضار نیت بھی ہر وقت ضروری ہے حصولِ ثواب کے واسطے غیر ضروری ہے دوسرے لوگ غالباً نیت کو مرتبہ علم یا علم میں ضروری سمجھتے ہیں۔

مذکورہ بالا وجہ کا ذکر یہاں اس لیے کر دیا گیا ہے کہ اگر خفیہ کے مدارک اجتہاد و فہم معانی حدیث کا کچھ نمونہ سامنے آجائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے اجتہادی مسائل میں عقارات خفیہ پر علم کرنا موزوں نہیں۔

پس حدیث مذکور تمام اقسام و انواع اعمال کو شامل ہے اس میں نیت و عدم نیت سے تعرض نہیں ہے بلکہ اچھی نیت کے ساتھ اعمال حسنة کرنے والوں کی مدد اور بری نیت والوں کو تنبیہ مقصود ہے تاکہ وہ اپنے تمام نیک اعمال خالص لعل اللہ کریں۔ اور ان کو غلط و فاسد اراکوں سے محفوظ رکھیں۔

(بقیہ حاشیہ صفر سابقہ) یعنی بہت سے لوگ صحیح بات میں عیب ٹکانے والے ہیں جس کے حالانکہ سارا صاحبِ خود ان کی عقل و فہم کا ہے ہمارے حضرت شاہ صاحب نے اس زمرہ میں اصول کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ فی ثبوت کلیات و اصول مہم اور عمومی ہدایات میں جزئیات و فردی مسائل کا استنباط و استخراج و تفسیر مجتہد ہے اس لیے کسی کامل الاجتہاد و مجتہد مطلق کے متعلق ایسی بات کہنا کہ اس نے سنت صحیح یا بدی کا قائل یا اس کے صحیح یا جلیوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی رکھا بیوی ہے کل بات ہے جو اہل علم و اصحاب انصاف کی شان سے بہت بعید ہے درحقیقت تمام مجتہدین علوم نبوت کے صحیح خادم تھے ہم اہل علم کا درجہ تو تمام مجتہدین میں سے بہت بلند ہے اور ان کی قدر و برکت پر قائم ہے ہمارے حضرت شاہ صاحب نے تیس سال کے شانہ روز درس و مطالعہ حدیث و تفسیر وغیرہ کے بعد فیصلہ فرمایا تھا کہ جو ایک و دستوں کے ہم نے تمام فقہ حنفی کو قرآن و حدیث سے متوہیہ پایا ہے امید ہے کہ انوار الہاری کی اشاعت سے یہ حجت تمام ہو جائے گی و ما ذلک علی العزیز۔ اگر مجتہدین کے کمال علم و فضل سے نظیر و عبقری و تقویٰ اور خلوص و الوہیت کے پیش نظر ہرگز میرا بار نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے عمدہ و منصب اجتہاد سے آگے بڑھ کر ہمد و منصب نبوت میں کوئی قدم رکھا ہو جن حضرات نے بھی اس قسم کا سو گناہ ارتکاب نہیں مجتہدین کے بارے میں کیا ہے وہ ان کی کمالی تعلیمی ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے مفتوں کے دروازے کھلے ہیں اور ایک جماعت کو ان لوگوں کے اقوال و اراک کی آڑ میں کئی قندہ سامانیوں کے لیے مواد ملتا رہتا ہے۔ واللہ المسبحان۔

امام کبیرؒ (کلیڈام امام اعظم و شیخ اصحاب صحاح ستہ) سے کسی نے کہا تھا کہ امام صاحب نے خطا کی تو آپ نے بوجہ اس کو جواب دیا تھا کہ امام ابوحنیفہؒ کیسے خطا کر سکتے ہیں؟ حالانکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف و زفر جیسے علم قیاس و استنباط کے ماہر و فاضل تھے ابن ابی زائدہ حصص بن غیاث حبان و مدعل جیسے حفاظ حدیث قاسم بن محمد عین لقت و عمر بیت کے عارف اور واد دہلانی، فضیل بن عیاض جیسے زہد و ورع کے امام ہیں، کیونکہ امام صاحب کو ان کی خطا بھی کرتے تو یہ لوگ ان کو صواب کی طرف لوٹا دیتے (انقضاء علامہ ابن عبدالبر و تاریخ خلیفہ بغدادی)

یہ بھی امام کبیرؒ نے فرمایا تھا کہ لوگوں نے مخالف امتیازیاں کر کے ہمیں امام ابوحنیفہؒ سے چھڑا چاہا تھا حتیٰ کہ وہ ناسے رخصت ہوئے اب تم اسی طرح ہمیں امام زفر سے چھڑانے کی سعی کرتے ہو تاکہ ہم ابن اسید و داران کے اصحاب سے کھٹا ہو جائیں (صحیحہ ۳۱۳/۱ مقدمہ انوار الہاری)

حضرت شاہ ابن القضاہؒ نے جب امام صاحبؒ کو ائین کلیہ سے جزئیات کا حکم دیا تو باریات کرنے کا غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے ان تخریج مسائل کی باریکیوں پر اپنی دقیقہ دہی سے پوری طرح حاوی ہو جاتے تھے فروغ کی تخریج پر کمال طور پر فوج فرماتے تھے حضرت تبراہیم رحمہ اللہ امام صاحب کے اقوال و مسائل کو اگر مصنف ابن ابی شیبہؒ مصنف عبدالرزاق اور کتاب الامار امام محمدؒ کی روایات سے موازنہ کر کے دیکھو گے تو چند مسائل کے سوا سب میں اتفاق و اتحاد پاؤ گے۔ (جنت المصلیٰ ۱۵)

امام اعظم رحمہ اللہ خدا کے فی حالات میں ہم نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے زمانہ کے بڑے بڑے محدثین و فقہاء نے اعتراف کیا تھا کہ امام صاحب باع و منسوخ احادیث و آثار کے بہت بڑے عالم تھے۔

پھر بھی خود امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی قیامت احتیاط تھی کہ یہ بھی فرما گئے جب بھی کوئی حدیث صحیح میرے قول و فیعلہ کے خلاف مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ مذکورہ بالا احوال و طرف میں خفیہ کے لیے یہ کسی طرح ممکن ہے کہ وہ کسی صحیح حدیث غیر منسوخ پر عمل نہ کریں یا اس پر عمل نہ کرنے کے لیے جیلے حوالے تلاش کریں البتہ جو زمرہ اصول حدیث انجملہ احکام کے سلسلے میں آخر خفیہ نے اپنے پیش نظر رکھے ہیں ان سے پوری واقفیت ہونی ضروری ہے ورنہ ہر اہل ایمان و ایمان کی تمکین نکالی جاسکتی ہے ان میں ۱۱۶ اصول علامہ کوشی نے تنبیہ کے صفحہ ۱۵۶ و صفحہ ۱۵۷ میں ذکر کر دیے ہیں ان سے واقفیت علماء غلامہ خصوصاً اساتذہ حدیث کو ضرور ہونی چاہیے تاکہ وہ مخالفوں کی مغالطہ امتیازیاں کا جواب دے سکیں جس طرح ان کے لیے کتب علم رجال کا پورا مطالعہ اور اس فن کے تمام مشیخ و فرائز پر مہکتا نظر رکھنا ضروری ہے اور اس سلسلہ میں تنبیہ الخلیفہ، جواہر معنی، نوادہ یہ نقد منصب الرایہ، نول تذکرۃ الخلفاء و تصنیفات الکثری (کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ واللہ الموفق والمبسر

حدیث کا دوسرا ہلکہ و لکھلکھالوئی ہے اس سے مراد قایت و ثمرہ عمل ہے یا بعینہ وہی عمل، حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے دوسری شق کی طرف ہے کیونکہ ہر شخص آخرت میں اپنے عمل کو بعینہ موجود پائے گا۔ قرآن مجید میں ہے و وجدوا ما عملوا حاضراً (کہ سب لوگ آخرت میں اپنے کئے ہوئے اعمال کو حاضر و موجود پا لیں گے) گو جزاء بعین عمل ہوگی، پس آگے حدیث کے جملے میں شرط و جزا کے متحد ہونے کا اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے اور تقدیر کا مسند بھی حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہی دنیا کے نیک اعمال، آخرت میں نعمتوں و راحتوں کی صورت اختیار کر لیں گے جس طرح برے اعمال تکالیف و عذاب کی شکل میں ہو جائیں گے اس سے زیادہ تفصیل مسند قدر میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ثواب اعمال کے سلسلہ میں یہ امر بھی لائق ذکر و یادداشت ہے کہ امام غزالیؒ نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر کسی کام میں غرض دنیوی کی نیت غالب ہے تو اس میں کوئی ثواب نہیں ملے گا اور اگر غرض دینی غالب ہے تو بقدر اس کے ہی ثواب ملے گا اگر دونوں برابر ہیں تب بھی اجر نہیں ملے گا اگر کسی عبادت کی ابتداء میں نیت خالص تھی پھر نیت میں اخلاص کے خلاف کوئی چیز آگئی تو ابو جعفر بن جریر طبرانی نے جمہور سلف سے نقل کیا کہ اعتبار ابتداء کا ہے اور بعد کو جو فساد نیت طاری ہوا خدا کے فضل و احسان سے امید ہے کہ اس کو بخش دے اور اس کا عمل خیرا کارت نہ ہو لہذا ہر نیک عمل کرنے والے کو چاہئے کہ شروع و خضوع لہذا اللہ کے ساتھ ابتداء میں بھی نیت کی تصحیح کا پورا اہتمام کرے پھر اس پر استقامت کی بھی پوری سعی کرے اور خدا کی توفیق و نصرت کی ضرورت سے ہرگز غافل نہ ہو انسان نہایت ضعیف و کمزور پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے یہ بات لائق مدبرانہ شکر ہے کہ کسی نیک عمل کی توفیق حسن نیت و اخلاص تام کے ساتھ اس کو حاصل ہو جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس عالم میں اجسام ظاہر ہیں اور دلوں کے ارادے مستور ہیں، شمس میں صورت برعکس ہو جائے گی اور تمام لوگ نیتوں کو اجساد کی طرح بر ملا دیکھیں گے، پس شمس ظہور نیات ہوگا ایسی ہے اگر کسی ایک عالم میں ایک ہزار نیتیں ہوں گی تو قیامت کے دن وہ عمل ایک ہزار اعمال کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ واللہ علیٰ کل شیء قذیب۔

۲- حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن هشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة ام المومنین رضی اللہ عنہا ان الحارث بن هشام سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ! کیف یاتیک الوحی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: - احيانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشدہ علی فیقصر عني وقد وعیت عنه ما قال، و احيانا یتمثل لی المملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول، قالت عائشة رضی اللہ عنہا ولقد رایتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیقصر عنه وان حبیبہ لیقتصد عرقا۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حارث بن هشام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وہی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی تو وہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے جو مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے اس کے آثار ختم ہونے تک میں وحی الہی کو پوری طرح محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے سامنے ہوتا ہے پھر جو کلمات میں اس سے سنتا ہوں ان کو محفوظ کر لیتا ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کے وقت دیکھا کہ ختم وحی پر بھی آپ کی اطراف پیشانی مبارک سے پسینہ اس طرح بہتا تھا جیسے فصد لگا کر گیس کھول دی گئی ہوں۔

تشریح:- انبیاء علیہم السلام پر وحی کا نزل بہت سے طریقوں پر ہوتا ہے ان کے خواب بھی وحی ہیں الہامات بھی وحی ہیں خدا کا فرشتہ جو کبھی نبی کے دل میں ڈالتا ہے وہ بھی وحی ہیں کبھی فرشتہ اپنی اصل صورت میں پیغمبر کے پاس آتا ہے اور خدا کی طرف سے کلام کرتا ہے، وہ بھی وحی۔ جب کبھی حق تعالیٰ

صلیہ حافظہ حدیث شجرہ متفق علیہ امام مالک امام لیث بن سعد اور شیخ عیسیٰ بن یونس کوئی (خلاۃ حدیث امام اعظمؒ) وغیرہ کے تلیذ حدیث ہیں امام بخاری ترمذی ابو داؤد و نسائی وغیرہ نے آپ سے روایت کی۔ ۳۱۸ میں وفات ہوئی رحمتہ تعالیٰ (تہذیب و تذکرۃ حفاظ)

جل ذکر، بلا واسطہ بھی نبی سے بات کرتے ہیں وہ بھی وحی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر، اور حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں کلام فرمایا وغیرہ، اس سے یہاں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو طریقے نزول وحی کے بیان فرمائے اس سے چونکہ مقصود دھڑ نہیں ہے بلکہ آپ کے پاس جو خدا کی وحی سیکڑوں مرتبائی ہے، ان میں سے بکثرت نزول وحی کے یہی دو طریقے تھے، ان کو نبی بیان فرمایا۔

گھنٹی کی آواز کی طرح

مقصد یہ ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل بلا انقطاع سنی جاتی ہے اور ہمارے کلام کی طرح اس میں الفاظ و کلمات کے جوڑ توڑ ابتدا و انتہا نہیں ہوتے اسی طرح اس قسم کی وحی بھی اترتی ہے خواہ اس کو فرشتہ کی آواز وحی کہیں یا اس کے پروں کی آواز (اس کو حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے، یا حق تعالیٰ جل شانہ، کی صورت بلا تشبیہ۔) اس آخری صورت کو ہمارے حضرت شاہ صاحب ترجیح دیتے تھے

اگر اس صورت وحی کو فرشتہ کی آواز وحی قرار دیں گے تو حضرت شاہ صاحب نے اس کو لفظ غلگلام سے تشبیہ دی ہے، یعنی جس طرح غلگلام کی کٹ کٹ کی مسلسل آواز سے اس کا جاننے والا مطلب سمجھ لیتا ہے، اسی طرح فرشتہ جو یہاں خدا کی طرف سے اس کے نبی کو پہنچا رہا ہے وہ اس کو سمجھ کر محفوظ کر لیتا ہے اور فرشتہ ایسی صورت میں اس نبی کو لفظ نہیں آتا ورنہ وہ صورت متعارف کلام کی ہو جائے گی۔ (مشکلات القرآن صفحہ ۲۳۳)

بحث و نظر: ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اس موقع پر جو کچھ تحقیق فرمائی ہے وہ چونکہ نہایت اہم ہے اس لیے ہم مختلف یادداشتوں سے جمع کر کے یہاں ذکر کرتے ہیں:۔ آیت قرآنی وما کان لبشر ان یشاء الا وحیاً او من وراء حجاب او یوسل رسولاً فلیوحی ما یشاء، انہ علی حکیم (شوری) کی تفسیر میں فرمایا کہ وحی و کلام خداوندی کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ نبی و موحی الہ کے باطن کو سحر کر کے عالم قدس کی جانب متوجہ کر دیا جائے۔ پھر اس میں خدا کا کلام وحی ڈالی جائے اس صورت میں نبی کے جو اس ظاہری کو اس کلام کے سننے میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور نہ اس میں فرشتہ کا توسط ہوتا ہے اسی لیے اس کو لفظ وحی سے تعبیر فرمایا۔ جس کے معنی خفی اشارہ کے ہیں اس صورت میں انبیاء علیہم السلام کے الہامات و منامات وغیرہ داخل ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کسی بندے سے پس پردہ کلام فرمائیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور سرور کا نبات صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں کلام فرمایا۔

سارے رہی یہ بحث کہ شب معراج میں کلام کے ساتھ دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہوئے یا نہیں؟ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں کلام پس پردہ کی قید سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کلام کے وقت دیدار بوجہ حجاب نہیں ہو سکتا مگر حدیث صحیح مسلم کی روشنی میں کہ دیدار خداوندی حجاب نور ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کلام و دیدار کا اجتماع ایک وقت بھی ممکن ہے۔ امام احمد نے بھی فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یہ دیکھنا ایسا تھا کہ جیسے ایک حبیب اپنے عظیم اللہ محبوب کو اور غلام اپنے جلیل المرتبت آقا کو دیکھتا ہے کہ رعب جمل و جلال کے باعث نہ پوری طرح نظر بھر کر اس کی طرف دیکھ ہی سکتا ہے اور نہ ایسے جتنی محبت میں اس کے جمال جہاں آرائی کی طرف سے صرف نظری کر سکتا ہے۔

چھری بکھوئے دلبر چسا جان مضر کہ مہا دہار دیگر نہ رہی بدیں تنہا

دوسری طرف یہ حال ہے۔

لبہ الی نظر کیف لاح فلم یطرق نظر الیہ وردہ اشجاء

(محبوب کا جمال جہاں آرام سائے آتا تو بے ساختہ اس طرف نظر اٹھائی مگر عاشق کے جہراں غیب غمزد دل میں باقی طاقت نہ تھی کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکتا اسی لیے وہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا کہ محبوب کو کیسے اور کس حالت میں دیکھا۔

اطرق من اجلالہ

اشفاقہ فاذا بدا

عاشق کہتا ہے کہ میں محبوب کے دیدار کا بے حد مشتاق رہتا ہوں مگر کیا کروں جب وہ سامنے آتا ہے تو اس کے رعب جلال و جمال (یعنی حاشیائے صغیر پر)

تیسری صورت یہ ہے کہ کلام خداوندی یا وحی، توسط ملک آئے، پھر اس کی دوصورتیں ہیں، ایک یہ کہ خدا کا فرشتہ باطن نبی کو مسخر کرے دوسرے یہ کہ وہ فرشتہ صورت بشر میں ظاہر ہو کر کلام کرے۔

اس تفسیر کے بعد حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حدیث مذکور میں وراء حجاب والی صورت اور وحی خفی کے علاوہ توسط ملک والی دو کثیر الوقوع صورتوں کا ذکر ہے اور چونکہ حق تعالیٰ کے لیے صوت ثابت ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (ملاحظہ ہو بخاری کا باب غلغلة افعال العباد) اور میں بھی اسی کو حق سمجھتا ہوں، قید یہ ہے کہ صوت باری۔ اصوات مخلوق سے مشابہ نہیں ہے دوسری بات میرے نزدیک یہ ہے کہ صلیبہ الجبرس جیسی صوت وہ صوت باری تعالیٰ ہی ہے، کیونکہ اس کا ثبوت تین جگہ ملتا ہے (۱) حضرت ربوہ سے یہ صدور کے وقت، تلقی (۲) ملک کے وقت اور (۳) جس وقت اس کو نبی تک پہنچاتا ہے پس اس وحی کا مبداء عرش الہی کے اوپر سے ہے اور متنبی نبی کریم تک ہے۔ اسی لیے طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جب وحی اترتی ہے تو اس سے تمام آسمانوں کے رہنے والوں پر خوف و خشیت الہی سے کچکی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سب جگہ میں گر جاتے ہیں پھر سر سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھ سے سر اٹھاتے ہیں اور حق تعالیٰ ان سے کلام فرماتے ہیں اس حدیث کی تخریج حافظ ابن جریر نے بھی باب قول اللہ عزوجل "ولا تنفع الشفاعة" میں کی ہے۔

پھر یہ بات کہ یہ صورت باری تعالیٰ جس طرح اہل سنوآت کو پہنچتی ہے، اسی طرح بعینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے یہ درمیان میں فرشتہ اس کو لے کر محفوظ کر لیتا ہے اور نبی تک پہنچاتا ہے، جس طرح آج کل آوازوں کو فوٹو گراف میں محفوظ کر لیا جاتا ہے چونکہ ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ کن ثابت نہیں ملے۔ اور حدیث میں بھی اس کی طرف تعرض نہیں کیا گیا، اس لیے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا، تاہم یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ ایک ہی چیز ہے جو وہاں سے چل کر یہاں تک پہنچتی ہے، اس صورت میں چونکہ فرشتہ کا نزول قلب نبی پر ہوتا ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے مجبور ہو کر اپنی نظریں نیچے کر لیتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب عشق مجازی میں یہ کیفیت ہوتی ہے تو مشق حقیق کا مرتبہ تو اس سے کہیں بلند ہوتا ہے، یعنی وہ جسے کہ حق تعالیٰ کے دیدار کی دنیا میں سمجھتا ہے، بہت کم فہم آتی ہے بلکہ سرور کائنات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی کوئی نقل نہیں ملتی البتہ سنائی دیدار کے کچھ واقعات دوسروں کے لیے بھی ملتے ہیں۔ مثلاً حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہوا ہے کہ آپ حق تعالیٰ کے دیدار پر انوار سے اپنی زندگی میں ایک سو بار شرف ہوئے۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام واحکم۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے اس موقع پر درس بخاری شریف میں یہ بھی فرمایا کہ شاید اایہ ہوا ہو کہ سرور کائنات علیہ الف الف تسلیمات و تحیات ابتداء میں "وحی نبوت" سے شرف ہوتے رہے اور آخر میں "عبانی روایت" سے بہرہ اندوز ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے کلام سے شرف ہوئے اس کے بعد روایت سے پھر یہ خدا کے علم میں ہے کہ آپ پر وحی روایت سے نقل طاری ہوئی یا روایت کے بعد، اسی لیے سورہ نجم میں سرور کائنات کے لیے دیدار الہی کی تصریح فرمادیا کہ وہ روایت دل انگیز دونوں سے ہوئی اور بغیر طبعانی ذریعہ ہوئی۔

اس موقع پر حضرت شاہ صاحب کی تفسیر سورہ نجم کی مکمل تفسیر قابل دیدہ ہے جو علوم و حقائق کا خزینہ ہے، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس کو یہاں ضرور ذکر کرتے۔ (دیکھو مشکلات القرآن صفحہ ۲۳۳ تا صفحہ ۲۶۳)

۱۔ قرآن مجید کی سورۃ معارج کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تک روح و ملائکہ کا عروج ایک دن میں ہوتا ہے، جس کی بڑائی دنیا والوں کے حساب سے پچیس ہزار سال کی ہے حالانکہ خدا کے فرشتے پہلے پہل کی خبریں وہاں پہنچاتے رہتے ہیں۔ اور حدیث میں آتا کہ مرنے کی بعد تک مردوں کی روح کو فرشتے خبیثہ و ادریسی کی پٹروں میں بند کر کے عرش الہی کے سامنے لے جاتے ہیں تاکہ خدا کے سامنے مجبور کرے تو انہی عظیم سفت کو روح بھی آن کی آن میں طے کر لیتی ہے اور اس کے بعد وہاں ہو کر قبر کے سوال و جواب کے وقت اس کو دوبارہ ہوتی ہے ان سب حیرت انگیز چیزوں کا عرصہ تک ملک بگھٹا چھٹا چھٹا ہمارے محدود عقول کے لیے کچھ دشوار تھا، مگر اس دور کی ادبی ترقیت اور سائنس کی جدید ایجادات نے اس کو کابل کر دیا ہے۔ دیکھئے ہماری بشری مادی ضعیف آواز جو جمہ حالات میں مشکل مسئلہ دو میل چاسکتی ہے ریلوے کی لمبی امواج کے ذریعہ ایک منٹ کے کچھ حصے میں ساری دنیا کے لوگوں کو سنائی جا سکتی ہے پھر روح و روایت جن دو ماحکات جیسی لطیف چیزوں کا کیا کہنا ہے اور خداوند تعالیٰ کی صوت وحی اگر اس عظیم مسافت کو طے کر کے آن کی آن میں نبی کے قلب منور تک آ جاتے تو اس میں کیا استعجاب؟

اس تفصیل کے بعد وحی الہی کی نہ صرف عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے بلکہ اس کی عصمت بھی واضح ہو جاتی ہے، اول تو یوں بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نبی بغیر واسطہ صبح کے کلام خداوندی کو سمجھتا ہے اور ذیل میں محفوظ کتاب اس لیے سلسلۃ البراس و لی صورت فرشتہ کے بصورت بشر یا اپنی اصلی صورت میں آکر کلام کرنے کی صورت سے الگ ہوگئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس آیت کے تحت صفحہ ۸/۳۰ و صفحہ ۸/۳۰ میں چند احادیث نقل کی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۃ وانجم تلاوت فرمائی اور افرا ایتھ اللات والعری و مناة الثالثة الاحمری پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان مبارک سے تلك الغر اریق العلی وان شفا عینہم لغر تحیٰ یہ کلمات بھی ادا کر دیے (نہو: باللہ) ہر پر مشرکین بھی سجدہ میں گر گئے اور خوش ہوئے کہ ہمارے خدا کا ذکر آپ نے بھلائی۔ کہ کیا پھر اس کے بارے میں یہ آیت بالا نازل ہوئی۔

پھر حافظ نے لکھا کہ یہ احادیث روایتی نقطہ نظر سے اگرچہ ضعیف یا منقطع ہیں مگر کثرت طرق اس امر کا ثبوت ہے کہ اس قصہ کی کوئی اصلیت ضرور ہے پھر یہی قصہ طبری کی روایت کردہ دوسرے احادیث سے بھی ثابت ہے جن کے جال صحیحین کی شرط پر ہیں پھر حافظ نے لکھا ہے کہ ابوبکر بن العربی نے اپنی حسب عادت بڑی جرأت سے کام لے کر کہہ دیا کہ طبری نے جو روایات اس سلسلہ میں روایت کی ہیں وہ بالکل بے اصل اور باطل ہیں پھر لکھا کہ ابوبکر بن العربی کا اس طرح منہ بھرا ادا کا قائل رہنے اسی طرح حدیث کا یہ قول بھی ہے کہ اس قصہ کی حدیث کی کسی اہل صحت محدث نے تحریر نہیں کی اور نہ کسی ثقہ راوی نے اس کو بے داغ سند متصل سے روایت کیا ہے پھر اس کے ناقلین بھی ضعیف روایات بھی مضطرب اور اسناد بھی منقطع ہیں اور اسی طرح عیاض کا یہ قول کہ تابعین و مفسرین میں سے جن حضرات سے یہ قصہ نقل کیا گیا ہے خود انہوں نے بھی اس کو سند کے ساتھ مرفوع نہیں کیا اور اکثر طرق ان سے اس بارے میں ضعیف اور دوہرا ہیں پھر عیاض نے بطریق روایت بھی تردید کی اور کہا کہ اگر ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسی وقت مرتد ہو جاتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

اس کے بعد حافظ نے لکھا ہے کہ یہ تمام باتیں قواعد و اصول کے خلاف ہیں کیونکہ جب طرق روایت کثیر ہوں اور ان کے خارج قبایں ہوں تو یہ اس امر کا ثبوت ضروری کہ اس واقعہ کی اصل سچا اور میں تھلا چکا ہوں کہ ان روایات میں سے تین اسنادیں شرط صحیح پر ہیں اور وہ امراتل ہیں جو جوت ہیں۔ پھر حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اس واقعہ کی صحت متعین ہو چکی تو چونکہ ایسا ہونا عصمت وحی و عصمت انبیاء کے خلاف ہے۔ اس لیے اس کی تاویل بھی کرنی ضروری ہے کیونکہ پیغمبر کی زبان سے قرآن مجید کے کلمات پر ایک حرف کی زیادتی بھی عہد ایا سہوانا ممکن ہے پھر حافظ نے اس واقعہ کی چند تاویلات ذکر کیں اور ان کی تردید بھی بیان کی جو ابن العربی و حضرت عیاض سے منقول ہے آخر میں حافظ نے ایک توجیہ کو احسن الوجوہ (بہترین توجیہات) قرار دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے ہوں کہ شیطان نے آیت مذکورہ کے آخر میں سکوتوں میں ایک جگہ موقع پا کر آپ کی آواز میں آواز ملا کر یہ کلمات کہہ دیے جس کو کچھ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ کلمات بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ادا فرمائے ہیں حالانکہ ایسا واقعہ نہیں ہوا۔

۴۔ ہرے حضرت شاہ صاحب نے درس بخاری میں حافظ کی ذکر کردہ اس توجیہ کا ذکر فرمایا تھا کہ ہمارے نزدیک یہ بھی ممکن نہیں کہ نبی کے لہجہ و آواز کی نقل شیطان کر سکے ورنہ اس سے بھی ”عصمت وحی“ پر حرف آتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ حاضرین مجلس میں چونکہ مشرکین مکہ بھی تھے ان میں سے کسی نے اپنی جگہ پر یہ کلمات ادا کئے ہوں جس سے وحی الہی اور نبی کی قرأت پر کوئی اثر نہیں پڑا مشرکین کہہ کر زبان پر تو یہ کلمات خوب چڑھے ہوئے تھے وہ ان کا ورد کرتے تھے اور طواف میں بھی یہی کلمات کہہ کرتے تھے (دیکھئے اہلبدان الایات)

(بقیہ شیعہ مفسر سابقہ) صوت خداوندی اصوات مخلوقین سے الگ ابرہمتاز (لیس کھٹلہ شیء) پھر وحی شان و اہتمام سے عرض الہی سے قلب میں تک آتی ہے وہ اپنے کے خالق نظام کے مقابلہ میں عادت و جب محفوظ طبع کیلئے السلام تک تو کسی کی دراندازی ممکن نہیں اور وہاں سے نبی و مرسل خداوندی تک بھی فرشتوں کا زبر دست خالق ہی پروردگار ہے وحی الہی کا حرف باہر جاسکتا ہے ہر کوئی چیز اس کے اندر آسکتا ہے۔

غرض حافظ ابن حجرؒ کا حدیث مذکور کو کثرت طرق وغیرہ سے استدلال کر کے قابل وثوق قرار دینا صحیح نہیں نہ یہ اصول روایت کے مطابق ہے نہ اصول محدثین پر کیونکہ مراسیل کو حجت ماننے والے بھی صرف ثبوت احکام میں ان کو حجت مانتے ہیں نہ ثبوت عقائد و ایمانیات میں (کیونکہ عقائد و ایمانیات کے لیے دلیل مثبت قطعی کا وجود ضروری ہے) اخباراً حادثاتی ہیں جن سے کسی عقیدہ قطعیہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان سے کسی عقیدہ ثابتہ کا ابطال ہو اور ظاہر ہے کہ عصمت رسول اور عصمت وحی الہی کا عقیدہ تو ہمارا اسلام و اسلامیات ہے اس کو اخباراً حادثہ سے تحدش کرنا پھر تاویلات کی تلاش کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ خواہ پاریں اور مفسروں نے سورہ نجم کی تلاوت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے معبودانِ مشرکین کی مدح کے کلمات جاری ہونے کے بارے میں روایت کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے اس بارے میں نقل صحیح و عقل سلیم کی رو سے کچھ ثابت نہیں ہے۔
علی فائدہ۔ اس موقع پر ایک دوسرا بھی اہم فائدہ قابل ذکر ہے کہ سورۃ حج میں ایک آیت ہے وما رسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی الی الشیطان فی امنیۃ ہمارے حضرت شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر وہ پسند فرمائی ہے جو حضرت شیخ عبدالعزیزؒ پر بارغ سے ”ابریز“ میں منقول ہے کہ ”حق تعالیٰ نے جو نبی و رسول بھی کسی امت کی طرف بھیجا ہے وہ اپنی امت کے ایمان لے آنے کی امید و تمنا کیا کرتا تھا مگر شیطان ان لوگوں کے ذہن میں وساوس اور شبہات ڈال کر زنیغ پیدا کرتا تھا پس جن کے دلوں میں وہ خطرات جم گئے وہ ان کے لئے موجب کفر ہو گئے اور جن پر خدا نے فضل فرمایا ان کے خطرات مٹ گئے اور اپنی توحید و رسالت کی نشانیاں ان کے قلوب میں مستحکم کر دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وساوس و خطرات تو دونوں فریق کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے ان کے قلوب پر ان کا بقاء نہیں ہوتا اور جن پر (الوں) پر اس کا فضل و احسان نہیں ہوتا ان کے قلوب سے شیطان کے نفاقا کئے ہوئے وساوس و شبہات دور نہیں ہوتے۔
حسن اتفاق سے اس موقع پر حضرت شیخ عبدالعزیزؒ دباغ کا ذکر خیر آ گیا تو چند کلمات اور بھی لکھے جاتے ہیں یہ بارہویں صدی کے فاضلین شریعت و طریقت میں سے تھے اور باوجود اسی ہونے کے ان سے نہایت بلند پایہ اور گراں قدر علوم نبوت منقول ہوئے ہیں امت محمدیہ میں ایسے فاضلین کا وجود انبیاء و مرسلین کے علوم و کمالات کے علم و یقین کا بڑا ذریعہ ہیں کہ ان کے علمی و عملی کمالات بھی ظاہری تعلیم و تربیت کے بغیر صرف خدا نے برتر کے فضل و انعام کا ثمرہ ہوتے ہیں شیخ عبدالعزیزؒ دباغ کو باوجود اسی ہونے کے ایسا روشن دل و دماغ عطا ہوا تھا کہ وہ عام احادیث اور احادیث قدسیہ کے درمیان فرق کر لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان دونوں کے انوار الگ الگ ہیں صحیح احادیث کو موضوع احادیث سے الگ کر دیتے تھے اور فرماتے کہ موضوع میں نور نبوت نہیں ہے، بعض مرتبہ صحیح حدیث میں موضوع حدیث کا کچھ حصہ شامل کر کے دریافت کیا گیا تو فوراً فرمایا کہ اتنی صحیح ہے اور اس قدر اس میں موضوع شامل ہے تمام انبیاء علیہم السلام کے حالات مفصل اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ جیسے خود ان کے ساتھ زندگی گذاری ہو۔ بہ کثرت مشکلات قرآن و حدیث کو براہ راست سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے رجوع فرما کر شافی جواب مرحمت فرماتے تھے۔

ان کے افادات جلیلہ کا مجموعہ ”ابریز“ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے، تفسیری حصہ میں یہ بھی ملتا ہے کہ ان کے تلمیذ و مستفید خاص شیخ احمد مرتب ”ابریز“ نے قصہ غرائق کے بارے میں سوال کیا کہ اس میں حضرت عیاض وغیرہ حق پر ہیں جو اس قصہ کے وقوع کا انکار کرتے ہیں یا حافظ ابن حجرؒ جو اس کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ کی پوری بحث نقل کی (جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں) تو حضرت شیخؒ نے جواب میں فرمایا کہ ”حق و صواب ابن العربی اور حضرت عیاضؒ اور ان کے موافقین کرنے والے محدثین کے ساتھ ہے“ غرائق والا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً وقوع میں نہیں آیا اور مجھے بعض علماء کے کلام پر بڑا تعجب ہوتا ہے جیسے یہی قول حافظ ابن حجرؒ سے صادر ہوا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قصہ

کا ذرا سا حصہ بھی صحیح ہو تو نہ شریعت پر اعتماد قائم رہے گا اور نہ عصمت انبیاء کا حکم باقی رہے گا اور رسول خدا کی شان ایک عامی انسان کی سی رہ جائے گی کہ آپ اور آپ کے کام پر شیطان کا تسلط ہوا اور اتنا تسلط ہوا کہ جس بات کے زبان سے نکلنے کا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور نہ وہ آپ کو پہنچتی نہ وہ شیطان نے آپ کی زبان سے نکلوا دی۔

اتنی بڑی بات اگر وقوع میں آجاتی تو رسالت پر دھوکہ کیسے دیتا۔ پھر فرمایا کہ مومن پر واجب ہے کہ اس قسم کی حدیثوں سے جو حدیثوں میں شبہات پیدا کریں، قطعاً نہ سمجھیں اور ان کو دیار پر پھینک دیں (کیونکہ وہ صحت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کا وہ عقیدہ رکھیں جو آپ کو شایان ہے، خصوصاً آپ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اس سے اوپر کسی مخلوق کا مرتبہ نہیں۔ (ابن ربیع صفحہ ۱۱۳ اور صفحہ ۱۱۴)

اسی موقع پر ابراہیم میں ایک دوسرا سوال بھی درج ہے کہ میں نے ہاروت و ماروت کے قصہ کی بابت دریافت کیا کہ اس میں بھی حضرت عیاض اور ابن حجر کا ایسا ہی اختلاف ہے، حضرت عیاض انکار کرتے ہیں اور ابن حجر واقعہ بتلاتے ہیں، فرمایا اس میں بھی حق حضرت عیاض کے ساتھ ہے اور قصہ بالکل غلط ہے۔

یہاں غفلت و عصمت وحی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث کی صحت و ضعف وغیرہ کے بارے میں حافظ ابن حجر یا اور کسی بڑے محدث کا فیصلہ قطعی جنت نہیں ہے اور اصولی طور پر یہ امر اختلاف کے موقع میں نہایت ضروری و اہم ہے کہ دوسرے اکابر محدثین کی تحقیق بھی دریافت کی جائے تاکہ بات اچھی طرح نکھر کر سامنے آجائے، انہما اتفاق اور ان کے مسلک تویم کے خلاف بھی جو کچھ دراز دستیوں ہوئیں وہ زیادہ تر بغض اکابر کے ایک طرف درجانات، تعصب مذہبی یا روادا کے بے جا نقد و جرح کے باعث ہوئیں اس لیے حدیثی تحقیقات کا معیار ہر جنگ نظری و تعصب سے بالا تر ہونا چاہیے ورنہ ”جہائے خدمت حدیث“ کے اپنے اپنے رجحانات و نظریات کی خدمت کہلانے کی زیادہ مستحق ہوگی و اللہ العوفاقی

دوسری اہم بات یہ ہے کہ باوجود اصول و عقائد مسلم اسلام اور اصول و عقائد قرآن و حدیث اور اصول و روایت کے خلاف ہونے کے بھی محض نقد و طرح سے کسی امر کو ثابت کر دینا اصول محدثین پر بھی درست نہیں ہو سکتا اور امام اعظم کا مسلک اجتہاد اور طریق استخراج احکام اسی لیے زیادہ محکم و مضبوط رہے کہ انہوں نے عہد نبوت و صحابہ کے قریب ترین دور میں ... (اور سب ائمہ مجتہدین سے پہلے اصول و عقائد اسلام پر نظر کی قرآن و حدیث سے اصولی احکام کا کھوج لگا کر غیر منصوص احکام کے استخراج کے لیے نہایت محکم اصول منعبط کئے احادیث احکام میں سے ناخ و منسوخ پر کڑی نظر ڈالی (اسی لیے ان کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم احادیث منسوخ و ناخ تسلیم کیا گیا ہے) پھر اسی کے ساتھ آپ کی نظر آثار صحابہ تعامل صحابہ اور فتاویٰ تابعین پر بھی بڑی گہری تھی۔ آپ اور آپ کے رفقاء مدون فقہ تک جمعی احادیث پنجپنچ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک واسطے بہت کم تھے اور بقول علامہ شحرانی رحمۃ اللہ علیہ وہ سب تقدراویوں کے تھے اس لیے فقہ حنفی کے اصول پر جو احکام کی تخریج ہوئی وہ بعد کے طرق اجتہاد اصول استنباط نیز طرق محدثین مابعد کے لحاظ سے بہت زیادہ فائق، مستند اور مسلم تھی و اللہ اعلم و علمہ اہم و احکم

انبیاء علیہم السلام کا سب سے بڑا وصف امتیازی وحی ہے

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی خصوصیت و وصف امتیازی وحی الہی ہے جس کا نزول اجلال ہمارے پیغمبر سرور کائنات، پھر موجودات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات پر سب سے زیادہ اہتمام و شان سے ہوا ہے حتیٰ کہ آپ پر نازل شدہ وحی کا ایک بڑا حصہ وحی مکتوہ قرار پایا، جو قرآن مجید کی شکل میں حرف بحرف محفوظ ہے اور قیام قیامت تک اس کی حفاظت کا وعدہ خود رب العزت جل شانہ نے فرمایا ہے اس کے بعد احادیث قدسیہ، احادیث متواترہ، احادیث مشہورہ اور پھر اخبار آحاد وغیرہ ہیں۔ یہ سب وحی الہی اور علوم نبوت کا اگر انقدر ذخیرہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بعثت کی مختصر مدت (میں سال کہ تین سال فترت وحی کے نکل جاتے ہیں) میں وحی کا نزول ہزار بار ہوا

بعض دفعہ ایک دن میں دس دس بار بھی ہوا ہے جو آپ کی بہت بڑی خصوصیت بن جاتی ہے، کسی جگہ پر یہ بھی نظر سے گزرا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اروہ احنافہ) پر چوبیس ہزار بار نزول وحی ہوا ہے۔ جب کہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس بار، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس بار، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ۷۸ بار اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر دس بار نزول وحی کا ذکر ملتا ہے۔

چونکہ اس دنیا کی ہدایت کے لئے آخری امت "خیر الامم" کے آخری پیغمبر پر کمال مکمل دین آچکا، اور وحی الہی کا باران رحمت کی طرح بہ کثرت نزول ہو کر نعمت الہی کی تکمیل ہو چکی نیز خدائے برتر نے ہمیشہ کے لئے دین اسلام کو اپنا محبوب برگزیدہ و پسندیدہ دین قرار دے دیا۔ اس لئے وحی و نبوت بھی ہمیشہ کے ختم ہو چکی، جس کا شافی اعلان بھی جنتہ الوداع کے موقع پر ہزاروں ہزار صحابہ کے مجمع میں کر دیا گیا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

برکات و انوار نبوت و نزول وحی

حزین شریفین میں سرور انبیاء و مرسلین سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کے برکات و انوار اور وحی الہی کے شب و روز نزول سے حق تعالیٰ کی مسلسل دے پائیاں رحمتوں کا جو ایک زیریں دور گزرا ہے اس کی نظیر سے اس دنیا کی پوری تاریخ خالی ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا جس قدر غم و غمناک صدمہ تھا اس سے بھی زیادہ وحی الہی کا منقطع ہو جانے کا تھا۔

حضرت انسؓ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اؤام ایمن کے یہاں چلیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے یہاں جایا کرتے تھے جب یہ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے تو وہ بے اختیار رو رہیں انہوں نے کہا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ کے یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ عیش و راحت کے سامان ہیں؟ اس کے بعد ام ایمن کا جواب سنئے کتنے اونچے درجے کی بات کہی ہے فرمایا: میں اس پر نہیں روتی، یہ میں بھی خوب جانتی ہوں کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں کمال درجہ کی راتیں موجود ہیں، البتہ اس پر روتی ہوں کہ آپ کے بعد آسمان سے نزول وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

یہ بات کہ کرام ایمن نے ان دونوں حضرات کو بھی خوب خوب رلایا اور وہ بھی ان کے ساتھ روتی رہیں اس حدیث سے کچھ انداز ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام اور صحابیات صالحات کی مبارک آنکھوں نے کیا کیا دیکھا تھا اور ان کے نورانی قلوب نے کیا کچھ پایا تھا۔ یہ ام ایمن کون تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ باندی، جو آپ کو اپنے والد ماجد کے ترکہ میں ملی تھیں اور چونکہ انہوں نے بچپن میں آپ کی خدمت آیا کی طرح انجام دی تھی اس لئے آپ ان کا کرام نام مای کی طرح فرماتے تھے اور ان کی ملاقات کیلئے بھی گھر پر شریف لے جایا کرتے تھے مگر آپ نے دیکھا کہ اس باندی صحابیہ کا ایمان کتنا قوی اور معرفت کتنی اونچی تھی اس لیے ان کے ایک جملے نے اسے دو بڑے جلیل القدر صحابہ کو رونے پر مجبور کر دیا۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے سے یہ لازم نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یا دوسرے فرشتوں کے نزول کا سلسلہ بھی دنیائے منقطع ہو گیا چنانچہ اس امر کی وضاحت حدیث سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں کی ہے۔

ابتداء نبوت و نزول قرآن مجید

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی ابتداء نبوت میں تین سال تک حضرت اسرار اللیل علیہ السلام آپ

انبیاء علیہم السلام کے خاصاں، پھر اس میں سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں خاصاں کا ذکر نہایت اہم موضوع ہے اس پر مستقل تصانیف کی ضرورت ہے علامہ سیوطی وغیرہ نے اس کی طرف توجہ کی مگر ہری روز بان کی سب پر مقدمہ میں اس موضوع پر بہت کم مواد ملتا ہے تاہم ہمارے مقصود مجتہد حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب برحق مگر امام احمد بن حنبلہ نے اپنی مگر اللہ تعالیٰ ترجمان السنۃ، جلد سوم میں اس پر نہایت نافع اور مفصل کلام کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔

کے ہمراہ رہے اور کبھی کوئی کلمہ اور کبھی بات آپ کو تلاوتے رہے اس وقت تک قرآن مجید نہیں اتر ا تھا تین سال گزرنے پر آپ کی نبوت کا تعلق حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قائم کر دیا گیا تھا اور تیس سال تک ان کے توسط سے قرآن مجید کا نزول ہوتا رہا دس سال مکہ معظمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں اس کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ احمد)

نبی کے دل میں فرشتے کا القاء بھی وحی ہے

جس طرح حق تعالیٰ کی طرف سے نبی کے قلب پر کوئی بات القاء ہوتی ہے اور اس کو کوئی الہامی کہتے ہیں ... اسی الہام کے تحت وہ صورت بھی ہے کہ فرشتہ نظر نہ آئے اور نبی کے قلب پر کسی بات کا القاء کرے چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! جو بات بھی تمہیں جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور کرنے والی تھی وہ سب تمہیں بتا چکا ہوں اور جنتی باتیں دوزخ سے قریب اور جنت سے دور کرنے والی تھیں ان سے بھی تمہیں روک چکا ہوں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ بات بھی القاء فرمائی ہے کہ کسی جان کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک وہ اپنے مقدر کا رزق دنیا میں پورا نہ کر لے۔ دیکھو خدا سے ڈرتے رہو اور طلب رزق میں بھلائی کا راستہ اختیار کرو اور ایسا نہ ہو کہ رزق پہنچنے میں دیر ہو تو خدا کی تافرمانی کے راستوں سے رزق حاصل کرنے لگو! کیونکہ خدا تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں جو کچھ ہے اس کو صرف اس کی اطاعت فرما کر بروری ہی کے راستوں سے حاصل کرنا موزوں ہو سکتا ہے (رواہ البیہقی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا ایک منظر

صفوان بن یعلیٰ کا بیان ہے کہ ان کے والد حضرت یعلیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا مجھے بھی اس مبارک منظر کی زیارت کراؤ بیٹے! اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرات میں صحابہ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو سوال کیا کہ ایک شخص کے جسم پر خوب خوشبو لگی ہو۔ اور وہ احرام باندھ لے تو اس کے بعد کیا کرے؟ آپ کچھ خاموش ہوئے اور وحی کا نزول شروع ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وجود مبارک پر ایک کپڑا اڑھا تک دیا اور یعلیٰ کو قریب بلایا، انہوں نے اپنا سر اندر داخل کیا تو دیکھا کہ حضور کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا ہے اور وحی کے شدید آثار سے آپ کا دم گھٹا جا رہا ہے اس کے بعد جب وہ کیفیت جانی رہی تو آپ نے سائل کو بلا کر بتلایا کہ خوشبو کو تین بار دھو ڈالے اور جب اتار دے پھر جس طرح حج ہوتا ہے کرے۔ (بخاری)

مسلم شریف کی حدیث عبادہ میں یہ بھی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تو اس کی شدت سے آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا اور آپ اپنا سر مبارک جھکا لیتے تھے جس کے ساتھ حضرات صحابہ بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے تھے۔

وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا

حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام کی مجلس میں بیٹھے ہوتے یا تہیں کرتے تھے تو اکثر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے تھے (ابوداؤد)

یہ نظریں اٹھانا وحی کے انتظار میں ہوتا تھا جیسا کہ جوئل قبلہ کے موقع پر بھی آپ کا آسمان کی طرف نظریں اٹھانا قرآن مجید میں مذکور ہے۔

شدۃ وحی کی کیفیت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم سے سوال کیا کہ جب آپ پر وحی اترتی ہے تو کیا محسوس کرتے ہیں؟ فرمایا پیسے میں گنتیوں کی سی آواز سنتا ہوں، پھر اس وقت مجھ پر مکمل سکوت طاری ہو جاتا ہے اور جب کبھی وحی آتی ہے تو مجھے ایسا احساس ہوتا ہے کہ میری جان ابھی نکل جائے گی (رواہ احمد)

وحی الہی کا ثقل عظمت

بخاری شریف میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ جس وقت کلمہ غیور اولیٰ الضور نازل ہوا تو میری ران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے ملی ہوئی تھی مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری ران ٹوٹ کر چھوڑ ہو جائے گی بے صرف ایک کلمہ کی وحی کا وزن اس قدر قریب بیٹھنے والے صحابی نے محسوس کیا تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا وزن کتنا معلوم ہوا ہوگا اور اسی سے آپ کے غیر معمولی امتیاز و عظمت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پورے قرآن مجید کے ہزاراں ہزار کلمات کی وحی عظیم کا باریک بینی سے برواغت کیا اور ہزار ہا مرتبہ حق تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ یہ روایت مسلم شریف فرماتے ہیں کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی تو جب تک وہ تمام نہ ہو سکتی ہم میں سے کسی کی طاقت نہ تھی کہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تو اگر آپ اپنی پر سوار ہوتے تو وحی کے وزن و عظمت کے سبب وہ بھی اپنی گردن نیچے ڈال دیتی تھی اور جب تک وحی ختم نہ ہو جاتی اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہ سکتی تھی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے آیت ”انا سلفی علیک قولاً فقیلاً“ (رواد احمد)

حضرت ابودردی دوسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوتے اور وحی آ جاتی تو میں نے دیکھا ہے کہ وحی کی عظمت و وزن کے سبب وہ اونٹنی آواز کرتی اور اپنے اگلے پھر اس طرح اونٹنی بدلتی کہ مجھے یہ لگتا ہوتا کہ اس کے بازو اٹھ جاتے ہیں کبھی بیٹھ جاتی اور کبھی اپنے پیروں پر چڑھ کر دوسرے کمر کھڑی ہوتی اور سنبھلتی تا آنکہ وحی ختم ہو جاتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپ ٹپ کرتے ہوئے تھے (خصائص کبریٰ)

یہاں ہم نے وحی الہی کی عظمت کا تعارف کرانے کے لیے کسی قدر تفصیل سے کام لیا تا کہ علوم نبوت کی عظمت و سیادت کا سکنا نظرین انوار الہاری کے دلوں میں قائم ہو جائے اور وہ وحی خداوندی (قرآن وحدیث) کے انوار و برکات سے فوائد و منافع سے اپنے دانوں کو مال کرنے کی طرف پوری توجہ صرف کریں۔ وفہم اللہ وایمانا لما یحب ویرضی۔ آمین۔

سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور علمی ترقیات کا دور

حضور اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معجزہ ”علمی“ یعنی قرآن مجید عطا ہوا ہے جس کی برکت سے ساری دنیا کے لیے علمی ترقیات کے دروازے کھل گئے اور آپ کی امت نے مادی و روحانی علوم و کمالات میں وہ ترقی کی پہلی امتوں میں اس کا ادنیٰ نمونہ بھی نہیں ملتا۔ گو یاد دنیا کی زندگی کے تمام ادوار میں سے صرف اس دور کو علمی ترقی کا دور کہنا درست ہو سکتا ہے واضح ہو کہ جس طرح آپ کی امت میں آپ کے متبعین مؤمنین ہیں کہ ان کو امت اجابت کہتے ہیں اسی طرح تمام دنیا کے کفار و شرکین بھی داخل ہیں کہ ان کو امت دعوت کہا جاتا ہے ان لوگوں نے چونکہ آپ کا لایا ہوا دین اسلام قبول نہیں کیا اس لیے صرف آپ کی دعوت عامہ کے تحت آپ کی امت کہلانے کے مستحق ہوئے غرض دنیا کے لوگوں کی موجودہ تمام علمی ترقیات آپ کے علمی کمالات و علمی معجزے کے فضل و صدقہ میں ہیں۔

نہایت غصوں ہے کہ آج بہ کثرت مسلمانوں میں بھی اس قدر جہالت ہے کہ قرآن وحدیث اور کتب دینیہ کے محکم و احترام سے بے شعور و غافل ہیں۔

قرآن مجید کا ادب واحترام

شاہان اسلام کے حالات میں ایک واقعہ نظر سے گذرا تھا کہ ایک بادشاہ سیر و ظکار میں چہارہ کر کسی قریہ میں ایک دیہاتی مسلمان کا

فیه وهو التبعید الیآلی ذواب العدد قبل ان یزع الی اہمہ ویترودلذلک ثم یرجع الی خدیجۃ فیتزو د لمثلہا حتی - ۷۷۰ الحق وهو فی غار حراء فجآنہ الماک فقال اقرأ قال قلت ما انا بقاری قال فاعخذنی فمطنی حتی بلع می الجہد ثم ارسلی فقال اقرأ فقلت ما انا بقاری فاحضنی فمطنی الثالثة ثم ارسلی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق الانسان من عآ اقرأ وربک الا کرم فرجع بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجع فرآدہ فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد فقال "زملونی زملونی" فزملوہ حتی ذهب عنہ الروح فقال لخدیجۃ و اخبرہا الخبر - "لقد خشیت علی نفسی" فقالت خدیجۃ کلا واللہ ما ینزعیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل کلل و تکسب المہدوم و تقری الضیف و تعین علی نواب الحق فانطلقت بہ خدیجۃ حتی اتت بہ ورقۃ بن نوفل بن اسد بن عبد العزہ ابن عم خدیجۃ و کان امرأ تنصر فی الجاہلیۃ و کان یکتب الکتاب بالبرہانی فیکتب من الانجیل بالبرانیہ ماشاء اللہ ان یکتب و کان شیخا کبیرا قد عمی فقالت لہ خدیجۃ یا ابن عم! اسمع من ابن اخیک فقال لہ ورقۃ یا ابن اخی! ماذا تری؟ فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر ما رأى فقال لہ ورقۃ "هذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسی یا لیتنی فیہا جدعا" یا لیتنی اكون حیا اذ ینزعک قومک" فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او مخرجی ہم؟ قال نعم لم یات رجل قط بمثل ما جئت الا عودی وان یدرکتی یومک انصرک نصرًا مؤخرًا" ثم لم ینشب ورقۃ ان توفی و فتر الوحی قال ابن شہاب و اخبرنی ابو سلمۃ بن عبد الرحمن ان جابر بن عبد اللہ الانصاری قال وهو یحدث عن فترة الوحی فقال فی حدیثہ: بینا انا امشی اذ سمعت صوتا من السماء فرفعت بصری فاذا الملک الذی جاء فی بحرآء جالس علی کرسی بین السماء والا رض فرعبت منه فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ تعالیٰ -

یابہا العذر قم فانذر وربک فکبر و ثیا بک فطهر والرجز فاهجر فحمی الوحی و تابع - تابعہ عبد اللہ بن یوسف و ابو صالح و تابعہ ہلال بن رواد عن الزہری وقال یونس و معمر بوادرہ -

ترجمہ - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ابتداء میں ایسے خوابوں سے وہی کا سلسلہ شروع ہوا آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہ اسی طرح پیدہ ہو کر اسی طرح نمودار ہو جاتا تھا پھر آپ کو غلط گزنی محبوب ہو گئی غار حراء میں غلوٹ اختیار فرماتے تھے کئی کئی رات وہیں مسلسل وہاں رہ کر عبادت گزار کرتے جب تک کہ گھر آنے کی رحمت نہ ہوتی وہاں کے لیے آپ تو شب بھر ساتھ لے جاتے تھے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس تشریف لاتے اور اسی طرح چند روز کا تو ساتھ لے جاتے تا آنکہ غار حراء میں تین (یعنی بی الہی) کا ظہور ہوا اور فرشتے نے آکر کہا پڑھئے - احصوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جواب دیا کہ "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" (کیونکہ پڑھ سکتا ہوں؟!) اس پر فرشتے نے مجھے پکار کر اتنے زور سے بھیجا کہ میری طاقت جواب دے گئی پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ پڑھئے! "میں نے کہا" میں تو پڑھنے والا نہیں" فرشتے نے مجھے دوبارہ بھی دہرایا کہ حسب سابق خوب دہرایا اور پھر چھوڑ کر کہا کہ "پڑھئے!" میں نے کہا "میں پڑھنے والا تو ہوں نہیں" (کس طرح پڑھوں؟) فرشتے نے تیسری بار مجھے پھر دہرایا اور کہا اقرأ باسم ربک الذی خلق الانسان من علق اقرأ وربک الا کرم (پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا انسان کو خون کی پچھلی سے پیدا فرمایا پڑھئے! آپ کا پروردگار بڑے کریم والا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آیات مذکورہ (کی لغت غیر مترقبہ) سے اپنے سینے کو معمور و موزون فرما کر واپس گھر تشریف لائے اس وقت آپ کا دل (جہلی وہی الہی کے رب و جلال سے) کانپ رہا تھا حضرت خدیجہ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے کس اور ہادو مجھے کس اور ہادو! انہوں نے کبیل

اڑھا دیا جب سکون کی کیفیت ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا حال سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا خدا کی قسم! وہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں تا تو ان کو بوجھ اٹھاتے ہیں اپنی کمائی میں مغلوس ناداروں کو شریک کرتے ہیں مہمان نوازی فرماتے ہیں اور راہ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرتے ہیں پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو وردہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کے چچا زاد بھتیجے تھے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو چکے تھے اور عبرانی زبان کے کاتب تھے چنانچہ انہیں کو بھی حسب توفیق خداوندی عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے بہت عمر رسیدہ تھے دینا ہی بھی جانتی رہی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا۔ بھائی! اپنے بھتیجے کا حال تو سنئے! وردہ نے پوچھا۔ بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ آپ نے جو دیکھا تھا بیان فرمادیا وردہ آپ کے حالات سن کر (بے ساختہ) بول اٹھی کہ ”یہ تو نبی ماموس ہے جس کو حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ کاش! میں تمہارے عہد نبوت میں جو ان ہوتا کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا! جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”کیا وہ لوگ مجھے مہما دیں گے؟“ وردہ نے کہا ”ہاں! جو شخص بھی اس طرح کی چیز لے کر آیا جیسی آپ لاتے ہیں لوگوں نے اس سے دشمنی کی ہے! اگر مجھے آپ کی نبوت کا زما نہ مل گیا تو میں آپ کی پوری قوت سے مدد کروں گا۔“

پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد وردہ کا انتقال ہو گیا اور وحی کا سلسلہ بھی کچھ مدت کے لیے بند ہو گیا (راوی حدیث مذکور) ابن شہاب کا قول ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے متوقف ہونے کا حال یوں بیان فرمایا تھا کہ ”میں ایک بار نکلتا چلا ایک مکان میں نے اس مکان سے ایک آواز سنی نظر اٹھا کر دیکھا تو وحی فرشتہ جو عارضہ میں میرے پاس آیا زین و آسان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں اس منظر سے پھر دہشت زدہ ہو گیا واپس ہو کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔“

”یا ایہا المصدرون قم فانظروا ربکم فیکبرو و فیابک فطہرو و الوجز فہاجرو“ (”اے مخالف میں لپٹنے والے! اٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں کو (عذاب الہی سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔“)

یعنی وحی الہی کے بوجھ اور فرشتہ کی بیعت سے آپ کو اس قدر خوفزدہ اور پریشان نہ ہونا چاہیے! آپ کا منصب نبوت تو بہت اعلیٰ و ارفع

۱۔ عام مفسرین نے اس سے مراد یہ لیا کہ بتوں کی عبادت سے دور رہو اس صورت میں اس آیت کا تعلق نماز سے نہ ہو گا یہ مراد ہو کہ بتوں سے بے تعلقی کا معاملہ رکھو وقت نماز میں بھی اور دوسرے اوقات میں بھی لیکن ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اس آیت میں شہادت چاہ نماز کی طرف اشارہ زیادہ رائج ہے مہیا کر اس سے پہلے جملے میں شہادت ثاب کا حکم ہے پس دونوں جملوں کا تعلق نماز سے رہے گا پھر اس امر پر تو شب کا اتفاق ہے کہ نماز ابتداء زمانہ نبوت سے تھی چنانچہ کتب سیر میں وارد ہے کہ جب اہل اہلسم ربک کا نزول ہوا تو اسی وقت پرنسپل علیہ السلام نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو نماز کا طریقہ بھی سکھایا تھا پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ صبح و شام کی دو نمازیں جو ابتداء مہد نبوت سے پڑھی گئیں وہ فرض تھیں یا نفل؟ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک ترجیح اس کوئی کہ نماز کی فرضیت ابتداء مہد نبوت ہی سے تھی مگر اس کی صفات اکیثات بدلتی رہتی تھیں تا آنکہ شب معراج میں وہ پانچ ہو گئیں اور شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی مدد صحت سابق کے پانچ قرار پایا لہذا آیت فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب میں تین تاویلیں کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں صرف دو نمازیں ذکر ہوئی ہیں (نماز فجر و عصر) جو پہلے سے فرض تھیں اس کے بعد ان پر اضافہ ہوا ہے اور اسی بے طریق ادا فرض وہ پانچ کی فرضیت سے پہلے بھی پڑھی گئیں اور بعد کو بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے بخبریں میں ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حائف سے واپسی میں) فجر کی نماز نفل تھیں پڑھی جنوں نے آپ کے پیچھے اقتداء کی۔ آپ نے سورہ بقرہ میں بتا دیا کہ نماز میں پانچ ہو گئیں اور یہی طریقہ نماز صبح کا بعد معراج بھی رہا اس موقع پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ امر بھی بطور تکتہ و لطیفہ اشراف فرمایا کہ بعد مدنی نے اپنی سیرت میں ایک جملہ بہت معنی خیز لکھا ہے اور ممکن ہے اس سے ان کا ارادہ خدیجہ کے مسلک کی تائید بھی ہو کہ سب سے پہلے سورہ اقرآن نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ کا نزول بعد ہوا ہے تو جب تک اس کا نزول نہیں ہوا تھا اس زمانے کی نمازیں کس طرح درست ہو سکتی؟ جب کہ فاتحہ رکن صلوٰۃ ہے کہ بغیر اس کے نماز درست ہی نہیں ہو سکتی تاہن رکعت دو تھے جواب دیر؟

ہے سب راحت و سکون کو خیر یاد کہہ کر خدا کے نافرمان بندوں کو اس کے غصے و عذاب اور کفر و معصیت کے بڑے انجام سے ڈرائیے! یہاں پر وردگار کی بڑائی بیان کرنے کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا کہ اس سے خدا کا خوف دل میں گھر کرتا ہے اور اس کی تعظیم و تقدیس ہی وہ فریضہ ہے جو تمام اخلاق و اعمال کی ادائیگی پر مقدم ہے چنانچہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے دعوت الی اللہ کا فرض پوری پورا اولوالعزمی سے انجام دیا پھر نماز وغیرہ کا حکم بھی آگیا جس کے لیے بدن کپڑوں اور جائے نماز وغیرہ کو گندگی سے پاک رکھنے کے احکام نازل ہوئے۔

اس کے بعد وحی تیزی کے ساتھ پے در پے آئے گی اس حدیث کو بخئی بن کبیر کے علاوہ لیث بن سعد سے عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے بھی روایت کیا ہے جس کو متابعت تامہ کہتے ہیں اور عقل کے علاوہ زہری سے ہلال بن رواد نے بھی روایت کیا ہے جس کو متابعت ناقصہ کہتے ہیں یونس و معمر نے فوادہ کی جگہ یوادرہ ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی نے شرح بخاری شریف میں اس موقع پر چال سند اصول حدیث اور معانی حدیث مذکور پر بڑی اہم علمیبحاث لکھی ہیں جو اعلیٰ علم خصوصاً علم حدیث کے لیے نہایت کارآمد ہیں علامہ ابن ابی جرہ نے بیہ الطوس میں اسی ایک حدیث سے نہایت اہم و نافع اے فوائد لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے یہاں صرف چند چیزیں لکھی جاتی ہیں:-

شرح حدیث

اچھے اور سچے خواب نبوت کا ایک جزو ہیں اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو وحی الہی کے ساتھ مشرف کرنے سے قبل سچے خواب دکھائے جاتے ہیں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے قبل چھ ماہ تک ایسے خواب دکھائے گئے اسی طویل مدت میں آپ کو منامات صادقہ کے ذریعہ علوم وحقائق نبوت اور عالم بالا سے پوری مناسبت کرا دی گئی جو بات آپ خواب میں دیکھتے جلدی اس کا ظہور بے کم و کاست ہو جاتا تھا گویا عالم مثال سے آپ کا رابطہ قائم کرا دیا گیا جو عالم غیب سے رابطہ کا مقدمہ ہے کیونکہ جتنی چیزیں موجود ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے ان کا وجود عالم غیب میں ہوتا ہے پھر عالم مثال میں منتقل ہوتی ہیں اس کے بعد عالم شہادت یعنی دنیا میں آتی ہیں مگر وہ عالم شہادت میں ظاہر ہونے والی چیزوں کا مشاہدہ قبل ظہور ہی عالم مثال میں کر لیتے تھے۔

عالم مثال

عالم مثال کی چیزوں میں مادہ نہیں ہوتا بلکہ صرف ان کی صورتیں مع طول و عرض کے ہوتی ہیں جیسے آئینہ میں ایک چیز کی صورت کا مشاہدہ لا مادہ مگر طول و عرض کے ساتھ ہوتا ہے عالم مثال کو اسی پر قیاس کر لیجئے! بعض حضرات نے جو یہ سمجھا ہے کہ ایک صورت سے دوسری میں تبدیل ہو جانا عالم مثال سے متعلق ہے اور قرآنی آیت فممثل لہا بصرًا موصوفاً کو استشہاد میں پیش کیا تو یہ خیال غلط ہے ایسی صورتوں کا تعلق عالم شہادت ہی سے ہے یہ مسئلہ بحمد ارواح اور تروح اجساد کا ہے اور اس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق ہم پھر کسی موقع سے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

عالم خواب

خواب میں چونکہ ہم مادی علاقے سے ایک حد تک منقطع ہو جاتے ہیں اس لیے ایسی چیزوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۶ ماہ تک اس طرح روحانی تربیت فرما کر حق تعالیٰ نے بیداری میں بھی خلوت گزینی آپ کے لیے محبوب بنادی تاکہ ظاہری آنکھوں سے بھی قیمتی مشاہدات کا معائنہ میسر ہو۔

انتخاب حراء

مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر غار حراء میں آپ کی خلوت گزینی غالباً اس لیے بھی زیادہ موزوں و مرقی کہ وہاں انبیاء سابقین

اور آپ کے جدا محمد عبدالمطلب نے بھی غلوت اختیار فرمائی تھی دوسرے اس لیے بھی کہ اس غار کا ایک حصہ بیت اللہ کی طرف جھکا ہوا ہے جس سے بیت اللہ پر نظر پڑتی ہے جو خود بھی ایک عبادت ہے وہاں آپ نے کتنی غلوت گزرنی فرمائی، بعض روایات ۴۰ دن کی بھی آتی ہیں مگر وہ زیادہ قوی نہیں ہیں اس لیے ان سے مروجہ چلہ کشی پر استدلال بھی قوی نہیں اگرچہ اس کی افادیت ظاہر ہے اور اولیاء اللہ کے طریقے پر کسی عبادت کے ادا کرنے میں برکت بھی ہے بشرطیکہ اس کو سنت کا درجہ نہ دیا جائے۔

دوسرے ایک فرقہ یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند چند روز کے بعد دولت مکہ پر تشریف لاتے رہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ضروری سامان و قوت لے کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس پہنچ جاتی تھیں، مشکوٰۃ شریف باب المناقب میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غار حرا میں تشریف لائے (یہ غالباً عہد نبوت کا واقعہ ہے) اور فرمایا کہ خدیجہ آ رہی ہیں ان کو رب العالمین کا سلام کہتا اور جنت میں موتیوں کے گھر کی بشارت سنایا۔

عطاء نبوت و نزول وحی

سچے خواہوں کے بعد غار حرا کی غلوت گزرنی کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک نہایت عظیم و مبارک دن وہ بھی آ پہنچا کہ آپ حق تعالیٰ کی طرف سے خلعت رسالت سے سرفراز ہوئے خدا کا فرشتہ پہلی وحی لے کر پہنچ گیا جس سے دنیا کے اس آخری دور کے زیر لمحات کی ابتداء ہو گئی۔ اب یہاں انبیاء سابقین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں فرق پر بھی نظر رکھیے پہلے جتنی وحی آتی رہی وہ سب وحی غیر مکتوہ کے درجہ کی تھی جیسے ہمارے یہاں کی احادیث صحیحہ جن کے معانی و مطالب تو وحی خداوندی ہیں مگر الفاظ و کلمات اس طرح نہیں اور یہی شان کتب سماویہ انبیاء سابقین کی بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی وحی نازل ہوئی اس کے دو حصے ہو گئے۔ ایک وحی مکتوہ (جو قرآن مجید کی صورت میں ہے کہ اس کے کلمات و معانی سب خدا کی طرف سے بطریق محفوظ ہم تک پہنچے ہیں دوسرے وحی غیر مکتوہ (جو احادیث رسول کی صورت میں ہے کہ اس کے معنی خدا کی طرف سے اور کلمات رسول خدا کے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید کی روایت بالجمعی درست نہیں بخلاف حدیث کے کہ اس کی روایت بالجمعی بھی جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تربیت حق تعالیٰ کی خصوصی شان ربوبیت کے تحت ہوئی ہے کیونکہ آپ کو وحی مکتوہ کے سب سے زیادہ عظیم المرتبت درجہ وحی سے نوازا تھا جو آپ کے اخص خصوص درجہ نبی الانبیاء اور مرتبہ حاکم الاممین کے شایان شان تھی مگر اس وحی عظیم کے لیے کتنی بڑی قوت برداشت کی ضرورت تھی اس کا اندازہ حدیث کے مذکورہ بالا مآلوں سے بخوبی ہو سکتا ہے اس لیے حیرت استعجاب اس امر پر بالکل نہ ہونا چاہیے کہ آپ ایسے رسول اعظم کو زخوف و دہشت و گھبراہٹ کی صورت کیوں پیش آئی، بلکہ حیرت اور عظیم حیرت اس پر ہوئی چاہیے کہ اس دنیا کے اندر رہ کر اور باوجود تمام بشری تقاضوں اور کمزوریوں کے بھی، کیونکہ ایک بشر نے اس وحی اعظم کے نزول اجلال کا بوجھ برداشت کر لیا جس کو بتقریب قرآن مجید ہی اگر کسی پہاڑ پر اتار دیا جاتا تو خوف و خشیت خداوندی کے باعث ٹوٹ پھوٹ کر بڑھ بڑھ جاتا یہی وجہ ہے کہ پہلی وحی کے بعد تین سال کی طویل مدت فترت وحی کی رہی کہ اس میں نزول وحی کا سلسلہ قطعاً بند رہا اتنی بڑی عظیم نعمت خداوندی کا نزول ہو کر دفعہ رک جانا اور وہ بھی اتنے طویل عرصہ تک آپ پر ہتھاشاک گزرا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے برابر کبھی کوئی دوسرا صمد آپ کے قلب منور نے برداشت نہیں کیا اور اتنے عظیم صدمہ کو تین سال تک صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنا آپ کے نبی الانبیاء کی اولوالعزمی کی بہت بڑی خصوصیت قرار پائی ہے درحقیقت خلعت رسالت عطا ہوجانے کے بعد کی سہ سالہ روحانی تربیت نے آپ کی روحانی ترقیات کو اوج کمال پر پہنچا دیا تھا یہی لیے اس مدت کے گزرنے پر آپ پر نزول وحی کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری ہو گیا کہ باقی تین سال کی قلیل مدت میں تقریباً ۳۳ ہزار بار آپ پر نزول وحی الہی سے شرف سیاب ہوئے۔

اس موقع پر جو بعض حضرات نے آپ کی خوف و ہمت وغیرہ کو عام ضعف انسانی و بشری کے سبب بتلایا اس کا اظہار بطور سیاست جائز سمجھتا اس کو ہم آپ کے عظیم مرتبہ رسالت کے شایان نہیں دیکھتے۔ واللہ اعلم جن لوگوں نے اس حالت کو تردیفی الغیوت سمجھا وہ تو انبیاء علیہم السلام کے ایمان و یقین کے مدارج عالیہ اور علوم و کمالات نبوت سے بالکل غنی و تواقف ہیں المہم ارنا الحق حقواً الباطل باطلاً

دبانے کا فائدہ

صاحب ”پہچہ الخس“ نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقصد آپ کو اپنے سینہ سے ملا کر دبانے سے یہ تھا کہ آپ کے اندر ایک زبردست قوت نور یہ پیدا ہو جائے، جس سے آپ وحی الہی کا قتل فرما سکیں اور اس قسم کے تعزقات و انبیاء اللہ کے یہاں بھی پائے گئے ہیں، ایک بزرگ ولی اللہ کا واقعہ نقل ہوا ہے کہ ان کے پاس چند علماء وقت نے آکر اعتراض کئے ان بزرگوں نے خود جواب دینا پسند نہ کیا اور ایک عالی جاہل چاہے جو کچھ مجلس میں سے ملا کر اپنے سینہ سے ملایا اور فرمایا کہ تم ان کے اعتراضات کا جواب دو۔ اس نے نہایت اعلیٰ جوابات دیے، پھر ان لوگوں نے مزید اعتراضات کئے تو ان کے بھی جوابات دے کر ان سب اہل علم و فقہا کو سکت کر دیا۔

پھر ان بزرگ نے اس شخص کو بلا کر دوبارہ سینہ سے ملایا تو پھر ویسا ہی جاہل بن گیا، جیسا تھا، اس پر اس نے عرض کیا کہ جناب والا میں نے سنا ہے خاصاً خدا جب کسی کو کچھ عطا کر دیتے ہیں تو اس کو واپس نہیں لیتے بزرگ نے فرمایا کہ یہ درست ہے جو تم کہتے ہو مگر تمہارا حصہ اس علم میں نہیں ہے، پھر اس کو ایک دوسری نعمت کی بشارت دی جو اس کو حاصل ہوئی۔

صاحب بجز نے اس قصہ کو نقل کر کے لکھا کہ جب ایک بشر کے لیے بشری ملامت سے یہ اثر ہو سکتا ہے تو روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) کے جس کی ملامت سے جد اطہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا کچھ اثرات نہ پیدا ہوئے ہوں گے، اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ باقی باللہ (شیخ و مرشد حضرت مجدد صاحب سرہندی) کا بھی منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ کے یہاں چند مہمان آگئے اور اس وقت ان کی نیافت کے لیے آپ کے یہاں کچھ موجود نہ تھا۔ آپ کچھ متردد ہوئے کہ بڑی نان بائی کو خبر مل گئی جو فوراً ہی ایک سنی میں کھانا لگا کر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ بہت خوش ہوئے اور اس سے فرمایا کہ جو چاہو مانگ سکتے ہو، نان بائی نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ آپ مجھے اپنا چھبیا کر دیجئے! خواجہ صاحب نے فرمایا تم اس کو برداشت نہ کر سکو گے، کوئی اور چیز طلب کرو، مگر وہ اپنے مطالبے پر مصر رہا، اس پر خواجہ صاحب اس کو اپنے حجرے میں لے گئے، اور اس پر اتحادی توجہ ڈالی، کچھ دیر کے بعد لفظ تو دونوں کی صورت بالکل ایک سی تھی، صرف اتنا فرق تھا کہ خواجہ صاحب پر اطمینان و بشارت کی کیفیت تھی، اور نان بائی پر انتہائی اضطراب گھبراہٹ و پریشانی کا عالم طاری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کیفیت یا حضرت خواجہ صاحب کی نسبت تو یہ کہ برداشت نہ کر سکا اور دو تین دن کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر توجہ اتحدی قبول کرنے والا جو ہر قابل ہو تو اس کو نہ صرف یہ کہ کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ وہ کم سے کم وقت میں دوسرے کے کمالات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحب سرہندی قدس سرہ ہی کے بارے میں منقول ہے کہ انہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں حضرت مجدد صاحب پہنچے، اور بیعت ہوئے اور چند ہی روز میں آپ قطیعت، فردیت وغیرہ مدارج عالیہ تک ترقی فرمائی اور خود خواجہ صاحب نے آپ کو قرب و نہایت وصول الی اللہ کے مرتبہ علیہ کی تحصیل و تکمیل کی بشارت سنائی۔ اور فرمایا کہ شیخ احمد سرہندی ہمارے یہاں آئے، جو کثیر العلم قوی العمل ہیں، چند ہی روز میں ہم نے ان کے بہت سے عجائب و غرائب حالات مشاہدہ کئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آفتاب ہوگا، جس سے سارا جہاں روشن ہوگا۔ ایک روز یوں بھی فرمایا کہ شیخ احمد

سرہندی ایک ایسا سورج ہے جس کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توحید قبول کرنے والا بھی توحید پینے والے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت خواجہ صاحب نے خود فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب کی مثال سورج کی سی ہے، اور ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کے سایہ میں گم ہیں۔

اب اپنے اصل موضوع کی طرف آجائے اور اجمعی طرح سمجھ لیجئے کہ سرور کائنات، فخر موجودات، افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و کمالات کی نسبت بھی تمام انبیاء و سابقین اور ملانکہ مقررین وغیرہ کے مقابلہ میں بالکل ایسی ہی ہے، جسے ایک سورج کی نسبت ستاروں سے ہوتی ہے اور ابتدائی حالات میں جبرائیل علیہ السلام کے آپ کو پا کر روحانی توجہات کے اتمام فرمانے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ سے افضل ہیں یا آپ پر نسبت ان کے علوم و کمالات میں کم درجہ رکھتے ہیں۔ دوسری مثال محض سمجھنے کے لئے ایسی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ کے ارکان دولت و مقررین بارگاہ میں ہوتے ہیں، کچھ ایسے مستند خاص ہوتے ہیں جو اس کے پیغامات و درود اس تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن اس بادشاہ کا ایک وزیر اعظم ہوتا ہے جو اس کا سب سے بڑا مستند نائب و خلیفہ ہوتا ہے، وہ اگرچہ بادشاہ کی مجلس کا ہر وقت حاضر باش نہیں ہوتا بلکہ بعض اہم ضرورتوں کے باعث کافی دور دراز مسافت پر بھی رہتا ہے اور وہاں ایک طویل مدت مصالح ملکی کے انتظام و انصرام میں گزار دیتا ہے، لیکن جبرائیل، تقرب اور درجہ بادشاہ کے یہاں اس کا ہوتا ہے، وہ نہ بادشاہ کے اپنے اہل خاندان میں کسی کا ہوتا ہے، نہ کسی بڑے سے بڑے مقرب درباری کا، نہ دوسرے وزراء و ارکان دولت کا۔ اس لئے کہ بادشاہ کے ملکی مصالح اور ان کے تئیں دھڑا کو پہنچانے والا جس قدر وہ ہوتا ہے، دوسرا نہیں ہو سکتا۔

اسی لیے جب بادشاہ کو کوئی انص خصوص مشورہ کرنا ہوگا یا کوئی خاص الخاص ہدایت دینی ہوگی تو صرف اسی سے الگ بلا کر مشورہ کرے گا اور وہ بھی اس احتیاط سے کہ اس وقت کوئی دوسرا اس کا بڑے سے بڑا مقرب و محبوب بھی وہاں آس پاس نہیں جاسکتا یا اگر اس کا وزیر اعظم کہیں دور ہوگا تو بادشاہ کا خاص درباری مقرب اپنی اس کا پیغام لے کر جائے گا اور با احتیاط تمام وزیر اعظم کو پہنچا دے گا۔ پھر ظاہر ہے کہ اس پیغام کے پورے مقاصد اور اس کی پارکیوں کو جس قدر بادشاہ کا وزیر اعظم سمجھ سکے گا وہ درمیانی اپنی بھی نہیں سمجھ سکتا، اس لئے وزیر اعظم پر اس پیغام کو سونپنے سمجھنے اس پر عمل درآمد کرنے کی ذمہ داریوں کا جس قدر عظیم بوجھ پڑے گا درمیانی پیغام پر اس کا سوا دل حصہ بھی نہ ہوگا اس کے ساتھ یہ بھی گزارش ہے کہ بادشاہ کی حیثیت یا وزیر اعظم کی پوزیشن اپنے دور کے حالات سے نہ قیاس کیجئے، کیونکہ اول تو اسی عوامی دور کے بادشاہوں کے وہ پہلے سے اختیارات و ذمہ داریاں نہیں ہیں، پھر وزیر اعظم اور دوسرے وزراء و عوام کے رجحانات وغیرہ کے لحاظ سے بنتے ہیں اسی لیے وہ عوام کے یا اکثریت کے رجحانات کا ساتھ دینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کی تہدیلیاں بھی جلد جلد عمل میں آتی رہتی ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کی شہنشاہیت کے اصول اس سے بالکل جدا ہیں، وہ خود عالم الغیب والسرائر ہے ایک ایک کے دلوں کے مجید سے واقف ہے اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اس کے بھی مقررین بارگاہ میں دین و دنیا دونوں کے نظام عالم چلانے کے لیے وزراء و نائبین ہیں جن میں سے سب سے بڑے نائب و خلیفہ ہونے کا طرہ امتیاز انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوا۔ اس لیے ضروری تھا کہ علمی کمالات میں ان کا مرتبہ سب سے اونچا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی علمی و روحانی تربیت کو دنیا کے ظاہری وسائل سے الگ کر کے اپنے فضل خاص کے تحت رکھا، سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے وہ علوم اتمام فرمائے جن کے باعث ان کی برتری و افضلیت تمام ملانکہ اور جن و انس پر مسلم ہوگئی اور اس کے عملی اعتراف کے طور پر ان کو تعظیمی سجدہ کر دیا گیا، پھر ان کے بعد بھی جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے ان سب کی بھی اسی طرح تربیت و تعلیم ہوتی رہی اور یہ سب انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانہ و علاقہ رسالت کے لیے خدا کی طرف سے اس کے وزراء کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے بعد تمام نبیوں کے سرور سب کے علوم و کمالات کے جامع سب کی شریعتوں کے محافظ سکھوں کی شرائع سے زیادہ مکمل دین و شریعت کے حامل، فخر موجودات خاتم النبیین والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے آخری دور میں حق تعالیٰ کے وزیر اعظم کی حیثیت سے تشریف

لاتے جن کا سب سے بڑا جزو بھی علیؑ مجروح قرآن مجید ہے جو قیام قیامت تک کامل شریعت مکمل دستور العمل اور نہ منسوخ ہونے والا قانون الہی ہے۔ آپ کو وہ علوم و کمالات اور روحانی مدارج حق تحالے نے عطا فرمائے جو کسی نبی مرسل یا ملک مقرب کو بھی عطا نہیں ہوئے آپ کے علمی و روحانی فیض سے تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاراں ہزار صحابہ کے قلوب جگمگا اٹھے اور ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھی بھی اس مرتبہ پر قانع ہو گئے کہ بڑے سے بڑا ولی کامل وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور بعد وفات بھی آپ کے روحانی فیض سے تمام مومنین کی ارواح طیبہ برابر سیراب ہوتی رہیں اور قیامت تک آپ کا فیض اسی طرح باقی رہے گا اللھم اللھنا جمعہا بنفحاتہ الطیبۃ ووفقنا لما تحب وترضی بمنک وکریمک یا ارحم الراحمین۔

صاحبِ نبیؐ نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا "سکلا واللہ لا یحزیک اللہ" الخ فرماتا اس لیے تھا کہ دنیاوی تجربات سے یہ بات مشہور و معلوم تھی کہ جس شخص کے اخلاق و خصائل اس قسم کے ہوتے ہیں وہ خدا کا محبوب بندہ ہوتا ہے اور اس کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ نیز حدیث میں بھی آتا ہے کہ حسن سلوک کا کردار ذلت و کجبت کی رسائیوں سے محفوظ کرتا ہے۔ یہاں پانچ حُصائل کا ذکر ہوا ہے جو اصولِ مکارمِ اخلاق ہیں دوسری روایت میں تصدیق الکلام اور تودی الامانات بھی آیا ہے کہ آپ صبح بولتے ہیں اور اموات کی کی ادائیگی فرماتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زندہ باندگی عادت و تجربات کے مطابق بھی کوئی بات کہنا درست ہے بشرطیکہ اس سے اوامر و نواہی شرعیہ میں کوئی غلط واقع نہ ہوتا ہو۔

اکثر ہواں آخری فائدہ صاحبِ بیہد العفوس امام ابن ابی جرہ نے اس پر لکھا کہ کجی الوقی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقصد ہے آپ نے لکھا ہے کہ ابتداء وحی کے بیان میں قتل رسالت کے خوابوں کے مطابق ظہور واقعات کو طلوع سپیدۂ سحر سے تشبیہ دی گئی تھی لہذا جب نزول وحی کا وقت پہنچا تو وہ رسالت کا طلوع شمس تھا اور جس طرح طلوع کے بعد آفتاب کی روشنی و گرمی برابر ہوتی رہتی ہے آفتاب رسالت نے بھی اپنے ترقی پزیر نور و حرارت سے سارے عالم امکان کو پوری طرح نور و حرارت سے فیضیاب کر دیا تھا۔

پھر اس تشبیہ سے ممکن تھا کہ کوئی سمجھے کہ جس طرح بعد نصف النہار آفتاب مساوی کی حرارت و نور میں کمی آنے لگتی ہے آفتاب رسالت کے فیض میں بھی کمی ہوئی تو حقیقی الوقی کے ساتھ دتالیخ کا لفظ زیادہ کیا تاکہ بتلایا جاسکے کہ آفتاب رسالت کا فیضان ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ برابر بڑھتا چلا جاتا گیا اور عرصہ نبوت کی گرمی و حرارت روشنی و تابناکی میں کوئی زوال و انحطاط نہ آ سکا صفحہ (۱/۲۵)

بحث و نظر: قرآن مجید میں جو ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی ہے اس کے بارے میں احمد، محدثین و فقہاء میں یہ بحث رہی ہے کہ وہ ہر سورت کا جزو بھی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے عین مذاہب ہیں امام مالک و امام اوزاعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ نہ قرآن مجید کی آیت ہے جو اس کے جو سورہ محل کے وسط میں نازل ہوئی ہے (بعض حنفیہ و بعض اصحاب امام احمد کا بھی یہی مذاہب ہے اور وہ لوگ خود امام احمد سے بھی ایک روایت اسی کی بیان کرتے ہیں) دوسرا بالکل اس کے مقابل امام شافعی کا قول ہے کہ وہ سورہ فاتحہ اور دوسری ہر سورت کا جزو ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جو سورہ فاتحہ کے اور سورتوں کا جزو نہیں ہے تیسرا مذاہب اکثر فقہاء و محدثین احناف امام احمد بن مبارک وغیرہ کا ہے کہ وہ قرآن کا جزو ہے جس طرح کہ ہر سورت کے شروع میں مکتوب ہے مگر وہ کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ بقول حافظ زبلیؒ کے یہ قول وسط (درمیان) اور محققین اہل علم کا ہے کیونکہ تمام حدیثی دلائل اور تاریخی روشنی میں یہی فیصلہ بہتر ہے۔

اس کے بعد یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ نماز میں سورت کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے امام مالک کا مشہور مذاہب یہ ہے کہ آہستہ و جہر دونوں طرح سے اس کا پڑھنا نماز میں مکروہ ہے امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب وہ سورہ فاتحہ کا جزو ہے اس کی قرأت واجب ہے حنفیہ اور اکثر محدثین کا قول یہ ہے کہ اس کی قرأت مستحب ہے۔

پھر قرأت کے قائلین میں سے امام شافعی اور ان کے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ جہاں قرأت مسنون ہے، امام ابوحنیفہ، جہاں اجماع ہے اورائے فقہاء اصحاب اور جماعت اصحاب امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ جہاں پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ اعلیٰ بن راہویہ ابن حزم وغیرہ کا قول یہ ہے کہ اختیار ہے کہ آہستہ پڑھ لے یا آواز سے۔ (نصب الراية وتفتحة الاحوذی)

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے درس کے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ شافعیہ پر اعتراض ہوا ہے کہ اگر بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہوتی تو سورۃ اقرء کے شروع میں بھی نازل ہوتی اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ بسم اللہ کا مضمون اس سورت کے شروع میں ادا ہو گیا ہے دوسرے یہ کہ جب آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو اس کے بعد سورہ مذکورہ کا جزو بن گئی ہے لیکن یہ جواب کمزور ہے کیونکہ بحث متعارف و محمود و حبیہ بسم اللہ الخ میں ہے اس کے معنی و مطلب میں نہیں ہے۔

حافظ یثربی نے نصب الراية کے مطبوعہ چالیس صفحات میں اس بحث کو نہایت کافی و شافی تفصیل سے لکھا ہے ہر مذہب کے دلائل ذکر کئے ہیں اور اعتراضات و جوابات بھی لکھ دیئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احناف کا مسلک سب سے زیادہ قوی ہے اسی لیے علامہ مبارک پوری نے ہادو جو اپنے تعصب کے اقرار کیا کہ میرے نزدیک نماز میں بسم اللہ کے جوہر سے انفا و اسرار زیادہ بہتر ہے۔ امام ترمذی نے ترک جہر بسم اللہ کا باب قائم کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر حضرت عمر و عثمان سب کے ساتھ نمازیں پڑھیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ بسم اللہ پڑھتے ہوں اس حدیث کے روایت میں جلیل القدر محدث شہیر امام شعبہ بھی ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت انس سے اس کو سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! ہم نے ان سے سوال کر کے تحقیق کی تھی امام اوزاعی محدث شام کی روایت میں ہے کہ حضرت قتادہ نے حضرت انس سے اس طرح روایت کی ہے کہ میں نے ان سب حضرات کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں وہ سب الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہ اول قرأت میں پڑھتے تھے نہ آخر میں بعض قائلین جہر نے کہا ہے کہ ممکن ہے ان سب حضرات نے جہر پڑھی ہو مگر حضرت انس نے نہ سنا وہ اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ حدیث انس کو عدم سماع پر محمول کرنا تاویل نہیں بلکہ تحریف کے درجہ میں ہے (فتح الملکم صفحہ ۳۳۲)

کیونکہ حضرت انس دس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے پھر ہر سر خلفاء مذکورین کے ساتھ ۲۵ سال گزارے اچھے عرصہ بعد میں روزانہ کی جہری نمازوں میں یہ سب حضرات جہر بسم اللہ پڑھتے اور آپ کو خبر نہ ہوتی یہ قطعاً محال اور دور از عقل بات ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۱۵۵/۲ میں لکھا کہ حضرت انس کی مختلف روایات جمع کرنے سے تو بظاہر لگتی جہری ثابت ہے مگر یہ امر بہت مستبعد ہے کہ حضرت انس اسی طویل مدت ان حضرات کے ساتھ گزار کر بھی کبھی جہر بسم اللہ پڑھنے کو کسی ایک نماز میں بھی ان سے نہ سنے (یعنی سن کر بھول گئے ہوں گے) حضرت انس نے ایک روایت میں خود اعتراف کیا کہ مجھے اس بارے میں یاد نہیں رہا تو کیا ایسا ہوا ہوگا کہ زیادہ زمانہ گزرنے کی وجہ سے وہ اس کو بھول گئے ہوں گے پھر یاد پر زور ڈالنے سے جہر قاتح تو یاد آیا اور جہر بسم اللہ کا استحضار نہ ہو سکا۔ لہذا جس روایت سے جہر بسم اللہ کا ثبوت ہے وہ لفظی جہر والی روایت پر مقدم ہوگی (خصوصاً اس لئے بھی کہ حضرت انس والی لفظی روایات میں بھی مذکورہ بالا استحالة موجود ہے لہذا جہر والی روایت پر عمل متین ہو گیا۔

یہاں حافظ نے اپنے مسلک شافعی کی تائید میں بالکل اٹھکا استدلال کیا ہے اول تو حضرت انس کے یاد نہ کرنے کی روایت مرویات صحاح سے کم درجہ کی ہے دوسرے غالب احتمال یہ ہے کہ حضرت انس نے آخر عمر میں ذہول غالب ہونے کے زمانے میں ایسا فرمایا ہوگا کہ اب مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے اور آخر عمر میں اس طرح اور مسائل میں بھی انہوں نے فرما دیا ہے اور دوسرے حضرات سے بھی ایسا یہ کثرت مقول ہے کہ حدیث بیان کر کے بھول گئے آخر عمر میں حافظہ کمزور ہونے کی وجہ سے یاد نہ رہا مگر حافظ نے اس کے خلاف نیا طرز استدلال نکالا کہ ایک شخص کچھ

مدت گزرنے کی وجہ سے ایک واقعہ بھول جائے اور پھر اس کے بعد کے زمانے میں وہ اس کو یاد کر لے اور اس طرح جزم و یقین کے ساتھ حضرت انسؓ کی طرح روایت بھی کرنے لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت انسؓ سے سوال ان کے انکار قرأت جبری کے بعد قرأت سری کے بارے میں ہوا ہو جس پر انہوں نے فرمایا کہ تم مجھ سے ایسی بات پوچھتے ہو جو مجھے یاد نہیں۔ (چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے ”الانصاف“ صفحہ ۲۶ میں لکھا کہ میرے نزدیک جس نے حضرت انسؓ سے یا دیگر بات کی وہ اس پر مقدم ہے جس نے بھول کے زمانہ میں ان سے سوال کیا (نصب الرایہ صفحہ ۱۳/۱)

واضح ہو کہ امام ترمذی نے ترک جہر بم ائدھ کا باب قائم کر کے حدیث بزیہ بن عبد اللہ بن مغفلؓ روایت کی کہ میں نے نماز میں الحمد سے پہلے بم اللہ پڑھی تو میرے والد نے فرمایا کہ بیٹا یہ محدث و بدعت ہے اور صحابہ کرام کو سب سے زیادہ بغض اسلام میں تھی باتوں کا پیدا کرنا تھا پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ میں نماز میں پڑھی ہیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ بم اللہ پڑھتے ہوں تم بھی مت پڑھو! اللہ اللہ رب العالمین سے پڑھو! امام ترمذی نے لکھا کہ یہ حدیث حسن ہے اور ای پر اکثر اہل علم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ وغیرہم اور ان کے بعد تابعین کا عمل رہا اور اس کو سفیان ثوریؒ ابن مبارک امام احمد و حنفی نے اختیار کیا وہ کہتے ہیں کہ بم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ نہ جائے جہر سے نہ پڑھی جائے حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ احادیث جہر کی روایت نہ صحاح میں ہوئی نہ مسانید مشہورہ میں البتہ ان کی روایت حاکم اور دارقطنی نے کی ہے اور حاکم کا تسلسل سب جانتے ہیں کہ وہ احادیث ضیف بلکہ موضوعات تک کی تصحیح کر دیتے ہیں۔ دارقطنی نے اپنی کتاب کو احادیث غریبہ شاذہ اور معلولہ سے بھر دیا ہے اور کتنی ہی احادیث ایسی لائے ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتیں۔

حافظ ذہبی نے یہ بجا رہا ہے کہ بخاری باوجود اس کے کہ مذہب حنفی سے شدید تعصب رکھتے ہیں اور اس پر اعتراضات کرنے میں بہت پیش پیش ہیں ایک حدیث بھی جہر بم اللہ کی نہیں لائے اور مسلم میں بھی ایسی کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ دونوں حضرات نے حدیث انسؓ ہی کی روایت کی جو خفاء بم اللہ پر دلیل ہے اگر کہا جائے کہ ان دونوں حضرات نے یہ کب التزام کیا ہے کہ ہر صحیح حدیث کو ضرور ذکر کریں گے؟ ممکن ہے کہ اور احادیث صحیحہ کی طرح حدیث جہر بم اللہ کو بھی ترک کیا ہو تو ایسی بات کوئی جاہل یا کثرت حجت جھگڑا لوی کہہ سکتا ہے کیونکہ جہر بم اللہ کا مسئلہ نہایت مشہور امام و مشکل مسائل فقہ میں سے ہے جس پر بڑے بڑے مناظرے ہوتے ہیں اور تصانیف کا اہم موضوع بحث رہا ہے۔ اور امام بخاری کو حدیث و سنت کے راستہ سے امام ابو حنیفہؒ پر ہونے والے اعتراضات کی بڑی تلاش و جستجو رہی ہے وہ اپنی تصانیف کے ابتداء ہی میں باب الصلوٰۃ من الایمان کا باب قائم کر کے احادیث روایت کی ہیں اور مقصد امام صاحب پر رد کرنا ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے اعمال بزو ایمان نہیں ہیں حالانکہ یہ مسئلہ بہت سے فقہاء کو بھی معلوم نہیں اور مسئلہ جہر کی شہرت عوام و جہلانک میں بھی ہے۔ اسی طرح بخاری بہت سی جگہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا اور حدیث کے قال بعض الناس کذا اور کذا لکھتے ہیں جس سے اشارہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف ہوتا ہے اور ان طرز سے امام صاحب پر طنز و تشبیہ کر کے دکھاتے ہیں کہ امام صاحب حدیث کی مخالفت کرتے ہیں غرض ان کے پاس کوئی صحیح حدیث جہر بم اللہ کی ہوئی تو کیوں نہ لاتے ایسا ناممکن تھا بلکہ بحال اور میں خدا نے ہر ترکے حلف اور پھر خدا کے حلف سے کہتا ہوں کہ اگر امام بخاریؒ اپنی شرائط کے مطابق یا اس کے قریب دیکھ کر ایک حدیث بھی مل جاتی تو اپنی تصحیح کو ہرگز اس سے خالی نہ چھوڑتے اور کوئی حدیث صحیح ہوتی تو امام مسلم بھی ضرور لاتے پھر امام ابو داؤد امام ترمذی امام ابن ماجہ نے بھی تو کوئی حدیث جہر بم اللہ کی روایت نہیں کی حالانکہ ان کی کتابوں میں احادیث ستیہ اور اسانید ضعیفہ بھی موجود ہیں۔ البتہ نسائی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی لائے ہیں جس کا ضعف ہم بیان کر چکے ہیں۔ (نصب الرایہ صفحہ ۱۳/۵)

دارقطنی نے مصر جا کر بہت سی احادیث جہر بم اللہ کی جمع کی تھیں لیکن جب ان کو حلف دے کر پوچھا گیا کہ ان میں کوئی صحیح مرفوع بھی ہے تو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کسی کا ثبوت صحیح و قوی طریق سے نہیں ہے البتہ صحابہ سے کچھ صحیح ہیں کچھ ضعیف۔

لے حاکم کے کتابات پر پناہ ہے اگر اندر دھند نہ نکام حافظ زبیدی نے صفحہ ۱۳۴/۱ میں لکھا ہے۔ جو جھٹکھن علم حدیث کے لیے بہت کارآمد ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے ”بدی“ میں لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جبرہم اللہ بھی ثابت ہوا ہے (جو تسلیم وغیرہ کے لیے ہوگا) مگر افتاء کا ثبوت زیادہ ہے کیونکہ اگر آپؐ ہمیشہ جبر فرماتے تو خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ سے کیونکہ مخفی رہتا۔ یہ بڑی محال بات ہے اور اس کو مجمل الفاظ یا کزور احادیث سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جوا حدیث ہے جسے ثبوت میں صحیح ہو سکتی ہیں وہ صریح نہیں ہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح ہیں۔ (خاتلم ص ۷۷)

حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں بھی اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور قائلین جبر کی طرف سے تین استدلال نقل کئے ہیں ایک یہ کہ جبر کی احادیث طرق کثیرہ سے مروی ہیں۔ اور ترک جبر کی صرف حضرت انسؓ و عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہیں لہذا ترجیح کثرت کو ہونی چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ ترجیح کثرت کی وجہ سے جب ہوتی ہے کہ مستند صحیح ہو اور یہاں جبر میں کوئی حدیث مرفوع ثابت نہیں ہو سکتی البتہ بعض صحابہ سے موقوف ثبوت ملتا ہے (جیسا کہ اس کا اعتراف خود دارقطنی سے بھی اوپر ذکر ہوا ہے)

دوسرا استدلال یہ ہے کہ احادیث جبر ثبوت ہیں دوسری احادیث ثانی ہیں اور ثبوت کو ثانی پر ترجیح ہے حافظ کا یہی استدلال اوپر فتح الباری کے حوالہ سے بھی ہم نقل کر آئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث ثانی اگرچہ بظاہر ثانی ہیں مگر حقیقتاً وہ ثبوت ہیں۔

تیسرا استدلال یہ ہے کہ جس راوی سے ترک جبر مروی ہے اس سے جبر بھی مروی ہوا ہے بلکہ حضرت انسؓ سے اس کا انکار بھی منقول ہوا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے آپؐ سے حفظ کے زمانے میں سنا وہ مقدم ہے اس سے جس نے نیاں کے زمانے میں سنا۔ (خاتلم ص ۷۸)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ یا ہر سورت کا جزو نہ ہونے اور اس کو نماز میں بلند آواز سے نہ پڑھنے کے بارے میں امام اعظمؒ کا مسلک زیادہ قوی وسط و معتدل اور مؤید بالا احادیث الصحیحہ و مؤکدہ بآثار الصحاح و الآثار البین ہے جس کی مکمل و مدلل محدثانہ بحث نصب الرایہ میں دیکھی جاسکتی ہے اس کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ محدثین احناف کے عمل بالحدیث و اتباع سنت کا طریق اتین پر نسبت دوسرے حضرات کے کس درجہ فائق اور تعصب و جنگ نظری وغیرہ سے کتنا بعید ہے۔ بحث مذکور کی مناسبت سے آخر میں ہم حضرت تھانویؒ کی قدس سرہ کی ایک ضروری مفید علمی تحقیق امداد الفتاویٰ صفحہ ۷۷/۱ سے نقل کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ امام عاصم کے نزدیک ہر دو صورتوں کے درمیان ہم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور امام اعظمؒ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورت پر ہم اللہ نہیں پڑھی جاتی صرف ایک مرتبہ کی غیر ممکن سورت کے اول میں پڑھی جاتی ہے اس صورت میں فہم کلام مجیدہ روایت حفص عن العاصم کس طرح پورا ہوگا؟ اس کے جواب میں حضرت قدس سرہؒ نے تحریر فرمایا کہ ہم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قرأت سے متعلق ہے دوسرا فقہ سے اول کا حاصل یہ ہے کہ گو ہم اللہ ہر سورت کا جزو نہ ہو مگر روایت اس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قرأت اس روایت کے موافق نہ ہوگی گو کوئی جزو متروک نہ ہوا ہو جب کہ کم از کم کسی ایک سورت پر پڑھ لے دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گورایت ہر سورت پر ہم اللہ منقول ہو لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے بلکہ جزو مطلق قرآن مجید کا ہے اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے گا تو پورا قرآن مجید فہم ہو جائے گا گویا اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو جس امام عاصم اور امام اعظمؒ کے اقوال میں کوئی مخالفت نہیں یہ جب ہے کہ ہر سورت پر ہم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیونکہ امام صاحب ہم اللہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے نہیں کہ جائز نہیں کہتے درحقیق یا ردحقیق میں ہر سورت پر تیسرے کو حسن کہا ہے۔ رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جبر کو ضروری نہیں کہتے صرف تیسرے کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علیمہ الام۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جبر ہم اللہ و افاض و شیعہ کا شعار ہوا ہے اور انہوں نے بہت سی احادیث بھی اس کی تائید کے لیے وضع کر کے عوام کو گمراہ کیا تھا چنانچہ امام سفیان ثوری وغیرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرقہ شیعہ کے مقابلہ میں تقدیم الی بکرو عمر کی طرح ترک جبر ہم اللہ اور مسیح علیٰ النضین اہل سنت کا شعار ہے اور اسی وجہ سے شوافع میں سے بھی بہت سے اکابر ابویعلیٰ بن ابی ہریرہ وغیرہ ترک جبر کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تعلیمات کی روشنی میں یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ رمضان شریف کے ختم تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بلند آواز سے ہم

اللہ پر مبنی فقہ حنفی کی رو سے درست نہیں اور روایت عامہ کی رو سے ضروری بھی نہیں اس لیے آہستہ آواز سے پڑھنی چاہیے جس طرح کہ دوسری صدی سے اب تک برابر حنفاء کا معمول یہ رہا ہے پھر چونکہ سارے ائمہ مجتہدین، بجز امام شافعی کے جبرہم اللہ کو مسنون نہیں فرماتے بلکہ ایک قول میں امام شافعی بھی بسم اللہ کو بجز فاتحہ کے دوسری سورتوں کا جزو نہیں فرماتے اور وہ ایک فرقہ باطلہ کا شعار بھی ہے اس لیے ختم تراویح میں جبرہم اللہ کا رواج دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ واللہ الموفق۔

۴۔ حدثنا موسیٰ بن اسمعیل قال اخبرنا ابو عوانة قال حدثنا موسیٰ بن ابی عائشة قال حدثنا سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی قوله تعالیٰ لا تحرك به لسانک لتعجل به قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعالج من التزیل شدة وکان مما یحرک شفیعہ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما فانا احرکھما لک کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرکھما وقال سعید انا احرکھما کما رایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یحرکھما فحرک شفیعہ فانزل اللہ تعالیٰ لا تحرك به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنہ قال جمعه لک صدرك و تقرأه فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ قال فاستمع له وانصت ثم ان علینا بیا نہ ثم ان علینا ان تقرأه فكان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلك اذا اتاہ جبریل استمع فاذا نطق جبریل قرأه النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قرأه

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کلام الہی لا تحرك کی تفسیر کے سلسلہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل وحی کے وقت بہت مشتت برداشت فرمایا کرتے تھے اور آپ اکثر اپنے ہونٹوں کو بھی ہلاتے تھے، ابن عباسؓ نے کہا میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جس طرح سے آپ ہلاتے تھے سعید کہتے ہیں میں اپنے اونٹ ہلاتا ہوں جس طرح ابن عباسؓ کو ہلاتے ہوئے دیکھا پھر اپنے ہونٹ ہلائے (ابن عباسؓ نے کہا) پھر یہ آیت اتری کہ اسے پھر قرآن کو جلد جلد یاد کرنے کے لیے اپنی زبان نہ ہلاؤ اس کا (آپ کے سینے میں) جمع و محفوظ کر دینا اور اس کو پڑھنا اور اہل ہمارا مذمہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قرآن تمہارے دل میں جمادینا اور جب آپ چاہیں اس کی تلاوت آپ کی زبان مبارک سے کر دینا ہمارا کام ہے پھر جب پڑھ لیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں (اس کا مطلب یہ ہے) کہ تم اس کو خاموشی کے ساتھ سنتے رہو اس کے بعد مطلب سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے پھر یقیناً یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس کو پڑھو (یعنی تم اس کو محفوظ کر سکو) چنانچہ اس کے بعد جب آپ کے پاس جبریل (وحی لے کر) آتے تو آپ (توجہ سے) سنتے جب وہ چلے جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس (تازہ وحی) کو اسی طرح (بے تکلف) پڑھتے جس طرح جبریلؑ نے پڑھا تھا۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرنے کے خیال سے وحی کو جلدی جلدی دہرانے کی کوشش فرماتے تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ قرآن ہمارا کلام ہے جس غرض سے ہم اسے نازل کر رہے ہیں اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اس لیے اطمینان سے نازل ہونے والی وحی کو سنیے اس کے محفوظ کرنے کی فکر نہ کیجئے قرآن کی آیاتوں میں خدا نے یہ اعجاز بھی پیدا فرمادیا کہ وہ ایک معصوم بچہ تک کو یاد ہو جاتی ہیں جب کہ دوسری مذہبی کتابیں مختصر ہونے کے باوجود بڑا آدمی بھی یاد نہیں کر سکتا۔

معلوم ہوا کہ خدا کے کلام عظیم کو قلب انسانی محض طہری اسباب کی مدد سے محفوظ نہیں کر سکتا پھر جس طرح اس کو یاد کرنے کی صلاحیت خسر صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی آپ کے صدقے میں آپ کی امت کے افراد کو بھی مرحمت ہوئی۔ واللہ ذو الفضل العظیم

۵۔ حدثنا عبد ان قال اخبرنا عبد اللہ قال اخبرنا یونس عن الزہری وحدثنا بشر بن محمد قال حدثنا عبد اللہ قال اخبرنا یونس و معمر نحوه عن الزہری اخبرنی عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس وکان اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل وکان یلقاہ

فی کل لیلۃ من رمضان فید اوسہ القرآن للرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجمود بالخیر من الریح المرسلة.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف سخاوت میں تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے اور رمضان میں (دوسرے اوقات کے مقابلہ میں جب جبریلؑ آپ سے ملے تو آپ کا یہ وصف تھک عروج پہنچ جاتا تھا۔ جبریلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے غرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلوین کی نفع رسانی میں جیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر ہے کہ رمضان میں جبریلؑ آپ سے قرآن کا دور کرتے تھے یہ اس لیے کہ قرآن دنیوالوں کے لیے رمضان ہی کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا۔ اس لحاظ سے رمضان سے قرآن کو بہت بڑی مناسبت ہے، گویا یہ نزول وحی کا مہینہ ہے اور اسی کے فضل یہ نزول رحمت کا مہینہ بن گیا اس حدیث سے بھی حکم ہوتا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں زیادہ سے زیادہ بھلائیاں کرنی چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا جائے۔

”سخاوت“ مال کی تقسیم کا نام ہے اور ”جود“ کا درجہ اس سے اوپر ہے کہ جو چیز جس کے لیے موزوں و مناسب ہو وہ اس کو دی جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت مال میں تو بے مثال تھے تنی علوم و کمالات نبوت سے بھی دوسروں کو فیض یاب کرنے میں آپ کی سخاوت دو سعت قلب بے نظیر تھی ظاہر ہے کہ آپ کے روحانی کمالات و مدارج تمام اولین و آخرین سے بڑھے ہوئے تھے آپ کے پاس اتنی بڑی دولت و ثروت تھی کہ کبھی کسی کو حاصل نہ ہوئی اور نہ کسی کو آئندہ حاصل ہوگی۔ اس پر آپ کی پوری خواہش ہمیشہ یہ رہی کہ ان کمالات سے ساری انسانیت مستفید و بہرہ مند ہو۔ چنانچہ آپ کے علوم نبوت و کمالات روحانی کے سب سے پہلے فیض یاب آپ کے صحابہ کرام ہوئے (اور ان کے کمالات کا درجہ یہ ہوا کہ ادنیٰ صحابی کے درجے کو بڑے سے بڑا ولی نہیں پہنچ سکتا۔

ان صحابہ کرام کے نفوس قدسہ کے فیض ظاہر باطن سے تابعین و ائمہ مجتہدین مستفید ہوئے اور اسی طرح یہ سلسلہ ظاہری و باطنی علوم نبوت کا ہمارے زمانہ کے علما و اولیاء و علمائے مومنین تک پہنچا اور یہ بات بلا خوف و تردید کہی جاسکتی ہے کہ آج اس گزے رے دور میں بھی جو ایمان و معرفت خداوندی کی نعمت ایک معمولی درجے کے مومن کو حاصل ہے وہ دنیا کے بڑے سے بڑے غیر مومن عالم و فلسفی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

مال ہاتھ کا میل اور دنیا کی ہر دولت آتی جاتی چیز سے حدیث صحیح میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا کی دولت کی قدر خدا کے یہاں چھمکرے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس دنیا کی پانی جیسی ہے قیمت چیز سے بھی کافرو بے دین کو ایک کھوف پینے کے لیے نہ دیتا۔ حق تعالیٰ کی مشیت نے فیصلہ کیا کہ ”دنیا بے فانی“ کی ہر دولت کا زیادہ سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں (کیونکہ ان کو دولت و راحت کا تمام حصہ پہلے دے دیا گیا اور مسلمانوں کو ثانوی درجے میں دنیا کی دولت و راحت سے فائدہ اٹھانے کا حق کچھ شرائط پر مشروط کر دیا گیا اس کے بعد دوسری ”دنیا بے ابدی“ کی ہر دولت و راحت سے مستفید ہونے کا حق پوری طرح مسلمانوں کو ہوگا اور دوسرے اس سے کسر محروم ہوں گے یہاں مسلمانوں کی اسلامی زندگی ہے کہ وہ اگر دولت کمائے تو جتنی چاہے کمائے مگر اس کی نیت صحیح ہو اور اسی کے مطابق عمل یہ ہو کہ اپنی ضروریات کے بعد دینی ضروریات و مصالح پر صرف کرے پھر مسلمانوں کی عام و خاص ضروریات و مصالح پر نظر کرے۔ پھر ملکی و ملی ضروریات و مصالح اور رفاہ عام نیز ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی راحت و رسانی و ضروریات پر صرف کرے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اس کا دولت کماتا اور مال میں تاثر اور جمع کرنا نظر شارع میں کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

یہ تو اپنی کمائی ہوئی دولت کا حکم ہے۔ اور اگر ایک مسلمان کو ایک بادشاہ ایک وزیر اعظم یا صدمہ مملکت بننے کا موقع میسر ہو تو اس کے لیے اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوہ خلفائے راشدین کے اتباع میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات کو بھی نظر انداز کر کے صرف اپنے ملک و ملت کے مصالح و ضروریات پر ساری دولت کو صرف کر دے۔

چنانچہ مروی ہے کہ بحرین سے ایک لاکھ دو ہزار آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں ڈال دیئے جائیں۔ پھر نماز کے بعد سب اسی وقت تقسیم فرما دیئے کسی نے عرض کیا کہ حضور اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ رکھ لیتے؟ فرمایا تم نے پہلے

سے کیوں یاد نہیں دلا یا یہ ان کا دل خوش کرنے کو فرما دیا ورنہ آپ کو کیا چیز یاد نہیں تھی؟!

ایک مرتبہ نماز عصر کے بعد جلالت کے ساتھ حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے اور سونے کا ایک کرا کرا لے کر لائے اور مستحقین کو دے دیے فرمایا کہ رسول خدا کے گھر میں ایسی چیز کا رہنا مناسب نہیں عادت مبارکہ تھی کہ کبھی کسی سال میں ضرورت مند کو محروم نہ ہونے دیتے تھے۔ غزوہ حنین کے موقع پر بہت سے دیہاتی عربوں نے آکر آپ کو گھیر لیا اور کہا کہ ہمیں مال دیجئے ہم آپ کا کیا آپ کے باپ کا مال نہیں مانگتے بلکہ خدا کا مانگتے ہیں آپ نے اس بات پر کسی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ برابر سب کو دیتے رہے مگر ارادہ عام زیادہ تھا لوگوں کے ربیب کی وجہ سے آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے نیکر کے درختوں میں الجھ گئے اور چار مبارک پھنس گئی آپ نے فرمایا کہ تم مطمئن رہو اگر ان سب خوار و درختوں کے برابر ادبوت ہوتے تو وہ سب بھی میں تقسیم کر دیتا۔ مجھے تم بخیل یا کم حوصلہ نہ پڑاؤ گے۔

غرض دنیاوی مال و متاع کی سخاوت تو روحانی و علمی کمالات کے فیضان کے اعتبار سے بہت کم درجہ کی چیز ہے حق تعالیٰ نے ہی دنیا والوں کو ساری دنیوی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور قرآن مجید میں فرمایا: و ما ہمکم من نعمۃ فمن اللہ کہ جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہیں ایک جگہ فرمایا کہ ”وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوها“ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو پورا شمار نہ کر سکو گے لیکن جس نعمت خاصہ پر حق تعالیٰ نے خاص طور پر احسان جنٹایا ہے وہ رشد و ہدایت کی نعمت ہے جس کا فیضان انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعین، علماء و اولیاء کے ذریعے ہوا فرماتے ہیں: ”لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولاً منہم یتلو علیہم آیاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ“ حق تعالیٰ نے ایمان کی نعمت سے سرفراز ہونے والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے انہیں رسول بھیجا جو خدا کی آیات تلاوت کر کے ان کے قلوب منور کرتا ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے یعنی نبیوں سے ان کو پاک کرتا ہے اور علوم و کتب و سنت کے ذریعے ان کے علم و عرفان کی تکمیل فرماتا ہے۔ یہ سب سے بڑا احسان اور جنٹانے کے قابل نعمت صرف اس لیے ہے کہ اس کا حصول بغیر اس کا حصول بغیر اس خاص ذریعہ و وسیلہ کے ناممکن تھا اور اس کے علاوہ دنیا کے تمام علوم و فنون اور مادی ترقیات کے لیے انسانی عقل و فہم کافی ہو سکتی ہے غرض انبیاء علیہم السلام کے خصوصی فیضان کا تحقق روحانیت سے ہے اور اس بارے میں ان کا جو درو کریم بھی بہت اعلیٰ درجے کا ہے اس لیے سردار انبیاء علیہم السلام کے جو دو سخاوت کو خاص طور سے مدح و ثناء کے موقع میں ذکر کیا گیا ہے رمضان المبارک کے ماہ مقدس کو چونکہ ”نزول وحی“ سے ربط ہے کہ ہمارے رمضان سے پہلی وحی کا آغاز ہوا اور اسی ماہ کی ہر رات میں حضرت جبریل علیہم السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لا کر آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے اس لیے آپ کے جو دو سخاوت کی شان بھی اس وقت بہت بلند ہو جاتی تھی اور اس کا ذکر خاص اہتمام سے حدیث مذکور میں ہوا ہے اور باپ ہر اہم الوحی سے اس حدیث کا تعلق یوں ظاہر ہے کہ پہلے بدوئی کا مکان غار حرا بتلایا تھا تو یہاں سے بدوئی کے زمانہ کی طرف اشارہ ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب

۶- حدثنا ابو الیمان الحکم بن نافع قال احبونا شعيب عن الزهري قال اخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود ان عبد الله بن عباس اخبره ان ابا سفيان بن حرب اخبره ان هرقل ارسل اليه في ركب من قريش و كانوا تجارا بالشام في المدة التي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ما فيها ابا سفيان و كفار قريش فأتوه و هم بابلياء فدعاهم في مجلسه و حوله عطاء الروم ثم دعا جم دعا ترجمانه فقال ايكم اقرب نسباً بهذا الرجل الذي يزعم انه نبي قال ابو سفيان فقلت انا اقربهم نسباً فقال اذنوه مني و قربوا اصحابه فاجعلوا هم عند ظهري ثم قال لترجمانه قل لهم اني سائل هذا عن هذا الرجل فان كنتنبي فكلدوه فوالله لو لا الحياه من ان يا ثروا على كنيتا لكانت عنه ثم كان اول ما سألني عنه ان قال كيف نسب فيكم؟ قلت هو فينا ذو نسب قال فهل

قال هذا القول منكم احد قط قبله ؟ قلت لا قال فهل كان من ابائه من ملك ؟ قلت لا قال فاشراف الناس اتبعوه ام ضعفاء هم ؟ قلت بل ضعفاء هم قال ايزيدون ام ينقصون ؟ قلت بل يزيدون قال فهل ير تداحد منهم سخطه لدينه بعد ان يد خل فيه ؟ قلت لا قال فهل كنتم تهملونه بالكذب قبل ان يقول ما قال ؟ قلت لا قال فهل يغدر ؟ قلت لا نحن منه في مدة لا ندرى ما هو فاعل فيها قال و لم يمكني كلمة ادخل فيها شيئا غير هذه الكلمة قال فهل قا تلتموه ؟ قلت نعم قال فكيف كان قتالكم اياه قلت الحرب بيننا و بينه سجال بتال منا و نال منه قال ماذا يا مر كم ؟ قلت يقول اعبد الله وحده و لا تشركوا به شيئا و اتركوا ما يقول با و كم و يا مرنا بالصلوة والصدق والعفاف الصلة فقال لترجمان قل له سألتك عن نسبه فذكرت انه فيكم ثو نسب و كذلك الرسل تبع في نسب قومها و سألتك هل قال احلمنكم هذا القول فذكرت ان لا قلت لو كان احد قال هذا القول قبله قلقت رجل يتاسى بقول قيل قبله و سألتك هل كان من اباءه من ملك فذكرت ان لا قلقت فلو كان من ابائه من ملك قلت رجل يطلب ملك ابيه و سألتك هل كنتم تهملونه بالكذب قبل ان يقول ما قال فذكرت ان لا فقد اعرف انه لم يكن ليذر الكتاب على الناس و يكذب على الله و سألتك اشراف الناس اتبعوه امضعفاء هم فذكرت ان ضعفاءهم اتبعوه و هم اتباع الرسل و سألتك ايزيدون ام ينقصون فذكرت انهم يزيدون و كذلك امر الايمان حتى يتم و سألتك اير تد احد سخطه لدينه بعد ان يد خل فيه فذكرت ان لا و كذلك الايمان حين تخالط بشاشته القلوب و سألتك هل يغدر فذكرت ان لا و كذلك الرسل لا تغفرو سالتك بما يا مر كم فذكرت انه يا مر كم ان تعبدوا الله و لا تشركوا به شيئا و بينها كم عن عبادة الا و ثان و يا مر كم بالصلوة والصدق والعفاف فان كان ما تقول حقا فسيملك مو ضع قلمي هاتين و قد كنت اعلم انه خارج و لم اكن اظن انه منكم فلوا نبى اعلم انى اخلص اليه لتجشمت لقاته لو كنت عنده لفعلت عن قادميه ثم دعا بكتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى بعث به مع دحية الكلبي الى عظيم بصرى فدفعه عظيم بصرى الى هرقل فقرأه فاذا فيه بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى اما بعد فانى ادعوك بدعائه الاسلام اسلم تسلم يوتك الله اجر ك مرتين فان تو ليت فان عليك الم البر يسين و ياهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم الا نعبد الا الله و لا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تو لوا فقولوا اشهد و ابانا مسلمون قال ابو سفيان فلما قال ما قال وفرغ من قراءة الكتاب كثر عنده الصخب فارفعت الا حوات واخرجنا فقلقت لا صحابى حين اخرجنا فقد امر امر ابن ابى كبشة انه يخافه ملك بنى الاصفر لما زلت موقفا انه سيظهر حتى ادخل الله على الاسلام وكان ابن الناطور صاحب ايلياء و هرقل سقفا على نصارى الشام يحدث ان هرقل حين قدم ايلياء اصبح يوما غيبث النفس فقال بعض بطارقته قد استكر ناهيتك قال ابن الناطور وكان هرقل خزاا ينظر فى النجوم فقال لهم حين سألوه انى رايت اللبلة حين نظرت فى النجوم ملك النخنان قد ظهر فمن يختن من هذه الامة قالو اليس يختن الا اليهود فلا يهمنك شأنهم واكتب الى مدائن ملكك فليقتلوا من فيهم من اليهود فيبنا هم على امرهم الى هرقل برجل ارسل به ملك غسان يخبر عن خير رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما استخبره هرقل قال اذهبوا فانظروا مختن هوام لا فانظروا اليه فحدثوه انه مختن وساله عن العرب فقال هم يختنون فقال هرقل هلما ملك هذه الامة قد ظهر ثم كتب هرقل الى صاحب له برومية وكان نظيره فى العلم وسار هرقل الى حمص فلم يرم حمص حتى اتاه كتاب من صاحبه يوافق راي هرقل على خروج النبى صلى الله عليه وسلم وآنه نبى فاذا

هرقل لظماء الروم فی دسکرة له بحمص ثم امر! ووا بها فغلقت ثم اطلع فقال يامعشر الروم هل لكم فی الفلاح والرشد وان يثبت ملكکم فتابعوا هذا النبی فحاصرو حصصه حمر الوحش الی الابواب فوجدوها قد غلقت فلما رای هرقل نفرتهم وایس من الایمان قال ردوهم علی وقال الی قلت مقاتلی انفا اعتبر بها شلنکم علی دینکم فقد رایت فسجدوا له ورضوا عنه فكان ذلك اخر شان هرقل قال ابو عبد الله رواه صالح بن کيسان وینس ومعه عن الزهري.

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے سفیان بن حرب سے نقل کیا کہ هرقل نے ان کے پاس قریش کے قافلے میں ایک آدمی بھیجا اس وقت یہ لگ تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور ابوسفیان سے ایک وقتی معاہدہ کیا تھا تو ابوسفیان اور دوسرے لوگ هرقل کے پاس ایلیہ پہنچے جہاں هرقل نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا تھا اس کے گرد روم کے بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، هرقل نے انہیں اور اپنے ترجمان کو بلوایا، پھر ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص مدنی رسالت کا قریبی عزیز ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں بول اٹھا کہ میں اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں (یہ سن کر) هرقل نے حکم دیا کہ اس (ابوسفیان) کو میرے قریب لاؤ اور اس کے ساتھ بیویوں کو اس کے پیس پشت بٹھادو، پھر اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال پوچھتا ہوں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا (ابوسفیان کا قول ہے کہ، خدا کی قسم! اگر مجھے غیرت نہ آتی کہ یہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں آپ کی نسبت ضرور غلط بد گوئی سے کام لیتا، خیر یہی بات جو هرقل نے مجھ سے پوچھی وہ یہ کہ اس شخص کا خاندان تم لوگوں میں کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو بڑے نسب والا ہے، کہنے لگا، اس سے پہلے بھی کسی نے تم لوگوں میں ایسی بات کہی تھی؟ میں نے ہاں کہہ دی، کہنے لگا، اچھا اس کے بیویوں میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ میں نے کہا نہیں، پھر اس نے کہا، بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کرنے کا نہیں، کہنے لگا، اچھا اس کے دین کو برا سمجھ کر اس کا کوئی ساتھی پھر بھی جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا کہ اس کے دعوے (نبوت) سے پہلے تم لوگ اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے؟ میں نے کہا نہیں، پوچھا کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ البتہ اب ہماری اس سے (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مدت ٹھہری ہوئی ہے، معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرتا ہے (ابوسفیان کہتے ہیں۔ بس اس بات کے سوا اور کوئی (مغالطہ آمیز) بات اس (مفتنگو) میں شامل نہ کر سکا، هرقل نے کہا کہ کیا تمہاری اس سے لڑائی بھی ہوتی ہے؟ میں نے کہا ہاں! بولا، پھر تمہاری اس کی جنگ کس طرح ہوئی ہے؟ میں نے کہا لڑائی ذول کی طرح ہوتی ہے کبھی وہ ہم سے میدان جنگ لے لیتے ہیں اور کبھی ہم ان سے، هرقل نے پوچھا وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑ دو، اور ہمیں نماز پڑھنے سے منع ہوئے، پرہیزگری اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ (یہ سب سن کر) پھر هرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہہ دو کہ میں نے تم سے اس کا نسب پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے اور تنبیہ راہی تو ہم میں عالی نسب ہی بھیجے جایا کرتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ دعویٰ (نبوت) کی یہ بات تمہارا انداز سے پہلے کسی اور نے بھی کہی تھی تو تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب میں نے (اپنے دل میں) یہ کہا اگر یہ بات اس سے پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ اس شخص نے بھی اس بات کی تقلید کی ہے جو پہلے کیا جا چکی ہے میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بیویوں میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟ تم نے کہا کہ نہیں تو میں نے (دل میں) کہا کہ ان کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہوگا تو کہہ دوں کہ وہ شخص اس بہانے سے اپنے آباؤ اجداد کا ملک حاصل کرنا چاہتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس بات کے کہنے (یعنی تنبیہ راہی کرنے سے) پہلے بھی تم نے اس دروغ گوئی کا الزام لگایا ہے تم نے کہا کہ نہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ جو شخص آدمیوں کے ساتھ دروغ گوئی سے بچے وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹی بات کہہ سکتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ بڑے لوگ اس کے پیرو ہوتے ہیں یا کمزور

آوی؟ تم نے کہا کہ کزوروں نے اس کا اتباع کیا تو وہ (اصل) یہی لوگ عینہوں کے قہقین ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور ایمان کی کیفیت یہی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ کامل ہو جاتا ہے اور میں نے پوچھا کہ کوئی شخص ناخوش ہو کر اس کے دین سے لوٹ بھی جاتا ہے تم نے کہا نہیں تو ایمان کی غایت بھی یہی ہے جن کے دلوں میں اس کی طوالت اتر جاتی ہے تو پھر وہ ان سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتا اور میں نے پوچھا کہ آیا وہ عہد شکن کرتے ہیں تم نے کہا کہ وہ ہم کو حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کہوشی کشریک نہ ٹھہراؤ اور تمہیں بتوں کی پرستش سے روکتے ہیں بچ بولنے اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں اچھا اگر یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو سچ ہیں تو معترب وہ اس جگہ کا بھی حاکم ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پادوں ہیں مجھے معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آئے والا ہے مگر مجھے خیال نہیں تھا کہ وہ تمہارے اندر ہوگا اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اس سے ملنے کے لیے ہر تکلیف گوارہ کرتا مگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پادوں دھوتا پھر برقل نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو آپ نے دہی بکلی کے ذریعے حاکم نصری کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ برقل کے پاس بھیج دیا تھا برقل نے اس کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ اللہ کے نام کے ساتھ جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر محمد کی طرف سے برقل شادوم کے لیے اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اس کے بعد میں تمہیں دعوت اسلام دیتا ہوں کہ اسلام لے آؤ گے تو دین و دنیا کی اسلامی نصیب ہوگی اللہ تمہیں دو ہر ثواب دے گا اور اگر تم میری دعوت سے روگردانی کرو گے تو (تمہاری) رعایا کا گناہ بھی تم ہی پر ہوگا اور اے اہل کتاب ایک ایسی بات پر آ جاؤ جو ہمارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ میں اس اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اللہ کا پار بنائے پھر اگر وہ اہل کتاب (اس بات سے) منہ پھیر لیں تو (مسلمانو!) تم ان سے کہہ دو کہ (تم نا تو یا نہ نا تو) ہم تو ایک خدا کے اطاعت گزار ہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں جب برقل نے یہ باتیں کہیں اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے ارد گرد بہت شور و غوغا ہوا بہت سی آوازیں اٹھیں اور ہمیں باہر نکال دیا گیا تب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ موت بڑھ گیا۔ (دیکھو تو) اس سے بنی امصر (دم کا بادشاہ) بھی ڈرتا ہے۔ مجھے اس وقت سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عترب غالب ہو کر ہیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ نے مجھے مسلمان کر دیا۔ (راوی کا بیان ہے) کہ ابن ابیطور ایلیاء کا حاکم برقل کا مصاحب اور شام کے نصاریٰ کا لاٹ پادری بیان کرتا تھا کہ برقل جب ایلیاء میں آیا ایک دن صبح کو پریشان حال اٹھا اس کے درباریوں نے دریافت کیا کہ آج آپ کی صورت بدلی ہوئی پاتے ہیں (کیا وجہ ہے؟) ابن ابیطور کا بیان ہے کہ برقل غمی تھا علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا اس نے اپنے ہم نشینوں کے چہرے پر بتلایا کہ میں نے آج رات ستاروں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ختمہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب آگیا (بتلاؤ؟) اس زمانے میں کون لوگ ختمہ کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہودی کے سوا کوئی ختمہ نہیں کرتا مسلمان کی وجہ سے آپ قطعاً پریشان نہ ہوں سلطنت کے تمام شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجے کہ وہاں جتنے یہودی ہوں سب قتل کر دیئے جائیں وہ لوگ ان ہی باتوں میں مشغول تھے کہ برقل کے پاس ایک شخص لایا گیا جسے شاہ عثمان نے بھیجا تھا اس نے رسول اللہ کے حالات بیان کئے جب برقل نے سارے حالات ان سے سن لیے تو کہا کہ اس کو لے جاؤ اور دیکھو کہ وہ ختمہ کئے ہوئے ہے یا نہیں؟ انہوں نے اسے دیکھا تو بتلایا کہ وہ ختمہ کیا ہوا ہے برقل نے جب اس شخص سے عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ ختمہ کرتے ہیں۔ تب برقل نے کہا کہ یہی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کے بادشاہ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں پھر اس نے اپنے ایک دوست کو رو میہ لکھا اور وہ علم نجوم میں برقل کی نگر کا تھا۔ پھر خود برقل جس جلا گیا ابھی جس سے لکھا نہیں تھا کہ اس کے دوست کا خط (اس کے جواب میں) آگیا اس کی رائے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں برقل کے موافق تھی کہ محمد (واقعی) پیغمبر ہیں اس کے بعد برقل نے روم کے بڑے آدمیوں کو اپنے جس کے محل میں طلب کیا اس کے حکم سے محل کے دروازے بند کر لیے گئے پھر اپنے محل سے یوں گویا ہوا۔ ”اے روم والو! اگر تم ہدایت و کامرانی کے طلب کار ہو اور اپنی

سلطنت و حکمرانی کی بناء چاہتے ہو تو پھر اس نبی کی بیعت کر لو۔“ (یہ سننا تھا کہ) وہ لوگ وحشی گندھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے مگر انہیں بند پایا (آخر جب ہرقل نے (اس بات سے) ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا کہ ان لوگوں کو پھر میرے پاس لاؤ جب وہ دوبارہ آئے تو اس نے کہا میں نے جو بات کہی تھی اس سے تمہاری دینی پختگی کی آزمائش مقصود تھی سو میں نے دیکھ لی (یہ بات سن کر) سب کے سب اس کے سامنے سجے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہو گئے، بس یہ ہرقل کا آخری حال ہے ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو صواع بن کیسان یونس اور عمر نے بھی زہری سے روایت کیا ہے۔

تشریح: ترقیب و اہانت: اس حدیث میں کئی واقعات کی طرف اشارہ ہے اور ترتیب واقعات اس طرح صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ہرقل نے اولاً بیت المقدس میں علم نجوم کے ذریعہ معلوم کیا کہ ملک النٹان کا غلبہ ہوگا۔ ان ہی ایام میں ملک غسان نے ہرقل کے پاس قاصد بھیجا جس سے اس کو ملک عرب کے حالات معلوم ہوئے پھر ہرقل نے رومیہ کے عالم نجوم صفار طرانی کے پاس خط بھیج کر اس کی رائے دریافت کی وہاں سے جواب نہیں آیا تھا کہ اسی اثنا میں اس کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی دعوت اسلام کے لیے پہنچ گیا اور آپ کے ذاتی حالات کی تحقیق کے لیے اس نے عربوں کا پتا لگایا تو بیت المقدس سے قریب ہی ایک مقام غزہ میں حضرت ابوسفیان کی امارت میں تیس شترسوار تاجران کہ معظمہ کا قافلہ مقیم تھا ان سب کو بلا کر ہرقل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دس سوالات کئے جن کے جوابات حضرت ابوسفیان نے دیئے اور ہرقل نے متاز ہو کر اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ جس پر حاضرین و رہا رہنے شورشغب کیا اس کے بعد جب ہرقل بیت المقدس سے محض واپس ہوا اور وہاں اس کو صفار کا جواب بھی ملا تو ملک کے بڑے لوگوں کو اپنے محل میں بلا کر دوبارہ اپنی عقیدت مندی کا مظاہرہ کیا مگر ان سب لوگوں نے مخالفت کی اور اس کے بعد ہرقل کا رویہ بھی تبدیل ہو گیا۔ واللہ بھیدی من بشاء الہی صراط مستقیم۔

ان سب واقعات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے ابتدائی اسلامی تاریخ کے چند ورق پڑھئے! جن سے آپ کو اپنی زندگی کے لیے بھی روشنی ملے گی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا۔ (احزاب)

عہد نبوت کا ایک زریں باب

در بار رسالت کی طرف سے شاہان دنیا کو دعوت اسلام حروب و فساد کی فتح و شکست کے بار میں قرآن مجید کی پیش گوئی۔ سب سے پہلے آیات قرآنیہ الم غلبت الروم فی ادنی الارض کا ترجمہ پھر اس کی تفسیر میں حضرت علامہ عثمانی کا بصیرت افروز تفسیری نوٹ ملاحظہ کیجئے:۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ:۔ الم رومی قریب والے ملک میں مغلوب و شکست خوردہ ہو گئے ہیں اور وہ شکست کے بعد نو سال کے اندر ہی غالب و فاتح ہو جائیں گے (در حقیقت) پہلے پچھلے سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کے حکم و اختیار سے ہوتے ہیں اس (فتح کے) دن مسلمان خدا کی نصرت کی وجہ سے خوش ہوں گے خدا جس کی چاہے مدد کرتا ہے وہ بڑے اختیار و قدرت اور رحم و کرم والا ہے خدا کا وعدہ ہو چکا کہ وہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا مگر اکثر لوگ صحیح علم سے بے بہرہ ہیں وہ دنیاوی زندگی کی کچھ سطحی باتوں سے واقفیت رکھتے ہیں (جس سے کمانے کھانے اور ظاہر و پارسی شپ ٹاپ کے ذھنک اچھے بنالے ہیں لیکن) اس زندگی کے بعد شروع ہونے والی آخرت کی زندگی سے بے خبر ہیں۔

تفسیری نوٹ:۔ ”ادنی الارض“ ملے ہوئے ملک یا پاس والے ملک سے مراد از رعایت و بھڑکی کے درمیان کان خطہ ہے جو شام کی سرحد پر جاز سے لگا ہوا مکہ کے قریب واقع ہے یا فلسطین مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا یا جزیرہ ابن عمر جو فارس سے زیادہ قریب ہے ان آیات میں قرآن مجید نے ایک عجیب و غریب پیشین گوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کی سب سے بڑی دو سلطنتیں فارس و روم مدت دراز سے آپس میں لگن لگتی چلی آ رہی تھیں ۶۰۲ء ۶۱۳ء کے بعد تک ان کی سخت لڑائیاں رہیں (اسکلو پیڈیا برٹانیکا)

حروب روم و فارس

۵۷۰ء میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء آپ کی بعثت ہوئی، مکہ والوں کو جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لیے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی فارس (ایران) کے آتش پرست مجوسی کوشرکین مکہ اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے قریب تر قرار پاتے تھے اس لیے جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ خوش ہوتے اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے خوش آئندہ توقعات باندھتے تھے اور مسلمانوں کو طبعاً اس سے صدمہ ہوتا کہ یہ سائنی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں اور اس وقت ان کوشرکین مکہ کی شامت کا بھی ہدف بننا پڑتا تھا۔

آخر ۶۱۳ء کے بعد (جب کہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً بیسٹالیس سال ہوئے اور بعثت کے پانچ سال گزر چکے) خسرو پرویز (کی خسرو ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک نہایت زبردست فیصلہ کن شکست دی کہ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے، ہرقل (قیصر روم) کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے گئے قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا اور بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔

فارس کی فتح اور روم کی شکست کے اثرات

یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب خوشیاں منائیں، مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا بڑے بڑے حوصلوں کے ساتھ اپنے سیاسی تفوق کی توقعات قائم کرنے لگے، حتیٰ کہ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے، کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا دلائیں گے اس وقت قرآن مجید نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارسوں سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و فاتح بن جائیں گے حضرت ابوبکر صدیق کو چونکہ وحی الہی پر کامل بھروسہ و یقین تھا انہوں نے بھی بعض مشرکین سے شرط باندھ لی کہ اگر اتنی مدت کے اندر رومی غالب نہ ہوئے تو میں ایک سواونہم کو دوں گا ورنہ اسی قدر اونٹ تم سے لوں گا۔ (اس وقت تک ایسی شرط لگانا جائز تھا) کیا دارالحرب کی وجہ سے اس کی گنجائش تھی جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے پہلے یہ شرط تین سال کے لیے اور کم مقدار اونٹوں پر ہوئی تھی جب حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں مضع کا لفظ ہے جس کا اطلاق تو تک ہوتا ہے تو پھر یہ شرط نو سال کے لیے اور ایک سواونہم پر ہوئی۔

ادھر یہ معاہدہ ہو رہا تھا ادھر ہرقل ان تمام یاپس کن و حوصلہ شکن حالات سے قطعاً بے ہراس اور خدا کی نصرت پر بھروسہ کر کے پوری حوصلہ مندی سے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کی تدابیر میں سرگرم ہو گیا اس نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھ کو ایران والوں پر فتح دی تو تمہیں سے پیدل چل کر بیت المقدس پہنچوں گا۔

غلبہ روم و شکست فارس

خدا کی قدرت و حکم کو قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گزرنے پر) یمن بدر کے دن جب کہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ یہ خبریں کر اور زیادہ سرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا نے ایران کے مجوسیوں پر غالب کر دیا اور مشرکین مکہ کو اپنی شکست کے ساتھ ایران کی بھی ذلت نصیب ہوئی۔

ظاہری اسباب کے بالکل خلاف قرآن مجید کی اس بحر اعمق صداقت پیشگوئی کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سرکین مکہ سے ایک سوانح حاصل کئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق صدقہ کر دیے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے مذکورہ بالا تقریری نوٹ سے واضح ہوا کہ دم کے غلبہ فتح کی خبر غزوہ بدر کے موقع پر مل چکی تھی پھر ۶ھ کی صلح حدیبیہ کے بعد بادِ سفیان کا تہمتی قافلہ شام گیا ہے اور بیت المقدس میں ہرقل کے دربار میں جا کر وہ سب لنگھو ہوئی ہے جو مذکورہ حدیث میں نقل ہوئی، بعض حضرات کی رائے ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال ہی میں دم کو فاس کے مقابلہ میں فتح و غلبہ حاصل ہوا ہے اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ دونوں قول نقل کئے ہیں مگر ہمارے نزدیک توئی راجح قول وہی ہے کہ فتح دم کے اہم گوشے غزوہ بدر کی کے موقع پر ظاہر ہو چکے تھے جن کے ساتھ غلبہ فاس کا سلسلہ ختم ہو کر غلبہ دم کا آغاز پوری گرم جوشی کے ساتھ ہو چکا تھا مگر چونکہ فتح و نصرت کا سلسلہ اور قدم کا وجد بلا در و ما لک مفتوحہ کے انتظام و استحکام کا کام بعد کے چند مسائل تک ہوتا رہا ہے تو ان سب مہمات سے پوری طرح فارغ ہو کر ہی ہرقل (قصر دم) کو بیت المقدس حاضری کا موقع ملا ہوگا۔

فتوحات اسلامیہ و صلح حدیبیہ

اسئے عرصہ میں غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق وغیرہ میں اسلامی فتوحات داخلہ کا سلسلہ چلتا رہا اور ۶ھ میں سروردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲-۱۵ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ اور زیارت کعبہ معظمہ کی نیت سے مکہ معظمہ کا سفر فرمایا، مکہ معظمہ کے قریب پہنچے ایک منزل ورے مقام حدیبیہ پر سب ٹھہر گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلے مکہ معظمہ بھیجا اور اہل مکہ کو اطلاع دی کہ ہم سب عمرہ کے لیے آ رہے ہیں اور کوئی ارادہ نہیں ہے، کفار مکہ نے حضرت عثمان کو روک لیا اور یہ خبر کی طرح مشہور ہو گئی کہ ان کو قتل کر دیا گیا ہے اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھول کے روشت کے نیچے تمام صحابہ سے جہاد پر بیعت لی، جس کو بیت رضوان کہا جاتا ہے (کیونکہ ان مقام پر بیعت کرنے والے صحابہ سے رضا مندی کا اعلان حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمادیا تھا) بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خیر غلط ہو گئی بلکہ قریش نے سہیل بن عمرو کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح کے لیے بھیجا تھا، چنانچہ دس سال کے لیے باہمی جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو گیا، اس میں ایک شرط کفار کی طرف سے یہ بھی تھی کہ اس سال آپ سب حضرات اسی طرح بغیر عمرہ کے واپس ہوں اور اگلے سال پھر آ کر عمرہ کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منظور فرمایا، معاہدہ کی تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی تھی اس میں انہوں نے من محمد رسول اللہ لکھا تو اس پر بھی کفار مکہ نے اعتراض کیا کہ اگر ہم رسول مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی قبول فرمایا اور اپنے دست مبارک سے اس کو منادیا پھر من محمد عبد اللہ لکھا گیا۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ معظمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ جائے تو اس کو وہاں سے مکہ معظمہ کو واپس کر دیا جائے اور مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ معظمہ آئے تو اس کو واپس نہ لیا جائے گا۔

صلح حدیبیہ کے فوائد و نتائج

فرض اس شان سے یہ جنگی معاہدہ لکھا گیا۔ جب کہ صحابہ کرام کی اڑھ ہزار سر فرشتوں کی جماعت جہاد و موت و عدم فرار پر بیعت کرنے کے بعد نہایت بے تاب تھی کہ آج ایک فیصلہ کن جنگ اور ہو جانی چاہیے اور وہ سب حضرات کی طرح آمادہ نہ تھے کہ بغیر عمرہ کئے ہوئے مکہ معظمہ سے انکی گری ہوئی شرطوں پر صلح کر کے واپس لوٹ جائیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان سب سے بلند تھی، آپ کی نظر خدا کی مشیت، اس کی وحی و اشارہ پر تھی وہاں یہ سوال ہی نہیں تھا کہ ظاہری حالات کا تقاضہ کیا ہے اور کیوں ہے، اور آپ کی اسی شان نبوت، اولوالعزمی اور بے نظیر وسعت قلب و حوصلہ مندی کا مظاہرہ ایسے مواقع پر حق تعالیٰ کو کرنا تھا، دوسری طرف ہم کہہ کی پاسداری تھی کہ اس کی حدود میں جہاد و قتال کسی طرح موزوں نہیں اگر اس کی رعایت خدا کا محبوب ترین پیغمبر اور افضل المرسلین ہی نہ کرتا تو دوسرا کون کر سکتا تھا اسی کے ساتھ صحابہ کرام کی بے نظیر

اطاعت شکاری کو بھی دیکھئے کہ جس ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ہدی کا جانور ذبح فرما کر اور مطلق راس سے احرام عمرہ ختم کیا تو تمام صحابہ نے بھی فوراً مطلق وقصر کر کر اپنے اپنے احرام کھول دیئے اور حضور کے فیصلہ سے مطمئن ہو کر مدینہ طیبہ کو اگلے ہی یروں واپس ہو گئے۔

فتح مبین

راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو ”فتح مبین“ عطا فرمائی، بعض صحابہ ہجرت سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ فتح ہے؟ مطلب یہ کہ غزوہ بدر، احد و خندق وغیرہ میں فیصلہ کن شکستیں دینے والے بڑے بڑا ہزار مجاہدین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت مبارک میں اتنا دور دراز کا سفر کر کے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک جاتے ہیں اور قریب پہنچ کر بھی داخلہ حرم سے محروم عمرہ کے بغیر اور بظاہر نہایت گری ہوئی شرطوں پر معاہدہ کر کے واپس ہو رہے ہیں اور اس کو حق تعالیٰ فتح مبین فرماتے ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ واقعہ آخر لاہ کا ہے اور اوائل ۷ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”خیبر“ کو فتح کیا جو مدینہ کی جانب شمال و شام چار منزل پر یہود یوں کا ایک شہر تھا اور اس حملہ میں کوئی شخص ان صحابہ کے سوا شریک نہ تھا جو آپ کے ساتھ حدیبیہ میں تھے پھر ۷ھ میں آپ نے حسب معاہدہ عمرہ القضاء کے لیے مکہ معظمہ کا سفر فرمایا اور امن و امان کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔ اس کے بعد قریش نے نقص عہد کیا اس طرح کہ قریش نے اپنے حلیفوں کا ساتھ دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں پر حملہ کر دیا۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا کہ معاہدہ ختم ہو گیا اور دس ہزار مجاہدین صحابہ کو لے کر ۸ھ میں مکہ معظمہ کو فتح کر لیا۔

فتح مکہ معظمہ کے حالات

جس رات میں آپ فاتحانہ مکہ معظمہ میں داخل ہونے والے تھے، ابوسفیان، حکیم بن حزام اور ذہیل بن ورقہ اسلامی لشکر کے تحس حال کے لیے نکلے اور جہاں لشکر اسلام کا پڑاؤ تھا، اس کے قریب ایک نیلہ پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لینے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ ”سب لوگ اپنے چولہے الگ الگ جلائیں۔“ (جس سے دشمن کے چاسوسوں کی نظر میں لشکر اسلام کی تعداد زیادہ معلوم ہو دوسری طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایسے چاسوسوں کی خبر گیری کرتے ہوئے پھر رہے تھے اور ابوسفیان کو گرفتار کر کے حضور کی خدمت میں لے گئے) قل ہے کہ آپ نے ابوسفیان کا دامن جھٹک کر ارشاد فرمایا ”کیا تم اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے؟“ عین کہ ابوسفیان کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہو گئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو لے کر فکائی گھاٹی پر کھڑے ہو جاؤ، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ سب قبائل کے لوگ حربی ترانے پڑھتے ہوئے اس گھاٹی سے گزریں چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

سیاسی تدابیر کے فوائد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی سیاسی تدابیر اس لیے اختیار فرمائیں کہ کمال کم عجب ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دیں اور مکہ معظمہ کے اندر جلال و قبال کی ثبوت نہ آئے سب سے آخر میں جب مہاجرین کا گردہ اس گھاٹی سے گزرنے لگا، جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے تو آپ نے فرمایا اے ابوسفیان! ہم تمہارا اکرام کرتے ہیں اور اعلان کر دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو اسن دیا گیا، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا اس کو اسن ہے، جو شخص بیت اللہ کے جوار میں پہنچ جائے گا اس کو اسن دیا گیا، جو شخص اپنا ہتھیار رکھ دے گا اس کو بھی ہم نے اسن دیا۔

ابوسفیان پر مدارم اخلاق کا اثر

حضرت ابوسفیان جو غزوہ احد و غزوہ خندق میں لشکر کفار کے سپہ سالار اعظم رہے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کی بدخواہی میں پیش پیش رہا

کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ پر سخت حیرت زدہ تھے اور ان کے دل میں اسلام کی حقانیت و صداقت اترتی جا رہی تھی مگر ان کی بیوی ہندہ ان کے مسلمان ہونے پر سخت برہم ہوئی اور خوب لڑی حتیٰ کہ ان کے منہ پر تھوک بھی دیا وہ مسلمانوں کی سخت ترین دشمن تھی اور اس قدر سخت دل کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت شفیق چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چھاڑا الا تھا۔

اسلامی حکومت رحمت عالم تھی

غرض یہاں اس مختصر تاریخ کے ذکر سے یہ دکھانا تھا کہ بشت نبوی سے قبل دنیا کی دو بڑی سلطنتوں کا اقتدار اعلیٰ تھا بشت نبوی کی برکات سے پہلے روم کی فتوحات بالکل غیر متوقع طرز پر ہوئیں جن سے فارس (ایران) کی شہنشاہی سامراجی و جاہلہ واری کا خاتمہ ہوا اور آدھی دنیا کو ظلم و قہر سے نجات ملی پھر روم (اکل کتاب) کے جبر و استعمار و جھگڑوں سے نجات دلائی باقی آدھی دنیا کو اسلام کے دامن رحمت میں بنا کر گزریں کیا گیا۔ اور اسلام نے پوری دنیا کو وہ دستور و قانون دے دیا جس کے مطابق زندگی گزار کر اس جہنم مغت و دنیا کو موند جنت بنایا جاسکتا ہے۔

اسلام کمزوروں، غریبوں، ناداروں اور متوجہ و مکر مزاج لوگوں میں پھیلا اس نے عدل و انصاف، رواداری و مساوات، رحم و کرم ادب و تہذیب، خدا ترسی، نصرت مظلوم، اعانت فقیر و معذور، راست بازی و حق گوئی کی اعلیٰ قد ریں سکھائیں تمام اخلاقی و سیاسی گراؤوں سے نفرت دلائی، صبر و استقامت، شکر و احسان، مندی پر بھلائی پر تعاون، ہر برائی کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی غرض تمام مکارم اخلاق اور حکمت و دانائی کی بات کو اختیار کرنا ایک مسلمان کا شیوہ و شعار قرار دیا۔

اسی لیے اسلام کا ابتدائی دور نبی سے ہجرت نبوی تک کے ۱۳ سال جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے بظاہر سخت ترین دور و انقلاب و پریشانی تھا وہ ان کی فتح و کامرانی کا زریں باب تھا جس میں لغزش کے امکانات بہت کم تھے ہجرت کے بعد جب دنیاوی فتوحات کے دروازے کھلے تھے تو ان کو ہر قدم احتیاط سے اٹھانا پڑا اور پہلے سے زیادہ آزمائش سامنے تھی مگر یہ دور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت سے مکارم اخلاق و اعلیٰ کردار کی بلند یوں کی فتح تھی تو مدنی دور آپ کے صدقہ میں ان کی فتح عین قرار پائی۔ وذلک من فضل اللہ علینا و علی الناس۔

حدیث ہر قل

اب حدیث ہر قل کی طرف آجئے! ہر قل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا، لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال علوی ستاروں کا اجتماع ہوا تھا، اور پھر ہر بیس سال پر ہوتا رہا، آخری بار صلح حدیبیہ کے سال میں ہوا، علم نجوم والے کہتے ہیں کہ اس اجتماع سے عالم میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ہر قل بھی اسی کا قائل تھا اس نے ایک رات زائچہ سمجھ کر دیکھا تھا کہ غتہ کرانے والے لوگوں کے بادشاہ کا غلبہ ہو گیا۔ اس کے بارے میں اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ عرب کے لوگ غتہ کراتے ہیں، اور اس سے اس کو غلبہ ظن ہو گیا کہ وہ بادشاہ عرب ہی کا ہو گا۔ مزید اطمینان کے لیے اپنے دوست ضفا طر کو کھلا لکھا وہ بھی علم نجوم کا بڑا ماہر تھا، اور اس نے بھی ہر قل کی تائید کی، بلکہ اپنی قوم کو جمع کر کے سمجھا بھی کہ تم لوگ نبی آخر الزماں پر ایمان لے آؤ وہ سچے نبی ہیں لیکن انہوں نے انکار کیا اور ضفا طر کو قتل کر ڈالا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہر قل کو پہنچا تو بحیثیت نبوت و رسالت آپ کے حالات کی تحقیق ابوسلیمان سے کی۔

اے ہمارے حضرت شاہ صاحب نے درس بخاری شریف میں فرمایا کہ نجوم کے اثرات طبعیہ حرارت و برودت و غیرتا قائل انکار ہیں لیکن جمہور علما مان کی تاخیرات سعدی کے قائل نہیں۔

ایمان ہر قل

امام بخاری نے حدیث کے آخری جملہ میں اشارہ کیا ہے کہ ہر قل ایمان و تصدیق کی نعمت سے محروم رہا اور جو کچھ اس نے رومیوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا تھا وہ صرف معرفت کے درجے میں تھا تصدیق قلبی نہ تھی جو شرط ایمان ہے۔ اسی لیے اس نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے غزوہٴ مودہ میں ایک لاکھ فوج بھیجی اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی برابر مسلمانوں پر حملے کرتا رہا۔

مکاتیب رسالت

کتب میر و تاریخ میں ہے کہ سروردو عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کے علاوہ شاہانِ جہش مصر، ہندو چین وغیرہ کو بھی دعوت اسلام کے مکاتیب ارسال فرمائے تھے سب میں آپ نے اپنا نام پہلے لکھا ہے جس کا اثر دوسرے شاہانِ دنیا نے تو کچھ نہیں لیا مگر پرویز (شہنشاہ ایران) کو سخت ناگوار ہوا کہ شروع میں میرا نام کیوں نہیں لکھا گیا اور پیش میں آ کر آپ کا گرامی نامہ پھاڑ کر پڑھ کر دیا۔

زوال کسریٰ و عروج حکومت اسلام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ ”اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے چنانچہ ظاہری اسباب میں یہ صورت ہوئی کہ شیر ویا اپنے باپ پرویز (شہنشاہ ایران) کی بیوی شیریں پر عاشق ہو گیا (جو اس کی سوتیلی ماں تھی) اور جب کسی طرح وہ اس کو رام نہ کر سکا تو باپ کو قتل کر دیا کہ شاید اس کے بعد وہ حاصل ہو سکے۔ نہ معلوم کس وجہ سے خسرو پرویز نے اپنے شاہی دواخانہ کی الماری میں ایک ڈبہ میں زہر رکھا تھا اور اس کے لیبل پر لکھ دیا تھا کہ یہ دوا قوت باہ کے لیے اکسیر ہے شیر ویا مالکِ سلطنت ہوا تو چونکہ انتہائی شہوت پرست تھا اس کو ایسی ادویہ کی تلاش تھی اس ڈبہ کو پا کر بہت خوش ہوا اور زہر کھا کر مر گیا اس کے بعد اس کی بیٹی بوران تخت نشین ہوئی، عمر وہ عورت ذات اور کم عمر تھی اس لیے حکومت نہ سنبھال سکی آخر کار ایران کے تخت و تاج پر مسلمان قابض ہوئے۔ اور اب تک وہ ایک اسلامی سلطنت ہے۔ حفظہا اللہ و ادامہا۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق کسریٰ کی حکومت اور اس کا خاندان صرف ۱۳ سال کے اندر تباہ ہو گیا۔ و تلک الايام نذا ولها بین الناس۔

حدیث میں ذکر شدہ ہر قل کے دس سوالات ذکر ہوئے جو مبادئی و فی الہی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا یقین ثبوت ہیں لہذا اس حدیث سے وحی و رسالت کی عصمت و عظمت معلوم ہوئی امام بخاری کا مقصد بھی یہی ہے اور ان چھ حدیثوں کا ہدایتی کے باب میں ذکر کر کے امام بخاری نے یہ بھی سمجھایا ہے کہ آگے کتاب میں جتنی باتیں آئیں گی وہ سب وحی کی باتیں ہیں جو مصوم و محفوظ اور نہایت عظیم الشان ہیں اس کے بعد سب سے پہلے کتاب الایمان لائے ہیں کہ وہ اسلامیات کی اولین بنیاد ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتاب الایمان

باب الایمان و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس وهو قول وفعل ویزید وینقص قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایماناً مع ایمانہم۔ وزدناہم ہدی۔ ویزید اللہ الذین اہتدوا ہدی۔ والذین اہتدوا زادہم ہدی واتاہم تقواہم ویزداد الذین امنوا ایماناً وقولہ عزوجل ایکم زادتمہ ہدۃ ایماناً فاما الذین امنوا فزادتمہم ایماناً وقولہ فاعشہوہم فزادہم ایماناً وقولہ وما زادہم الا ایماناً وتسلیماً والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان وکتب عمر بن عبدالعزیز الی عدی بن عدی ان للایمان فرأئض وشرائع وحدوداً وسناً فمن استكملہا استکمل الایمان ومن لم یتکملہا لم یتکمل الایمان فان اعش فسابتہا لکم حتی تعملوا بہا وان امت فمأ انا علی صحتکم بحریص وقال ابراہیم علیہ السلام ولكن لیطمئن قلبی وقال معاذ اجلس بنا من ساعۃ وقال ابن مسعود البقین الایمان کلہ وقال ابن عمر لایبلغ العبد حقیقت التقومۃ حتی یدع ما حاک فی الصلر وقال مجاہد شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً و اوصیناک بامحمد وایاہ دیناً واحداً وقال ابن عباس شرعہ ومنها جائز سبیلان وسنۃ ودعاء کم ایمانکم۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور اس بات کا بیان کہ اسلام قبول بھی ہے اور فعل بھی اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے ترجمہ آیات تاکہ مومنین کے (پہلے) ایمان پر ایمان کی اور زیادتی ہو اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ انہیں مزید ہدایت عطا کرتا ہے اور جو لوگ سیدھی راہ پر ہیں انہیں اللہ نے اور زیادہ ہدایت دے دی اور پرہیزگاری عبادت کی اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کس کے ایمان کو اس سورۃ نے بڑھا دیا (سیدہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اس سورۃ نے ان کے یقین میں اضافہ کر دیا (سورہ آل عمران میں ہے) جب انہیں ڈرایا تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور (سورہ الزمر میں ہے) ان کے یقین و امانعت ہی میں اضافہ ہوا اور اللہ کے لئے دوستی اور دشمنی ایمان ہی میں ہیں اور عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا تھا کہ ایمان کے کچھ شرائط کچھ ضابطے کچھ حدیں اور کچھ سنن ہیں (یعنی ایمان کے لوازمات میں کچھ ادا کرنا کچھ نواہی اور کچھ سنن داخل ہیں) پھر جس نے ان چیزوں کی تکمیل کر لی اس نے ایمان کامل کر لیا اور جس نے ان میں کوتاہی کی اس نے نامکمل رکھا اور اگر میں زندہ رہا تو میں ان سب کو تم سے کھول کر بیان کروں گا تاکہ تم ان پر عمل پیرا ہو سکو اور اگر میں مر گیا تو (پھر واقعہ یہ ہے کہ) میں تمہاری ہم نشین کا خواہاں نہیں ہوں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (سورہ بقرہ میں) لیکن (اس لئے کہ) میرے دل کو اطمینان حاصل ہو اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے (اسود بن ہلال سے) فرمایا کہ ہمارے پاس بیٹھو (تاکہ) کچھ دیر ہم مومن رہیں (یعنی ایمان تازہ کریں)

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے ”یقین پورا کا پورا ایمان ہے“ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ بندہ اس وقت تک تقویٰ کی حقیقت نہیں پاسکتا جب تک دل کی کھٹک (یعنی شرک و بدعت کے شہات) کو دور نہ کر دے اور حضرت مجاہدؓ نے اس آیت کی تفسیر میں کہ تمہارے لئے وہی دین ہے جس کی تعلیم ہم نے نوح کو دی ہے ”کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد! ہم نے تمہیں اور نوح کو ایک ہی دین کی تعلیم دی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے شرعاً و منہاجاً کا مطلب راست اور طریقہ بتلایا ہے اور قرآن کی اس آیت قل ما یعوذ بکم دی لولا دعاؤکم کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری دعا سے مراد تمہارا ایمان ہے۔

تشریح: ”ایمان“ کا لفظ ”امن“ سے مشتق ہے جس کے معنی سکون و اطمینان کے ہیں، کسی کی بات پر ایمان لانا بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم اس کو اپنی کھڈی ب سے مطمئن کر دیتے ہیں گویا اس کی امانت و دیانت پر ہمیں پورا وثوق و اعتماد حاصل ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ہماری ان دیکھی چیزوں کے بارے میں بھی کچھ بتلائے تو ہم اس کے اعتماد پر اس کو مان لیں۔

ایمان شرعی: اسی سے ”ایمان شرعی“ کی اصطلاح حاصل ہوئی کہ ہم خدا کے وجود و وحدانیت کی تصدیق کریں اور خدا کے آخری نبی کی تصدیق کے ساتھ ان سب باتوں کے بھی حق ہونے کا یقین کریں جو آپ کے ذریعہ ہم تک ضروری طور سے پہنچ گئیں۔ ضروری طور سے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ”دین محمدی“ میں ہونا سب پر روشن و واضح ہو مثلاً وجود انبیاء کتب ساویٰ ملکہ جن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین (آخری نبی) ہونا تقدیر خداوندی عذاب قبر، قیامت، قریب نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ غرض ایسی تمام چیزوں پر ایمان ضروری ہے جن کا علم ضروری ہم کو حاصل ہو چکا ہے اسی لئے ان کو ”ضروریات دین“ بھی کہا جاتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار یا تحریف تاویل اسی طرح کفر ہوگی جس طرح توحید و رسالت کا انکار یا ان میں تحریف تاویل کفر ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی محققانہ تصنیف ”انکار الملحدین فی شئی من ضروریات الدین“ میں ضروریات دین اور ایمان و کفر کی بحث کا حق و افرا دیا ہے جس کا مطالعہ ہر عالم دین کے لئے نہایت ضروری ہے۔

حقیقت ایمان

ایمان کی تعریف میں عام طور سے تصدیق کا لفظ آتا ہے جو اصطلاح حکماء میں اذعان و یقین کا ہم معنی ہے پھر یہ اختلاف ہوا ہے کہ تصدیق علم و ادراک ہے یا لواحق علم میں سے ہے تحقیقی بات یہ ہے کہ تصدیق محض علم نہیں ہے (جو اختیار و غیر اختیاری دونوں کو عام ہے) بلکہ تصدیق لواحق علم سے اور ایک ارادی چیز سے یعنی جانتا نہیں بلکہ جاننے کے ساتھ مان بھی لینا جیسا کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق ہے ورنہ فرعون ابولہب ابو طالب برحق وغیرہ بھی مومن ہوتے کیونکہ علم کی حد تک ان کو بھی صداقت رسول پر یقین تھا حالانکہ ان سب کے کفر پر امت کا اتفاق ہے۔

غرض تصدیق بمعنی عرفی کافی نہیں بلکہ ماننا ضروری ہے جس کے لازمی اثرات انقیاد قلبی و التزام طاعت ہیں اور جو مہر و میثاق اطاعت و وفا داری کے ہم معنی ہے یہ علم تصدیقی ایسی صفت نفس بن جانی چاہئے کہ قلب اور قلب کے ماتحت لسان و جوارح سب ہی سرانقیاد جھکا دیں۔ اس کی تعبیر بعض ضعیف الاستعداد وایات اور عبارات سلف میں عقد یا انقلاب سے بھی منقول ہے کیونکہ دل میں مضبوطی کے ساتھ گہرے باندھنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے اور اسی لئے ایمان کو عقیدہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اگر زبان و جوارح تصدیقی قلبی کی موافقت نہیں کرتے تو اس کو عقیدہ و عقیدہ کی جگہ کہہ سکتے ہیں؟

ایمان و اسلام کا فرق

یہاں یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ جس طرح ایمان انقیاد باطن کا نام ہے اسی طرح اسلام انقیاد ظاہر سے عبارت ہے۔ سورہ حجرات میں ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اِنْ هَا لَمْ تُوَمِّتُوا وَلٰكِنْ قُولُوا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ۔

(کچھ دیہاتی لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے ہاں یہ کہو کہ اسلام لے آئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں نہیں پہنچا۔ امام احمدؒ سے ایک مرفوع حدیث بھی تفسیر ابن کثیر میں مروی ہے کہ اسلام علانیہ عمل ہوئی چیز ہے اور ایمان قلب میں ہے اور مشہور حدیث جبریلؑ میں بھی ایمان کے سوال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا ٹانگہ کتب رسؑ پر دم آخراور قدر و ثمر پر ایمان و تصدیق کا ذکر فرمایا پھر اسلام کے سوال پر شہادت و حیدر و رسالت اور ادائیگی فرائض اور بعد کا ذکر فرمایا۔

ایمان و اعمال کا رابطہ

لہذا محققین نے فیصلہ کیا کہ ایمان و عقیدہ دین کی اصل بنیاد ہے اور اعمال جو اس کی فروغ اور شائیں ہیں یا ایمان بمنزلہ روح ہے اور اسلام اس کا بدن یا ایمان حقیقت ہے اور اسلام اس کی صورت یہ ہمارے آئندہ و محدثین کی تعبیر ہے دوسرے ائمہ و محدثین نے اعمال جو اس کو اجزا و مکملہ ایمان کے درجہ میں سمجھا ہے جس سے اعمال کا درجہ کچھ اوپر ہو جاتا ہے اور ایمان کا درجہ کچھ کمتر ہو جاتا ہے جیسا کہ بخمیل کی تعبیر سے واضح ہے اس لئے ہماری تعبیر زیادہ بہتر صحیح احوط اور حقیقت سے قریب تر ہے۔ والاعلم عند اللہ۔

ایمان کا درجہ

یہاں سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ دین اسلام میں ایمان کا درجہ اتنا اونچا ہے جس سے خدا کی وحی اور پیغمبر پر اس درجہ وثوق و اعتماد ہو کہ اس کی پابندی ہوئی مغنیات اور نعمتوں سے غائب چیزوں پر بھی ہمیں بے دلیل و حجت یقین و اطمینان حاصل ہونا چاہئے اسی لئے مسلمانوں کی بڑی صفت یومنون بالغیب قرار پائی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رسالت کی مکمل تصدیق اور انقیاد باطن حاصل ہو جانے کے بعد دلیل و حجت بازی کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا چنانچہ شاعر مرثیہ اور امام ابو منصور ہارثی نے بھی تصریح کی ہے کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و اطاعت کا نام ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی تحقیق

ایمان کی تشریح ہی کے سلسلہ میں یہاں ایک نہایت قابل قدر اور آب زر سے لکھنے کے قابل تحقیق ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی ہے جو آپ حیات میں پوری تفصیل سے درج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت قرآنی المنہی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم وازواجه امہاتہم میں ازواج مطہرات کا امہات المؤمنین والمؤمنات ہونا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت کی فرع ہے بلکہ ایک قرأت میں وھواب لھم بھی وارد ہے لہذا یہ دعوے درست ہو گا کہ ازواج مؤمنین آپ کی روح مقدس کے آثار ہیں اس طور سے آپ ابو المؤمنین یعنی تمام مؤمنین کے روحانی باپ ہیں گویا مؤمنین کے اجزاء ایمانیہ کا روحانی وجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحنا فدہ) کی روح معظم کے وجود ایمانی کا فیض ہے اور یہ اتنی بڑی نعمت و منفعت عظیمہ ہے کہ ہر مومن و مسلم ہر مسرورہ و مژدہ گر جاں فشاں ندرت و است۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی تحقیق

اس سے اوپر چلنے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کے مکاتیب شریفہ میں سرور دو عالم نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات محبوب رب العالمین۔ حقیقۃ الحق فی انفس الخلق۔ نور الانوار و روح الارواح پنج البرکات و مجمع الکملات کی شان میں جلوہ گر لے گی۔ اس سے بھی مستفاد ہو کہ اللہ نور السموات والارض کے نور عظیم کا کل و پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور معظم ہے جس سے تمام عالم و عالمیان نے انکسار و نور کیا اور نور ایمان تو روح الانوار و نور ہر جہاں عالم ہے۔

شیخ دباغ کے ارشادات

اسی کے ساتھ چند ارشادات غوث العارفین حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ کے بھی "ابریر" سے نقل کئے جاتے ہیں فرمایا کہ (بقا وجود کا) مادہ ساری مخلوق کی طرف ذات محمدی سے نور کے ذروں میں چلا ہے کہ نور محمدی سے نکل کر انبیاء و ملکہ اور دیگر مخلوقات تک جا پہنچا ہے اور اہل کشف کو اس استفادہ نور سے مجائب و غرائب کا شاہد ہوتا ہے حق تعالیٰ نے نور ایمان بلکہ برکت کے نور کو نور محمدی کے ساتھ وابستہ کیا ہے جہاں یہ تعلق عیاذ باللہ قطع ہوا تو راعی نور ایمان سلب ہوا۔ اس معنی میں سے ایک بد نصیب شکی مزاج نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صرف ایمان کی رہبری ہوئی ہے کہ حق کا راستہ دکھادیا باقی رہا ایمان سودہ اللہ کی طرف سے ہے (ذات محمدی کو اس سے کوئی تعلق نہیں) شیخ موصوف نے فرمایا اچھا اس تعلق کو جو تہا رہے نور ایمان اور نور محمدی میں قائم ہے اگر ہم قطع کر دیں اور شخص راست دکھانا جو ہم کہہ رہے ہو باقی رہے تو کیا تم اس پر راضی ہو؟ اس نے کہا ہاں! میں اس پر راضی ہوں ابھی بات ختم نہ کرنے پایا تھا کہ صلیب کو کچھ کیا اور اللہ رسول کا انکار کیا اور اسی پر دم نکل گیا۔

اس ارشاد کی روشنی میں معلوم ہوا کہ قلب مومنین میں ایمانوں کی مثال چراغوں کی ہے جو سب چراغ رسالت سے روشن و مستفید ہیں یا اس طرح سمجھو کہ ہر قلب مومن میں نور نبوت کا ایک ایک روحانی برقی نقطہ روشن ہے جس کے تار حقیقۃ الحقائق نبی الانبیاء نور الانوار صلی اللہ علیہ وسلم کے نور معظم سے وابستہ ہیں اور تمام روحانی انوار و کمالات کا فیضان اسی مرکز انوار سے ہو رہا ہے اگر اس نکشن یا تعلق میں کسی طرح کی کمی یا خرابی رونما ہوگی تو وہ بڑی محرومی و خسران کا موجب ہوگی۔

بمطالعہ برساں خولیش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باد نہ رسیدی تمام بولجی است

حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ۳۷۴ فرتے ہو جائیں گے جن میں سے ۲۷۴ غلط راستوں پر ہوں گے اور صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا صحابہ نے عرض کیا وہ کون سا ہوگا فرمایا جو فحک میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلے گا۔ اس لئے بڑی ہی احتیاط اور علم و فہم صحیح سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا نکشن آپ کی سنت و اسوہ سے ہٹ کر دوسرے غلط مراکز شرک و بدعت وغیرہ سے نہ جڑ جائے۔ وما تو فیقنا الا باللہ العلی العظیم علیہ تو کلتا والیہ انبنا۔

نیز فرمایا کہ ایمان ایک نور ہے جس کی روشنی میں چلنے والے کو راستہ کا شیب و فراز اور منزل مقصود کا مہدا و منجیا سب نظر آ رہا ہے اس لئے اس کا ہر قدم دلی اطمینان کے ساتھ اقتدار قلبی سکون کے ساتھ پڑتا ہے۔ لہذا اس کا پورا سفر لطف و بشارت کا ہے اور اس کی زندگی پر لطف گزرتی ہے جس کو "و لنحییٰہ حیوۃ طیبۃ" میں بیان فرمایا ہے اس کے برخلاف کفر ایک ظلمت ہے جس کی تاریکی میں چلنے والے کی حالت اندھ کی

۱۔ شرح مواقف کے آخر میں اس سب فرقوں کی تہلیلات ذکر کی گئی ہیں جن میں سے ۸ بڑے فرقوں کے نام مختصر عقائد ذکر ہیں۔

۱۔ معتزلہ و قدرہ جن میں اختلاف ہو کر میں شامیں ہو گئیں (مرکب کبر و ایمان سے خارج) قلندی انارہ سے قرآن کلام اللہ مخلوق ہے بندہ اپنے فعال کا خود خالق ہے آخرت میں بھی رویت الہیہ نہ ہوگی (شیخ مقلی ہے وغیرہ)۔

۲۔ شیعہ جن میں اختلاف ہو کر بائیس شامیں ہو گئیں (ان کے عقائد مشہور خاص و عام ہیں)

۳۔ خوارج جن میں اختلاف ہو کر سات شامیں ہو گئیں (مرکب کبر و کفر قلندی انارہ سے حضرت علیؑ و انصار کے کفر وغیرہ)

۴۔ مرہہ جن میں اختلاف ہو کر پانچ شامیں ہو گئیں (ایمان کے ساتھ کوئی معصیت معتزلیں اختیار عدل کے منکر ہیں)

۵۔ پانچہ جن میں اختلاف ہو کر تین شامیں ہو گئیں (خلق افعال میں اہل سنت کے ساتھ انہی صفات وغیرہ میں معتزلہ کے ساتھ ہیں)

۶۔ جبریت جن میں اختلاف ہو کر چار شامیں ہو گئیں (بندہ اپنے افعال میں مجبور شخص ہے لی رویت و خلق قرآن میں معتزلہ کے ساتھ ہیں)

۷۔ مشبہ جن میں اختلاف ہو کر گیارہ شامیں ہو گئیں (حق تعالیٰ کو مخلوقات کے ساتھ تعبیر دیتے اور اس کے لئے جہت و جسم وغیرہ ثابت کرتے ہیں)

۸۔ تاجیہ (اہل سنت و جماعت یا جماعت اہل حق) جو سارا عظیم امت محمدیہ کا ہے۔ واللہ الحمد۔

ی ہے کہ نہ اس کو سرانے کا پتہ ہے نہ منزل مقصود کا نہ اسے دریا کا علم ہے نہ جنگل کا پناہ گاہ نہ حرارت غریبہ یا نجن کے پھپھوں کی طرح چلتا اور بے اختیار پھرتا کھارہا ہے اس کے قلب پر ہر وقت تکدور و سادس و خطرات کا بوجھ رہتا ہے جس سے اس کی زندگی باوجود دولت و عیش و نبوی و بال جان بخیراتی ہے اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا من اعرض عن ذکری فان له معیشتہ ضنکاً ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ

بخاریؒ کا ترجمۃ الباب

یہاں تک ہم بقدر ضرورت ایمان کی تشریح و توضیح کی۔ اس کے بعد امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب کو سمجھنے امام بخاریؒ چونکہ ایمان کو قول و فعل سے مرکب مانتے ہیں اور اسی لئے اس میں زیادتی و کمی کے بھی قائل ہیں اسی لئے ایسی آیات احادیث و اقوال عنوان باب ہی میں جمع کر دیئے ہیں جن سے یہ دونوں دعوے ثابت ہو سکیں اس کے بعد بڑی تقطیع کے آٹھ صفحات میں بہت سے ابواب اور ان کے جلی عنوانات کے تحت احادیث کی تخریج فرما کر اپنے اسی دعوے کو پختہ کرتے چلے گئے ہیں۔

امام بخاریؒ کی شدت

عنوانات کی ایک جہتی شدت اور دلائل کی کثرت سے یہی تاثر ملتا ہے کہ جب یہ سب اعمال ظاہری جزو حقیقت ایمان ہیں تو کسی عمل میں بھی کمی آجائے نہ ایمان جاتا رہے گا جو محض لفظ کا مذہب ہے یا حکم کفر بھی عائد ہو جائے گا جو خوارج کا مسلک ہے پھر خوارج سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ ایمان کو قول و فعل کا مجموعہ مانتے نہ سخت معرتے فرماتے تھے کہ میں نے اپنی مجلس میں کسی ایسے شخص کی روایت نہیں لی جو کہتا ہے کہ ”ایمان قول و فعل سے مرکب نہیں اور اس میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی“۔ حالانکہ امام موصوف نے غالی خوارج تک سے بھی احادیث کی روایات لی ہیں تاہم ہم اس کو امام بخاریؒ کا تشدد ہی سمجھتے ہیں اور نہ مذہب اعتزال یا مسلک خوارج کے وہ بھی ایسے ہی مخالف تھے جیسے دوسرے تمام اہل سنت والجماعت یہی وجہ ہے کہ خود امام بخاریؒ نے بھی گویا پہلے پارے میں تو عمل کو جزو ایمان دکھانے پر پورا زور لگایا حتیٰ کہ ایک باب کفر دونوں کا بھی قائم کیا اور کوئی اعتدال کی صورت نہیں اختیار کی مگر ۲۷۰ دس پارہ میں پہنچ کر ”باب مہیکوہ من لعن شارب الخمر“ قائم کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ عقیدہ درست ہو تو کبیرہ گناہوں شرب خمر وغیرہ کے ارتکاب سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا اور اس پر لعنت نہ کرنی چاہئے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام بخاریؒ کا اس قدر تشدد بے محل ہے اور اگر اتنا ف سے تکدیر یا جذبہ مخالفت کے تحت ہے تو آپ کی جلالت قدر کے بھی خلاف ہے خصوصاً جب کہ اہل حق کے دونوں مسلک میں زیادہ فرق بھی نہیں ہے بلکہ بہت سے لوگوں نے تو اس اختلاف کو صرف نزاع لفظی بھی کہا ہے اگرچہ وہ خلاف تحقیق ہے اور ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی رائے بھی یہ ہے کہ دونوں کے نظریات جدا جدا ہیں۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بحث و نظر: ایمان کے بارے میں مختلف مذاہب و نظریات کی تسبیح و تنقیص حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت امام اعظمؒ شیخ ابو منصور ماتریدیؒ شیخ ابوالحسن اشعریؒ امام نسفیؒ محدثین و فقہاء احناف اور اکثر متکلمین فرماتے ہیں کہ۔

ایمان بسیط ہے جس کی حقیقت تصدیق قلبی ہے تصدیق لسانی (نفاذ احکام اسلامی کے لئے یا بوقت مطالبہ) شرط یا رکن زائد ہے اعمال جوارح غلوتار سے بچنے کے واسطے نیز ترقی ایمان و دخول اولیٰ جنت کے لئے ضروری ہیں ان کی حیثیت وہ ہے جو فروغ کی اصل کے ساتھ ہوتی ہے، مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء اور حدیث شعب ایمان بھی بظاہر اسی طرف مشیر ہے تصدیق لسانی کو شرط متکلمین نے اور رکن زائد فقہائے حنبلہ نے کہا ہے ملا علی قاریؒ حنفی کا قول ہے کہ عند المطالبہ رکن ہے اجزاء احکام کے لئے شرط مسامیہ میں ہے کہ اقرار بالمشاہدات و ثمن کو رکن ایمان قرار دینا زیادہ احوط ہے بہ نسبت شرط ماننے کے اقرار شہادت اور التزام طاعت کی قید سے

ابو طالب اور ہر قس جیسے لوگوں کا ایمان کا ایمان شرعی سے خارج رہا۔

نفسِ تقدیق کے معنی چونکہ انشاء شک کے ہیں اس لئے امامِ اعظم وغیرہ ایمان کو بسیط اور غیر مرکب کہتے ہیں کیونکہ یہ ایمان کا وہ مخصوص و محفوظ مرتبہ ہے کہ اس سے گر کر سارے مراتب کفر کے ہیں اور اس ایمان کا اطلاق بطور کلی متوالی تمام افراد و مشن پر یکساں ہوتا ہے اسی لئے اس ادنیٰ درجہ ایمان میں کسی کو زیادتی کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اس مرتبہ تقدیق کے بعد جو مراتب کمال ایمان انشراح صدر خشیت الہی و تقویٰ و طہارت کثرت طاعات و عبادات وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں ان کی کثرت و کیفیت کی کمی و زیادتی ناقابلِ انکار ہے۔ نفسِ بساطت ایمان کی وجہ مذکورہ کے علاوہ دوسری وجہ انکار زیادت نقصان کی باعتبار مومن بہ کے ہے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تقدیق جاننا نہیں بلکہ ماننا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پوری شریعت کو ماننا ایمان ہے جو ادنیٰ و اعلیٰ مومن سب کے لئے برابر ہے جو مطالبہ ایمان کا بڑے سے بڑے تغیر صحابی دینی سے ہے کہ پوری شریعت الہیہ کا التزام طاعت کریں وہی کم سے کم درجہ کے مومن سے بھی ہے جن آیات قرآنہ سے ایمان کی زیادتی ثابت کی جاتی ہے وہ نزول قرآن مجید کے دور کی ہیں کہ اس وقت درجہ ہی طور سے مومن بہ یا شریعتِ مصطفویہ کی تکمیل ہو رہی تھی۔ تکمیل شریعت کے بعد کسی زیادتی کا مرحلہ ختم ہو چکا۔ یاہیا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کالہ۔ اس کے بعد جو فرق مراتب ہو گا وہ خشیت الہی، تقویٰ یا مخالفت ہوائے نفس وغیرہ کے اعتبار سے ہو گا اور یہ فرق اس قدر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب عالیہ کا تو کہنا ہی کیا ہے ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا ایمان اتنا ہماری ہے کہ تمام امت محمدیہ کے ایمانوں سے بھی اس کا وزن زیادہ ہے۔ تارکِ عمل اور مرکب کبیرہ مومن فاسق ہے، فسق کے باعث عذابِ جہنم کا سزاوار اور ایمان کی وجہ سے دخولِ جنت کا مستحق اور غلظت دار سے محفوظ ہو گا۔

۲۔ ائمہ ثلاثہ امام بخاری و دیگر محدثین فرماتے ہیں کہ:-

ایمان مرکب ہے جسکے اجزاء تقدیق قلبی، تقدیق لسانی اور اعمال جوارج ہیں لیکن سب اجزاء کی رکنیت یکساں نہیں ہے۔ تقدیق قلبی اصل اصول ہے کہ وہ نہیں تو ایمان حقی محض اور اعمال کا درجہ بخیر و اجابت صلوة ہے۔ ارکان صلوة کی طرح نہیں گویا اقرار و عمل اجزاء مکملہ ہیں مقدم نہیں اور صرف اعمال کے نہ ہونے سے ایمان کی نفی نہ ہوگی البتہ تارکِ عمل اور مرکب کبیرہ کو مومن فاسق کہیں گے جو ترکِ عمل و ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے عذابِ نار کا سزاوار ایمان کی وجہ سے دخولِ جنت کا مستحق اور غلظت دار سے محفوظ ہو گا۔

چونکہ یہ حضرات اعمال کو حقیقتِ ایمان میں داخل مانتے ہیں اس لئے باعتبار کثرت کے ایمان میں کمی و زیادتی کے قائل ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ایمان بطور کلی مفہولک کے ہے۔

۳۔ فرقہ خوارج کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور تینوں اجزاء مذکورہ برابر درجہ کے اجزاء مقومہ و ارکان ایمان ہیں اس لئے صرف اعمال کا تارک یا مرکب کبیرہ ایمان سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۴۔ فرقہ معتزلہ کے نزدیک بھی ایمان مرکب ہے اور تینوں اجزاء ارکان ایمان ہیں تارکِ اعمال یا مرکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے مگر کافر نہیں ہو جاتا اس کو فاسق کہیں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تفسیر کشف میں بھی جواب امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے مگر یہ بھی فرمایا کہ حافظ ابن جزی نے امام صاحب کے قول لا یزید ولا ینقص کو بدعہ الالفاظ سے شمار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے ارشاد کی صحت سے ان کو بھی انکار نہیں البتہ الالفاظ سے اختلاف ہے مگر یہ بھی سب کو طوم ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں معتزلہ و خوارج کا بڑا زور تھا اور وہ ترکِ عمل یا ارتکاب کبیرہ پر ایمان سے خارج اور تعدیٰ انبیا و رسل سے میں سخت تعدد کر رہے تھے اس لیے امام صاحب نے ان کے خلاف طعن کے رد میں پوری شدت سے کام کیا اور ان کے مقابلہ میں اعمال کے خارج از ایمان ہونے پر زور دیا جس کو حافظ ابن جزی نے بدعہ الالفاظ سے تعبیر کیا اس کے برخلاف سلف کے دور میں چونکہ مرحرہ کا زور تھا جو صرف تقدیق کو کافی سمجھتے تھے اور اعمال کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے تھے اس لیے انہوں نے قول و عمل کے نظریہ کو اہمار اور مرحرہ کی وجہ سے اس کو اہل سنت کا شعار بنالیا۔

۵۔ فرقہ مرجد کا مذہب ہے کہ ایمان بسیط ہے۔ جس کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے، اقرار لسانی اور اعمال نہ مدارجات ہیں نہ رکن و شرط تصدیق قلبی کے بعد کوئی معصیت یا ترک فرض و واجب معزز نہیں۔ نہ ان پر عتاب ہوگا ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے کی نہیں خدا کا علم اور دوسری صفات اس سے الگ اور غیر ہیں۔ خدا کی صورت انسان کی سی ہے ضروریات دین کا علم اجمالاً کافی ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ حج فرض ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کعبہ کہاں ہے اور ہو سکتا ہے کہ علاوہ مکہ معظمہ کے کہیں اور ہو یا کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بٹھ ہوئی مگر میں نہیں جانتا کہ وہ وہی ہیں جو مدینہ طیبہ میں ہیں یا اور کوئی کہیں یا کہے کہ خنزیر حرام ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ یہ بکری ہے یا کوئی دوسرا جانور اس قسم کی باتیں کہنے والے سب مومن ہیں کیونکہ یہ سب تفصیلات حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہیں، غسان مرتی اس بات کو محکم کرنے اور رواج دینے کے لئے امام اعظمؒ کی طرف بھی نسبت کرتا تھا کہ امام صاحب کی بھی یہی رائے ہے حالانکہ یہ افتر شخص تھا اس کے علاوہ معتزل کا طریقہ تھا کہ جو شخص مسئلہ قدر میں ان کی مخالفت کرتا تھا اس کو مرتی مشہور کرتے تھے امام اعظمؒ اور آپ کے اصحاب نے تو معتزلہ کی ہر طرح مخالفت کی ہے اور ان کے دلائل کا ضعف آشکارا کیا ہے اس لئے وہ ان کے تابز بالا نقاب سے کیسے بچ سکتے تھے۔

فرقہ مرجد میں سے صرف غیلان قدری تھا باقی سب جبری عقیدہ رکھتے تھے۔

۶۔ فرقہ حمیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے، جس کی حقیقت صرف معرفت قلب ہے تصدیق ضروری نہیں بھیمہ کے اور بھی بہت سے عقائد خراب ہیں۔

۷۔ ... کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے جس کی حقیقت صرف اقرار لسانی ہے بشرطیکہ دل میں انکار نہ ہو تصدیق قلبی اور اعمال ایمان کے اجزاء نہیں انسان کی ضرورت ہے۔

اہل حق کا اختلاف

امام اعظمؒ و متکلمین وغیرہ کا اختلاف دوسرے ائمہ محدثین سے نہ کوئی بڑا اہم اختلاف ہے اور نہ اس کا صرف نزاع لفظی ہی کہنا درست ہے کیونکہ ہر حال انکار کا اختلاف موجود ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان تینوں اجزاء کا مجموعہ کا نام ہے اور ہم اس کو بسیط مانتے ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ تصدیق قلبی تمام مقاصد میں سے بلند مرتبہ اور سب سے بڑی نیکی ہے اور تمام اعمال کی صحت کے لئے بطور شرط و بنیاد ہے لہذا اس کا مرتبہ بھی اعمال جوارج کے اعتبار سے الگ اور بہت اونچا ہونا چاہئے پس اعمال کو رکن و جز کی حیثیت دینا ایمان کی حیثیت کو کراتا ہے اور جس طرح کہ ہم اس کو الگ الگ کر کے اور اعمال کے مقابلہ میں بلند مرتبہ قرار دے کر حج پوزیشن دیتے ہیں تو وہ بسیط ہی ثابت ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ صلوة کے بارے میں حنفیہ وشافیہ کا ہے کہ شافعیہ فرماتے ہیں نماز پوری حقیقت معبودہ (حریمہ سے تسلیمہ تک) کا نام ہے جس میں ارکان سنن و مستحبات سب داخل ہیں پھر بعض اجزاء ان کے نزدیک بھی وہ ہیں جن کے نہ ہونے پر بھی نماز درست ہو جاتی ہے حنفیہ میں سے شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ نماز ارکان کا نام ہے اور باقی اجزاء سب مکملات ہیں۔ لہذا صرف ارکان میں کمی سے نماز نادرست ہونے کا حکم لگائیں گے یہی صورت ایمان کے بارے میں بھی ہے کہ ایمان کی حقیقت تو صرف تصدیق قلبی ہے اور باقی اجزاء اس کی تکمیل کرنے والے ہیں اور یہی بات ان آیات قرآنیہ سے بھی مفہوم ہوتی ہے جن میں ایمان کے بعد اعمال کا ذکر الگ کیا ہے کیونکہ اعمال اگر ایمان میں داخل تھے تو ان کو حرف عطف کے ساتھ الگ کیوں ذکر کیا گیا؟ جو مغایرت کو چاہتا ہے حافظ ابن تیمیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہاں عطف مغایرت کے لئے نہیں ہے بلکہ اعمال کو اہتمام شان اور استیلاء بیان کے لئے الگ ذکر کیا ہے تاکہ اعمال کی طرف سے غفلت نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ کی یہ توجہ اگرچہ کسی قدر مضبوط اور ان کی ذہانت کی دلیل ہے مگر آیات قرآنیہ

عمل صالحاً من ذکر او انشئ و هو موہن۔ کادہ کیا جواب دیں گے جس میں ایمان کو بطور قید و شرط ذکر کیا ہے اعمال کے لئے۔

اس کے بعد ہمارے ذمہ اس امر کا جواب ہے کہ بہت سی احادیث میں ایمان کا اطلاق اعمال پر ہوا ہے اور یہی سب سے بڑا استدلال امام بخاری وغیرہ کا ہے۔ اول تو یہ کہ جس طرح کل کا اطلاق جزو پر ہوا کرتا ہے اسی طرح اطلاق مباد کا بھی اثر ہو کر تا ہے جیسا کہ ہم نے سمجھا ہے کہ مباد ایمان اور عمل اس کا اثر ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ان احادیث میں صرف پہلا ہی اطلاق متعین ہے تو ظاہر قرآن مجید نے اعمال کو ایمان سے الگ اور مغایر قرار دیا ہے تو یہی بہتر ہوگا کہ قرآن کا اتباع کریں اور حدیث میں تاویل کی جائے اور حقیقت حال بھی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ حقیقت نفس الامری کو قرآن مجید سے بتلایا ہے اور حدیث میں امور خارجیہ کا لحاظ ہے جیسا کہ دوسرے معاملات میں بھی یہی صورت ہوئی ہے کہ قرآن مجید حقیقت حال کو بے کم و کاست ادا کرتا ہے اور حدیث میں مصاح کی رعایت کی جاتی ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں بھی قرآن مجید نے تو یہی فیصلہ کیا کہ اعمال ایمان کا جزو نہیں ہیں پھر چونکہ اندیشہ تھا کہ لوگ اعمال میں کوتاہی کریں گے اس کو حدیث سے دفع کیا جس میں ایمان کا اطلاق اعمال پر کیا ہے تاکہ اعمال کی اہمیت بھی زیادہ سے زیادہ معلوم ہو قرآن مجید کے عطف اعمال سے جو بالکل مغایرت مفہوم ہوئی تھی اس کی بھی تلافی ہو جائے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ محدثین نے سلف کی تقلید کی ہے کہ وہ ایمان کو توسل و عمل کا مجموعہ فرماتے تھے اور احادیث میں بھی ایسا ہی ہے تو امام عظیم وغیرہ نے اگر سلف کی اس تعبیر کو بدل دیا اور یہ کہہ دیا کہ اعمال حقیقت ایمان سے خارج ہیں تو انہوں نے اس تعبیر کو قرآن مجید کے اتباع میں لیا ہے اس کی وجہ سے امام صاحب وغیرہ پر طعن کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ غرض جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں سلف کا ارشاد قول عمل اپنے زمانہ کے متعین حال کے لیے موزوں تھا اور امام عظیم وغیرہ کا ارشاد اپنے وقت کے لیے مناسب تھا۔ ایمان و اعمال کے بارے میں اہل حق کے بھی دونوں مسلک پوری وضاحت سے بیان ہو چکے۔ اور دوسرے فرقوں کے مذاہب بھی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو مرجع قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔

امام بخاری کا امام صاحب کو مرجع بتلانا

اور امام بخاری نے جو آپ کو مرجع کہا ہے اگر وہ ارجمت کے اعتبار سے ہے تو کوئی عیب نہیں اور اگر اجاد بدعت کے لحاظ سے ہے تو اس سے زیادہ غلط بات کیا ہو سکتی ہے۔ پھر اگر بڑوں کی طرف کوئی بات غلطی سے منسوب بھی ہوگئی تو اس کا طریقہ یہ رہا ہے کہ محتاط طریقہ پراختا کہہ دیا گیا فلاں بات آپ کی طرف منسوب کی گئی یا فلاں امر کے ساتھ آپ کو متہم کیا گیا ہے جیسا کہ کتب رجال میں کسی کے متعلق رہی بالقدیر کسی کے متعلق رہی بالارجح کسی کے متعلق یشب الی الرض وغیرہ لکھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ امام بخاری نے تحقیق کے طور پر لکھ دیا کہ امام صاحب مرجع تھے امام محمد کو بھی لکھ دیا کہ امام ابو یوسف کا ترجمہ یہ سطر اپنی تاریخ کبیر کے صفحہ ۳۹ میں لکھا تو کیا لکھا کہ ”شیبانی سے حدیث سنئی ان کے صاحب ابو حنیفہ تھے جن کو لوگوں نے چھوڑ دیا۔“ (یعنی روایت کرنے والوں نے ان سے حدیث کی روایت نہیں کی امام ابو یوسف کے حالات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ کتنے بڑے محدث تھے بہ کثرت محدثین سے خود بھی روایت حدیث کی اور ان سے بھی روایت کرنے والے بہ کثرت ہیں مگر امام بخاری نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ پھر امام صاحب کا ذکر یہاں بھی ترک روایت کی خوش خبری سنانے کے لیے فرمایا ہے جب کہ خود امام ابو یوسف نے بھی مستقل حدیث تصنیف کتاب الآثار میں امام صاحب سے روایات کثیرہ جمع کی ہیں اور وہ کتاب اس وقت شائع شدہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ قال محمد لله والمعنہ۔

دوسرا احتمال لفظ ترکہ میں یہ ہے کہ امام بخاری خود امام ابو یوسف کو متروک الحدیث بتلا رہے ہیں تو یہ بھی درست نہیں جیسا کہ امام ابو یوسف کے حالات میں ان کے حدیثی علم و شغف و ثقاہت وغیرہ کا ذکر پوری تفصیل سے ہو چکا ہے غرض امام اعظم یا امام ابو یوسف میں سے خدا کے فضل و

انعام سے کوئی بھی متروک الحدیث نہیں ہے نہ امام محمد بن خدا غفرلہ جی تھے ان کے بھی صحیح حالات ہم مفصل لکھ آئے ہیں۔ واللہ المستعان۔

طعن ار جاء کے جوابات

طعن ار جاء کے جواب میں شیخ معین سندھی نے بھی درسات الملیب میں بڑی تفصیل سے اور بہت اچھا کلام کیا ہے ہم بھی امام صاحب کے حالات میں کچھ لکھ آئے ہیں خود فقہ اکبر میں بھی امام صاحب سے ایسی تصریحات ملتی ہیں۔ کہ ان کے بعد ار جاء بدعت سے جہت کرنا کسی طرح درست نہیں، صفحہ ۱۰ میں ہے کہ ایمان اقرار و تصدیق ہے صفحہ ۱۱ میں اسلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ تسلیم و اعتقاد ہے خدا کے داور و احکام کا ایمان بغیر اسلام کے نہیں ہوتا نہ اسلام بغیر ایمان کے دونوں کا علاقہ ظہر و بطن کا ہے اور دین کا اطلاق ایمان اسلام اور شائع کے مجموعہ پر ہوتا ہے مناقب کی صفحہ ۱۳۷ تا ۱۳۸/۱ تک جہم بن صفوان اور امام اعظم کا پورا مکالمہ درج ہے جس میں امام صاحب نے قرآن و حدیث کے دلائل سے اس کو ایمان و اسلام کی حقیقت سمجھائی جس کے بعد وہ یہ کہہ کر اٹھا کہ آپ کی باتوں سے میرا دل متاثر ہوا اور میں پھر بھی حاضر ہوں گا علامہ ابن عبد البر باکلی نے بھی الانقاء میں صفحہ ۱۶۸ پر امام صاحب سے ایمان کے بارے میں وہی باتیں نقل کی ہیں جو تمام اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے اب اگر وہ ار جاء تھا تو بقول استاذ ابو زہرہ میری عمر کے صرف امام صاحب کو ار جاء سے مطمئن کرنا صحیح نہیں کیونکہ پھر تو سب ہی فقہاء و محدثین اس کی زد میں آ جائیں گے ہاں کوئی معتزل ہو تو وہ اس کی زد سے بچ سکے گا۔ دیکھئے ابو زہرہ کی کتاب البوضیفہ صفحہ ۷۱

استاذ موصوف نے امام صاحب کے حالات و مناقب میں نئے طرز و اسلوب سے نہایت تحقیق و کاوش کے ساتھ کتاب مذکور مرتب کی ہے جس کا دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۵۵ء ہم نے دیکھا ہے اور کتاب کی قدر و قیمت اس لئے بھی بڑھ گئی کہ تالیف کے زمانہ میں موصوف نے علامہ کوثری سے بھی استفادہ کیا ہے چونکہ امام صاحب کے زمانہ میں بھی معتزلہ نے اپنے خلاف کی وجہ سے اور عنان مرتضیٰ نے اپنی تائید کے لئے امام صاحب کو مرتجی مشہور کیا اس لئے اس وقت کے مشہور محدث عثمان بنی نے امام صاحب کو خط لکھا کہ لوگ آپ کو مرتجی کہتے ہیں اس سے مجھے نہایت رنج ہوتا ہے جو باتیں وہ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں کیا ان کی کوئی اصل ہے؟ امام صاحب نے جواب میں ایک طویل خط تحریر فرمایا جس کی تمہید میں ایمان و اسلام، عقیدہ و اعمال کے بارے میں کچھ اصولی باتیں تحریر فرمائیں اور آخر میں لکھا کہ ”میرا قول یہ ہے کہ اہل قبلہ سب مؤمن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مؤمن اور جنتی ہے جو ایمان و اعمال کا تارک ہے وہ کافر اور روزنی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے مگر گناہ گار مسلمان ہے خدا کو اختیار ہے اس پر عذاب کرے یا معاف کر دے“۔

امام صاحب کی تائید دوسرے اکابر سے

یہاں چند اقوال دوسرے حضرات کے بھی نقلیہ شرح مفہم مسلم صفحہ ۱۵۸ سے لکھے جاتے ہیں جو امام صاحب وغیرہ کی تائید میں ہیں امام الحرمین شافعیؒ نے فرمایا کہ ایمان میں زیادتی دینی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو اس تصدیق کا نام ہے جو مرتبہ جزم و یقین تک پہنچی ہوئی ہو پھر اس میں کسی وزیادتی کیسی؟ ایسی تصدیق والا خواہ طاعتات کرے یا ترک طاعتات معاصی اس کی تصدیق تو بحال ہے اس میں کیا تغیر ہوا؟ البتہ اگر تصدیق کے ساتھ طاعتات کو بھی ایمان کا جزو مان لیں تب ضرور اس کے ایمان میں بھی طاعتات کی کمی وزیادتی سے تغیرات رونما ہوں گے امام رازی شافعیؒ نے فرمایا کہ جن دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں تفاوت نہیں ہوتا اس سے مراد اصل ایمان ہے اور جن سے تفاوت ثابت ہوتا ہے وہاں کمال ایمان مراد ہے۔

شارح حاصیہ نے لکھا کہ ایمان کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے جو اساس و بنیاد ہے نجات کے لئے اور اس پر بھی ہوتا ہے جو ایمان کامل اور پوری نجات کا ضامن ہے اور اس بات میں بھی کسی کا خلاف نہیں ہے۔

حضرت شیخ اکبر نے فتوحات میں فرمایا کہ ایمان اصلی جو زیادہ کم نہیں ہوتا وہ فطرت ہے جس پر خدا نے تمام لوگوں کو پیدا کیا تھا یعنی خدا کی وحدانیت کی شہادت جس کا عہد و میثاق ہم سب سے لیا گیا تھا پس ہر یک اسی میثاق پر پیدا ہوتا ہے کہ اس کی روح اس جسم خاکی میں مجبوس ہو کر اپنے رب کی معرفت کو بھلا دیتی ہے لہذا دلائل فطرت میں نظر و فکر کر کے اس معرفت خداوندی و شہادت وحدانیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہوتی اگر اس کو سابق حالت کی طرف لوٹا لیا تو مومن ہے ورنہ کافر جس طرح ایک مسافر گھر سے چلا اس وقت آسان صاف تھا اور اس کو سمت قبلہ اور اپنی منزل مقصود اچھی طرح معلوم تھی جب بیابان میں پہنچا تو آسان پر بادل چھا گئے اب نہ وہ سمت قبلہ کو پہنچاتا ہے نہ منزل مقصود کی جانب کو اس لئے نظر و اجتہاد سے کام چلائے گا۔

علامہ شعرانی سے تشریح ایمان

علامہ شعرانی شافعی نے فرمایا کہ ”ایمان فطرت“ تو وہی ہے جو آدمی کے ساتھ مرتے وقت ہوتا ہے وہ نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم ہوتا ہے البتہ اس میں زیادتی و کمی ان احوال کے اعتبار سے کہی جاسکتی ہے جو اس کو مرنے سے پہلے تک کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔“

ابن حزم

ابن حزم مطہری (جو امام صاحب وغیرہ کے سخت مخالفین میں ہیں) اپنی کتاب ”الفصل“ میں لکھتے ہیں کہ کوئی بھی تصدیق خواہ وہ تو حید و نبوت کی ہو یا کسی اور امر کی اس میں زیادتی و کمی ممکن ہی نہیں کیونکہ کسی چیز کی دل سے تصدیق یا اقرار کرنے والا تو اس کی تصدیق کرے گا یا تکذیب یا تردد و شک آئے گا۔ اس کے علاوہ چوتھی صورت نہیں ہے۔ پس یہ تو محال ہے کہ ایک شخص اسی چیز کی تکذیب بھی کرے جس کی تصدیق کر رہا ہے اور یہ بھی محال ہے کہ تصدیق کے باوجود شک بھی کرے لہذا ایک ہی صورت درست ہے کہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق بے شک و شبہ تصدیق کرے اسی کے ساتھ یہ بھی جائز نہیں کہ ایک کی تصدیق زیادہ ہو دوسرے کی تصدیق سے کیونکہ دونوں میں سے ایک کی تصدیق میں کوئی رشتہ پڑ گیا تو ظاہر ہے کہ اس کی تصدیق میں شک داخل ہو گیا تصدیق تو مصدقہ کے وجود پر یقین و جزم کا نام ہے اور اس صفت میں کمی و بیشی ہوتی ہی نہیں جزم و یقین میں کمی تو شک ہے جب شک آ گیا تو تصدیق مکی لہذا ایمان بھی نہ رہا۔ پس ثابت ہو گیا کہ جس زیادتی ایمان کا ذکر خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تصدیق و اعتقاد میں ہرگز نہیں ہے بلکہ بظاہر غیر تصدیق میں ہے جو یہاں فقط اعمال ہیں۔“

امام غزالی

امام غزالی شافعی نے فرمایا کہ ”سلف کے قول“ الایمان قول و عمل یزید و ینقص“ سے خود ہی ثابت ہے کہ عمل اجزاء ایمان و ارکان سے نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز خود اپنی ذات سے زیادہ نہیں ہوتی کوئی یہ نہیں کہے گا کہ انسان اپنے سر کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے ہاں یہ کہتے ہیں کہ اپنی داغی و مٹاپے وغیرہ سے زیادہ ہوتا ہے جس طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز میں رکوع و سجود سے زیادتی ہوتی ہے بلکہ داب و سنن سے زیادتی ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ایمان کافی و زائد ایک وجود ہے پھر وجود کے بعد اس کا حال مختلف ہوتا ہے زیادتی بھی ہوتی ہے کمی بھی۔“ آپ نے دیکھا کہ امام غزالی نے سلف کے قول کو بھی امام صاحب وغیرہ کی تائید میں قرار دیا اور یہ فرما کر قرار دیا کہ سلف شہود عدول ہیں لہذا ان کے قول سے عدول مناسب نہیں انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے مگر اس کو صحیح طور سے سمجھنے کی ضرورت ہے پھر مذکورہ بالا تشریح فرمائی۔

قاضی عیاض

آپ نے فرمایا کہ ”مجرد ایمان جو تصدیق ہے اس کے اجزاء نہیں ہیں اور جو کچھ زیادتی اس میں کمی جاتی ہے وہ اس سے الگ ہٹتی رائد“

عمل صالح و خیرنی یا کسی عمل قلب (شفقت مسکین حسن نیت یا خوف خداوندی وغیرہ) کے سبب ہوتی ہے۔

نواب صاحب

محترم علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے ”انتقاد الترتیب“ میں لکھا کہ ”جمہور محققین“ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی ہے اور زبان سے اقرار کرنا دنیاوی احکام جاری کرنے کی شرط ہے کیونکہ تصدیق قلبی ایک پوشیدہ امر ہے اس کی کوئی علامت ہونی چاہئے پس جو شخص اپنے دل سے تصدیق کرے اور اپنی زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ عند اللہ مومن ہے اگرچہ احکام دنیا میں مومن نہیں۔ یہ چند اقوال صرف اس لئے نقل کئے گئے کہ امام صاحب کی اصابت رائے و دقت فہم اور اتباع کتاب و سنت کی شان پوری طرح معلوم ہو جائے اور آئندہ بھی آپ دیکھیں گے کہ تمام اختلافی مسائل میں امام صاحب ہی دوسرے ائمہ و محدثین کے مقابلہ میں روایت و درایت کی رو سے غالب رہیں گئے ان شاء اللہ۔

امام بخاری اور دوسرے محدثین

لیکن اسی کے ساتھ نہایت افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ امام بخاری نے شیخ حمیدی اسحاق بن راہویہ وغیرہ سے متاثر ہو کر امام صاحب کے بارے میں بے بنیاد باتوں کے اثرات لگائے ہیں جبکہ دوسرے اصحاب صحیح کا رویہ اس قسم کا نہیں ہے امام مسلم و ابن ماجہ تو خاموش ہیں نہ ان سے مدح منقول ہے نہ مذمت امام ابوداؤد پوری طرح مدح ہیں امام ترمذی و نسائی نے امام صاحب سے روایت حدیث بھی کی ہے امام نسائی سے کچھ تعریف کے الفاظ بھی منقول ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلی بات ہے۔ پھر جب وہ امام طحاوی سے طے اور امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق زیادہ صحیح حالات معلوم ہے تو امام صاحب کی تعریف سے رجوع فرمایا جس کی دلیل یہ ہے کہ امام صاحب سے اپنی صحیح میں روایت بھی کی جو اصل نسائی میں ہے اس وقت جو نسائی شریف مطبوعہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام نسائی کے تلمیذ ابن اسنی کا اختصار ہے (مکالمصرع بالذہبی فی کتاب ”المخلو“ اور صحاح ستہ میں جس کتاب کا شمار ہے وہ بھی اصل کتاب نسائی کی ہے یہ اختصار نہیں ہے) مگر مصرع بالحقان ابن الملقن و انصری (اور وہی عام اطلاقات محدثین میں بھی مراد ہوتی ہے (ذیل مذہب ص ۳۳۷)

اساتذہ امام بخاری

ان کے علاوہ خود امام بخاری کے تین بڑے اساتذہ و شیوخ امام احمد، امام حنبلہ بن محسن اور علی ابن المدینی بھی امام صاحب کی توثیق و مدح فرماتے ہیں جن کے بارے میں خود امام بخاری نے جزء درفع الیدین میں فرمایا کہ یہ حضرات اپنے زمانے کے بڑے اہل علم تھے۔

امام بخاری کے چھ اعتراض

لیکن پھر بھی امام بخاری نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں اپنی تینوں کتب تاریخ (مغیرہ اوسط و کبیر) اور کتاب ”المغنیۃ و البحر و کین“ میں آپ کو مرتبی لکھا۔ اور جامع صحیح میں تعریضات سے کام لیا پھر اپنے دونوں رسالوں جزء القرات و جزء الامام اور جزء درفع الیدین میں تو بقول حضرت شاہ صاحب ”کے تیز سانی تک پہنچ گئے جو شدت تعصب اور سخت برہمی پر دل ہے مثلاً ایک جگہ اپنے رسالہ جزء القرات و جزء الامام میں امام صاحب کے بارے میں لکھا کہ ”مدت رضاعت ڈھائی سال قرار دی۔ حالانکہ یہ نص قرآنی حوالین کاملین لمن اراد ان یعم الوضاعۃ کے خلاف ہے اور انہوں نے کہا کہ امام صاحب کے نزدیک خنزیری میں کچھ حرج نہیں اور امت میں قتال و خون ریزی جائز سمجھتے تھے ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگلے پچھلے واقعات کے بارے میں حکم خداوندی حقوق و احداث ہے پس وہ نماز کو بھی بندوں پر دین (فریضہ) نہیں سمجھتے۔“

ان چھ بڑے اعتراضات میں سے بعض کے بارے میں کچھ حضرات نے حسن تاویل کی گنجائش پیدا کی اور کہا کہ امام بخاریؒ نے ارہام سے مراد ار جانت لیا ہوگا اور اس کے بعد جو فرمایا کہ محدثین نے امام صاحب کی رائے اور حدیث سے سکوت کیا تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی رائے وحدیث پر کوئی جرح نہیں اگر یہ مطلب نہیں لیجئے تو امام بخاری پر صریح جھوٹ کا الزام آئے گا۔ کیونکہ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب سے روایت حدیث کرنے والے اور ان کی رائے پر عمل کرنے والے بڑی کثرت سے محدثین ہیں۔ یہی رائے محدث شہیر محقق بن نظیر حافظ حدیث شیخ محمد ہاشم سندھیؒ کی بھی ہے (ملاحظہ ہو ذب ذبابات الدر اسات صفحہ ۲/۳۰۰) مگر محقق عصر علامہ عبدالرشید نعمانی دام فیضہم نے اس غلط فہمی کی تصحیح بھی اسی صفحہ کے حواشی میں فرمادی ہے آپ نے لکھا کہ مصنف کی یہ توجیہ غالباً اس لئے ہے کہ انہوں نے امام بخاری کی اصطلاحات کی طرف توجہ نہیں فرمائی چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ”الباعث الحثیث الی معرفۃ علوم الحدیث“ صفحہ ۲۳ میں لکھا ”کچھ اصحاب کی اصطلاحات پر بھی وقف ضروری ہے۔ مثلاً بخاری جب کسی کے بارے میں کہتا ہے یا فیہ نظر نہیں کرتا تو اس سے ادنیٰ وارداء مرتبہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کیونکہ وہ لطیف عبادت سے جرح کرنا چاہتے ہیں اس کو اچھی طرح جان لینا چاہئے۔“ حافظ سیوطیؒ نے تدریب الروی صفحہ ۱۲۷ میں لکھا ”بخاری جن لوگوں کو ”متروک الحدیث“ قرار دیتے ہیں ان کیلئے یہ نظر اور سکتا اعدہ کیلئے ہیں۔“

حافظ حدیث ابن رشید کا قول علامہ زبیدیؒ نے شرح احیاء العلوم صفحہ ۴/۹۳ میں نقل کیا کہ ”بخاری حنفی کی بہت زیادہ مخالفت کرنے والے ہیں“ حافظ زبیدی کو مخالفین نے بھی کثیر الانصاف تسلیم کیا ہے اور نہایت نرم خو ہیں مگر انہوں نے بھی جو کچھ نقد امام بخاری کی شدت عصییت ومخالفت حنفیت کے بارے میں کیا وہ ہم بسم اللہ کی بحث میں نقل کر آئے ہیں۔ حافظ سخاویؒ نے اپنی کتاب ”الاعلان بالتوبع“ صفحہ ۶۵ میں جو کچھ امام بخاری اور دوسرے حضرات کے تعصب ائمہ حنفیہ کے متعلق لکھا وہ ہم مقدمہ کتاب ہذا کے صفحہ ۲/۵۰۹ میں نقل کر چکے ہیں۔

پھر بقول علامہ نعمانیؒ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر واقعی امام صاحب ایسی ہی کم مرتبہ تھے کہ لوگوں نے ان کی رائے وحدیث کو کوئی وقعت نہیں دی تو امام بخاری کو اسے اہتمام و کاوش کی کیا ضرورت تھی کہ ”جامع صحیح“ میں بھی جگہ جگہ بعض الناس کی طرف تفریض فرما رہے ہیں اور دوسری تصانیف میں بھی ہاں! ایک بات اور کچھ میں آتی ہے اس سے امام بخاری کی بات بھی جھوٹ نہیں بنتی جس سے محدث سندھی چپتا چاہتے ہیں وہ یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنے بہت سے شیوخ حدیث اور محدثین ومعاصرین کو دیکھا کہ انہوں نے امام صاحب کی رائے وحدیث پر کوئی جرح نہیں کی تو وہ اپنے نزدیک حق بات کا اظہار ضروری سمجھ رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ امام صاحب ان کی تحقیق میں مرجئی ہیں اور دوسرے عیوب مندرجہ بالا بھی ان میں موجود ہیں اس پر بھی ان لوگوں کا سکوت اور عدم جرح لاعلمی یا کسی اور وجہ سے ہے چنانچہ ہم امام بخاریؒ کے حالات میں نقل کر آئے ہیں کہ انہوں نے بعض مسائل کی بحث کے ضمن میں یہ بھی فرمادیا کہ عجیب بات ہے کہ لوگوں نے بے علم لوگوں کی تقلید کی اس سے تو وہ اگر عبداللہ بن مبارک ہی کی تقلید کرتے تو اچھا تھا کیونکہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے اور ہم نے وہاں لکھا تھا کہ خود عبداللہ بن مبارک کا اعتراض یہ ہے کہ میں جاہل تھا جو کچھ علم کی دولت ملی وہ امام صاحب سے ملی اور لوگوں نے بہت کوشش کی کہ میں امام صاحب تک نہ پہنچوں اور مجھے غلط باتیں سنا کر متاثر کرنا چاہا۔ مگر خدا کے فضل نے دیکھیری کی یہ بھی منقول ہوا کہ جب وہ امام صاحب سے وابستہ ہو گئے تو لوگوں نے پھر بھی چپھانہ چھوڑا اور آپ کے پاس آ کر امام صاحب کی برائیاں کرتے تھے آپ امام صاحب کی طرف سے برابر مداخلت کرتے اور جب وہ کسی طرح باز نہ آتے تو فرماتے کہ یا تو میرا پیچھا چھوڑ دیا یا بڑے علم و فضل تقویٰ و طہارت کا پیکر مجسم کوئی دوسرا مجھے بتا دو۔

غرض اس قسم کے حالات ہم نے کافی کیے تھے اور بہت کچھ باقی ہیں امام صاحب اتنے بڑے تھے کہ بڑے بڑوں سے ان کی سیرت نگاری کا فرض پورا نہ ہو سکا۔ یہ عاجز کس شاعر میں ہے! یہاں تھوڑی سی جواہر دی اور صفائی امام بخاریؒ کے کورہ بالا اعتراضات کی کردی جائے تو مناسب ہے۔ امام بخاریؒ نے ان اتہامات و اعتراضات کی کوئی سند نہیں بیان کی حالانکہ انہوں نے امام صاحب کا زمانہ نہیں پایا یہ بات ان کی

جلالت قدر کے لیے سوزوں نہیں تھی لیکن تاریخی پس منظر سے واقف جانتے ہیں کہ یہ سب وہی باتیں ہیں جو امام صاحب کے مخالفین نے چلائی تھیں اور خلیفہ بغدادی نے ان کو مع دوسرے بہت سے اتہامات کے اپنی تاریخ بغداد میں جمع کر دیا ہے اور علامہ کوثریؒ نے ”تانیہ الخلیفہ“ میں ایک ایک روایت پر مفصل نقد کیا ہے راویوں کا غیر معتد اور جھوٹا ہونا کتب رجال و تاریخ سے ثابت کر دیا ہے۔ امام بخاری چونکہ مسئلہ لفظ بالقرآن کے سلسلہ میں اپنے زمانہ کے علماء احناف سے کبیدہ خاطر ہو گئے تھے اور اپنے بعض شیوخ و اساتذہ مثلاً امام حیدری احنف بن راہویہؒ، نصر بن شمل، احمد بن زہیر، عبدالرحمن بن مہدی، نعیم بن حماد، زاعی، اسماعیل بن عروہ وغیرہ سے بہت متاثر ہو گئے تھے جن میں سے بعض تو امام صاحب کے سخت مخالفین میں سے تھے اور بعض وہ تھے جنہوں نے فروع تصقب و مخالفت کی وجہ سے امام صاحب کی کتابوں کو رد یا میں بہا کرنا بد کرنے کی سعی کی تھی۔ احنف بن راہویہؒ بھی باوجود اپنی جلالت قدر کے اسی گروہ میں تھے جن کے مشورہ و ایما سے امام بخاری نے جامع مع مرتبہ کی اور اس میں اپنی یاد کردہ ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ۱۲۵۳۳ احادیث جمع کیں جو ان کے اپنے اجتہاد کے موافق مسائل سے مطابق تھیں دوسرے کے راہزمرہ مجتہدین کے اجتہاد کے موافق احادیث جمع کرنے کا کوئی التزام و اہتمام نہیں فرمایا۔

غرض امام بخاریؒ میں تاثر اور یکطرفہ غیر معمولی رجحان کا مادہ بہت تھا اس لئے امام صاحب کے بارے میں غلط نظریات برجم گئے اور جہاں وہ جامع مع مرتبہ میں رواۃ کی صداقت و دیانت وغیرہ کی حتی الامکان بڑی چھان بین فرماتے ہیں جامع صحیح کے باہر اپنی تاریخ اور دوسری تصانیف میں وہ بلند معیار باقی نہیں رکھا اس وقت اس کی ایک دوسری مثال بھی ذکر کرتا ہوں رسالہ رفع یدین میں دعویٰ فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک صحابی سے بھی رفع یدین نہ کرتا ثابت نہیں ہے حالانکہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث نقلی رفع یدین ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ بہت سے اہل علم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین میں سے اسی کے قائل ہیں اور مصنف ابکر بن ابی شیبہ شرح معانی لا تاخر امام طحاوی اور شروح جامع بخاری وغیرہ سے بھی۔ امام ترمذی ہی کی بات صحیح معلوم ہوئی ہے۔ اب امام بخاریؒ کی جلالت قدر کے پیش نظر ان کے قول کی تاویل کرنی پڑی کسی نے کہا کہ ثبوت عدم رفع کا ایک شخص خصوص درجہ مراد ہوگا جو ہمہا نہیں ہو سکا کسی نے کہا مطلب یہ ہے کہ ہر صحابی رفع یدین تو کرتا ہی تھا خواہ صرف بحیر تحریر کے وقت ہو اس لئے عدم رفع کا ثبوت بالکل نہیں ہوا وغیرہ لیکن ظاہر ہے کہ محل نزاع میں اسکی تاویلات کا کوئی موقع نہیں اس کے بعد ہم ان اعتراضات کے مختصر جوابات تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ ارجاء کے بارے میں پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ امام صاحب کا ارجاء ارجاء امت تھا جو تمام اہل حق کا مسلک ہے خود امام صاحب نے اپنے مکتوب گرامی میں شیخ عثمان بنی کو یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے کہ آپ نے جو ہمارے مرجع کہے جانے کے بارے میں لکھا ہے تو آپ ہی سوچئے کہ جن لوگوں نے عدل و اعتدال کی بات کہی انہوں نے کیا جرم کیا کہ اہل بدعت نے ان کو مرجع کہنا شروع کر دیا۔ درحقیقت ہمارے اصحاب اہل عدل و اہل سنت ہیں اور ان کو مرجع کا لقب ان کے دشمنوں نے دیا ہے۔“

علامہ کوثریؒ نے اس پر ایک نوٹ بھی دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو گرامی کی طرف منسوب کرنا جو مرکب کبیرہ کو خدا کی مشیت پر محمول کرتے ہیں کہ وہ چاہے تو معاف فرمادے گا چاہے گا عذاب دے گا۔ معتزل خوارج یا ایسے لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو مجھے بے سمجھے ان ہی کے نقش قدم پر چلتا پسند کریں حافظ ابن ابی العوام نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ”میں اور علقمہ بن مرہد حضرت عطاء بن ابی رباح کے پاس گئے اور بتلایا کہ ہمارے بلاد میں کچھ ہیں جو ہمارے اس قول کو ناپسند کرتے ہیں کہ ”ہم مومن ہیں“ انہوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ ہم نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ ہم مومن ہیں تو یہ بھی کہو کہ ہم جنتی ہیں“ (گویا ہمارے دعوائے ایمان کو

۱۔ جس طرح جھٹ دینی کی وجہ سے بریلوی اہل بدعت فرقہ نے دیوبند کو ”دوبالی“ کا لقب دے دیا۔ جس پر حضرت تھانویؒ کو لکھا تھا کہ ہمارے اور ان عبد الوہاب کے عقائد میں بڑا فرق ہے اور ان بریلویوں سے قیمت کے دن اس بہتان پر مواخذہ ہوگا۔ (اشرف الجواب)

دعائے اہل جنت ہونے کے مرادف قرار دے کر ناپسند کرتے ہیں، حضرت عطاء نے فرمایا کہ نحن مومنون کہنا چاہئے اس میں کچھ حرج نہیں البتہ نحن من اہل الجنت نہیں کہنا چاہئے کیونکہ کوئی ملک مقرب یا نبی مرسل بھی ایسا نہیں جس پر حق تعالیٰ کی جنت نہ ہو پھر وہاں چاہے گا عذاب دے گا چاہے گا بخش دے گا۔ پھر حضرت عطاء نے فرمایا، اے عاتقہ! تمہارے اصحاب اہل جماعت کے نام سے مشہور تھے پھر تابع بن اذرق نے ان کو مرجہ کہنا شروع کیا۔ اور اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ نافع نے ایک شخص اہل سنت سے پوچھا کہ آخرت میں کفار کس جگہ جائیں گے؟ اس نے کہا دوزخ میں۔ پوچھا مومن کہاں جائیں گے؟ کہاں ان کی دو قسم ہیں، نیک جنت میں جائیں گے اور مومن فاسق فاجر کو خدا چاہے گا تو گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا اور چاہے گا تو ایمان کی وجہ سے اس کی بخشش فرمادے گا۔ اس نے پھر کہا کہ آخرت میں اس کے لئے کون سی جگہ متعین کی؟ اس نے کہا مجھے اس کے لئے کوئی ایک جگہ طے کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ اس کے فیصلے کو خدا کی طرف مؤخر کرتا ہوں اس پر نافع بولا کہ اچھا تم مرجہ ہیں۔ (مرجہ کی معنی ہیں کسی چیز کو خر کرنے والا)

تو جو لوگ اہل سنت کو مرجہ کہتے ہیں وہ نافع خارجی کے پیرو ہیں جس کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ علامہ کوثری نے یہ بھی لکھا کہ ”علامہ متقی نے کسی ایسے شخص کا نام مرجہ رکھا اور اس پر احادیث مذمت مرحہ کا چپاں کرنا جو مرتکب کبیرہ کو تو بہ نہ کرنے کی صورت میں تحت المشیغہ کہے، غلطاً خواص میں سے گنایا ہے“ کیونکہ اس کے مصداق تو وہ لوگ ہیں جو تارکین صلوٰۃ کے لئے بھی کسی وعید کے قائل نہیں اور ان کو وعید کی زد سے ہٹا کر بالکل مؤخر کر دیا ہے ہاں ان کا شیعہ خداوندی کے تحت داخل ہوتا تو یہ کتاب وسنت میں پوری طرح اور بطریق تو اتر معلوم ہے۔ لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارچاء بھی خالص سنت ہے اس کو ارچاء بدعت کہنا محض اہتمام ہے۔“

سید الخطا تو اتر متاخرین علامہ زبیدی نے ”عقود الجوارح فی المشیغہ“ کے مقدمہ میں لکھا ”امام صاحب کی طرف ارچاء کی نسبت ہرگز صحیح نہیں“ کیونکہ آپ کے تمام اصحاب کی رائے مرجہین کے خلاف ہے پس اگر امام صاحب مرجہ ہوتے تو آپ کے اصحاب بھی اسی خیال پر ہوتے دوسرے یہ کہ امام صاحب تو مرجہ کے پیچھے اقتدار امانہ کو بھی تاجائز فرماتے تھے پھر جس کے بارے میں اجماع و اتفاق ہو۔ کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے ایک بلیل القدر امام ہیں اس کے بارے میں کسی ناواقف کی جرح بے اثر و بے گل ہے (اصحاب صحاح ستہ کے شیخ الشیوخ) حماد بن زید (جن کا تذکرہ مقدمہ انوارالباری صفحہ ۲۱۳/۱ میں ہو چکا ہے) اور ابن عیینہ کا قول تہذیب ہی میں ان کے بارے میں ہے کہ حضرت ایوب سختیانی سے روایت میں ان سے زیادہ ہادوثی دوسرے نہیں ہے اور تمام لوگ بھی کوئی بات ایوب سے خلاف نقل کریں تو حماد بن زید ہی کا قول معتبر ہوگا اور ابو یزید نے فرمایا کہ حماد بن زید حماد بن سلمہ سے زیادہ اہمیت، اقتن اور جامع حدیث ہیں۔ وغیرہ)

یہ حماد حضرت ایوب سختیانی کی خدمت میں طویل مدت تک رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آ کر امام صاحب کا ذکر

۱۔ جلیل القدر تابعی اور مشہور محدث ہیں، حضرت انسؓ کو دیکھا، حضرت نافعؓ، عطاءؓ، عمرہؓ، عمرو بن دینار وغیرہ سے روایت حدیث کی۔ آپ سے انعم حماد بن زید حماد بن سلمہ سفیان بن عیینہ سفیان ثوری شعبہ امام مالک وغیرہ نے روایت کی، علی بن المدینی کا قول ہے کہ آٹھ سو حدیث آپ سے مروی ہیں (معلوم ہوا کہ ہمارے امام صاحب پر نسبت ان کے بغیر اللہ ہیں، امیر المومنین کی اللہ حدیث شیعہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سے سید العظمیٰ ایوب نے اس طرح روایت کی حماد بن زید کا قول ہے کہ جن لوگوں کی صحبت میں میں رہا ان سب سے زیادہ افضل اور نہایت شدت سے قبیح سنت ایوب کی کو پابا شیخ حمیدی نے حضرت سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ ایوب جیسے ما میں سے نہیں دیکھا ابن مدینی سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت نافع سے روایت میں کون زیادہ اہمیت ہے؟ فرمایا ایوب افضل و کمال میں امام مالک بالاتفاق ہیں اور عبد اللہ حفظ میں ممتاز ہیں ابن سعد نے کہا کہ ”ایوب تفسیر شیعہ جامع الفہم کی کثیر العظمیٰ جتہ و عدل تھے امام مالک نے فرمایا کہ ایوب علماء عاصمین خاصہ میں عماد و خیار تاس میں سے تھے میں نے بھی ان سے طے حاصل کیا جب دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت اجل و تعظیم کا معاملہ کرتے ہیں“ امام احمد سے پوچھا کیا کہ ایاب کو امام مالک پہنچے تقدیم ہے؟ تو فرمایا ہاں! آپ کی ولادت ۶۶ھ یا ۶۸ھ میں ہوئی۔ اور ولادت ۶۶ھ میں رحمتہ اللہ علیہ وسعد (تہذیب صفحہ ۳۹) محدث خوافی نے لکھا کہ زید کا دوا کہتا بہتین میں سے ہیں۔ آپ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت حدیث کی ہے (جامع المسانید صفحہ ۳۸۲)

برائی سے کیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی یٰریدون ان یطفوا نورا اللہ بافوا ہم ویابی اللہ الان یتیم نورہ پھر فرمایا کہ تم نے بہت سے مذاہب ان حضرات کے دیکھے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ پر جرح کی کہ وہ سارے مذاہب ختم ہو گئے اور امام صاحب کا مذہب قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور انشاء اللہ جتنا وہ پرانا ہوگا اس کے انوار و برکات میں زیادتی ہوگی اب تمام لوگوں کا اس امر پر اتفاق ہو چکا ہے کہ اہل سنت والجماعت اہل مذاہب اربعہ ہیں جو شخص امام ابوحنیفہ کے مذہب میں کلام کرے گا اس کا مذہب صحیح یعنی سے نابود ہو جائے گا اور امام صاحب کا مذہب شرق سے غرب تک پھیل رہے گا اور اکثر لوگ اسی پر ہوں گے۔“ (صفحہ ۱۴-۱۵ طبع اسکندر یہ ۱۳۹۲ھ)

علامہ کوثری نے تانیپ الخطیب میں ایک دوسرے نسخے سے بھی ار جاء پر کلام کیا ہے وہ یہ کہ امام صاحب اور ان کے بعد کے زمانے میں کچھ سادہ لوح نیک نیت لوگ ایسے بھی تھے جو ایمان کے مجموعہ قول و فعل ہونے اور اس کی زیادتی و نقص کے متعلق بہت زیادہ یقین رکھتے تھے اور اپنے ایک طرف ذرخان و قلو کے باعث وہ ان لوگوں کو مرجئی کہنے لگتے تھے جو ایمان کو مجموعہ عقد و کلمہ (تصدیق قلبی و شہادت لفظی) سمجھتے تھے حالانکہ کلمہ شریعی کے رو سے حق وہی تھا جو وہ سمجھتے تھے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ”ولما دخل الایمان فی قلوبہم (یعنی ابھی ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایمان دل کے اندر کی چیز ہے اور حدیث مسلم میں ہے کہ ایمان خدا ملائکہ، کتب رسل، یوم آخرت، قدر خیر و شر بریقین رکھتا ہے اور یہی جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ مگر یہ نیک بزرگ اگر واقعی اپنے اعتقاد مذکور کے خلاف کو بدعت و ضلالت سمجھتے تھے تو معتز و خوارج کی پوری موافقت کر گئے وہی یہ کہتے ہیں کہ اعمال رکن ایمان ہیں جو ان میں کمی و کوتاہی کرے گا وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا اور عقلمندی النار ہوگا۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ نیک بزرگ بھی ان دونوں فرقوں اور ان کے عقائد سے قطعاً بیزار تھے لیکن یہ نہ سوچا کہ جب ہم ان فرقہ پالہ کے عقائد سے برات کرتے ہیں اور دوسری طرف امام اعظمؒ اور ان کے اصحاب اور دوسرے حضرات سے بھی برات کا اظہار کریں گے تو یہ کس قدر بے مصلحتی ہوگی اور اگر واقعی طور سے یہ لوگ اپنے خلاف کو بدعت و ضلالت نہیں سمجھتے تھے اور اعمال کو صرف کمال ایمان کے لئے ضروری سمجھتے تھے تو پھر امام صاحب وغیرہ سے اختلاف ہی کیا رہا کہ ان کو معطل کیا جائے۔ لیکن ان کے ظاہری تشدد نے یہی بات باور رکائی کہ وہ عمل کو مکمل کے درجہ میں نہیں بلکہ ایمان کا رکن اصلی قرار دیتے ہیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے سب سے زیادہ تعجب امیر المؤمنین فی اللہ یت سے ہے کہ وہ بڑی خوشی کا اظہار کر کے فرماتے ہیں میں نے اپنی کتاب میں کسی ایسے شخص سے روایت نہیں کی جو ”الایمان قول و عمل یزید و بنقص“ کا قائل نہیں تھا حالانکہ انہوں نے غالی خارجیوں تک سے روایتیں لی ہیں اور وہ یہ بھی خوب جانتے ہوں گے کہ ”الایمان قول و عمل یزید و بنقص“ کا بطور حدیث رسول ناقدین حدیث کے نزدیک کوئی ثبوت نہیں ہے پھر اس قدر وضاحت و اتمام حجت کے بعد ان لوگوں پر طعن و تشنیع کا کیا جواز ہے جو عمل کو اگرچہ ایمان کا رکن اصلی نہیں قرار دیتے لیکن جتنی اہمیت اعمال کی قرآن و سنت سے ثابت ہے اس کے قائل بھی ہیں اور یہی مذہب جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت کا ہے جو خوارج و معتزلہ کے عقیدوں سے بیزار ہیں اور جو ار جاء بدعت فرقہ پالہ مرجعہ کا مذہب ہے کہ سرے سے اعمال کی کوئی ضرورت و اہمیت ہی نہیں اور ایمان کے ساتھ کوئی معصیت بھی معتز نہیں اس قول و عقیدہ سے بھی امام صاحب وغیرہ بدی ہیں حتیٰ کہ مرجئی کے پیچھے ان کے نزدیک نماز بھی صحیح نہیں۔“ (تانیپ صفحہ ۴۴)

اسی طرح ار جاء بدعت کے بارے میں شیخ متین سندھنی نے بھی آخرو اسات میں امام صاحب کی طرف سے نہایت عمدگی کے ساتھ دفاع کیا ہے اور شیخ جزیری نے جامع الاصول کی دسویں جلد میں بھی نہایت زوردار الفاظ میں لکھا کہ ”امام صاحب کی طرف جو ار جاء، خلق قرآن اور قدر وغیرہ کی نسبتیں کی گئی ہیں خواہ وہ کسی نے بھی کی ہوں وہ گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب کی ذات ان سب سے منزہ تھی جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے مسلک کو مشرق سے مغرب تک غیر محصور علماء و صلحا نے اختیار کیا اگر اس میں سرائی اور رضاء خداوندی نہ ہوتی جس سے امام صاحب مشرف ہوئے تو دنیا کے آدمی مسلمان ان کی تقلید پر جمع ہوتے اور اس وقت تک ساڑھے چار سو سال

گزر گئے ان کی رائے و مذہب پر عمل ہو رہا ہے یہ آپ کے مذہب و عقیدہ کی صحت پر سب سے بڑی دلیل ہے امام جزری شافعی کا تذکرہ مقدمہ انوار الہاری صفحہ ۱۱۴ میں ہو چکا ہے ان کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی اور انہوں نے امام صاحب کی وفات سے اپنے زمانے تک کا حال ذکر کیا ہے چونکہ یہ بحث ایمان کی چل رہی ہے اور امام صاحب کے بارے میں ارجاء کی نسبت ایک بہت بڑا ملاحظہ تھا بالقرض اگر امام صاحب ایمان کی حقیقت پوری طرح نہ سمجھ سکے تھے تو بنیادی غلط فہمی تھی اور آگے کی ساری عمارت ہی بے بنیاد ہو جاتی ہے اس لئے اس مسئلہ کی وضاحت مختلف ہیروں سے ضروری ہوئی اور یوں بھی ایمان اصل دین ہے اس کی حقیقت اور اطراف و جوانب سے جتنی زیادہ واقفیت ہو سکے بہتر ہے اس لئے طوالت کا خیال نہیں کیا گیا۔

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ امام صاحب کے مدارک اجتہاد کس قدر وقت اور وقت نظر تھی زیادہ تھی کہ جو فیصلہ فرمائے وہ عقل و نقل کی کوئی پر پورائی اثر تھا بقول امام حدیث عبداللہ بن مبارکؓ کے امام صاحب ”حج العلم“ علم کا مغز تھے علوم نبوت کے لب لباب اور ان کے انتہائی مقاصد تک رسائی حاصل تھی مسائل کی ادراج و تہا قی پر مطلع تھے ان کے اصول و مبادی سے واقف اور ان کی فروغ کائنات میں مابہر کامل تھے بہت جد اپنی جودت فکر و صحت علم اور مناظروں کی شوکت سے سارے زمانہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ایک وقت متکلمین کی مجلس میں بیٹھے ان سے مناقبات کر رہے ہیں دوسرے وقت اہل ہوا کی معجزوں کو دفع کر رہے ہیں تیسرے وقت فرق باطلہ سے بحث و محاذ لہ کر رہے ہیں۔ مسائل علم کلام میں آپ کی آراء کی بڑی اہمیت ہے۔ علم حدیث میں آپ کی طرف ۲۲-۲۳ سائید منسوب ہیں لہذا حدیث میں بھی آپ کا خاص مقام ہے اور فقہ تخریج، فہم معنی حدیث، علم تاریخ و منسوخ احادیث، استنباط علل احکام وغیرہ میں تو سب مجتہدین سے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے حتیٰ کہ آپ کے معاصرین نے بھی اعتراف کیا کہ ہم نے آپ سے اچھا حدیث کو سمجھنے والا نہیں دیکھا یہ صرف اسی لئے تھا کہ آپ حدیث کے ظاہری الفاظ کے فہم پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان الفاظ کے گہرے معانی و مطالب پر غور کر کے ان کے مناسبات علل ملاہبات و حکم دریافت کرتے تھے اور ان ہی پر بنا کر کے اصول منضبطہ اور فروغ متفرع کرتے تھے یہ اتنا بڑا محیر العقول فضل و امتیاز امام صاحب کو کیسے حاصل ہوا خود امام صاحب کے فطری ملکات و کمالات کس قسم کے تھے اور کن اساتذہ اور کس ماحول سے ایسی عظیم شخصیت مکمل ہوئی ان سب امور ہمہ کی ملاحظہ و تشریح و استاذ ابو زہرہ مصری نے اپنی تالیف ”ابو حنیفہ“ کے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کی ہے۔

علی ابی حنیفہ و مصاہرہ صفات ابی حنیفہ شیوخہ۔ در اساتذہ الفصیحہ و تجارہ۔ پھر عنوان ”المسننہ“ کے تحت صفحہ ۳۶۸ سے ۲۹۸ تک امام صاحب کے عمل بالحدیث اور عمل بالقیاس پر اتنا کافی و شافی لکھ دیا ہے کہ اس کو پڑھ کر ہر شخص امام صاحب کو اہل حدیث اور ان کے مقابلہ پر دوسروں کو اہل رائے و قیاس کہنے پر مجبور ہوگا اور حقیقت بھی یہی ہے حنفیہ میں سے جن محدثین نے انہیں اسراف کے عمل بالحدیث کی شان زیادہ نمایاں کی ان میں سے چندا کا بر نمائیاں ہیں۔

امام لحادوی حافظ ابو بکر حصاص، محدث خوارزمی حافظ طبعی، حافظ مغلطائی، حافظ عینی شیخ ابن ہام، حافظ قاسم بن قطلوبغا، لعلی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ الاسلام دہلوی، شیخ محمد حیات سندھی، شیخ محمد ہاشم سندھی، علامہ زبیدی، شیخ محمد عابد سندھی، الشیخ المنکوی، شیخ غلیل احمد سہارنپوری، شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ محمد زابد الکوثری، شیخ نبوی، شیخ محمد الشیخ اشرف علی و الشیخ ظفر احمد اتھالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ و شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا الہامی جرمی۔

اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ تاریخ سے یہ حق تعالیٰ کی آغوش مفت یحیون کا اثبات کیا ہے وہ امام عظیم ہی کی دینی فکری و کلامی منہبت کی دین ہے جس کی عظمت کا اعتراف حافظ ابن حجر مکی نے بھی انوار الہاری میں کیا اور کہا کہ اس کلامی سلسلہ امام بخاری نے امام صاحب کی رائے کا اتباع کیا ہے یہ نہایت اعظم صورت ہے کیونکہ اس کو مان لینے کے بعد وہ اعتراضات وارد نہیں ہوتے جو اشاعرہ پر کئے گئے ہیں زیادہ تفصیل اپنے موقع پر آجی انشاء اللہ (ع و ف)

ایمان کے ساتھ استثناء کی بحث

ایمان کے متعلق یہ بحث ہو چکی کہ اس کی اصل کیا ہے اور فروغ کیا ہیں؟ اور یہ بھی واضح ہو چکا کہ نفس ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے یا نہیں؟ اب ایک تیسری بحث باقی ہے اس کو بھی مختصر پڑھ لیجئے۔

سلف میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابراہیم خنیؓ علقمہ سفیان ثوریؓ ابن عیینہؓ امام مالکؓ شافعیؓ و احمدؓ سے منقول ہے کہ وہ ”انا مومن انشاء اللہ“ کہتے تھے اور صرف انا مومن کہنے کو پسند نہیں کرتے تھے ہمارے متکلمین میں سے بھی بعض اصحاب کا یہی مسلک نقل ہوا ہے امام اوزاعی وغیرہ دونوں صورتوں کو برابر سمجھتے تھے لیکن امام اعظمؒ اور دوسرے متکلمین انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کہنے کو پسند نہ کرتے تھے لیکن باوجود اس کے امام صاحب سے اس قسم کا تشدد بھی منقول نہیں جو متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا کہ انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کہنے والوں کو مشکئیؒ ہلکے کہتے تھے اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ لوگ چونکہ اپنے ایمان میں شک کرتے ہیں ان کے پیچھے نماز بھی درست نہیں اس کو تشدد بھیجا کر کہنا چاہئے۔ اگر سلف سے بھی اس قسم کے تشدد کی مثال ملتی ہے۔ علامہ کوثری نے سند کے ساتھ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بکری لائے اور ایک شخص سے کہا کہ اس کو ذبح کرو اس نے ذبح کرنے کے لئے چھری اٹھائی آپ نے پوچھا کیا تم مومن ہو؟ اس نے کہا میں مومن ہوں انشاء اللہ تعالیٰ حضرت ابن عمر نے فرمایا لاؤ مجھے چھری دو اور وہیں چلے جاؤ جہاں کے لئے خدا نے تمہارا مومن ہونا چاہا ہے دوسرا شخص گرا پایا ہماری بکری ذبح کرو اس نے بھی چھری لے کر ذبح کرنے کا ارادہ کیا آپ نے پوچھا کیا تم مومن ہو؟ اس نے بھی کہا ”میں مومن ہوں انشاء اللہ تعالیٰ“ اس سے بھی آپ نے چھری لے لی اور فرمایا جاؤ اپنا کام کرو پھر تیسرے شخص سے کہا کہ ہماری بکری ذبح کرو اس نے بھی چھری اٹھائی آپ نے پوچھا کیا تم مومن ہو؟ اس نے کہا کہ ”میں مشاہدہ و باطن سے مومن ہوں“ آپ نے فرمایا اچھا ذبح کرو ذبح کرو۔ پھر فرمایا کہ ”خدا کا شر ہے کہ ہماری بکری کو ایسے شخص سے ذبح نہیں کرایا جس کو اپنے خدا پر ایمان میں بھی شک تھا۔“

اس روایت میں ایک راوی کو مجھول کیا گیا ہے مگر علامہ کوثری نے اس کی جہالت رفع کر دی ہے (تانیب صفحہ ۳۵) عامہ سلف کے قول مذکور کی توجیہ کس طرح کی گئی ہے ایک یہ کہ انشاء اللہ باعتبار ایمان موافقہ ہے یعنی وقت وقات کا ایمان چونکہ مدار نجات و فی ایمان ہے جو آخر وقت تک رہے۔ اس لئے اسی کا لحاظ و اعتبار کر کے انشاء اللہ کہتے تھے کیونکہ کل کے ہر کام کو خدا کی مشیت پر معلق کرنا چاہئے حافظہ ابن تیمیہ نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا اور کہا کہ خود آئمہ سلف سے اس کی توجیہ اس طرح منقول ہے کہ ایمان مکمل انقیاد و ظاہری اور تمام واجبات کی بجا آوری اور ترک جمیع منوعات کو متقاضی ہے تو انا مومن کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے لئے کمال ایمان کا دعویٰ کیا اس سے بچنے کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کہتے تھے جس طرح کوئی مومن اپنے لئے برہنہ و تقویٰ اور زندگی نفس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ حافظہ ابن تیمیہؒ کی توجیہ مذکور کا مدار چونکہ اعمال کو ایمان کے اجزاء جو ہری مانتے رہے اور اس کو ہم خلاف تحقیق بتلا چکے ہیں اس لئے وہ بھی صرف ایک سطحی تاویل کا درجہ رکھتی ہے امام صاحب کی نظر چونکہ محض حقائق پر ہوتی ہے اس لئے وہ ایمان کو اس کے ٹھیک مقام میں اور اعمال کو ان کے صحیح مرتبہ میں رکھتے ہیں جہاں سلف سے قول و عمل اور بیزید و مہض کا قول حسب تحقیق حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے کے معقولات احوال کے تحت تھا اور اس کا حقیقت نفس الامری نہیں قرار دے سکتے۔ (جس کی تفصیل اوپر گزر چکی اسی طرح سلف سے انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ بھی ان کے بلند مقامات و مراتب و واضح و کسری شان موافقہ یا حسن خاطر کو خدا کی مشیت سے وابستہ کرنے یا اعمال کی غایت اہمیت کے لحاظ سے ضرور ان حضرات کے لئے حسب حال تھا مگر اس حقیقت و شریعت قرار نہیں دیا جاسکتا جو جب کے لئے ایک اصول کا کام دے سکے اسی لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ذبح شاة کے قصہ میں پہلے دو آدمیوں پر کبیر کی اور تیسرے کی تعویذ فرمائی۔

حسب تحقیق حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ امام صاحب نے ایک دقیق امر کی طرف توجہ کی جس سے سلف نے تعرض نہیں کیا تھا یعنی ایمان کے اس مرتبہ محفوظ خاصہ سے بحث کی جو مدار نجات ہے اور اس کے بعد کفر غری ہو سکتا ہے اور وہ مرتبہ ایسا جزم و یقین ہے کہ اس کے ساتھ کسی ادنیٰ شک کی بھی گنجائش نہیں جب ایمان کی یہ حقیقت متعین ہوگی تو ظاہر ہے کہ امام صاحب انامومن کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ بطور تبرک بھی پسند نہیں کریں گے کیونکہ اس کے لئے جہاں بہتر توجیہات نقل سکتی ہیں ایک شن شک والی بھی ہے جس کا وجود ایمان کے ساتھ کسی طرح بھی گوارہ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ نے بکری ذبح کرانے کے لئے پہلے دو مخصوص کے انشاء اللہ کہنے کو پسند نہیں کیا۔

امام صاحب کی یہ بہت بڑی خصوصیت ہے کہ وہ ایک صحیح فیصلہ کرنے کے بعد کسی کے خت سے سخت طعن و ملامت کی وجہ سے بھی ملامت کو ہرگز روا نہیں رکھتے ہیں تائب میں ہے ایک شخص شراب کے نشہ میں پورا امام صاحب کے پاس آیا اور امام صاحب کو یا مرتبی کہہ کر خطاب کرنے لگا امام صاحب نے برجستہ فرمایا "اگر تم مجسوں کے لئے ایمان ثابت نہ کرنا تو آج تم مجھے مرتبی نہ کہتے" اور اگر اجام بدعت نہ ہوتا تو مجھے اس کی بھی پروا نہ ہوتی کہ مجھے اس کی طرف منسوب کیا جائے" معلوم ہوا کہ امام صاحب بدعت سے سخت نفرت کرتے تھے اور اس کی طرف نسبت بھی آپ کو گوارہ نہ تھی۔

امام صاحب کی جس طرح ظاہری آنکھیں مکلی تھیں باطن کی آنکھیں بھی روشن تھیں اس لئے ان سے کوئی حقیقت کی نہ کر محبوب رہ سکتی تھی امام شعر ادبی شافعیؒ نے "الشیخ الامین" میں لکھا کہ "چاروں مذاہب سنت صحیحہ سے ماخوذ اور شریعت حقہ سے مستند ہیں خصوصاً امام اعظم کا مذہب لیکن اس کے استنباطات بہت دقیق ہیں ان تک بعض لوگوں کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی اور ان کی محنت کا حال کشف صحیح والے ہی پر مشکف ہو سکتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی کتاب "طبقات الاولیاء والکلیاء" میں اور علامہ مہادی شافعیؒ نے اپنی طبقات میں ائمہ اربعہ کو اولیاء کہا یہاں پر شریا ہے اور ان کے مناقب جلیلہ لکھے ہیں اور عارف باللہ شعیب الموطئ شافعیؒ نے "الروض الفائق" میں امام صاحب کے مناقب اور علم باطن کے کمالات کا ذکر کیا ہے۔ (ذپ صفحہ ۶۸/۲)

۲۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ امام صاحب نماز کو خدا کا فریضہ دین نہیں سمجھتے اگر کوئی ادا نہ کرے تو کسی وعید کا مستوجب نہیں تو یہ قول مرجعہ اہل بدعت کا ہے (مرجعہ اہل سنت کا نہیں) امام صاحب اس اتہام سے تھکا بڑی ہیں جس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض امام بخاریؒ نے امام صاحب پر رضاء کی مدت کے بارے میں کیا ہے اور ڈھائی سال کی مدت کو خلاف نص قرآنی بتلایا ہے لیکن جس آیت کا حوالہ امام بخاریؒ نے دیا ہے وہ اجرت رضاعت سے متعلق ہے کہ دو سال تک اجرت رضاعت مطلقہ بیوی کو دی جانی چاہیے۔ لہٰذا او اذا فصلالا سے بتلایا کہ مشورہ کے بعد شوہر بیوی کو دودھ چھڑا سکتے ہیں کوئی حرج نہیں اور وان تسترو ضعیوا سے یہ بتلایا کہ اس کے بعد بھی دودھ پلانا چاہو تو کوئی حرج نہیں اس اختیار دینے سے واضح ہوا کہ یہاں مدت رضاعت کی تعیین تو قدر یہ مقصود نہیں ہے (تفسیر احکام القرآن للجصاص) دوسری جگہ سورہ احقاف میں ارشاد ہوا وحملہ وفصلالہ فلا تلون شہوا جس کا مطلب دختر کی نے یہ بتلایا کہ ہاتھوں میں اٹھانے اور دودھ چھڑانے کا زمانہ ۲-۱۴ سال کا ہے۔ لہٰذا یہاں تک مدت رضاعت ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی آیت سورہ بقرہ میں دو سال دودھ پلانے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ دو سال پر فوراً دودھ چھڑانے اور دوسری غذا کیم دینے سے فوراً صحت بگڑ جائے گی۔ اس لیے دو سال کے بعد کچھ زمانہ غذا کس کی عادت ڈالنے کے لیے بھی ہونا چاہیے تاکہ رفتہ رفتہ دودھ پلانے کے ساتھ تدریج غذا بھی ہو پھر دو سال کے بعد کتنی مدت اور اس کے لیے لی جائے اس میں اختلاف ہے (جس کی تفصیل آگے آئی ہے) غرض دو سال کی مدت ایسی نہیں ہے کہ اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہو اگر ایسا ہوتا تو ادا حدیث میں اس کی تشریح آتی جو مدار احکام فقہی بلکہ ایک حدیث میں الرضاع من الجامعہ وارہ ہے یعنی دودھ پلانا بھوک کے لیے ہے کہ جب تک دودھ کی خواہش و ضرورت ہو

سکائے اس سے بھی ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دو سال پر مدار نہیں ہے البتہ دو سال کے بعد حرمین غذا ضروری ہے تاکہ جلد چھڑایا جاسکے۔ شیخ ابوبکر حصاص نے یہ بھی لکھا کہ لعن اور اذان یتیم الرضاعة میں تمام کے لفظ سے یہ ضروری نہیں کہ اس پر زیادتی ممنوع ہو جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جو قوف عرفہ کر لے اس کا حج تمام ہو گیا حالانکہ ابھی دوسرے فرض روا جب باقی ہیں جو قوف عرفہ کے بعد ادا کئے جاتے ہیں۔

مدت رضاعت میں بہت سے اقوال ہیں۔

۱۔ دو سال کے اندر دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی جس کے قائل یہ ہیں۔ حضرت عمر ابن عباس، ابن مسعود، امام اعظم (ایک روایت میں) امام مالک، امام شافعی، ابویوسف، محمد زفر وغیرہ۔

۲۔ رضاع مقفیض حرمت وہ ہے جو دودھ چھڑانے سے قبل ہو۔ اس کے قائل ابن عباس، ام سلمہ، اوزاعی، عکرمہ وغیرہ ہیں۔

۳۔ حالت منزع میں موجب حرمت ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی یہ راے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازان مطہرات اور ابن عمر وغیرہ کی ہے۔

۴۔ ڈھائی سال یا ایک روایت حضرت امام اعظم و زفر سے ہے۔

۵۔ دو سال اور اس سے کچھ زیادہ یا امام مالک کا قول ہے۔

۶۔ تین سال یہ قول ایک جماعت اہل کوثر، اوزار حسن بن صالح کا ہے۔

۷۔ سات سال یہ قول حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔

۸۔ دو سال اور بارہ دن حضرت ربیعہ کا قول ہے۔

۹۔ رضاعت میں چھوٹی عمر کا اعتبار ہے مگر خاص حالات میں رضاع کبیر میں معتبر ہے جیسے کوئی بڑی عمر کا لڑکا کسی مجبوری سے کسی عورت کے پاس آتا جاتا ہو اور اس سے حجاب بھی دشوار ہو یہ حافظ ابن جمیع کی راے ہے (بذل المجود مخلصا من اللیل صفحہ ۱۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اول تو نص قرآنی کا خلاف ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف امام صاحب کو بدفع طعن بنانا درست نہیں۔

۴۔ چونکہ اعتراض یہ ہے کہ امام صاحب نے خنزیری کو حلال و جائز قرار دیا یہ بات بھی فرقہ مروجہ سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ ہم ان کا مذہب بتلا آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ماجاء به الرسول کی معرفت اجمالی کافی ہے۔ تفصیل ضروری نہیں بس اتنا جانتا ہو کہ کلمہ معتقلہ کہیں ہے کلمہ معتقلہ میں ہونے کی معرفت ضروری نہیں صرف اتنا جانتا ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے۔ یہ جانتا ضروری نہیں کہ وہ نبی تھے جن کی پیروی ہم پر واجب ہے اور وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی یا کوئی اور تھے سور کو حرام جانتا ہو خواہ یہ نہ جانتا ہو کہ وہ بکری ہے یا کوئی دوسرا جانور چونکہ امام بخاری کے خیال میں امام صاحب مرجع تھے لہذا وہ اسی مذکورہ بالا اجمال و تفصیل کے تحت خنزیر و بکری میں فرق نہ کر سکنے والے کے لئے گویا خنزیری کو حلال کہتے تھے (نحوذ باللہ منہ) اگرچہ امام بخاری نے ان اہتمامات کے لئے کوئی سند ضروری نہیں بھیجی

مگر اس بات کا کچھ سراغ اس امر سے مل جاتا ہے کہ خطیب نے سند کے ساتھ امام صاحب کی طرف اس قسم کی بات منسوب کر دی ہے۔ علامہ کوثری نے خطیب کی یہ روایت تانیب کے صفحہ ۳۶ میں ذکر کی ہے اس کی روایت کا شرف بھی علامہ حمیدی شیخ بخاری کو حاصل ہے جنہوں نے امام بخاری کو امام صاحب وغیرہ سے بدظن کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں علامہ کوثری نے اس روایت کے رواد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ طبقات بنی شافعی صفحہ ۲۲۴/۱ میں ہے کہ شیخ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے کہا کہ حمیدی لوگوں کے حالات بیان کرنے میں کذب و غلط بیانی سے کام لیتے ہیں (ان کے تصعب وغیرہ کا حال مقدمہ انوار الباری صفحہ ۲۲۳/۱ میں لکھا جا چکا ہے) دوسرے راوی۔ حارث بن عبید بن جہنم کوثری نے بین المصنف ابن حبان نے انہما سے گھڑی ہوئی باتیں نقل کرنے والا حاکم نے موضوع احادیث نقل کرنے والا ازردی

نے ضعیف، منکر الحدیث ابن خزیمہ نے کذاب لکھا، پھر از روئے روایت بھی یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام اعظم ایسی کفر صریح بات اور وہ بھی مسجد حرام میں بیٹھ کر فرمائیں، ہاں جھوٹوں کو کوئی الزام نہیں دے سکتا جو چاہیں جس کے بارے میں کہہ سکتے ہیں، مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بد مذہبوں سے نہایت تنگ ہو کر خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ”ان کی لسانی دل آزاریوں سے مجھے بچا دیجئے“ حق تعالیٰ نے فرمایا ”اے موسیٰ! لوگوں کی زبان کو اپنے ہی بارے میں نہیں روکا تو تمہارے بارے میں کیا روکوں گا۔

امام صاحب سے تو امام ابو یوسف صاحبؒ نے مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجہ کر غیر کہہ کی طرف نماز پڑھے اور اتفاق سے اپنی غلطی سے وہ کعبہ کی طرف پڑھ لے تو اس کی غمزدگی کیا ہوگی وہ اپنی اس کافرانہ حرکت سے جان بوجہ کر کعبہ کی سمت سے اعتراف کیا اور غیر کعبہ کی طرف نماز کا ارادہ کر کے نماز پڑھی۔ کافر ہو جائے گا۔

ہاں! ممکن ہے کہ امام صاحب نے کسی تو سلم کے لیے اجماعی ایمان کو ابتداء میں کافی فرمایا ہو تا کہ پھر وہ تدریجاً ایمان تفصیل حاصل کر لے اور اسی کو روایت بالمعنی کی آڑ لے کر راویوں نے مسخ کر کے پیش کیا ہو علامہ ابن حزم نے ”فصل“ میں لکھا ہے کہ ایک جاہل ان پڑھ کے لیے ابتداء میں ایمان اجماعی بھی کافی ہے مثلاً یہ کہ محمد رسول ہیں خدا کے اور بھی وہ نہیں جانتا کہ آپ قریشی تھے یا نبی یا فارسی، حجاز میں تھے یا خراسان میں وغیرہ البتہ اس کو علم ضروری تفصیلی حاصل کرنا چاہیے اگر جاننے کے بعد بھی عناد سے ایسی بات کہے تو کافر ہے۔

خزیر بری کے اتہام کے بارے میں حافظہ ابن تیمیہ نے بھی ”منہاج السلف“ میں صفحہ ۲۵۹/۱ میں لکھا کہ ”امام صاحب کی بعض چیزوں سے اگرچہ کچھ لوگوں نے خلاف کیا ہے مگر ان کے علم و فہم و تدقّق میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا، بعض لوگوں نے ان کی طرف طعن و تشنیع کے لیے ایسی باتیں بھی منسوب کر دی ہیں جو آپ پر یقیناً بہتان و جھوٹ ہیں، مثلاً خزیر وغیرہ کے مسائل۔

علامہ متقی مولانا عبدالرشید نعمانی نے حاشیہ ذب صفحہ ۵۳۹/۲ میں لکھا ”ناقلین روایات کے یہاں کسی روایت کو ساقط و رد کرنے کے لیے انقطاع عدم ضابطہ تہمت کذب، جہالت بدعت حسد، بغض، عصبیت میں کوئی ایک بھی کافی ہے مگر تعصب کا برا ہو کہ جب کوئی بات امام اعظم کے کسی عیب و منقصہ کی بات تھکتی ہو تو اس کو باوجود ان غلط مذکورہ کے بھی قبول کر لیا جائے گا۔ چنانچہ خطیب نے بھی بیسوں روایات اسی قسم کے کذابین مر جئین، معتزلین اور افراد پر دازوں سے جمع کر دی ہیں (جن کی قلعی علامہ کوثری نے کھول دی ہے۔ جزاء اللہ تعالیٰ خیر الجہراء)

۵۔ پانچواں اعتراض پیری السیف علی اللات کا ہے جس کا جواب ہم نے امام صاحب کے حالات میں بھی دیا ہے اور اس جلد کے شروع میں بھی ایک جگہ صریحاً لکھا ہے ”امام صاحب کو اس پر مشہور تصنیف ”احکام القرآن“ کے صفحہ ۸۱ میں بھی اس پر خوب لکھا ہے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

”امام صاحب کا مسلک ظالم حکام اور ائمہ جور سے قتال کے بارے میں مشہور تھا وہ اس بارے میں ششیر بے نیام تھے ان کی تلوار حق کی حمایت میں باطل کے مقابلہ کے لیے تھی امت پر نہیں بلکہ امت کو ظالموں کے ظلم و جور سے نجات دلانے کے لیے تھی اسی لیے امام اوزاعی (صحبت شام) نے فرمایا تھا کہ ”امام ابوحنیفہ کی وجہ سے ہم ہر بات کے لیے آمادہ ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے ہمیں تلوار اٹھانے پر بھی آمادہ کرنا چاہا (یعنی ظالموں کے خلاف) مگر ہم اس کو برداشت نہ کر سکے“ امام صاحب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فرض فرماتے تھے اول زبان سے اور نہ نامیں تو تلوار کے زور سے مجبور کرنے کو ضروری سمجھتے تھے“ اس کے بعد امام صاحب نے کچھ واقعات امام صاحب کی مجاہدانہ زندگی کے ذکر کئے پھر فرمایا کہ ”امام صاحب کے اس مسلک پر بعض سادہ مزاج اصحاب حدیث نے تکیہ کر کے جن کی کمزوری کے باعث امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام سب سے دبے اثر ہو گیا اور اسلامی امور پر ظالموں کا غلبہ ہو گیا“

۶۔ چھٹا اعتراض یہ تھا کہ امام صاحب قرآن کو مخلوق کہتے تھے یہ بھی محض بہتان و افتراء ہے امام بیہقی شافعی نے اپنی کتاب ”الاسناد والصفات“ صفحہ ۲۵ میں امام محمد صاحب کا قول نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے ”جو شخص قرآن کو مخلوق کہے اس کے پیچھے نماز مت پڑھو“ محمد بن سابق نے

امام ابو یوسف سے سوال کیا: کیا امام ابو حنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے تھے؟ فرمایا: معاذ اللہ بالکل غلط ہے اور نہ میں ایسا کہتا ہوں، پھر پوچھا کیا امام صاحب جہم کا عقیدہ رکھتے تھے؟ فرمایا معاذ اللہ بالکل غلط ہے اور نہ میرا عقیدہ ہے امام ابو یوسف نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب سے اس بارے میں گفتگو کی کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں، تو ہم دونوں اس امر پر متفق ہوئے کہ جو قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے ”کتاب الایمان“ صفحہ ۱۶۳ میں لکھا: ”خدا نے تعالیٰ کی مسلمان بندوں پر بڑی رحمت تھی کہ جن آئمہ دین کی لسان صدق کا سکہ ساری امت کے قلوب پر جما ہوا تھا یعنی ائمہ اربعہ وغیرہم جیسے امام مالک ثوری اور ابی لیث بن سعد امام شافعی امام احمد ابن حنبل ابو عبید امام ابو حنیفہ ابو یوسف محمد صاحب حضرات قرآن مجید ایمان و صفات رب کے بارے میں فرقہ جمیہ کے عقائد باطلہ پر نگہ کرتے تھے اور سب کا بالاتفاق وہی عقیدہ تھا جو سلف کا تھا۔“

علامہ سلیمان بن عبد القوی الطوقی ضلی نے ”شرح مختصر الروضہ“ میں لکھا:۔

واللہ میں امام ابو حنیفہ کو ان تمام الاتہامات و دہانوں سے معصوم سمجھتا ہوں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور آپ کے بارے میں فیصلہ شدہ بات یہ ہے کہ آپ نے کسی جگہ بھی از روئے عناد و عرض سنت کی مخالفت ہرگز نہیں کی ہاں جہاں کہیں کوئی خلاف کیا ہے تو وہ از روئے اجتہاد اور ترجیح و دلائل صالحہ لائحہ بنیاد پر کیا ہے اور ان کے وہ دلائل اب بھی موجود ہیں اور بہت مشکل ہی سے ان کے مخالفین ان سے عہدہ ہرا ہو سکتے ہیں اور امام صاحب کے لیے بصورت خطا ایک اجر اور بصورت صواب دواجر ہیں ان پر طعن کرنے والے یا تو حاسد ہیں یا جاہل جو مواقع اجتہاد سے نا آشنا ہیں۔

امام احمد سے بھی آخری بات جو صحت کو پہنچی ہے وہ امام صاحب کے بارے میں ذکر خیر اور مدح و ثناء ہی ہے جس کو ہمارے اصحاب میں سے ابو الورد نے کتاب اصول دین میں ذکر کیا ہے۔

عقود الجواہر المعبیہ میں امام احمد کا قول نقل ہوا ہے کہ ”ہمارے نزدیک یہ بات صحت کو نہیں پہنچی کہ امام ابو حنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں۔ الحمد للہ الذی ابہدہ تم المصلحات کہ ایمان سے متعلق اکثر ضروری مباحث پر سیر حاصل بحث ہو چکی اور ضمنت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بعض اکابر کی طرف سے جو ایمان وغیرہ مسائل کے متعلق غلط باتیں آئی تھیں ان کا بھی ازالہ کیا گیا واللہ ولی التوفیق للصعیرات“ او لا و آخراً۔

ایک اہم غلط فہمی کا ازالہ

ایک محترم فاضل نے لکھا کہ ”دوسری جہری میں اصحاب الرائے اور محدثین کے نام سے دو طبقے پیدا ہو گئے تھے امام بخاری کا امام اعظم سے اختلاف شخصی ہرگز نہیں بلکہ طبقاتی اختلاف ہے، مصر کے مشہور فاضل استاذ ابو زہرہ نے اپنی کتاب ”فقد ابی حنیفہ وآثار“ میں اس پر مفصل بحث کی ہے اس میں منظر میں دیکھنے کے بعد امام بخاری نے امام صاحب کی شان میں جو سخت کلامی اور بعض جگہ گستاخی کی ہے اس کی اہمیت بہت کم ہو جاتی ہے۔ ہم نے ابھی تک استاذ ابو زہرہ کی کتاب مذکورہ نام کی نہیں دیکھی البتہ امام اعظم پر ان کی نہایت مبسوط تحقیقی کتاب جو ”ابو حنیفہ“ حیات و عصرہ آراء و فقہ کے نام سے دو بار شائع ہو چکی ہے ہمارے پاس موجود ہے اس میں کہیں نہیں لکھا گیا کہ امام بخاری کا خاص امام صاحب سے کوئی طبقاتی اختلاف تھا نہ ہمارے علم میں کسی اور نے آج تک امام صاحب سے امام بخاری کے اختلاف کی یہ نوعیت سمجھی یا بتلائی۔ نہ امام بخاری ہی سے کہیں یہ نقل ہوا کہ انہوں نے خصوصیت سے امام صاحب یا دوسرے حنفیہ کو اصحاب الرائے ہونے کا طعن دیا ہو۔

امام بخاری اور ان کا قیاس

البتہ یہ ضرور ہے کہ امام بخاری قیاس کے مگر ہیں لیکن یہ ان کا قیاس کی بات صرف امام صاحب کے خلاف نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ تمام

تابعین تمام ائمہ مجتہدین سب اصولیین سارے متکلمین اولیاء کاملین و عارفین اکثر محدثین و فقہاء کے خلاف ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ”قیاس خبر واحد پر مقدم ہے کیونکہ قیاس باجماع صحابہ جت ہے اور اجماع خبر واحد سے زیادہ قوی ہے لہذا جو امر اجماع سے ثابت ہے وہ بھی زیادہ قوی ہوگا۔“

فقہی جواز قیاس کی رائے عہد تابعین کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ اور معدودے چند محدثین و اصحاب علماء ہر اس طرف گئے ہیں مثلاً امام بخاریؒ و داؤدؒ طاہریؒ ابن خرمؒ ابن عربیؒ وغیرہ۔ (ذہب ذیابات الدرر اسات صفحہ ۹۸/صفحہ ۹۹)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قول صحابی قیاس پر مقدم ہے اور سنت مرفوعہ قیاس و قول صحابی دونوں پر مقدم ہے۔ ادبایہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نرحمہم اللہ ما احسن او بہم و صنیعہم۔ (ذہب صفحہ ۶۹)

غرض امام بخاریؒ کا امام صاحبؒ اور دوسرے کا پر حنفیہ کے خلاف جو کچھ روایہ ہا اس کے لیے کوئی ایسی معقول وجہ اب تک ہمیں معلوم نہ ہوئی جو امام بخاریؒ کی جلال قدر کے لیے موزوں ہو اور کافی مطالعہ و تفتیش کے بعد جو کچھ معلوم ہو سکا وہ ہم نے پہلے کئی جگہ لکھا ہے۔ مثلاً ابتدائی تعلیم حنفی شیوخ سے لینے کے بعد یک دم دوسرے مکتب فکر کے شیوخ سے واسطیٰ جو اکثر رد عمل کی صورت پیدا کیا کرتی ہے، خصوصاً ایسے شخص کے لیے جو رد تاثر ہوا اور پھر وہ شیوخ بھی امام صاحبؒ وغیرہ سے سخت تعصب رکھتے تھے مثلاً حمیدیؒ الخلی بن راہویہؒ تضر بن شہیلؒ وغیرہ۔

مسئلہ ۲۔ لفظ بالقرآن میں امام بخاریؒ اور ان کے اساتذہ شیخ ذیلی کا اختلاف ہے اور اس میں شدت

بعض ۳۔ حنفی قضا کا اے آپ کو تکلیف پہنچنا۔

بعض ۴۔ مسائل حنفیہ سے پوری طرح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف میں زیادتی

ایمان ۵۔ کے مسئلہ میں حنفیہ سے مزید خوش جس کے بارے میں پوری تفصیل ابھی گزر چکی

۶۔ انکار قیاس کی وجہ سے مذاہب اربعہ کی فقہ سے اختلاف جس کے ضمن میں فقہ حنفیؒ اور ائمہ حنفیہ سے بھی بعد لازمی تھا وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں مگر اس اختلاف کو طبقاتی اختلاف کہہ کر ہلکا کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اور اگر تھوڑی دیر کے لیے اس کو تسلیم بھی کر لیں تو اس کی وجہ سے امام صاحبؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ وغیرہ پر بے سند اور غلط الزامات قائم کرنے کی وجہ جواز کیا ہو سکتی ہے؟“

است میں سے سب سے زیادہ خطیب بغدادیؒ نے اکابر امت امام اعظمؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے خلاف مواد اپنی تاریخ بغداد میں جمع کیا ہے مگر انہوں نے ہر بات کو ”روایتی سند کے ساتھ لکھا ہے“ اگرچہ وہ روایتیں غیر معتد اور مبہم راویوں سے ہیں جن سے روایات کرنا ان کی مؤثر خانہ شان کے خلاف تھا مگر بہر حال سند تو لکھی ہے جس سے راویوں کے حالات پر نظر کی جاسکتی ہے چنانچہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ”تائب الخطیب“ میں ایک ایک سند پر بحث کر کے ان راویوں کا حال کھول دیا ہے جس کے بعد یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ سارے اہتمامات غلط اور بے بنیاد ہیں۔ لیکن امام بخاریؒ جو ہر بات کو سند کے ساتھ روایت کرنے کا بڑا التزام کرتے ہیں اپنی تاریخ کبیرہ وغیرہ میں بھی جو بات کسی کے متعلق کہتے ہیں اس کے ساتھ اکثر حوالہ دیتے ہیں اور جہاں حوالہ نہیں دیتے وہ ان کی ذاتی تحقیق سمجھی جاسکتی ہے مگر بڑی حیرت ہے کہ امام صاحبؒ وغیرہ کے بارے میں جو کچھ تاریخ کبیرہ اور سالہ قرأت خلف الامامؒ وغیرہ میں لکھا اس کے ساتھ کوئی سند نہیں لکھی نہ کسی کا حوالہ دیا ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ اور امام صاحبؒ کے زمانے میں بہت قاصدہ اس لیے ان کی اپنی ذاتی تحقیق بھی نہیں ہو سکتی۔

بہر حال! ہم نے جو کچھ امام بخاریؒ کی اس قسم کی جرح وغیرہ کے بارے میں لکھا تھا وہ مجبور ہو کر لکھا تھا کہ آج بھی بہت سے مخالفین ائمہ حنفیہ کے خلاف امام بخاریؒ وغیرہ کی آڑ لے کر فرض تمرا انجام دینے سے نہیں چوکتے۔ ولا نؤید الا الا صلاح ما استطعنا

بیرحمنا اللہ وایا ہم جمیعاً۔

درحقیقت امام صاحب وغیرہ کی طرف رائے کی نسبت بھی اسی طرح بطور طعن مشہور کی گئی تھی، جس طرح ارجماء کی نسبت پھر جس طرح ارجماء سنت و ارجماء بدعت دو قسم کا تھا اور دونوں کا فرق عظیم آپ نے ہماری مذکور بالا تشریحات سے اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اسی طرح رائے کا اطلاق بھی ”قیاس شرعی“ اور عقلی ”دھوکوسلہ“ دونوں پر ہو سکتا تھا معاندین حنفیہ یا حقیقت حال سے ناواقف حضرات نے یہی مشہور کیا ہے کہ امام صاحب اور ان کے تبعین اصحاب المرائے دوسرے معنی سے ہیں، لیکن محققین نے ہر دور میں صحیح صورت حال کو سمجھا کہ امام صاحب وغیرہ قیاس شرعی کا استعمال کرتے ہیں جس کا بجز اصحاب غلو اہر (داؤد ظاہری وغیرہ) کے کوئی محدث واقعہ معترض نہیں، صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین سب ہی نے اس کو اپنایا ہے، کبار محدثین میں سے امام مسلم امام ترمذی امام ابو داؤد امام نسائی امام ابن ماجہ امام طحاوی حضرت عبداللہ بن مبارک حضرت یحییٰ القطان وغیرہ تو ائمہ مجتہدین کے مقلد تھے (اس لیے ان کے اتباع میں یہ سب اصحاب المرائے ہی تھے) فرق صرف اس قدر تھا کہ فقہاء عراق عامل احکام میں کسی قدر زیادہ تعمیر و توسیع سے کام لیتے تھے اور جب تک قیاس شرعی بن کے تخصیص کو جائز نہیں رکھتے تھے فقہاء حجاز اس قدر تعیم سے قائل نہ تھے، اس لیے فقہاء عراق کی شہرت ”اہل المرائے“ کے لقب سے زیادہ ہوئی، یہ نہیں کہ ”وہ ملت نبوی کے مقابلہ میں قیاس کو جائز سمجھتے تھے، اہل بدعت کی طرح رائے کا اتباع کرتے تھے“ حاشا دکھائی اختلاف فقہاء عراق و حجاز کا خلاصہ طویل بحث کے بعد استاذ ابو زہرہ نے بھی بحث قیاس کے آخر میں لکھا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۳۳۱)

معلوم ہوا کہ امام بخاری کا امام اعظم سے اختلاف فردی مسائل میں تھا، نہ امام بخاری اصحاب غلو اہر میں سے تھے، بلکہ وہ خود ایک درجہ اجتماع رکھتے تھے (اگرچہ ان کے اجتہاد میں بقول ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہند ایک آج کی سرورہ گئی تھی)۔

امام بخاری نے جن مسائل میں اجتہاد کیا ہے۔ ان میں کہیں امام صاحب کی موافقت ہے اور دوسرے ائمہ مجتہدین کی مخالفت اور کہیں برعکس ہے مگر ہمارے حضرت شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ پوری صحیح بخاری شریف میں موافقت کا پلہ بھاری ہے یہ ساری بحث فقہی نقطہ نظر سے ہے جو آپ کی غلط فہمی زائل کرنے کے لیے لکھی گئی اس سے اس حقیقت کا انکار نہیں کہ امام بخاری کچھ سبب وجود کے تحت امام صاحب اور ائمہ حنفیہ سے ناراض و مغرور تھے، جس کا نظاں بھی و فرماتے رہے ان کی جلالت قدر اور علمی احسانات، نیک نیتی اور اخلاص کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ امام اعظم کا درجہ و مرتبہ نہ صرف امام بخاری وغیرہ کبار محدثین سے بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین سے بھی بہت بلند ہے اس لیے ہمیں امام صاحب پر سے ان اتہامات کو بھی اٹھانا ضروری تھا، جو امام بخاری ایسے جلیل القدر امام و محدث کی طرف سے ان پر عائد کئے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے پوری کوشش کی ہے کہ صحیح منازل و مراتب رجال میں کوئی اونچ نیچ نہ ہو پاوے، پھر بھی اپنی کوتاہیوں لغزشوں اور طبعی بے ماگی کا اعتراف بر قدم پر ہے اور ناظرین جاہلکین سے غفور و گزیر کی بھی توقع و درخواست ہے۔ فمن عفا و اصلح فاجزہ علی اللہ۔

امام بخاریؒ کے دلائل پر نظر

ایمان و اعمال کے متعلق اصولی مباحث اور مختلف فرقوں کے عقائد و نظریات کی تفصیل ہو چکی ہے، یہاں ہم اختصار کے ساتھ امام بخاریؒ کے ان ۱۱۵ اشارات پر بھی کچھ لکھتے ہیں جو انہوں نے کتاب الایمان کے شروع میں ضمن ترغیہ الباب کئے ہیں۔

۱۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام اعلیٰ شئ اس سے مقصد یہ ہے کہ ایمان مجموعہ تصدیق و اعمال ہے، امام بخاری چونکہ ایمان اسلام ہدایت دین تقویٰ سب کو شئی واحد سمجھتے ہیں اس لیے یہاں اسلام کو بھی مرادف ایمان قرار دے کر استدلال کیا ہے، ورنہ حدیث میں یہاں ایمان کی تشریح نہیں ہے اور جن احادیث میں تشریح ہے مثلاً حدیث جبریل میں وہاں ایمان و اسلام کی تشریح الگ الگ ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ثقات سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول مروی ہے کہ ”اسلام علانیہ اور ظاہر چیز ہے اور ایمان

۵۔ فاختشو ہم فزاد ہم ایمانا یہاں ایمان سے مراد ثبات واستقامت ہے اس آیت میں واقعہ بدر صغریٰ کی طرف اشارہ ہے علامہ بخاری نے صفحہ ۱۲/۱ میں لکھا ہے کہ ابوسفیان جب غزوہ احد سے شکست کھا کر لوٹنے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگلے سال بدر کے میدان میں یہاں کا بدلہ چکایا جائے گا حضور نے فرمایا بہت اچھا! ہم تیار ہیں انشاء اللہ تعالیٰ جب وہ وقت آیا تو ابوسفیان نے نعیم بن مسعودؓ (جو عمر کے لیے مکہ معظمہ گئے تھے) کہا کہ میں غزوہ احد سے واپسی میں اس طرح کہہ آیا تھا اب اگر میں اپنے لوگوں کے ساتھ نہ جاؤں اور اصرار سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان بدر میں پہنچ گئے تو اس سے ان کی جرأت و حوصلہ بہت بڑھ جائے گا اور اصلی بات یہ ہے کہ یہ سانحہ قہار کا بے لڑائی کے لیے لکھنا آدمیوں اور جانوروں کی ہلاکت کا مترادف ہے اس لیے تم مدینہ جا کر ان لوگوں کا حوصلہ پست کرو تا کہ وہ بھی میدانِ کارِ نہ کریں میں تمہیں اس کے صلہ میں دس اونٹ دوں گا۔

نعیم نے مدینہ منورہ پہنچ کر دیکھا کہ مسلمان جہاد کے لیے تیار یاں کر رہے ہیں تو کہا کہ تم گذشتہ سال احد کے غزوہ میں اپنے گھروں میں تھے اور وہ لوگ اتنی دور سے آئے تھے پھر بھی تمہیں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا اب تمہارا اتنی دور مقابلہ کے لیے جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے اگر اس طرح تم مقابلہ کے لیے جاؤ گے تو خیال ہے کہ تم میں سے کوئی بھی بچ کر نہ آ سکے گا۔ یہ بات سن کر منافق تو کچھ متاثر ہو گئے مگر پکے سچے مسلمانوں کے دلوں میں صبر و ثبات اور جہاد و شہادت کا ذوق و شوق ابھرے لینے لگا جس سے ان کے نور ایمان میں اور بھی زیادہ قوت آئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ضرور لکھوں گا خواہ میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہ جائے (یہ پیشہ اندازہ انصار و انصار کی شان تھی چنانچہ آپ سترہ مہاجرین کے ساتھ بدر پہنچے۔ اس وقت حسبن اللہ و نعم الوکیل ان کا در زبان تھا مال تجارت بھی ساتھ تھا وہاں پہنچ کر تجارت کا سامان اچھے منافع سے فروخت کیا اور اسی طرح بغیر کسی قتال و جدال کے سالین غائبین واپس ہوئے اور اپنے لوگوں کے ساتھ ابوسفیان مکہ معظمہ پہنچے تو مکہ والوں نے اس لشکر کو ”بیش السوین“ کا نام دیا اور کہا کہ تم تو ستر پینے کے لیے گئے تھے۔

۶۔ وما زادهم الا ایمانا و تسليما میں ایمان سے مراد ذاتِ خداوندی کی تعظیم و اجلال ہے یعنی اس ذات بے چون و چوک کی عظمت و جلال کو اس طرح جاننا اور اس کا سکنا کہ اپنے قلب پر بخشنا کہ اس کی کامل اتباع و امتثال پہنچنے حاصل ہو اور تسلیم کے معنی اس کی بات ماننا (عمل کے درجہ میں) یہ حضرت شاہ صاحب کی تعبیر ہے اور فرمایا کہ اگر ایمان کا تعلق عقائد سے ہو تو وہ تصدیق قلبی والا ایمان ہے اور اگر اس کا تعلق ذاتِ باری سے ہو تو وہ تصدیقِ قوی و امتثالِ دماغی ہے جس کو تسلیم کہا جائے گا۔

اس آیت میں غزوہ خندق کی طرف اشارہ ہے جو ۵ھ میں پیش آیا اس وقت مسلمانوں پر چاروں طرف سے یورش کی گئی تھی کفار نے بارہ ہزار یا چوبیس ۲۴ ہزار کی تعداد میں پورے سامانِ حرب سے تیار ہو کر مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا تھا اس وقت مدینہ منورہ میں مسلمان بمشکل چار ہزار ہوں گے۔ اور کفار کے مقابلہ میں میدان میں آنے والوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں ان میں خوف و ہراس اور گھبراہٹ و زاس کی صورت پیدا ہونی چاہیے تھی مگر اس کے برعکس ان کے اندر ایمان و تسلیم اور استقامت میں اضافہ ہوا۔ اور جب ان کی یہ کیفیت ہوئی تو حق تعالیٰ کی نصرت اور امداد بھی پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مدینہ کی اس جانب خندق کھدوائی تھی جس طرف سے کفار مکہ کے حملہ کا خطرہ تھا یعنی شمال و مغرب کی سمت خندق کافی گہری اور چوڑی تھی۔ جس پر جگہ جگہ مسلمان چاہ باز متعین کر دیئے گئے تھے کہ دشمنوں کو آگے نہ بڑھنے دیں ان کو خندق کو عبور کر کے مدینہ منورہ میں گھسنا بہت دشوار کر دیا تھا اگر کوئی بہادر ہمت کرے آگے بڑھنا بھی چاہتا تو محافظ دے اس کو تیروں سے چھلنی کر دیتے تھے ۲۸/۲۹ روز تک کفار نے محاصرہ جاری رکھا ان کی بہت تعداد تھی کھانے پینے وغیرہ کے لیے مصارف اور مسلسل ناکامیوں نے ان کی ہمت پست کر دی عزیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعہ مادی کہ یا اللہ! اپنے تخلص مومن بندوں کی مدد فرما اور کفار کو ایسی ہزیمت دے کہ پھر بار بار چڑھ دوڑنے کا حوصلہ ہی باقی

نہ رہے چنانچہ ایسی زبردست آندھی آئی کہ کفار کے رہے سہے اور امن بھی خطا ہو گئے خیے اکھڑا کھڑا کر دوڑ جا پڑے سخت پریشان ہوئے اور کچھ کہ بس اب قیامت ہی آگئی اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

۷۔ والحب فی اللہ واللبعض فی اللہ من الایمان امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ خدا کے واسطے محبت اور بغض بھی ایمان کا جزو ہیں جو کہ احوال میں سے اور اکثر غیر اختیاری ہوتے ہیں لیکن یہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ من کو جمع فیہ سمجھا جائے ہم کہیں گے کہ ابتداء سے اتصال ہے جیسے انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ میں ہے۔

۸۔ کتب عمر بن عبد العزیز اربع چونکہ آپ نے ایمان کے لیے فرائض، شرائع، حدود و سنن بتلائے معلوم ہوا کہ ایمان ان سب سے مرکب ہے۔ یہ استدلال بھی ناقص ہے کیونکہ اول تو ایمان کے لیے یہ خارجی چیزیں حلال نہیں فرمایا کہ ایمان یہ سب امور ہیں پھر احتمال کا لفظ بھی بتلا رہا ہے کہ یہ سب خارجی اوصاف ہیں جن کا وجود ایمان کے لیے ضروری ہے۔ تمنا نہیں فرمایا۔ جس سے جزئیت پر استدلال صحیح ہوتا۔ پھر یہ امر بھی پہلے واضح ہو چکا کہ ایمان کامل تو وہی ہے جو اعمال صالحہ اور احوال طیبہ سے مزین ہو باقی نفس ایمان کی اصل حقیقت صرف وہی مرتبہ محفوظ (غیر مرکب) ہے جو امام صاحب وغیرہ کی تحقیق ہے۔

۹۔ ولکن لیطمئن قلبی۔ اس آیت سے استدلال حنفیہ کے لیے زیادہ موزوں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان نہ صرف کامل بلکہ اعلیٰ مراتب کمال میں موجود تھا پھر اس میں زیادتی کا کیا سوال ہو سکتا ہے۔ اولم تو من اور قال بلنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ نفس ایمان حاصل تھا اور مطالبہ زائد چیز کا تھا جو خارجی کیفیات و احوال سے متعلق ہے۔

۱۰۔ قال معاذ اجلس بنا لئلا من ساعداً یہاں مقصود صرف ایک ساعت کے لیے ایمان لانا نہیں ہے بلکہ حسب روایت حسن حصین "جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا اللہ" تجدید و احضار ایمان مراد ہے ظاہر ہے کہ ایمان کی حضرت و تازگی اس کے حسن کی ذمہ داری دہرا وغیرہ اصل ایمان کے علاوہ اوصاف ہیں۔

۱۱۔ قال ابن مسعود "الیقین الایمان کلمہ یہاں لفظ کل سے استدلال کیا گیا ہے کہ ایمان کے اجزاء ہیں جب ہی تو کل کا اطلاق ہوا ہے لہذا ایمان اجزاء سے مرکب ہوا اس کی تائید روایت طبرانی سے بھی ہوتی ہے جس میں صبر کو نصف ایمان فرمایا ہے لیکن اس کا جواب بھی یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ بتلا نہ مقصود ہے کہ نفس ایمان کی پوری حقیقت تو یقین و اذعان ہی ہے جو قصد یقین قلب ہے لہذا ایمان کی بساطت ظاہر ہوئی اور اشارہ اس طرف ہوا کہ یقین و اذعان قلبی کے سوا دوسری سب چیزوں کا تعلق اسلام سے ہے کہ اسلام تمام اعمال و اخلاق حسنہ کا مجموعہ ہے اور دین کا اطلاق ایمان و اسلام دونوں پر آتا ہے۔ ان الذین عند اللہ الاسلام اور وضعت لکم الاسلام دینا اور مشہور حدیث جبرائیل میں فرمایا کہ ایمان و اسلام دونوں کی تشریح آپ فرما چکے تو صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے چنانچہ بنوئی شافعی نے حدیث جبرائیل میں فرمایا کہ ایمان باطنی اعتقاد کا نام ہے اور اسلام ظاہری اعمال کا اور ان دونوں کا جامع دین ہے اور خدا کے یہاں دین وہی مرضی و مقبول ہے جو ایمان و اسلام دونوں کو شامل ہو۔ (نووی شرح مسلم صفحہ ۲۵ انصاری دہلی)

امام نووی نے صفحہ ۲۶ میں یہ بھی لکھا کہ ہمارے اصحاب متکلمین میں سے معتقین کا یہ قول ہے کہ نفس تعدیق میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی البتہ ایمان شری میں کمی و زیادتی "ثمرات ایمان یعنی اعمال کے سبب ہوتی ہے اور اس صورت سے ایمان حسب عوارض و اقوال سلف کی ایمان بمعنی لغوی و ایمان حسب اصطلاح متکلمین کے ساتھ مطابقت ہو جاتی ہے پھر امام نووی نے لکھا ہے کہ اگر چہ یہ نفس متکلمین کی بات تو اچھی ہے مگر ہماری سمجھ میں ایک بات یہ بھی آتی ہے کہ نفس تعدیق میں بھی کثرت نظر و فکر اور اولہ و اخرہ کے باعث زیادتی ہو سکتی ہے اور اسی لئے صدیقین کا ایمان دوسروں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

ہماری طرف سے اس استدلال کا جواب صاف ہے کہ کیفیت کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی و کمی ہم بھی مانتے ہیں۔ ہمیں اس کا انکار نہیں اسی لئے کسی مومن کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے ایمان کو صدیقین یا طائفہ کے جیسا کہے کیونکہ ان کے ساتھ کیفیات میں کوئی برابری نہیں ہو سکتی البتہ کم میں برابری ہے کہ جن چیزوں پر ان سب کو ایمان رکھنا ضروری ہے ہمیں بھی ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے دوسرے یہ کہ ایمان تصدیق قلبی کا ایک خاص درجہ ہے جو اسطرح ہے اس میں کمی و بیشی نہیں ہے کی کی صورت شک و شبہ والی ہے اس لئے ایمان نہیں اور زیادتی کی صورت میں کیفیات کے لحاظ سے ہیں اس لئے وہ بھی نفس ایمان سے زائد ہیں۔ معتزلہ اعمال کو شرط صحت ایمان و تمکثات قرار دیتے ہیں محدثین شرط کمال ایمان و مکملات کہتے ہیں 'مرجہ اعمال کو کوئی درجہ نہیں دیتے' حنفیہ و متکلمین اعمال کو ضروری لازمی شرط دخول اولی جنت اور بطور مقویات و حفاظت مکملات ایمان سمجھتے ہیں۔ متمات نہیں کہتے۔

مراتب ایمان و اعمال پر دوسری نظر

تمام دلائل شرعیہ اور مذہب اہل سنت کی روشنی میں اعمال صالحہ کو مقویات و حفاظت یا مکملات یا ثانوی ہی کا درجہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو حنفیہ و متکلمین فقہاء و محدثین احناف کا عقار ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ علماء نے روح کی غذا علوم نبوت کو قرار دیا ہے اعمال کو نفس طاعات کو روح کے لیے بطور مقوی و محافظ صحت ادویہ اور معاشی کو بطور ادویہ مہملکہ و دہرہیز یوں کے قرار دیا ہے۔ پھر قلب اشرف اعضاء انسانی ہے۔ جس کے صلاح و فساد پر چھڑائے حدیث صحیح تمام جسم کا صلاح و فساد موقوف ہے۔ اس سے جو امور متعلق ہیں ان کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے پھر ان میں سے ایمانیات و عقائد کا درجہ اول ہے اور اخلاق و ملکات کا درجہ ثانوی ہے اس کے بعد لسان کو دوسرے جوارج پر شرف ہے تو اس سے تمام کلمات طیبات طلاوت کلام اللہ و عبادہ ذکر و استغفار تعلیم و تعلم درو و سلام وغیرہ متعلق ہوئے اس کے بعد دوسرے جوارج کے اعمال کا درجہ ہے البتہ بعض اعمال فرض و واجب ہونے کی حیثیت سے افضل ہو جاتے ہیں (کہ طاعت کا قلہ کی زیادہ سے زیادہ تعداد بھی ایک فرض کو نہیں پہنچتی) یا جس عبادت میں مختلف قسم کی طاعات جمع ہوں وہ دوسری عبادات سے افضل ہوگی۔ مثلاً نماز۔

۱۔ حضرت علامہ تعمیر بنی کی خاص تحقیق: یہاں مکملات کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کی ایک نہایت اہم تحقیق قابل ذکر ہے اس کو بھی پیش نظر رکھئے فرمایا امام بخاری اور شوافع کے یہاں ایمان ایک مجموعہ مرکب ہے جس کے اجزاء اعمال بھی ہیں لیکن یہ بھی مانتے ہیں کہ اس کے بعض اجزاء عقائد تو ایسے ہیں جن کے نہ ہونے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور بعض اجزاء (اعمال وغیرہ) ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے بھی ایمان باقی رہتا ہے اور ان کا درجہ اول و اولیٰ مہملہ مانتے ہیں۔ اسی طرح نماز میں اختلاف ہے کہ شوافع اس کو مجموعہ ارکان و مشن و مستحبات کہتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض اجزاء ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے نماز نہ ہوگی اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے بھی نماز درست ہے مثلاً یہ کہ نماز مجموعہ ارکان ہے فرائض اجزاء مقدمہ ہیں اور سن و مستحبات اس کے اجزاء مکملہ فی مقدمہ ہیں۔ پس اگر نزع حاصل کر دیاں امر کو قرار دیں کہ آیا کوئی حقیقت چھڑا لے اجزاء سے مرکب ہو سکتی ہے یا نہیں جن میں سے بعض اجزاء کے نہ ہونے پر بھی عمل کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہو اس صورت میں تو شافعیہ کا نظریہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ ایسی بہت سی چیزیں باقی ہیں جن کے بعض اجزاء موجود نہ ہونے پر بھی ان پر عمل کا اطلاق ہوتا ہے جیسے نماز وغیرہ اور اگر نزع حاصل کر دیاں امر کو مانیں کہ کسی شے کی مکملات ہمیشہ اس کے صرف اجزاء ہی نہ ہوں گے بلکہ فکر اجزاء بھی ہو سکتے ہیں تو حنفیہ کا نظریہ زیادہ صحاب ہے کیونکہ ایمان پر اعمال کے عطف سے (جو تفارک حنفی ہے) یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اعمال ایمان کے لئے اجزاء نہیں اور پھر بھی مکملات ہیں لہذا حنفیہ کے عقار کو ترجیح ہونی کا ایمان مجموعہ مرکب نہیں ہے۔

البتہ اب یہ دیکھا جائے گا کہ ایمان کا اطلاق جو اعمال پر احادیث میں کثرت ہوا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ تصدیق پر اطلاق اصالت ہے اور اعمال پر وجہ تو یہ چیز حنفیہ کی تائید کرتی ہے اور اگر کہا جائے کہ دلوں پر اطلاق بطور پر کل کے ہے تو یہ بات شافعیہ کے موافق ہوگی۔ رالم الحرف کے نزدیک اجزاء حقی کو مکملات اولیٰ اور غیر اجزاء کو مکملات ثانویہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم۔

نوٹ: حضرت شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تحقیق سے (اور اس قسم کے آپ کے فیصلے آئندہ بھی یہ کثرت آئیں گے) آپ کی شان انصاف اور دقت نظر پوری طرح نمایاں ہے اور یہی شان ہمارے دوسرے کا بر تحقیق حنفیہ کی بھی ہے۔ لہذا اللہ بعلو مہم المصعد۔

مذکورہ بالا نظریہ کی تائید حافظ ابن تیمیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو ایمان و اسلام کا فرق بتاتے ہوئے انہوں نے کتاب الایمان صفحہ ۱۴۹ میں لکھا ہے، ”فرق یہ ہے کہ اسلام دراصل عمل ہی عمل ہے اور ایمان ایک علم ہے، عمل یہاں تابع ہے اس کے بعد اگر حادثہ پر ایک اجنبی نظر والو کے تو اس سے بھی تم کو معلوم ہوگا کہ ہاں بھی اس فرق کی رعایت کی گئی ہے یعنی اسلام کا تعلق ظاہر سے اور تصدیق کا باطن سے قرار دیا گیا ہے۔“

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ ”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے جان و مال کے لیے کوئی خطرہ محسوس نہ کریں۔“

ان تصریحات سے خفیہ کے موقف کی پوری پوری تائید ہوتی ہے اور ہر امر کو اپنے اپنے صحیح مرتبہ و مقام میں رکھنے کی عملی شکل سامنے آ جاتی ہے جس سے اندر خفیہ و متکلمین کی وقت نظر و اصابت رائے کا یقین حاصل ہوتا ہے۔

۱۲۔ قال ابن عمر لا یبلغ العبد حقیقة التقویٰ الا ببعض روایات میں حقیقت الایمان آیا ہے اور امام بخاری بھی چونکہ ایمان و تقویٰ کو ایک ہی سمجھتے ہیں اس لیے استدلال درست ہو گیا کہ بقول ابن عمر حقیقت ایمان کا حصول اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایسی باتوں کو بھی ترک نہ کر دیا جائے جو دل میں کھینکتی ہوں۔ یعنی معمولی مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب چاہئے جو تقویٰ کا مطلق مرتبہ ہے گویا امام بخاری ترقی کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بڑے اعمال ہی نہیں چھوٹے عمل بھی ایمان کے اجزاء ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ امام بخاری کی بات تو ٹھیک ہو جائے گی مگر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد حقیقت ایمان تک رسائی سے محروم قرار پائے گی یہ وہی بات ہے کہ امام بخاری کے حواجز میں ایک طرف رجحان کا ادھ زیادہ تھا جس کی وجہ سے افراد و تفریق تک لپیٹ جاتی تھی اور استعمال کی بات وہی ہے جو امام صاحب و غیرہ نے اختیار فرمائی۔

۱۳۔ قال مجاهد شرع لکم من الدین الخ امام بخاری نے اس طرح استدلال کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے اب تک دین وہی ایک ہے اگرچہ جزئیات و فروع بدلتے رہے ہیں اور جب دین کے اجزاء اصول و فروع رہے ہیں تو ایمان کے بھی ہوں گے۔ کیونکہ امام بخاری دین و ایمان کو ایک سمجھتے ہیں۔

یہاں بھی غلطی دونوں کو ایک سمجھنے سے ہوئی ہے ہم نے امام نووی سے نقل کیا تھا کہ دین کا اطلاق ایمان و اسلام دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اور اسلام کی حقیقت میں ہمارے نزدیک بھی اعتقاد ظاہری کے تمام اعمال داخل ہیں لہذا ایمان جس میں بحث تھی اس کے لیے یہ استدلال بے عمل ہے ہمارے حضرت شاہ صاحب نے بھی وقت درس فرمایا تھا کہ امام بخاری کا یہ استدلال بے عمل ہے۔ اور امام بخاری کے اس استدلال کے مقابلہ میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۴۔ قال ابن عباس ”شروع و منہا جم“ ہر ایک کے لیے ہم نے چھوٹے اور بڑے راستے مقرر کئے، یعنی ہر امت کے لیے منہاج (بڑا راستہ اصول و عقائد کا) تو ایک ہی رہا مگر شرطیں امتوں اور زمانوں کے مناسب حال بدلتی رہیں امام بخاری نے استدلال کیا کہ فروع و شرائع کے اختلاف کے باوجود دین و منہاج ایک ہی رہا ہے جس کے تحت عملی شرائع ہیں یہاں بھی جواب حسب سابق ہے۔ کہ منہاج و دین یا سنیل و شریعت میں بحث نہیں ہے بلکہ ایمان میں ہے۔ جس سے استدلال ہٹ گیا۔ آپ اگر سب کو ایک کہنے لگیں تو یہ بات دوسروں پر تو جھٹ نہیں ہو سکتی۔ کمالاً لا یصلحی۔

۱۵۔ ودعاء کم ایمانکم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دعاء کی تفسیر ایمان سے ہوئی حالانکہ وہ عمل ہے معلوم ہوا کہ ایمان میں عمل داخل ہے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک آیت مذکورہ کو کل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ کافروں کے بارے میں ہے پوری آیت آخر سورت فرقان میں ہے اور ترجمہ یہ ہے۔ کہہ دیجئے! میرے رب کو تمہاری پروا نہیں اگر تم اس کو نہ پکارو سو تم جھٹلا چکے آگے کو ہوئی

ہے بلکہ بھیر (یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے) یہ کھذیب عتریب ان کے گلے کا پار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا آخرت کی ابدی ہلاکت تو ہے ہی دنیا میں بھی اب جلد بلکہ بھیر ہونے والی ہے یعنی لڑائی جہاڑ چنانچہ ”غزوہ بدر میں اس بلکہ بھیر کا نتیجہ دیکھ لیا۔“ (فوائد علامہ عثمانی)

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ حضرت ابن عباسؓ کو تفسیر و دعاء کم ایمانکم کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو حق تعالیٰ نے خبر دی ”ان کی خدا کو ضرورت نہیں اسی لیے ان کو ایمان کی دولت سے نہیں نوازا اور نہ جس طرح مومنوں کے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا تھا ان کے لیے بھی بنادیتا۔ پھر فرمایا کہ تم کو حق کی کھذیب کر چکے ہو پھر اس کا نتیجہ بھی جلد دیکھ لو گے (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۲۰/۳ مطبوعہ مصلطہ محمد)

حضرت شاہ صاحب کا جواب

مذکورہ بالا تفسیرات سے آیت مستدلہ امام بخاری کا کفار کے حق میں ہونا واضح ہو چکا اس کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحب کی تحقیق پڑھیے فرمایا کہ اگر دعاء کو اپنے معنی میں رکھا جائے۔ تو اس سے مراد یہاں عربی دعائیں بلکہ دلوں کی پکار اور خدا کی طرف توجہ قلبی و تضرع مراد ہے جو بعض مرتبہ سخت مصائب و پریشانیوں میں گھر کر کفار سے بھی واقع ہوا ہے جیسے قرآن مجید میں آیا ”وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَاجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“ (لقمان) مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ تمہارا خیال اس لیے فرمالتے ہیں کہ تم اس کو پکار لیتے ہو فائدہ کی قاضی خاں میں ہے کہ دنیا میں کفار کی دعاء بھی قبول ہوتی ہے اسی طرح ان کے استغفار سے بھی دنیا میں ان کو نفع ہو سکتا ہے، مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ابن جعدان (جو ایمان جاہلیت میں سر گیا تھا) کیا اس کے صدقات سے اس کو نفع پہنچا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ”نہیں“ کیونکہ اس نے بھی اپنی زبان سے خدا کی مغفرت و رحمت طلب نہیں کی تھی۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے میں سمجھا کہ استغفار سے کفار کو بھی نفع پہنچتا ہے مگر دوزخ سے نجات نہ ملے گی۔

اور اگر دعاء سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق ایمان لایا جائے تو حق تعالیٰ یہ تعبیر فرما رہے ہیں کہ خدا جس چیز کا لحاظ دخیال فرماتے ہیں وہ عربی دعاء یا پریشانی و مصیبت سے گھبرا کر اس کو پکارنا نہیں بلکہ ایمان ہے جس کی وجہ سے اس کی رحمت خاصہ مومنوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اگر ایمان نہیں تو وہ خصوصی فضل و رحمت کا معاملہ بھی نہیں غرض حضرت شاہ صاحب کی رائے میں امام بخاری کا یہ استدلال بے جمل ہے اس لیے کہ بحث ایمان شرعی اور مومنین کے ایمان میں ہے اور یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر امام بخاری کے استدلال کو بر محل کہیں گے اور تفسیر ابن عباس کی مدد سے دعاء کو ایمان یا جزو ایمان قرار دیں گے جس طرح اور جگہ امام بخاری نے استدلال کیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو جائے گا کہ خاص اس مقام میں دعاء کفار کو ایمان یا ایمان کا جزو سمجھیں تو ایمان کی حقیقت کس قدر نیچے گر جائیگی کہ اس کا ایک جزو یا فرد مستحقین عذاب کفار کی کھذیب کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے اور پھر ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ امام بخاری اپنے کی طرف ذہن جان کے غلو اور ہوا میں اتنی دور تک چلے جاتے ہیں جو ان کی جہالت قدر و رعت شان علم کے لیے موزوں نہیں۔

امام صاحب کی وقت نظر

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے جو ایمان شرعی کا ایک محفوظ مرتبہ سمجھا ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ اور کھذیب سے بالاتر ہو اس سے کم درجہ اگر کوئی ہے تو وہ کفر ہے ایمان ہرگز نہیں پھر وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسا ایمان و یقین جن ایمانیات و عقائد سے متعلق ہوتا چاہیے ان کو ماننے میں اولین و آخرین آدمی مومنین سے لے کر انبیاء و مرسلین تک سب برابر ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ مقرب فرشتوں یا برگزیدہ نبیوں کا ایمان زیادہ چیزوں پر ہوتا ہے اور کم درجہ کے مسلمانوں کا کم چیزوں پر ہوتا ہے اس کے بعد امام صاحب وغیرہ کو اس امر سے انکار ہرگز نہیں کہ سب کے مراتب یکساں نہیں فرق مراتب سے جو کیفیات ایمان کے باعث ہوتی ہے بڑے سے بڑا

فرق ہوتا ہے حتیٰ کہ صرف حضرت صدیق اکبرؓ کا ایمان ساری امت کے ایمانوں سے زیادہ وزنی مانا گیا ہے، ہم یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ سلف سے جو معقول امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ ایمان قول و عمل اور کم زیادہ ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں ایک ہزار سے زیادہ لوگوں سے ملا سب کا قول یہی تھا اور اپنے گہرے تاثر کا اظہار امام بخاری نے اس سے بھی ظاہر کیا کہ میں نے

اپنی کتاب میں کسی ایسے شخص کی روایت نہیں لی۔ جو اس قول مذکور کا نقل نہیں تھا، ہم حوالہ سے لکھ آئے ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری میں ارشاد فرمایا تھا کہ امام بخاری نے اس جملہ کو پورا نقل نہیں کیا۔ اور فرمایا کہ قول و عمل تو اس زمانے کے متعقبات حال کے مطابق تھا کہ فساق و فجار نے ترک عمل و ارتکاب کبار کے لیے مرجح کی آڑ میں بہانے بنائے تھے اس کی روک تھام کے لیے قول و عمل اہل حق کا شعار بن گیا تھا، دوسرا جملہ بڑید و نقص والا یہ تھا کہ طاعات سے ایمان میں زیادتی اور معاصی سے نقص آتا ہے، جس کو امام بخاری نے مختصر کر دیا تو طاعات سے زیادتی اور معاصی سے نقص کا کیفیت کے اعتبار سے امام صاحب وغیرہ کو بھی انکار نہیں بلکہ ان سے اتنی بات تو نقل بھی کی گئی ہے کہ طاعات سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور کوئی نقل اس قسم کی خود امام صاحب سے نہیں ملی کہ ایمان کے طاعات سے زیادہ ہونے اور معاصی سے ناقص ہونے کا انکار فرمایا ہو اگر ایسا ہوتا تو یہ بات ضرور قول سلف کے خلاف و ضد ہوتی، غرض اعمال صالحہ سے ایمان کے اندر نورانیت میں اضافہ اور انبساط و انشراح وغیرہ کیفیات پیدا ہونے سے خفیہ کو بھی انکار نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ عینی کے ارشادات

آخر میں اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے اس الحققین 'عمدة المحدثین' حافظ بدرالدین عینی کی وجوہ ثنائیہ کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔
۱۔ اقرار لسانی ایمان کا کرکن نہیں ہے، کیونکہ اس کا وجود و جود تصدیق قلبی کے لیے یا عدم اس کے عدم کے لیے دلیل قطعی نہیں ہے البتہ اجراء احکام ظاہری کے لیے شرط ہے، کیونکہ ان احکام کا مد اظہار پر ہی ہے پس بدوں اقرار لسانی بھی خدا اور بندہ کے باہم ایمان کا تحقق ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ "دوزخ سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا" تو ایسا شخص جس کو خدا کی پوری معرفت حاصل ہوگئی اور تمام عقائد پر پختگی بھی اس کو حاصل ہے اور اس کا دل نور ایمان سے معمور ہو چکا ہے پھر شخص زبان سے کہہ نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کو غیر مومن کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اقرار لسانی ایمان میں معتبر نہ ہوا اور یہ خلاف اجماع ہے، کیونکہ اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ وہ معتبر ہے، خلاف صرف اس میں ہے کہ کرکن ہے یا شرط جواب یہ ہے کہ امام غزالی نے اجماع کا انکار کیا ہے اور شخص مذکور کے مومن ہونے کا حکم کیا ہے اور باوجود قدرت باقت ملنے کے اقرار لسانی نہ کرنے کو مجملہ معاصی قرار دیا ہے اور بعض حالات میں ترک اقرار بحالت اختیار کا جواز بھی ان کے یہاں مفہوم ہوتا ہے۔

۲۔ اعمال جوارح ایمان میں داخل نہیں ہیں کیونکہ آیات میں عمل صالح کو ایمان سے الگ کر کے عطف کے ذریعے بتایا گیا ہے۔ اگر وہ ایمان میں داخل تھے تو تکرار بے فائدہ ہوا۔

۳۔ آیات قرآنی میں ایمان کے ساتھ ضد عمل صالح کو ذکر کیا گیا ہے جیسے وان طافتان من المؤمنین اقتلوا الا یہ حالانکہ ایک چیز کو اس کے جز کو اس کے ساتھ ملانا درست نہیں ہے، معلوم ہوا کہ عمل صالح ایمان کا جز نہیں ہے۔

۴۔ آیت اللہین آمنوا و لم یلبسوا ایمانہم بظلم میں ظلم سے مراد ارتکاب محرمات ہیں اگر طاعت ایمان کا جز ہوتی تو ظلم و ایمان سے خود ہی مخفی ہوتا، کیونکہ ضد تجزء ماثلی اس سے مخفی ہوا کرتا ہے ورنہ اجماع ضدین لازم آئے گا۔ پس ایسی صورت میں و لم یلبسوا

ایمانہم بظلم کا عطف اللہین آمنوا پر رکھا رہے فائدہ ہوا۔

۵۔ حق تعالیٰ نے بہت سی آیات میں ایمان کو کھت اعمال کے لیے شرط قرار دیا جیسے واصلحو ذات بینکم و اطعوا اللہ ورسوله ان کتم مومنین۔ و من يعمل من الصالحات و هو مومن۔ وغیرہ اور قاعدہ ہے کہ شرط شئی اس کی ماہیت و حقیقت سے خارج ہوتی ہے۔

۶۔ حق تعالیٰ نے بندوں کو وصف ایمان کے ساتھ خطاب کیا پھر ان کو اعمال بجالانے کے احکام دیے جیسے کہ آیات صوم و صلوة و زکوٰۃ میں اس سے معلوم ہوا کہ عمل مفہوم ایمان سے خارج ہے ورنہ تحصیل حاصل کی تکلیف لازم آئے گی۔

۷۔ حدیث جبریل میں ایمان کے سوال پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تصدیق پر اکتفا فرمایا کہ فلاں فلاں باتوں پر ایمان لاؤ اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے پس اگر ایمان میں تصدیق کے علاوہ اعمال وغیرہ بھی داخل تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیوں بیان نہیں فرمایا اور جبریل علیہ السلام نے بجائے تصدیق کے اصلاح کیوں نہیں دی؟ دین سکھانے آئے تھے تو ایسے مخالف دلی بات کو صاف نہ کرتے یہ کیونکر ممکن تھا؟

۸۔ حق تعالیٰ نے مؤمنین کو توبہ کا حکم فرمایا یا ایہا اللہین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا و توبوا الی اللہ جمیعاً یا ایہا المؤمنون جس سے معلوم ہوا کہ ایمان معصیت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے حالانکہ کوئی چیز اپنے جڑ کی خد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۳/۱)

اگر کہا جائے کہ حدیث میں لا یزنی الزانی حین یزنی و هو مومن آیا ہے تو حدیث میں ہی "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة وان زنی وان سرق" بھی وارد ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ جو توحید و رسالت کا اقرار کرے اس کو جنت سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے تاہم اہل حق اہمیت و فریضت اعمال اور ترک اعمال و ارتکاب کہ پر استحقاق عذاب و محرومی و دخول اولی جنت کے قائل ہیں اور فرقہ ہاں مرجحان امور سے منکر ہے کہتا ہے کہ ایمان کی موجودگی میں ارتکاب معصیت یا ترک اعمال پر کوئی مؤخذہ نہیں ہوگا واللہ یمہدی من یشاء الی صراط مستقیم

۷۔ حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ قال انا حنظلہ بن ابی سفیان عن عکرمۃ بن خالد عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و الحج و صوم رمضان۔

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

تشریح:- اسلام کو کوع ارکان خمسہ کے خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح ایک خیمہ کو قائم رکھنے کے لیے ایک مودود و ثقلب (درمیانی بانس یا دوسری مضبوط و مطمئن لائی ٹکڑی) کا ہونا ضروری ہے جس پر پورا خیمہ قائم ہو جاتا ہے اور اس کے پھیلاؤ کو قائم رکھنے اور تند و تیز ہواؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے چاروں طرف اتاد (کھونٹے) گاڑ کر اٹھایا (رسیوں) سے باندھ دیا جاتا ہے اور اس کی تکمیل ہو جاتی ہے اسی طرح اسلام کو ایک خیمہ سمجھئے جس کا مودود و ثقلب شہادت توحید و رسالت یا ایمان و تصدیق قطبی ہے۔ اور اس کے دوسرے تمام شعبے اعمال اخلاق وغیرہ بطور اتاد و اطاب ہیں کہ یہ سب مکملات ایمان اور تقویات و حافظات ہیں چنانچہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کسی جنازہ پر اجتماع کے موقع پر مشہور شاعر فرزدق سے فرمایا کہ تم نے اس مقام کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے کہا اتنے برسوں سے شہادت توحید پر قائم ہوں حضرت حسن نے فرمایا:- یہ تو عود ہے اٹھایا کہاں ہیں؟ یعنی اعمال صالحہ (کذابی المرقاۃ)

اس کے علاوہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی تائید ملتی ہے جس کو ترمذی نسائی امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ غزوہ تبوک کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ ساتھ لکھے راستہ میں ایک تہائی کا موقع پا کر معاذ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ

عمل دریافت کیا جو جنت میں لے جائے۔ آپ نے فرمایا: ”دین اسلام کا راس ریکس عمل تو شہادت و توحید و رسالت ہے پھر جس عمل سے دین کی بندش مضبوط و مستحکم ہوتی ہے وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا ہے اور اس کے اونچے عملوں میں سے سب سے اوپر اور چوٹی کا عمل خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ پھر آخر میں فرمایا کہ فرض نماز کے بعد جہاد ہی تکبیل اللہ کے برابر کوئی نیکی نہیں۔“ ایک حدیث طبرانی و طیالسی کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے سوال فرمایا: تم جانتے ہو ایمان کو کھانسنے والے دستوں میں سب سے زیادہ مضبوط پنڈل (دستہ و مردہ) کون سا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ”نماز“ فرمایا نماز بہت اچھی ہے مگر اس کا دار کاڑھ عمل دوسرا ہے پھر عرض کیا ”روزہ“ آپ نے پھر اسی طرح فرمایا صحابہ نے جہاد کا ذکر کیا اس پر بھی آپ نے اسی طرح فرمایا پھر فرمایا: ”ایمان کے عروں میں سے سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم مردہ خدا ہی کے لیے دوستی اور خدا ہی کے لیے دشمنی ہے اور اسی کی وجہ سے کسی سے محبت کرنا اور اسی کے لیے کسی سے بغض رکھنا۔“

اس قسم کی تمام احادیث سے واضح ہے کہ ایمان کی تکمیل و حفاظت و استحکام کے لیے سارے اعمال کام دیتے ہیں یہ نہیں کہ خود ایمان کی جنس سے یہ سب اعمال جوارح ہیں یا اس کے اجزا۔ مقومہ یا مکملہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر اگر کہا جائے کہ ایمان و اسلام کے تو ۷۰ تک شے ہیں یہاں صرف چار کا ذکر کیوں کیا گیا تو ملاحظی قارئین نے جواب دیا۔ کہ ان میں سے اہم ترین ارکان کا ذکر کر دیا گیا ہے علامہ یعنی نے فرمایا کہ عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں تو لی جیسے ادا مکمل شہادت یا غیر قوتی اور وہ بھی دو قسم کی ہے ترکی جیسے صوم یا نفل اور بھی دو قسم ہے۔ بدنی جیسے نماز یا مالی جیسے زکوٰۃ یا بدنی و مالی دونوں کا مجموعہ جیسے حج اس طرح ہر قسم کی عبادات کی طرف اشارات فرمادیے گئے۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ ایک خدائے وحدہ لا شریک کے سامنے عبادات کے لیے سرگرمیوں ہو جانا اب اگر دین اسلام کا تجزیہ کرو تو اس میں چند قسم کے احکام پاؤ گے۔

۱۔ وہ احکام جو سب پر یکساں واجب ہیں۔

۲۔ وہ احکام جو خاص افراد سے متعلق ہیں پہلی قسم میں ایک بڑا حصہ صرف فرض علی الکفایہ ہے کہ ہر شخص پر واجب نہیں جیسا کہ جہاد امر بالمعروف نہی عن المنکر، اہرست، حاکم، حنفی، مفتی شہادۃ وغیرہ ان سب کا تعلق خاص مصالح اور عارضی اسباب سے وابستہ ہے فرض کر لو اگر یہ مصالح ہماری نقل و حرکت کے بغیر حاصل ہو جائیں تو یہ احکام واجب نہیں رہتے اسی طرح حدود وغیرہ کے ابواب ہیں ان کا تعلق بھی چند جرائم کے ساتھ ہے اگر اس کا انسداد ہو جائے تو ان ابواب کی حاجت بھی نہیں رہتی دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسا کہ قرض کی ادائیگی غصب و عاریت، ودیعت و امانت وغیرہ تمام ابواب انسانوں کے حقوق کے تحفظ اور مظلم کی داد داری کے لیے ہیں اگر صاحب حق معاف کر دے تو یہ ابواب بھی معطل ہو جاتے ہیں صلہ رحمی حقوق زوجیت، حقوق اولاد و بڑی شریک، فقیر وغیرہ ان احکام کا تعلق بھی سب کے ساتھ نہیں بلکہ خاص خاص افراد سے ہے وہ بھی خاص خاص اوقات میں اسی طرح شریعت کے بقیا ابواب پر بھی ایک اعلیٰ نظر ڈال جائے اور غور کیجئے کہ اب وہ کون سے احکام ہیں جو ہر فرد پر واجب ہیں اور کسی وقتی مصلحت پر بھی مبنی نہیں اور انسان کے انفرادی ظاہری و باطنی کا ایک مکمل ثبوت بھی ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہی مبنی ختم ہیں اسی لیے حدیث مذکور میں صرف ان پانچ ہی کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ (کتاب الایمان۔ صفحہ ۱۲۱-۱۲۲)۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ توحید کی دعویٰ دار دنیا کی اکثر قومیں ہیں اور ایک قسم کا ناقص اقرار توحید کچھ مذاہب میں پایا بھی جاتا ہے مگر مکمل صحیح و خالص توحید جو توحید الوہیت توحید ربوبیت اور توحید صفات سب پر شامل ہے صرف مذاہب اسلام میں پائی جاتی ہے اور دوسری راس الطاعات لب الاعتقادات اہم العبادات اور راس القریات ہے پھر مسلمانوں میں عقائد و اعمال کی زیادہ صحیح تعبیر اہل سنت و الجماعت میں فروغی مسائل میں حق و انصاف ائمہ احناف کے ساتھ اور موجودہ دور کے مسائل میں حق و اعتدال علماء یو بند کی طرف ملے گا۔ واللہ اعلم۔

”توحید باری تعالیٰ“ پر بہت سے دلائل عقلی و نقلی قائم ہیں اور قرآن مجید کی بعض آیات میں بھی دلائل عقلیہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے مثلاً آیت سورہ انبیاء لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدنا یا آیت سورہ مؤمنون و ما کان معہ من الہ الا الذلہب کل الہ بما خلق و لعلا بعضهم علی بعض اس پر ان کو ”برہان تبارک“ کہا جاتا ہے۔ جس کی بہترین توضیح و تفسیر حضرت نانوتوی قدس سرہ نے ”تقریر دلپذیر“ میں کی ہے اور اس کا لکھنؤ خلاصہ“ حضرت علامہ عثمانی نے فوائد صفحہ ۴۱۹ میں حسب ذیل کیا ہے:- (اس میں ہم نے معمولی تعریف کیا ہے)

”عبادت کامل تذلّل کو کہتے ہیں جو صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو باری ذات وصفات میں ہر طرح کامل ہوا اسی کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں اس کو ہم تمام عیب و نقائص سے پاک سمجھتے ہیں وہ نہ کسی حیثیت سے ناقص ہے نہ بے کار ہے نہ عاجز ہے نہ مغلوب کوئی اس کے کسی کام میں کسی وقت بھی روک ٹوک نہیں کر سکتا“ وہ مطلق ہے۔ (فعل مارید“ بفعل ما یشاء“ فعل لما یزید اور لا یستل عما یفعل اس کی شان ہے اب اگر فرض کر لیں کہ آسمان و زمین میں دو خدا ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں اسی شان کے ہوں گے پھر دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و غلیبہ کی تدریج دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ ان کے باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو ایک کیلئے ایک سے کام نہیں چل سکتا ہے اس لئے دونوں نے کل انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر ایک تنہا سارے عالم کا کامل طور پر انتظام کر سکتا ہے تو دوسرا کیا کرے گا اس کو ماننے سے کیا فائدہ؟ خدا کو جو دو اسی لیے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بغیر چارہ ہی نہیں اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ و تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہا اور یا دونوں مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ و تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو معاذ اللہ خداؤں کی رسد کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود بھی ہوگی تو پھر اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائے گی غرض آسمان و زمین میں اگر دو خدا ہوتے تو ان کا یہ مضبوط و منظم نظام کبھی کاردرہم برہم ہو جاتا۔

حضرت علامہ عثمانی نے اس تحقیق کا حوالہ صفحہ ۴۵۵ میں دیا ہے مگر سورہ انبیاء کی جگہ سورج کا حوالہ غلطی کی تابعت یا طاعت سے درج ہو گیا ہے تو حید کے بعد عبادات و طاعت کا درجہ ہے ان کی حقیقت ان کے مقصد اور ان کے باہمی ارتباط کو سمجھنے کے لیے بھی حضرت نانوتوی قدس سرہ کی دلنشین اور جامع مانع تحریر سے بہرہ اندوز ہو جائے۔

عبادت درحقیقت عہدیت اور بندگی کی ایک عملی فریغ ہے عہدیت درحقیقت وہ صحیح رشتہ ہے جو بندہ اور اس کے معبود کے درمیان قائم ہے جتنے آسمانی دین آئے وہ اسی رشتہ کو سمجھانے کو اور اس کے حقوق بتانے کو آئے باپ بیٹے دوست دوست ہمسایہ ہمسایہ کے رشتے حتیٰ کہ ذاتی اور رسول کا رشتہ بھی ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے اور اس میں انہی کی تمیز کی گنجائش ہے وہ صرف مخلوق اور اس کے خالق کے درمیان قائم ہے اس رشتہ کو صرف سمجھنا نہیں بلکہ اس کے ایک ایک طرز ادا سے ہم کو نیک بنانا بھی ہے اگر اس رشتہ کا تجزیہ کر دو جو اس کے بڑے عنصر نظر آئیں گے وہ صرف دو ہیں طاعت و محبت ہر غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولّا کے سامنے ہر تن اطاعت ہو مگر وہ اطاعت نہیں جو خود و محبت سے خالی ہو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولے سے محبت کرے مگر وہ محبت نہیں جس میں سر و خلاف کی گنجائش باقی ہو یہ دونوں فرائض بڑی حد تک بندوں کے ساتھ بھی مشترک ہیں شریعت چاہتی ہے کہ ان مشترک فرائض کے درمیان ایک ایسا خط فاصل سمجھ دے جس کے بعد دونوں کی حدود میں کوئی اشتراک باقی نہ رہے اسی کا نام عبادت ہے۔

داغ عہدیت و تاج خلافت

دشواری یہ ہے کہ انسان فطرۃ داغ عہدیت برداشت نہیں کر تا اس لیے اس کے سامنے ایک ایسا آئین رکھا گیا ہے جسے وہ سمجھے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو کر اس منزل تک پہنچ جائے جہاں یہ داغ عہدیت تاج خلافت کا سب سے آبدار موتی نظر آنے لگتا ہے اس لیے اسے صرف سمجھایا

نہیں کیا بلکہ علی طور پر بھی اس کی ٹریننگ دی گئی۔ جس کے اثر سے مذہب کا اس کی فطرت اطاعت و محبت کی خواہش ہوتی چلی جائے سب سے پہلے مولیٰ حقیقی نے اپنے ایسے ایسے خوبصورت نام بتائے جن میں حسن و خوبی کا جلوہ بھی ہے اور حکومت و سلطنت کا وہ پہ بھی۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ان ناموں سے اسے پکارا کریں اس کا نتیجہ نفسیاتی طور پر یہ ہوتا چاہیے کہ اس کے حسن و جمال کا بے کیف و بے مثال نقش ہمارے دل پر جتا چلا جائے اس کے ساتھ اس کی بے پناہ قدرت و طاقت کا تسلط بھی قلب پر چھاتا چلا جائے اور ان اسماء کے لحاظ سے عبادات میں یہ تقسیم کر دی گئی۔

عبادات کی تقسیم

کچھ عبادتیں تو وہ رکھیں جو اس کی حکومت کا سکہ دل پر قائم کریں اور جو کچھ وہ جو جذبہ محبت بھڑکانیں اب اگر تم ذرا غور کرو گے تو اسلام کی عبادت میں نماز اور زکوٰۃ جہیں پہلی قسم میں نظر آئیں گی اور روزہ حج دوسری قسم میں نماز و زکوٰۃ میں تمام تر بارگاہ سلطنت و حکومت کا ظہور ہے اور روزہ و حج میں سراسر مجموعیت و اجمال کا جلوہ۔

نماز: نماز کیا ہے؟ حاضری کے ایک عام نمونہ کے بعد لباس و جسم کی صفائی اس کے بعد کورٹ کی حاضری کے لیے تیاری و سکیل کا انتخاب پھر کورٹ میں پہنچ کر دست بستہ یا ادب قیام وائیں بائیں دیکھنے بات چیت کرنے کھانے پینے حتیٰ کہ بلا وجہ کھانسنے اور نظریں اٹھانے تک کی ممانعت آخر میں بذریعہ وکیل درخواست پیش کرنا پھر باادب سلام کر کے واپس آ جانا۔

زکوٰۃ: زکوٰۃ پر غور کیجئے تو اس میں بھی غلام کی طرح اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کر دینا سرکاری ٹیکس وصول کرنے والے آئیں تو ان کو راضی کر کے واپس کر دینا اور جو دہ لینا چاہیں بے چون و چرا ان کے سپرد کر دینا۔

اب سوچنا اگر پانچ وقت اسی طرح حاضری اور اتنی عاجزانہ جہ سائی کی تاہم ٹریننگ حاصل کی جائے۔ پھر سال بھر میں اپنا کیا ہوا مال ایسی خاموشی اور بیچارگی سے سپرد کیا جائے تو کیا اس ذات کی ملکوت و جبروت کا نقش دل پر قائم نہیں ہوگا۔ جس کے پر شوکت اسماء پکارتے پکارتے اور یہ عاجزانہ عبادتیں کرتے کرتے عمر بسر ہوگئی۔

روزہ: دوسری طرف اگر غور کرو تو محبت کا پہلا اثر کم نھن، کم گفتن، کم خوردن ہی ہوتا ہے اس لیے اگر پہلے ہی قدم میں یہاں کوئی عاشق نہیں ہے تو یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس جمیل مطلق کی محبت کی عشقنا دا انہیں ہی اختیار کرنے کھانا پینا ترک کرے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی نیند خراب کرے اور ایک جگہ جمع ہو کر اس کلام کی ایک معقول مقدار سنا کرے جس سے کمر مردہ و دل بھی تڑپنے لگتی ہیں اگر ایک ماہ کی اس ٹریننگ سے اس کے رنگ و حنک، طور و طریق میں کچھ عاشقنا انداز پیدا ہو گیا ہے تو اب اس کو دوسرا قدم اٹھانا چاہیے اور وہ یہ ہے۔

حج: جب کھانے پینے سونے جاگنے اور دنیا کے دوسرے لذائذ میں اس کے لیے کوئی لذت نہیں رہی تو اس کو اب کوئے باری کو اٹھانا چاہیے یہاں زیب و زینت تزک و احتشام درکار نہیں بلکہ سراسر زل و افتخار ہمدن و مجز و انکسار شکستہ حال و انگلیا برہنہ پاؤں و چاں ثا و غرض کہ سرتاپا دیوانہ وار چلنا مقصود ہے یہی احرام کا خلاصہ ہے پھر لائق و دق میدانوں کی صحرانوردی اور لیلے حقیقت کے سامنے حج و پکار یہی تبلیہ اور میدان عرفات کا قیام ہے اس کے بعد ایک ایسے گھر کے سامنے حاضری ہوتی ہے جس کا کہیں کوئی نہیں مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے حسن و جمال کی کرشمیں اس کے ہر ہر پتھر سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی رہی ہیں اور دلہائے عشاق کو پاش پاش کئے دیتی ہیں ایسے دل کش نظارے کے موقع پر بے ساختہ وہی فرض ادا کرنا پڑتا ہے جو جہنوں نے دیا لیلے کو دیکھ کر ادا کیا تھا اسی کا نام طواف ہے۔

روزہ و حج کا ارتباط

شاہد صوم حج کے اسی ربط کی وجہ سے ماہ رمضان کے بعد ہی حج کے ایام شروع ہو جاتے ہیں۔

جہاد:۔ اگر جذبہ محبت اس سے بھی آگے ترقی کر جائے تو آخری منزل جہاد ہے یہ عشق و محبت کی وہ آخری منزل ہے جہاں پہنچ کر محبت صادق و مدنی کا ذب ٹکھرجاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاد کی ایک حکمت یہ بھی بتائی گئی ہے اس میدان سے جو بھاگاوہ اس لائق نہیں سمجھا جاتا ہے کہ پھر خدا اور رسول کی محبت کا دم بھر سکے اور جس نے ذرا کوئی کمزوری دکھائی اس پر پھر بیوفائی کا دھبہ لگے بغیر نہیں رہتا اس میدان کا مرد صرف وہ ہے جو اپنی موت کو اپنی زیست پر ترجیح دیتا نظر آئے دشمن کی تلوار کی چمک اس کو اتنی محبوب ہو جائے کہ سو جان سے گلے لگانے کی آرزو ہو اور وہ بڑے جذبہ کے ساتھ یہ کہتا ہو خدا کی راہ میں قرآن ہو جائے

عمریت کہ آوازہ منصور کی شد من از سر نو جلوہ دہم دار و رس را

”یہ وہ عاشق صادق ہے کہ جب اس طرح پروانہ دار اپنی جان دے دیتا ہے تو قرآن کو اسے مردہ کہنے پر غیرت آتی ہے وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ زندہ ہے اگرچہ تمہیں اس کی زندگی اور اس زندگی کے مقام بلند کا شعور نہیں“

مولانا مرحوم کے اس نقشہ کے مطابق نماز اور روزہ کا علیحدہ علیحدہ ربط واضح ہو جاتا ہے اگر یہ چاروں عبادتیں اس تصور سے ادا ہوتی رہیں تو ممکن نہیں کہ طاعات و محبت کی دونوں شاخیں جو ایک عہد کے لئے مطلوب ہیں پیدا نہ ہو جائیں۔

(ترجمان السنۃ صفحہ ۵۸ تا صفحہ ۵۸/۱)

باب امور الایمان و قول اللہ عزوجل لیس البر ان تولوا وجہ حکم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله الی قوله تعالیٰ المظنون قد الفلح المؤمنون الایۃ

۸- حدثنا عبد اللہ بن محمد بن الجعفی قال ثنا ابو عامر بن الفضل قال سلیمان بن بلال عن عبد اللہ بن دینار عن ابی

صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ”الایمان بضع وستون شعبة والحياء شعبة من الایمان۔

ترجمہ:- باب امور ایمان کے بیان میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم (عبادت کے وقت) اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی خدا پر ایمان لائے (وغیرہ آخر آیت تک) اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک ان ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں (وغیرہ آخر آیت تک)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ایمان کے کچھ اوپر ساٹھ شعبے ہیں اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

تشریح:- امام بخاری نے اس باب کے عنوان و ترجمہ میں دو آیات پیش کی ہیں اول لیس البر الامت حسن کا شان نزول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے لئے خرابی عقائد و اعمال پر جو عذاب خداوندی وغیرہ کا ذکر سابق آیات میں ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں عذاب کیوں ہوگا ہم تو ہدایت یافتہ اور مستحق مغفرت ہیں، کیونکہ نماز ہمیں افضل عبادت کو خدا کے حکم و مرضی کے موافق قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں اس سے بڑی نیکی کیا ہوگی؟ اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں سب سے بڑی اور بنیادی نیکی تو ایمان باللہ وغیرہ عقائد کی درستگی ہے اور اس کے ساتھ دوسرے اعمال کی صحیح طور سے ادائیگی اس لئے یہود و نصاریٰ کا صرف اپنے استقبال قبلہ پر قائم نہ ہونے جو مذکور بالا آیت کے برعکس مذکور ہیں۔ اور مستحق مغفرت سمجھنا خیال خام ہے تا وقتیکہ ان سب اعتقادات اخلاق و اعمال پر قائم نہ ہوں جو مذکور بالا آیت کے برعکس مذکور ہیں۔

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ یہاں ”لنئی بر“ کی تفسیر صرف یہود و نصاریٰ کے ”زعم بالہ“ کے مقابلہ میں دوسری نے کہا کہ خطاب اہل کتاب ہے کیونکہ یہود و مغرب (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف (عمرہ القاری صفحہ ۱۴/۱)

میں کی گئی ہے کہ انہوں نے **الاہم فلاہم** کی رعایت ترک کر دی تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ فی نفسہ قبلہ کی طرف توجہ بھی معمولی نیکی نہیں ہے بلکہ اعمال جوارح میں سے بڑی نیکیوں میں شمار ہے کیونکہ ایک دو یا چند نیکیاں بھی خواہ وہ اپنی جگہ کتنی ہی اہم اور بڑی ہوں اگر ان کے ساتھ کسی درجہ کی بھی ایمان و عقائد کی خرابی شامل ہے یا دوسرے اعمال و اخلاق کی طرف سے لاپرواہی ہے تو وہ چند نیکیاں بے سود و رائیگاں ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی آیت کا اقتباس حدیث ”لیس من البوا الصیام فی السفو“ کو قرار دے کر داؤد ظاہری کے استدلال کو باطل فرمایا جو اس حدیث سے سفر میں روزہ رکھنے کو قطعاً باطل دتا جائز کہتے ہیں، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہاں بھی ایسی ہی صورت تھی کہ بعض صحابہ نے رمضان میں روزے کے ترک کو باوجود شدت سفر وغیرہ کے بھی گوارہ نہ کیا، جس سے ان پر غشی طاری ہو گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے صحبیہ فرمائی کہ نیکی کو اسی میں منحصر سمجھنا کوئی دینی سمجھ نہیں ہے بلکہ موقع و محل کی مناسبت اور **الاہم فلاہم** کی رعایت سے عمل کرنا چاہئے لہذا جس وقت عزیمت پر عمل رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت شاہ نے کچھ مزاح کے انداز میں یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کی ایک قسم نیک بخت بیوقوفوں کی بھی ہے اور اس حدیث سے ان ہی کی اصلاح مقصود ہے کیونکہ ایسے لوگ نیک بخت ہوتے ہیں مگر قلت تھقہ کے باعث معمولی باتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور امور مجملہ عظیمہ کی طرف سے غفلت برتتے ہیں۔

دوسری آیت **لقد افلح المؤمنون** الایہ میں بھی ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ شمار کئے گئے ہیں جن سے اعمال کی اہمیت واضح ہے، لیکن امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تمام امور متعلقہ ایمان و اجزاء ایمان ہیں، اسی لیے ان کو ساتھ ذکر کیا گیا پھر حدیث میں ایمان کے ساتھ سے اوپر شیعہ بتائے ہیں جس میں اعمال و اخلاق سب ہیں لہذا ایمان کا ان سب سے مرکب ہونا ثابت ہوا۔ لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ دونوں آیتوں میں تو ایمان پر اعمال کا عطف کیا ہے جس سے جزئیات کے خلاف مغایرت مفہوم ہو رہی ہے اور حدیث میں بھی شبہوں سے مراد فروغ و آثار ایمان ہیں۔

علامہ سقلائیؒ نے فرمایا کہ حدیث میں ایمان کو تینوں ارشادوں والے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ مجاز ہے کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ پر ہے اور عرف شرع میں تصدیق قلب و لسان کا نام ہے جس کی تکمیل طاعات سے ہوتی ہے لہذا ایمان کے کچھ اوپر ساتھ شیعہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اصل کافر پر اطلاق کیا گیا ہے۔ ایمان اصل ہے اور اعمال اس کی فروغ اور یہ اطلاق مجازی ہے قبول زیادت و نقصان کی صورت میں بھی اعمال ہی کے باعث ہے اور امام شافعیؒ وغیرہ نے جو اعمال کو رکن ایمان قرار دیا ہے۔ وہ ”ایمان کامل“ کے اعتبار سے ہے اسی لئے تارک اعمال ان کے نزدیک حقیقت ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے البتہ مغفل کے نزدیک خارج ہو جاتا ہے قالہ العلامة الفضائلی (شرح البخاری صفحہ ۱۲۳)

ایمان کی کتنی شاخیں ہیں

یہاں بضع و ستون کی روایت ہے مسلم شریف کی ایک روایت میں بضع و سبعون ہے دوسری میں بضع و سبعون او بضع و ستون شک کے ساتھ ہے ابو داؤد و ترمذی میں بضع و سبعون بلا شک ہے۔

قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ تمام احادیث اور سب رواۃ پر نظر کر کے بضع و سبعون ہی رائج ہے امام نوویؒ نے فرمایا کہ صواب یہی ہے کہ بضع و سبعون کو ترجیح دی جائے کیونکہ ثقافت کی زیادتی مقبول ہے دوسرے یہ کہ بضع و ستون کی روایت ماسوا روایات کے منافی نہیں ہے کیونکہ تخصیص بالعدولتی زاد پر دلالت نہیں کرتی، تیسرے یہ بھی احتمال ہے کہ کم والی روایات ابتدائی ہوں۔ پھر شیعہ بڑھتے رہے ہوں گے۔

امام حافظ ابوحاتمؒ نے چان بستی نے فرمایا کہ ”میں نے اس حدیث کے بارے میں مدت تک تتبع کیا اور طاعات کو شمار کرتا رہا تو بعد مذکورہ حدیث سے بہت بڑھ گیا۔ پھر صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی پوری مراجعت کے بعد ۹۷ شیعہ دریافت ہوئے نہ کم نہ زیادہ اس سے میں سمجھا

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کتاب و سنت سے ثابت شدہ حد ہے نہ ذکرہا یوحاتم فی کتاب "وصف الایمان و شعبہ" (شرح البخاری صفحہ ۱۴۳) بیضی کے اطلاق میں بہت سے اقوال ہیں زیادہ صحیح تین اور دس کے درمیان کا قول ہے "لہذا ۹۱ کا عدد راجح ہو اور اللہ اعلم پھر علماء نے ان شعبوں کی تعیین کے لئے بہت سی کتابیں مستقل طور سے تصنیف کی ہیں جن میں شعب الایمان امام بیہقی کی بہت مشہور ہے۔ شیخ عبد الجلیل نے بھی اسی نام سے کتاب لکھی ہے اور محدث شہیر شیخ محمد تغلی زبیدی حنفی نے ان دونوں کتابوں کا خلاصہ کیا ہے جس کا نام "مقدار ایمان" رکھا اور سب سے بہتر فوائد و تحقیقات عالیہ کے اعتبار سے شیخ ابو عبد اللہ طبعی کی کتاب اسمہا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں ابن حبان کی توضیح و تشریح کو زیادہ پسند کیا اور اسی کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ شعب ایمان کا تعلق قلب لسان اور بدن تینوں سے ہے اور ہر ایک کے ماتحت شعبوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱- اعمال قلب کی (جن میں معتقدات و نیات شامل ہیں) ۲۴ خصلت ایمان باللہ (جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر یقین اور اس امر کا اعتقاد شامل ہے کہ اس جیسا کہ نہیں نہیں اور اس کے سوا سب حادث ہیں) ایمان فرشتوں پر آسمانی کتب پر انبیاء و مرسلین پر قدرہ خیر و شر پر ایم آخرت پر (جس میں قبر کا سوال نبوت و شہادۂ حساب میزان صراط جنت و نار پر یقین شامل ہے) خدا کی محبت دوسروں سے خدا کے لئے حد و بغض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت (جس میں درود شریف و آراپ کی سنت طہرہ کا اتباع شامل ہے) اخلاص (جس میں ترک دیا و نفاق شامل ہے) توبہ خوف رجا و شکر صبر و قہار و رضا باقتضاء توکل نرم و شفتہ توضیح (جس میں بڑوں کی توقیر شامل ہے) ترک کبر و عجب ترک حسد ترک حقد و کینہ ترک غضب

۲- اعمال لسان سات خصلتوں پر شامل ہیں: کلمہ توحید زبان سے ادا کرنا۔ تلاوت قرآن مجید علم دین کا سیکھنا۔ دین کا علم سکھانا دعا ذکر (جس میں استغفار شامل ہے) لغو باتوں سے اجتناب۔

۳- اعمال بدن ۲۸ خصلتوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ۱۵ کا تعلق ایمان سے ہے۔ پاکی جی سکی (جس میں نجاستوں سے بچنا بھی شامل ہے) ستر عورت نماز فرض و نفل زکوٰۃ فرض و نفل قلب رکاب جو (جس میں کھانا کھانا شامل ہے) کرام شیف روزہ فرض و نفل حج و عمرہ فرض و نفل طواف کعبہ کاف التماس ایلاہ الا اللہ دین کو بچانے کی سعی (جس میں دارالشرک سے ہجرت بھی شامل ہے) نذر کو پورا کرنا ایمان میں تحری و اداء عمارت۔ چھ خصلتیں وہ ہیں جن کا تعلق اپنے خاص متعلقین و اتباع سے ہے (۱) نکاح کے ذریعہ عفت اختیار کرنا (۲) عیال و اولاد کے حقوق کی نگہداشت کرنا اور تربیت کرنا (۳) بر والدین یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک (جس میں ان کی نافرمانی سے بچنا بھی شامل ہے) صلہ رحم (۵) سرداروں کی اطاعت (۶) غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ۔

۷- خصلتیں وہ ہیں جن کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے۔ (۱) حاکم ہو کر عدل کرنا۔ (۲) متابعت جماعت (۳) اطاعت اولی الامر (۴) اصلاح بین الناس (جس میں قتال خوارج و بغاوت شامل ہے) (۵) بروئیت کے کام میں اعانت (جس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی شامل ہے) (۶) اقامت حدود (۷) جہاد (جس میں مرابطہ شامل ہے) (۸) ادائے امانت (جس میں ادا جی ٹس شامل ہے) (۹) ضرورت مند کو قرض دینا اور قرض کی ادائیگی (۱۰) اکرام جار (۱۱) حسن معاملہ (جس میں طحال طریقہ پر مال جمع کرنا شامل ہے) (۱۲) مال کو طریقہ حق میں صرف کرنا (جس میں ترک تجزیہ و اشراف شامل ہیں) (۱۳) اسلام کا جواب دینا (۱۴) چھیننے والے کو یہ حکم اللہ کہنا (۱۵) لوگوں کو ایذا پہنچانے سے باز رہنا (۱۶) لہو و لب سے اجتناب (۱۷) راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹانا۔ یہ سب ۲۹ خصلتیں ہوئیں اور اگر تفصیل کر دی جائے کہ بعض جگہ کئی خصلتیں ایک نمبر میں آئی ہیں تو عدد ۹۷ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ (شرح البخاری صفحہ ۱۱۳/۱)

قلبی وسواں:۔ شعب ایمان کی تفصیل و وضاحت کے بعد ایک اہم امر قابل تہمید یہ ہے کہ شیطان جس طرح انسان کو بے عمل اور بد عمل بنانے کے لئے اپنی ہر ممکن کوشش کر ڈالتا ہے اسی طرح انسان کے دل میں وسوسے پیدا کر کے اس کو بے ایمان بنانے میں بھی کوشاں کر نہیں

رکھتا اس لئے ایک شخص دوسروں قلمی کا شکار ہو کر نہایت پریشان ہو جاتا ہے اور اس کو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ایمان کی لازوال دولت سے محروم نہ ہو جائے اس لئے اس مسئلے کی چندا حادیٹ لکھی جاتی ہیں۔

۱- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دلوں کے برے خیالات دوسروں کو معاف فرمادیا ہے جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے یا زبان سے کچھ نہ کہا جائے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا (بخاری و مسلم)

۲- ایک شخص نے عرض کیا کہ کبھی کبھی میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ جمل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان کو زبان سے ادا کروں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس بات کو دوسرے آگے نہ بڑھنے دیا۔ (ابوداؤد)

۳- اسی طرح چند صحابہ نے حال عرض کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کیا واقعی ایسا ہوا؟ عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ یہ تو خالص ایمان کی علامت ہے (مسلم)

یاب: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔"

۹- حلیٰ ادم بن ابی ایاس قال حد ثنا شعبہ عن عبد اللہ بن ابی السفر و اسمعیل عن الشعی عن عبد اللہ بن عمر و عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمہاجر من ہجر ما لہی اللہ عنہ" قال ابو عبد اللہ و قال ابو معاویہ ثنا داود بن ابی ہند عن عامر قال سمعت عبد اللہ بن عمر و یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قال عبد الاعلیٰ عن داود عن عامر عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یاب: "مسلمان وہ ہے (جس کی زبان اور ہاتھ سے) مسلمان محفوظ رہیں۔"

ترجمہ: حضرت عامر طفی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے مسلمان محفوظ رہیں مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

تشریح: سچا اور پکا مسلمان وہ کہلائے گا جو کسی دوسرے مومن بھائی کو اپنے ہاتھ سے یا اپنی زبان سے کوئی نقصان نہ پہنچائے اسی طرح اصل ہجرت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی منع کی ہوئی باتوں سے رک جائے یعنی سراسر اللہ کا اطاعت گزار بن جائے اس حدیث میں مہاجرین کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا تاکہ لوگ صرف ترک وطن کو ہجرت سمجھ کر دین کی دوسری باتوں میں سستی نہ کرنے لگیں یا بتلا یا کفر کے بعد ہجرت منسوخ ہو جانے پر ہجرت کا ثواب اس طرح آدمی کو حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ حرام باتوں کو قطعاً چھوڑ دے (یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے اس لئے بخاری کی ان حدیثوں میں شامل ہے جو افراد بخاری کے نام سے موسوم ہیں)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام جس طرح خدائے تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص رابطہ و معاملہ ہے اسی طرح وہ لوگوں کے ساتھ بھی ایک معاملہ و رابطہ خاصہ ہے اور یہ اس دین کا خصوصی امتیاز ہے جو ایک مسلمان کے دل کی آواز دوسرے ملنے والے کے لئے ہوتی ہے کہ تم مجھ سے مطمئن رہو اور میں تم سے مطمئن ہوں۔

اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں لوگوں کا شب و روز مشغہ خوں ریزی، جنگ عزت اور لوٹ مار تھی، اسلامی شریعت نے ان تمام مفاسد کو ممنوع و حرام قرار دیا اور لوگوں کو ایک دور سے کی طرف سے مطمئن زندگی گزارنے کا موقع دیا اور ہر ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہنے کو اسلامی شعار قرار دیا جس کا بہت بڑا اثر و ثواب بتلایا حدیث میں ہے کہ آپس میں بکثرت سلام منسوب کا رواج دو ایک دوسرے کو کھانا کھلاؤ، جنت میں سلامت و کرامت داخل ہو جاؤ گے یہ بھی حدیث میں ہے کہ سلام میں چھوٹے بڑے کی تخصیص نہیں ہر ایک کو ابتداء کی فضیلت حاصل کرنی چاہئے اور جان پہچان پر بھی عدا نہیں اس لئے بہتر ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کیا جائے خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

پھر جواب دینے والے کو مزید تاکیدات ہیں کہ جواب سلام اس پر واجب کیا اور جواب میں زیادہ بہتر اور زائد الفاظ ادا کرنے کی ترغیب دی مثلاً اگر السلام علیکم کہے تو دوسرا علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے وہ اگر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو یہ علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے جواب میں زیادہ بلند و صاف آواز اختیار کرنے کی بھی ترغیب ہے تاکہ پہلا آدمی اچھی طرح سن لے اور اس کا دل زیادہ خوش ہو جائے۔

سلام کرنے میں اور جواب دینے میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پورا مجمع اور جماعت ایک شخص واحد کے حکم میں شمار ہے اسی لئے ایک بڑے مجمع میں سے ایک شخص ماقابل آنے والے کو سلام کہہ دے تو وہ سب کی طرف سے ہو جائے گا اور اسی طرح جواب دینے والوں میں سے بھی صرف ایک شخص جواب دے گا تو وہ بھی ان سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا یعنی سب سے وجوب ساقط ہو جائے گا فرض کیجئے کہ ایک مسلمان ریڈیو پر مسلمانان عالم کو خطاب کر کے سلام کہے تو ساری دنیا کے مسلمانوں پر جو اس کی آوازیں سنیں گے جواب سلام واجب ہو جائے گا۔ مگر کسی ایک کے جواب دے دینے سے بھی سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور در سے بھی ادا ہو جائے گا جس طرح خطوط میں ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ایسی متعدد چیزیں ہیں جن میں جماعت کو شخص واحد کے درجے میں قرار دیا گیا ہے یا ایک شخص سب کا قائم مقام ہو جاتا ہے جس طرح یہاں سلام میں ہے یا مسلمانان میں کہ اگر حرب کے وقت مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی کسی ایک یا زیادہ اہل حرب کفار کو امن دے دے گا تو اس کا امن دے دینا سب کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ یعنی سارے مسلمانوں پر ان کفار کی حفاظت جان و مال فرض ہو جائے گی یا سترہ ہے کہ صرف امام کے سامنے ہو تو وہ سارے مقتدیوں کے لئے کافی ہے خواہ وہ ہزاروں لاکھوں بھی ہوں اور اسی طرح خنیفہ کی نماز جماعت بھی ہے کہ امام خاص (مذہدار) ہے۔ اس کی نماز کی صحت پر سب کی نمازوں کی صحت متوقف ہے اور صرف امام کی قرأت سارے مقتدیوں کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے۔ ”قراءة الامام قراءۃ لمن خلفه“۔

غرض یہاں یہ بتلانا تھا کہ اسلام دوسروں کے لئے بہت بڑی ضمانت اس امر کی ہے کہ ان کو ایک مسلمان سے کوئی ضرر و نقصان نہیں پہنچ سکتا یہی وجہ ہے کہ دارالاسلام میں کفار و مشرکین اہل ذمہ کے لئے حفاظت جان و مال آزادی کار و بار عدل و انصاف آزادی عبادات وغیرہ کے وی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں دارالاسلام کے سارے مسلمانوں کے لئے بھی کسی ایک آدمی کا فرد و مشرک کی معمولی توہین یا اضعاف مال بھی جائز نہیں کسی کی مذہبی توہین یا بڑے نقصان جان و مال کا تو امکان ہی نہیں دارالاسلام کو دارالاسلام صرف اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں اسلام کی شوکت اسلامی احکام و شعاریں ترویج اور مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت گارنٹی کے ساتھ ہوتی ہے لیکن اسی کے ساتھ جو کفار وہاں رہتے ہیں ان کی بھی پوری حفاظت جان و مال و حکومت اسلامی کا فرض اولین ہے اگر اس میں کوتاہی ہے تو وہ اسلام پر بدنامی ہے۔

اسلامی شریعت نے تو ذی کفار و مشرکین کی عزت اور جان و مال کو مسلمانوں کی عزت و مال کے برابر مساوی و برابر دے دیا ہے حتیٰ کہ ذی کفار و مشرک کی نسبت تک کفر اہم قرار دیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے ذی فقیہ کو دیکھا کہ سوال کر رہا ہے تو ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کا وظیفہ بیت المال سے جاری کر دو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دارالاسلام میں رہنے والا ایک بوڑھا ذی یوں پریشان ہوتا پھرے اور دست سوال دراز کر کے گڑا رہ کرے۔

دارالاسلام کے مقابلہ میں دوسری شرعی اصطلاح دارالحرب کی ہے۔ جہاں کفر کی شوکت ہوتی ہے وہاں کفر و مشرک کے احکام سر بلند ہوتے ہیں غرض سارا دار و مدار اسلام یا کفر کی شوکت پر اور اسلام یا کفر و مشرک کے احکام کی فوقیت دوسرے بلندی یا ٹھکانہ دعا جزا نامگی پر ہے اگر کسی دارالحرب میں مسلمانوں کو بھی سرچھپانے کی جگہ میسر ہو اور وہاں ان کے لئے امن و اطمینان کے ساتھ جان و مال کی حفاظت کے ساتھ ان کا دین بھی محفوظ ہو تو اس کو دارالامان کہا جاتا ہے ایسی جگہ اگر مسلمان ہوں تو کوئی قومی معاملات میں کفار کے دوش بدش چلنا چاہئے اور اسلامی مذہبی رواداری کا پورا منہ نہ مٹنا چاہئے۔

حضرت شاہ صاحب دارالاسلام دارالحرب اور دارالامان کی یہی تشریح فرمایا کرتے تھے اور یہی حق و صواب ہے جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ جس ملک میں بھی امن و امان اور عدل و انصاف کا قانون ہو اور مذہبی آزادی ہو مسلمانوں کے لئے خواہ وہاں شوکت اسلام ہو یا نہ ہو اور

خواہ وہاں اسلامی احکام و شعائر کا اجرا بھی جیسا چاہئے نہ ہو وہ بھی دارالاسلام ہے ان کی غلط فہمی ظاہر ہے۔ آج عدل و انصاف اور امن و امان کا قانون اور مذہبی آزادی کی خوشنالدہ کس ملک میں رائج نہیں؟ تو کیا دنیا کے سارے ممالک ”دارالاسلام“ کہلائیں گے۔

الحاصل کہنا یہاں یہ تھا کہ اسلام چونکہ سلام سے مشتق ہے تو اس میں سلام و امن کا بھرپور سرمایہ موجود ہے اور حدیث مذکورہ باب میں یہی سبق دیا گیا ہے کہ مسلمان دی ہے جس کی ایذا اسے مسلمان، مومن ہوں، بلکہ اگر کفار و شرکین بھی اس کے سایہ میں آباد ہوں تو وہ بھی اپنے کو پوری طرح سے محفوظ سمجھیں اور ان کی عزت و حرمت دینی کی پاس داری اس حد تک ہونی چاہئے کہ ان کے پیٹھ پیچھے بھی ان کو تا گوار ہونے والی کوئی بات ہم اپنی فحش مجالس میں نہیں کہہ سکتے جس طرح ایک مسلمان کی نفیبت حرام ہے ایک ذی کافر و شرک کی بھی حرام و ناجائز ہے کیا اسلامی شریعت کی اس رواداری اور حکومت اسلام کے اس قانون کی کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے؟

دوسری ایک حدیث صحیح میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ”مومن وہ ہے جس سے سارے لوگ اپنے دام و اموال کے بارے میں مطمئن ہوں“ اس سے ہماری اوپر کی تشریحات کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔

اس حدیث کی سند میں عاصم رضی اللہ عنہما امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ و استاذ ہیں اور ان کا ذکر ہم نے مقدمہ انوار الیاری صفحہ ۳۹/۱ میں کیا ہے۔

باب: ای الاسلام افضل؟ (کون سا اسلام افضل ہے)

۱۰۔ حدثنا سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی القرظی قال ثنا ابی قال ثنا ابو بردہ بن عبد اللہ بن ابی بردہ عن ابی بردہ عن ابی موسیٰ قال قالوا: یا رسول اللہ ای الاسلام افضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان و ہاتھ کی ایذا سے مسلمان محفوظ ہوں“ (اس کا اسلام سب سے افضل ہے)

تشریح: علامہ نوٹ نے شرح بخاری میں فرمایا کہ ای الاسلام سے اس کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ کون سی خصلت اسلام کی سب سے افضل ہے؟ اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کی بہت بڑی امتیازی شان اور کھلا ہوا وصف جس کا مشاہدہ تجربہ ہر خاص و عام کر سکتا ہے یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو بھی ایذا نہ پہنچے لہذا ایسے ہی وصف والے کا اسلام بھی سب سے زیادہ برتر و افضل ہوگا۔ دوسری روایت میں ہم بتلائے ہیں کہ یہ بھی آچکا ہے کہ مومن کی امتیازی شان یہ ہے کہ تمام لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں اس کی طرف سے مومن و مطمئن ہوں انام بخاری نے اس وصف خاص کی اہمیت کے پیش نظر کئی طریقوں سے اس حدیث کو بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کا اہتمام کریں۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس امر کا غایت اہتمام فرماتے تھے کہ کسی کو بھی ادنیٰ درجہ کی جسمانی یا روحانی ایذا نہ پہنچائی جائے اور ایسے شخص کو بہت بڑا صاحب کمال بتلایا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات کسی شخص کی بڑی مدح کے طور پر فرماتے تھے کہ وہ شخص بے ضرر ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب! انسانیت کی بات نہیں ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو تکلیف پہنچائے یہ تو موزی جانوروں کا کام ہے خود بھی اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے ان کی مجلس میں کسی کی نفیبت یا برائی نہ ہو سکتی تھی۔

ڈابھیل کے زمانہ قیام میں راقم الحروف نے بارہا دیکھا کہ ہر سر کی جس بلڈنگ میں آپ کا اور دوسرے اساتذہ کا قیام تھا اس کے متصل دو بیت الخلاء تھے آپ کی عادت تھی کہ جب تک ایک بیت الخلاء میں کوئی ہوتا آپ دوسرے میں تشریف نہ لے جاتے بعض مرتبہ کافی انتظار فرماتے تاکہ اس کو دوسرے بیت الخلاء میں کسی کی موجودگی سے انتہاؤں نہ ہو اسی طرح بیت الخلاء سے نکلنے تو مل سے کئی کئی گونے پانی

سارے ای الاسلام کا مطلب ای خصال الاسلام لینا اس لیے بھی مانج ہے کہ آگے جو دوسری حدیث ای الاسلام خیر؟ والی آ رہی ہے اس میں ایک روایت ای خصال الاسلام خیر؟ بھی ہے۔ حافظ بخاری نے یہاں ای صاحب الاسلام کی تقدیر کو ترجیح دی ہے کیونکہ روایت مسلم میں ای المسلمین افضل آ یا ہے اللہ اعلم (مدۃ القاری صفحہ ۱۵۹/۱ الخ و متنب)

کے بھر کر بیت الخلاء لے جاتے اور طہارت کے قدمچہ پر بھاتے تھے تاکہ آپ کے بعد جانے والوں کو کسی قسم کی کراہت و اذیت نہ ہو یہ اس سلسلہ کی ادنیٰ مثال ہے ایک روز فرمایا کہ دنیا کی تعریف بہت سے لوگوں نے کی ہے کسی نے کہا کہ دنیا مجمع الامداد ہے۔

کہ اس میں امداد کا اجتماع ہے اچھی چیزیں بھی موجود ہیں اور بری سے بری بھی، کفر بھی ہے ایمان بھی نیک عملی بھی ہے اور بد عملی و فحش بھی بہترین اخلاق کے مظاہر بھی ہیں اور بدترین کے بھی وغیرہ۔

کسی نے کہا کہ دنیا وہ جگہ ہے جہاں جمہعات افتوت و مفترقات اجتماعت کہ کبھی کبھی چیزیں جمع شدہ، منتشر و متفرق ہو جاتی ہیں اور کبھی منتشر چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں مگر میں نے دنیا کا نام ”بیت الخیر“ رکھا ہے جس طرح ایک طویلے میں گدھوں کو جمع کر دیا جاتا ہے تو وہ چین سے کھڑے نہیں رہتے بلکہ ایک دوسرے کو لاتیں مارتے رہتے ہیں اسی طرح یہاں انسانوں کا حال ہے کہ بے چارے ایک دوسرے کو ایذا پہنچانے میں مشغول ہیں غرض ایذا رسانی کا کام اسلام سے کسی طرح جوڑ نہیں کھاتا۔ کیونکہ اسلام انسانی اخلاق کا ضلع کی تکمیل کے لئے آیا ہے بھت لایم مکارم الاخلاق محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے شخص کی فضیلت اس لئے زیادہ ہے کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے اس حدیث کے تمام راوی کوئی ہیں۔

ایک اہم علمی فائدہ

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں پانچ لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے چار ہزار آٹھ سو احادیث ذکر کیں پھر ان میں سے چار کا انتخاب کیا کہ انسان کو اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے صرف یہ حدیثیں کافی ہیں (۱) انما الاعمال بالنیات، عبادات کی درستگی کے لئے (۲) من حسن اسلام المرء توکہ مالا یحیہ، عمر عزیز کے گرفتار رکھنا کی حفاظت کے لئے (۳) لا یومن احدکم حتی یحب لاغیہ ما یحب لنفسہ حقوق العباد کی صحیح طور پر ادائیگی کے لئے (۴) الحلال بین والحرام بین وما بینہما مشتبہات فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينہ، ”مشتبہات سے بچنے کے لئے۔“

اگرچہ یہ بات امام ابوداؤد کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئی مگر ان سے پہلے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے حماد سے فرمایا تھا کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ احادیث منتخب کی ہیں پھر ان چار مندرجہ بالا احادیث کے ساتھ پانچویں حدیث المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ بیان فرمائی تھی۔

امام ابوداؤد چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مدافین میں سے ہیں ممکن ہے یہ انتخاب ان ہی کے انتخاب سے کیا ہو

واللہ اعلم وعلیہ السلام واحکم

باب: ”اطعام الطعام من الاسلام“ (کھانا کھانا اسلام میں داخل ہے)

۱۱- حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا الليث عن يزيد عن ابی الخیر عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر؟ قال: . تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف“

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کی کون سی خصلت سب سے اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کو کھانا کھانا اور سب کو سلام کرنا خواہ ان کو جانتے پہچانتے ہو یا نہیں۔

تشریح: عائشہ یہ سوال کرنے والے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں اور بظاہر اسی قسم کی اسلامی تعلیمات کا اثر ان پر بہت زیادہ تھا کہ اپنے پاس کچھ جمع نہ رکھتے تھے سب کچھ مستحقین پر صرف فرما دیتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ دولت جمع کرنے پر بھی

ومن لم يطعمه فانه منى الایہ یعنی جس نے اس نہر کا پانی نہ پیا وہ میرا ہے مگر ایک چلو اپنے ہاتھ سے پی لے (تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں یہاں پانی پینے پر طم کا اطلاق ہوا ہے۔

تقرا السلام: جو کلمہ مسلم سے عام ہے کیونکہ خط و کتابت وغیرہ کے سلام کو بھی شامل ہے اس حدیث میں اسلام کی ایسی دو خصلتیں جمع فرمائی ہیں جو مالی و بدنی ہر دو قسم کے مکارم اخلاق و فضائل پر مشتمل ہیں حافظہ یعنی ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر سب سے پہلے ان ہی دو امر کی ترغیب دی تھی کیونکہ اس وقت کے حالات میں ان دونوں باتوں کی زیادہ ضرورت تھی لوگوں کی ناداری کی حالت تھی اور تالیف قلب کی بھی مصلحت تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب حضور مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی خدمت میں جلد جلد پہنچنے لگے۔ میں بھی حاضر ہوا۔ اور چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ یہ نور چہرہ جمونے کا نہیں ہو سکتا اور حضور سے سب سے پہلا ارشاد میں نے یہ سنا ”ایہا الناس افشوا السلام واطعموا اطعام و صلوا باللیل والناس لیام تدخلوا الجنة بسلام“۔ علامہ خطابی نے فرمایا کہ کھانا کھانا اس لئے افضل ہوا کہ وہ تو اے بدنیہ کا محافظ ہے پھر کسی کے ساتھ نیکی بھلائی اور اکرام و تعظیم کا معاملہ کرنے میں افشاء اسلام کا بڑا درجہ ہے خصوصاً جب کہ وہ بر متعارف وغیر متعارف کے لئے ہو کیونکہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ہوگا۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ سلام آخری زمانہ میں صرف متعارفین میں رہ جائے گا۔ (کیونکہ ریا و تصنع اور مصلحت پروری عام ہو جائے گی) (عمدة القاری صفحہ ۱۶۳)

اختلاف جوابات کی وجہ

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی قسم کے سوال کے جواب میں مختلف قسم کے جوابات کیوں دیئے؟ تو اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس وقت جو جواب دیا ہے وہی اس وقت کے مناسب تھا دوسری وجہ یہ ہے کہ سوال کرنے والے کی رعایت سے جواب دیا ہے کہ اس میں جو کچھ تھی اس کو ترغیب فرما کر تکمیل کی تیسرے یہ کہ اہل مجلس کی رعایت سے وہ جواب دیا گیا کہ ان کو ایسے امور کی ترغیب و اہمیت دلائی تھی۔ (نووی شرح البخاری صفحہ ۱/۱۶)

باب: عن الایمان ان یحب لایحیہ ما یحب لنفسه (ایمان یہ ہے کہ اپنے بھائی کیلئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)
۱۲۔ حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبه عن قتادة عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عن حسین المعلم قال حدثنا قتادة عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ قال: ”لایومن احدکم حتی یحب لایحیہ ما یحب لنفسه“

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکے گا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح: امام بخاری نے سابقہ احادیث میں اسلام کی شان بھلائی تھی کہ اس کے تحت فلاں فلاں اعمال کو خاص افضلیت حاصل ہے اب ایمان کے تحت خاص فضائل کا ذکر کریں گے اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جن امور خیر کی تمنا و طلب اپنے لئے کرتا ہے دوسرے بھائیوں کے لئے بھی کرے خواہ وہ چیزیں امور دنیوی سے متعلق ہوں یا امور آخرت سے لیکن ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کی طلب و خواہش کا تعلق کسی ناجائز امر کے متعلق نہیں ہو سکتا اس لئے ناجائز و مکروہات شرعیہ کی طلب و تمنا نہ خواہنے لئے کر سکتا ہے نہ دوسرے کے لئے۔

حد و غبطہ کا فرق

اس حدیث سے حد کی برائی بھی ملتی ہے کیونکہ حد کہتے ہیں دوسرے بھائی کی اچھی حالت دیکھ کر اس کی نعمت چھین جانے کی تمنا کرنا

جب مومن کی شان یہ ہوئی کہ دوسرے بھائی کے لئے ان چیزوں کو بھی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اچھی چیزوں کے لئے جس طرح خود اپنے لئے سچی کرتا ہے اس کے لئے بھی حتی الامکان سچی کرے تو حد بھی برائی سے تو خود ہی بہت دور ہو جائے گا البتہ غیظ کی گنجائش اس حدیث سے نکلتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے بھائی کے پاس کوئی نعمت دیکھے تو اس کی تمنا و طلب اپنے لئے بھی کرے بغیر اس کے کہ اس شخص سے اس نعمت کا زوال چاہے اس کی شرعاً اجازت ہے۔ حسد و غیظ کا فرق اچھی طرح سمجھ لیتا چاہئے۔

روایت مسلم میں لجاجہ کا لفظ دارو ہے یعنی اپنے پڑوسی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ظاہر ہے کہ پڑوسی مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی اس لئے اس سے بھی مراد عام ہی ہوتا راجح ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ من الایمان کے لفظ سے ظاہر ہوا کہ یہاں ایک خصلت ذکر ہوئی ہے ایمان میں سے اور ان امور میں جہاں حدیث میں ان کے بغیر ایمان کی نفی کا حکم ہے وہ اس امر پر محمول ہے کہ ناقص کو بمنزلہ معدوم کہا جایا کرتا ہے اس سے تو امام بخاریؒ کے نظریہ کی وضاحت ہوئی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ شارع علیہ السلام کا طریقہ و عادت کیر کا طریقہ ہوتا ہے اس لئے وہ ایسا طرز اختیار کرتے ہیں جس سے لوگوں کو غل کی طرف زیادہ سے زیادہ رجعت ہو اس لئے اس قسم کی احادیث میں کمال کی تقدیر کا نشان شارع کے مقصد کو نوٹ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلف من ترک الصلوۃ متعديا فقد کفر۔ میں ترک احتیال وغیرہ کی تاویل کو پسند نہیں کرتے کیونکہ تاویل سے بات ہلکی ہو جاتی ہے اور عمل کا داعیہ ختم ہو جاتا ہے۔

باب: حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان میں داخل ہے)

۱۳. حدثنا ابو الیمان قال ثنا شعبہ قال ثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال: "واللہی نفسی بیدہ لایون احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولده"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات ہاری کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے آباؤ اجداد اور اولاد سے زیادہ محب و محبوب نہ ہو جاؤں۔
تشریح: جسمانی ابوت و بنوت کا علاقہ روحانی ابوت و بنوت کے مقابلہ میں بہت کم درجہ کا اور کمزور ہے اسی لئے قرآن مجید میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت روحانی کا ذکر فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی اشارہ ہوا کہ روحانی علاقہ تمام قریب ترین علاقوں پر برتر و فوق ہے فرمایا "النسی اولی بالمومنین من الفسہم وازواجه امہاتہم" (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (روحانی علاقہ سے) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ ولایت و قرب کا مرتبہ حاصل ہے اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں) ایک قرأت میں وہو اب لہم بھی ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں پس اگر جسمانی تعلق مذکور محبت و مودت کا سبب ہوتا ہے تو جسمانی تعلق محبت کا باعث کیوں نہ ہوگا بلکہ روحانی تعلق اگر کم سے کم درجہ کا بھی ہو تو وہ بڑے سے بڑے جسمانی تعلق سے زیادہ قوی ہوتا ہے اس لئے اگر یہاں محبت ہوگی تو وہاں عشق کا درجہ ہوگا اور یہاں عشق مجازی ہوگا تو وہاں عشق حقیقی کی کار فرمائی ہوگی اور عشق کا حال یہ ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہرچہ عشق باشد جملہ سوخت

اور جب عشق کی لذتوں سے شامسائی حاصل ہو جاتی ہے تو عاشق عشق کی بدولت ہزار نکالیف اور روائیوں کو بھی بہرہء مسرت و خوشی اس

طرح خوش آمدید کہتا ہے۔

شادہاں اے عشق خوش وائے ما وے دوائے جملہ عیض ہائے ما

وے دوائے نحت و ناموس ما وے تو افلاطون و جالینوس ما

اور شیفتہ نے کہا۔

دنوی خواہشات میں پھنس کر) خدا کی نافرمانیاں کرتے ہیں وہ اس کی ہدایت سے محروم رہے ہیں (سورۃ توبہ)“
 حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھینچ پاؤ گی اس طرح دل لگا لو گے کہ ”جہاد“ کو چھوڑ ڈھکھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے تم بھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔

اس لیے یہاں یہ امر لائق ہے کہ احکام اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ دشار گزدار مرحلہ ہے جو کفر و شرک کی طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں اعلیٰ و اکمل اللہ دین اسلام کی سر بلندی اور مسلمانوں کی عزت و سطوت کے لیے داعی و نذیر کیا ہے جہاد کا حکم قیامت تک باقی ہے جب بھی اس کی ضرورت ہوگی اور مسلمان اس سے فطرتاً ہی متسلح رہیں گے ان کی دنیوی و دنیوی ممالک و خزانہ کی تحفظ کے لیے لا تقوا باہد حکم الہی اللہ تعالیٰ میں ہلاکت سے مراد ترک جہاد ہے اور حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ جو مسلمان جہاد نہ کرے اور نہ بھی اس کے حاشیہ خیال میں جہاد کا ارادہ و تصور آئے وہ نہ فتنے کے ایک کھشہ پر مرے گا (مسلم) (اعانۃ اللہمت)

اس کے علاوہ جہاد کے فضائل کے بارے میں جہاں جہاد تک کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں وارد ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص بھی دنیا کی طرف واپس ہونے کو پسند نہ کرے گا اگرچہ اس کو ساری زمین کی دولت و حکومت بھی حاصل ہو مگر شہید کہ وہ نہ صرف دنیا میں واپس ہونے کو پسند کرے گا بلکہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں اس کی زندگی ختم ہو جائے۔

جہاد جہاد کے احکام فضائل وغیرہ اپنے موقع پر آئیں گے یہاں صرف یہ دیکھا جائے کہ جہاد کی جو عظیم الشان عظمت و کرامت شریعت کی نظر میں ہے یہاں تک کہ جہاد میں لگنے پر ایک جنگی کا ثواب سات لاکھ تک عطا ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ جہاد کہتے ہیں کھڑے اللہ کو بلند اور کھڑے کفر و شرک کو سرنگوں کے لیے جس و نصیب کو خیر باد کہہ کر جہاد کے لیے کھڑے نکل جانے کا جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں اشارہ ہے کہ اگر تمہیں دنیا کی یہ ساری زندگی اور مال و متاع خدا اور رسول کی رضا مندی اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہے تو آخرت کی بھلائی سے واپس ہو جاؤ معلوم ہوا کہ ساری عبادات میں سے سب سے زیادہ شاق اور پس پرگراں ترین عمل گھبرا کر بار بار اور بار بار اوقات و احوال کی ساری کمائی ہوئی دولت کی طرف سے چھینچھیر کر اور ان کے فتنے و دجھت سے دل کو صاف کر کے اسلام اور مسلمانوں کی عزت کو بلند کرنے کی نیت سے نکل جانا ہے جب اس کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ دوسری کسی عبادت کا ثواب اس قدر نہیں مثلاً جہاد کے وقت ایک روپیہ صرف کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے کے برابر ہے اس لئے اسے زانے میں عام طور سے ہماری تبلیغی جماعت کے افراد علماء و عوام کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ تبلیغ کے لیے نکلنے پر بھی ہر جنگی کا ثواب سات لاکھ کے حساب سے ملے گا کیونکہ وہ بھی مثل جہاد کے ہے۔

قوال کو کسی کو شارع علیہ السلام کا منصب اختیار کر کے یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں عمل چونکہ فلاں عمل سے مشابہ ہے اس لیے ان دونوں کا ثواب برابر ہے پھر جب کتر آن واحدیت کے عمومی مطالبہ سے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے اعمال کا فرق زمین و آسمان کا معلوم ہوتا ہے۔ فروعاً صامعہ الجہاد جہاد دین کے سب اعمال میں سے چوٹی کا عمل ہے جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بغیر اعلیٰ و اکمل اللہ کے دوسرے اعمال کی ادائیگی کی شان نہایت گہری ہوتی رہتی ہے۔

دوسرے یہ کہ جہاد کے جو کچھ فضائل و مناقب ہیں وہ شرح بالا عظیم القیاموں کے تحت ہیں چند روز کے لیے گھر سے نکلنا خواہ وہ تبلیغی عظیم و اہم دینی مقصد ہی کے لیے ہو جہاد کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اگر ایسا ہی کیا کرنا ہے تو جب تین دن کے لیے گھر سے مسلمانوں ہی میں تبلیغ کے لیے نکلنا (خواہ وہ صرف ایک سنی سے دوسری سنی کے لیے ہو) جہاد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے اور ایسے شخص کو ہر نماز اور ہر روپیہ صرف کرنے کا ثواب سات لاکھ نکال سکتا ہے تو جیسے فرض منہ کے لیے ۳۰۳۰ روپے کا وسیلہ اسے دو روزانہ ستر پر لگنے والے کو ہر جنگی پر سات لاکھ کا ثواب کیوں ملے گا اگر اس کو کبھی ملے تو کتنا بڑا کام ہوگا کہ کیوں نہیں؟

ایک مرتبہ عالم المعروف نے تبلیغی جماعت میں کام کرنے والے ایک جید عالم سے اس سلسلہ میں تھکوتی تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ بھی جہاد کے مشابہ ہے اس لیے جہاد کی ساری فضیلت اس کو حاصل ہے اور وہ اپنی تحقیق پر مصر رہے انھوں نے خیال کیا کہ لوگوں کو رغبت دلانے کے نیک خیال سے اس قسم کی فضیلت بیان کرنے کی ضرورت سے یہ حضرات مجبور ہوئے ہیں تو حساب لگا کر ایک بیان میں لوگوں کو بتایا تھا کہ صرف ایک دن یا جماعت نماز میں جتنا قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اس کی تکمیل شام کی جائیں تو ۶۶۶ لاکھ سے زیادہ ثواب کا ثواب ملتا ہے۔ جب کہ نماز کے دوسرے ارکان سنن و استغاثہ کا ثواب الگ رہا۔ کیونکہ قرآن مجید کے ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور نماز میں پڑھنے سے ایک سو نیکیاں حدیث سے ثابت ہیں اور جماعت کا ثواب ۷۰۰ گنا ہے جس کو بعض علماء نے لکھا کہ ۷۰۰ بار قرآن کیا جائے۔ غرض صرف ترغیب کے لیے کہہ دیا کہ تو اس میں علماء اور ذمہ دار حضرات کو کبھی بات نہ کہنی چاہئے اس تحریر کا مقصد صرف ایک علمی تحقیق و اصلاح ہے تبلیغ کی ضرورت و اہمیت سے صرف نظر کر کرکے خود تبلیغ کے فضائل و مناقب بھی ایک جگہ نہیں شمار ہیں اور تبلیغی جماعت کے کارنامے آج کے دور کے لیے جو تو کم ہے ہر مسلمان کو اس کام میں لگنا چاہئے دوسری اہم قائل اصطلاحات یہ ہے کہ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی جماعت میں کام کرنے والوں کے دلوں میں علماء اسلام اور مدارس عربیہ کی وقعت کم ہو جاتی ہے حالانکہ علماء اور مدارس عربیہ دین کے مستقیم قلعے ہیں ان سے کٹ کر ان سے بدھن ہو کر ان سے بے نیاز ہو کر جودین کا کام ہوگا اس کے اثرات کا پائیدار و مستحکم نہ ہوں گے اور عمومی حیثیت سے دین و علم کو اس سے ناقابل طاعتی نقصان بھی پہنچے گا۔ و ما علیہا الا البلاغ۔

جہاد کی تشریح سے اجتناب

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی طرف جہاد پر چند اشارات ضمنی طور سے ذکر ہوئے ان کو لکھتے وقت راقم الحروف نے علماء حال کی چند تالیفات پر نظر کی جو اسلام کو مکمل طور پر پیش کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں مگر نہایت افسوس ہے کہ ان میں اصل جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی تفصیل و تشریح کرنے سے پہلوئی کی گئی ہے اور صرف دین کی نصرت و حمایت کا کلی عنوان دے کر کھینچ لیا ہے۔ پھر شہادت کی فضیلت اور شہیدوں کا مرتبہ بتلانے کے لئے بھی صرف اتنا لکھا گیا کہ دین حق پر قائم رہنے کی وجہ سے یار دین کی کوشش و حمایت میں کسی خوش نصیب کی جان چلی جائے تو دین کی خاص زبان میں اس کو شہید کہتے ہیں پھر آیات و احادیث میں جو مراتب شہیدوں کے ہیں وہ بھی ان ہی خوش نصیب مسلمانوں کے بتلائے ہیں جن کو بزرگم خود دین کی خالص زبان میں شہید سمجھا ہے۔ جو کتاب میں اسلام کا مکمل تعارف کرانے کے لئے لکھی جائیں اور ان سے ہم یہ نہ معلوم کر سکیں کہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ بھی اسلام کا کوئی جزو ہے بلکہ دین کی خاص زبان میں شہید کا ایک جزوی و محدود تصور بتلا کر اصل جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو محض عام سے بالکل ہٹا دیں اس کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوئی ہاں ایسے موقع پر کہ ہم اصل جہاد پر روشنی ڈالیں اس کے شرائط و احکام کی شرح کریں اور ضرورت ہو تو بھی لکھ دیں کہ ہندوستان میں اصل جہاد کے قائم کرنے کی نظر اب کوئی صورت نہیں ہے یہاں کے حالات میں یہ بھی ثانوی درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ ہی کی ایک قسم ہے کہ دین کی نصرت و حمایت کی جائے اگر کفار و مشرکین کو دعوت اسلامی نہیں دے سکتے اور اس کے خطرات سے دوچار ہونے کا حوصلہ نہیں تو صرف مسلمانوں کو ہی مسلمان بنانے اور اسلام پر قائم رکھنے کی مہم جو رہی جائے اور اس میں کچھ تکالیف و مصائب پیش آئیں تو ان کو خدا کے لئے برداشت کیا جائے وغیرہ اور اگر موجودہ ہندوستان میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی اتنی تشریح بھی خطرات سے خالی نہیں سمجھی گئی تو یہ بات اس لئے سمجھ میں نہیں آتی کہ انگریزی دور سامراجیت میں جبکہ مرحوم جہاد اسلامی کے بہت سے نفوس دنیا کے مختلف خطوں پر ابھرے ہوئے تھے اور خود ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی امام المجاہدین حضرت سید احمد صاحب شہید قدس سرہ کی قیادت میں اور پھر حضرت حافظ ضامن صاحب شہید حضرت حاجی صاحب حضرت گنگوہی حضرت تانوتوی وغیرہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی رہنمائی میں بھی سرفروشانہ جہاد و قتال کیا تھا اور انگریزوں کو سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں کی جہادی اسپرٹ ہی سے رہتا تھا۔ اس وقت بھی موجودی نے الجہاد فی الاسلام ایسی عقیم کتاب لکھ کر شائع کر دی تھی آج تک ہمارے علم میں نہیں کہ ان کی کتاب ضبط ہوئی ہو یا انگریزوں نے ان کو کوئی سزا دی ہو۔ پھر ہمارے علماء اسلام پر کتنا میں لکھتے وقت اسلام کی پوری تصویر کھینچنے سے کیوں بچکے تھے؟

اگر کسی اسلامی حکم کو موجودہ احوال و ظروف کی مجبوری سے عملی صورت نہیں دی جاسکتی تو اس کا علمی و نظریاتی تصور تو حاشیہ خیال میں ضرور رہنا چاہئے اگر کہا جائے کہ اس کا خاکہ نہ کیا ہے؟ تو اس کے لئے مسلم شریف کی حدیث سامنے رکھئے: ”من مات ولم یغفر ولم یحدث بہ لنفسه مات علی شعبۃ من النفاق“ (مسلم شریف صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ دکن)

غرض آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ خدا اور رسول کی محبت سب چیزوں کا بہت پر غالب۔ نہ چاہئے اور ظاہر ہے کہ ان سب مرغوبات دنیوی کی محبت طبعی ہے لہذا خدا اور رسول کی محبت بھی طبعی ہونی چاہئے اور جب طبعی ہوگی تو عقلی و شرعی بدرجہ اولیٰ ہوگی صحابہ کرام کے حالات پر مبنی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعی تھی بطور مثال چند اشارات عرض ہیں۔

۱- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یقیناً آپ مجھے، میرے سے زیادہ محبوب ہیں۔ بخیر میری جان کے! آپ نے فرمایا کہ ابھی ایمان کامل نہیں اور اللہ اس وقت تک کامل نہ ہوگا کہ میں سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ: حضرت! اب وہ بات نہیں رہی اور آپ کی محبت مجھے اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: اب تمہارا ایمان بھی مکمل ہو گیا۔

خاہر ہے کہ عقلی و شرعی نقطہ نظر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے جاں نثار صحابی کو کیا تر و دوہو سکتا تھا؟ البتہ طبعی لحاظ سے کچھ تاہل تھا جو نور مجسم ہدایت معظم کے ادنیٰ اشارہ سے زائل ہو گیا۔

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے موقع پر ایک رات کو میرے والد نے مجھے بلا کر وصیت کی کہ مجھے معلوم ہوا کہ کل کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا یا نہ پھر بعد بنے والوں میں نفیس یا غیر نفیس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، مجھ پر قرعہ ہوا اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا (بخاری شریف) یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ قسم دینوں محبت کی ایک ہی تھی۔ یعنی طبعی۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد اللہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، جینے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سنا لی تو فوراً آنکھیں بند کر لیں اور حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ جن آنکھوں سے میں نے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا، دیکھا ہے، ان سے اب کسی دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتا، مجھ سے میری بصیرت لے لے، چنانچہ ان کی بصیرت جاتی رہی۔ شفاء قاضی عیاض میں اور بھی بعض واقعات لکھے ہیں مثلاً:-

۴۔ جنگ احد میں ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی اور شوہر تینوں شہید ہو گئے، جب اس کو خبر ملی تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عافیت دریافت کی، بلوگوں نے بتلایا کہ بخیر ہیں اس نے کہا کہ جب آپ زندہ و سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت کا جھیلنا آسان ہے۔

۵۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرائی میں مال، اولاد، والدین اور پیاس میں مرد پانی سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

۶۔ اہل مکہ جب زید بن وہب کو قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لے چلے تو ابوسفیان نے پوچھا کہ زید کس قسم کا کہو کہو تمہیں اس وقت یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم اپنے گھر ہوتے زید نے کہا: بخدا لائے یا زل مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں آپ کے جسم میں ایک کاٹا بھی چبے ابوسفیان نے کہا کہ میں نے ایسی محبت کہیں نہیں دیکھی، جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اس سے کرتے ہیں۔

۷۔ تفسیر ابن کثیر میں آیت ومن قطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولئك رفيقا۔ کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے آپ کی ذات سے بڑی محبت ہے، حتیٰ کہ جب گھر میں ہوتا ہوں تب بھی آپ کا ہی دھیان رہتا ہے اور ہدائی شاق ہوتی ہے! تاہم یہاں تو ہم حاضری کا شرف حاصل بھی کر لیتے ہیں! زیادہ فکر یہ ہے کہ جنت میں آپ درجات عالیہ میں انبیاء کے ساتھ ہوں گے! اس وقت تو مستقل ہدائی ہوگی اور دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ رہوں! حضور نے کوئی جواب نہیں دیا اور وحی کا انتظار فرمایا! پھر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اس شخص کو بلا کر بشارت سنائی۔

اسی طرح دوسرے واقعات یہ کثرت ملتے ہیں جب عقلی و ایمانی، شرعی وغیرہ کی تاویل اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ عموماً حق تعالیٰ جل ذکرہ کی رحمت عامہ و خاصہ اس کے فضل و انعامات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات و الطاف بے پایاں کا استحضار نہیں رہتا! اگر ان امور کا تھقل دل پر اچھی طرح بیٹھ جائے تو ناممکن ہے کہ ان سے ہزاروں درجہ کم احسانات کی وجہ سے آ پاؤ اجداد اور مال و اولاد کا ذرا واد و غیرہ سے توجہ طبعی ہو! اور خدا اور رسول سے جب طبعی نہ ہو! انسانی روح چونکہ اس قلب خاکی میں محبوس ہو کر غفلت و جہالت کے پردوں میں مستور ہو جاتی ہے جس طرح آگ کی چنگاری راگھ کے ڈھیر میں محبوس ہو تو اس کی اصل صفات گرمی و روشنی وغیرہ بھی چھپ جاتی ہیں! اسی طرح ایمان و عقل سلیم کے صفات و ملکات کے اصل مظاہر و آثار بھی و نیدی تہنات اور فسق و فجور کی زندگی میں پردہ کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

طاعات و عبادات کی ضرورت

الترام طاعات و عبادات اور اجتناب معاصی و منکرات کا حکم شرعی اس لئے نہایت اہتمام سے کیا گیا ہے کہ ایمان کی چنگاری معاصی و منکرات کی راہ میں چھپ کر بے اثر نہ ہو جائے۔ اور طاعات و عبادات کے ذریعہ جلاہ و ترارت پاتی رہے یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حسب تحقیق و مشاہدہ شیخ عبدالعزیز دہانق قدس سرہ ہم سب مومنوں کے دلوں میں جو نور ایمان کی روشنی خدا کے فضل و کرم لائقا ہی کے صدقہ میں موجود ہیں وہ سب گویا ایمانی بلب ہیں جو ساری دنیا کے مرکز انوار الہیہ قلب منور و نور اعظم ذات محمدی علی صاحبہا الف الف صلوات و تحیات سے مستفید ہیں جس کو حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے حقیقۃ الحقائق و لوراء الخلائق وغیرہ سے تعبیر فرمایا اور اس سلسلے کی بہت کچھ شرف حضرت نانوتوی قدس سرہ نے آپ حیات وغیرہ میں ہی ہے اس قسم کی تفصیلات میں موقع، موقع راقم الحروف اس لئے بھی چلا جاتا ہے تاکہ ہمارا ایمان صرف اجمالی نہ رہے کیونکہ ایمان تفصیلی ہی سے اس قسم کی احادیث کی پوری شرح سمجھ میں آ سکتی ہے اور یہی وہ علوم نبوت ہیں جن سے ایمانی روح کو خدا و روحانی ملتی ہے اور اس سے ترقی و دشوفا حاصل ہوتی ہے واضح ہو کہ روح ایمانی کی ترقیات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اس کے ذریعے کاسب سے پہلا درجہ اعمال ہیں اس کے بعد سارے درجات کی ترقی علوم نبوت پر موقوف ہے معلوم ہوا کہ جس درجہ پر ہم نے آکٹاف کر لی ہے اور اس پر بھی ہم پوری طرح نہ چڑھ سکے وہ کم سے کم مطالبہ ہے ہمیں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی زندگی سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے کس طرح اور کتنے مدارج قرب الہی کے طے کئے اور سوائے قرب نبوت کے تمام مدارج ہم بھی طے کر سکتے ہیں اور ہمارا مطلع نظر اور آخری مقصد انتہائی امکانی درجہ قرب در ضاء الہی ہونا چاہئے ہم کچھ آگے بڑھ سکتے ہیں اگر دنیا کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے سامنے بڑے سے بڑا مقصد ہو تو دینی ترقی کا اصول بھی یہی ہے کہ سب سے اعلیٰ مقصد کو اپنی منزل مقصود بناؤ اور حوصلہ کر کے آگے بڑھتے جاؤ حدیث میں آتا ہے کہ (دخول جنت کے وقت) صاحب قرآن سے کہا جائے گا۔ قرآن مجید پڑھتے جاؤ اور اپر پڑھتے جاؤ جہاں رک جاؤ گے وہی تمہاری منزل ہوگی۔

۱۳ - حدثنا یعقوب بن ابراہیم قال ثنا ابن علیہ عن عبدالعزیز بن صہیب عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ

وسلم: وحدثنا آدم بن ابی ایاس قال ثنا شعبۃ عن قتادۃ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

لا یومن احدکم حتیٰ اكون احب الیہ من والدہ وولده والناس اجمعین.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے آباؤ اجداد و اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

تشریح:- پہلی حدیث میں صرف من والدہ وولده تھا اس حدیث میں والناس اجمعین کی زیادتی ہے جس میں زیادہ وسعت اور ہمہ گیری ہے ایک روایت میں من اہلہ ووالہ بھی آئے ہیں اہل ووالہ سے بھی زیادہ محبوب ہونا علامہ عینیؒ نے لکھا کہ محبت کے تین اسباب ہیں ۱۔ یہ حدیث ترقی و الوداد میں ہے فطانی نے لکھا کہ اگر یہ ثابت ہے کہ جتنی خدا و الوداد ترقی کی ہے اتنے ہی جنت میں ہوں گے اس لئے حال قرآن مجید سے (جس نے اس کی حلاوت کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا ہوگا) یہ بات بھی جائز کی جائے گی اور ہر مومن اپنے ایمان و عمل کے اعتبار سے ان درجات پر فائز ہوگا۔ وہ اتنی ہی آیات پڑھ سکے گا جتنی پڑھ سکے ہوگا چنانچہ ہر ایک کا جتنی الشواہب اس کا جتنی القراء ہوگا لہذا پورے قرآن مجید اس کی تفسیر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شرح اور فقہی مسئلہ کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل اور حال و حال بنانا چاہئے یہ تینوں چیزیں علوم نبوت کا مکمل ترین مجموعہ ہیں فرق اتنا ہے کہ جب کہ یہ مکمل اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف قرآن مجید کی بھی روشنی کا تھی اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ”کان خلقہ القرآن“ فرمایا عبادہ کرام تابعین و ائمہ مجتہدین کے لئے قرآن مجید کی تفسیر اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ضرورت تھی ان کے بعد آنے والے علماء و کرام کے لئے درجہ بدرجہ فقہ اسلامی کی روشنی بھی ضروری ہوئی جو قرآن مجید حدیث آثار صحابہ و اقوال تابعین کی روشنی میں مرتب ہوا۔ واللہ اعلم۔

کمال جمال جو دستاورد یہ تینوں اوصاف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھے آپ کا کمال آپ کی کامل و مکمل شریعت سے ظاہر ہے جمال جہاں آراء کا ذکر جمیل احادیث شائل میں ہے اور آپ کا کرم و جود ظاہری و باطنی تو سارے عالم و عالمیان کو شامل ہے پھر آپ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ہو اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں حاصل ہونے والے چند انعامات و اکرامات کا ذکر مناسب ہے۔

(۱) پہلی امتوں پر معاصی اور کفر و شرک کے سبب عام عذاب الہی آتا تھا، آپ کی امت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت کے صدقہ میں اس سے محفوظ کر دی گئی، اس کی پاس گزاری دوسرے خواہ نہ کریں، مگر مسلمان تو بندہ احسان ہیں۔

(۲) پہلی امتوں کے لیے جسم و لباس کی پاکی کے لیے احکام بہت سخت تھے، جو اس امت کے لیے بہت نرم کر دیئے گئے ہیں حتیٰ کہ تیمم تک کا جواز ہوا۔

(۳) پہلی امتوں کے واسطے اداء عبادت کے لئے صرف معابد مخصوص تھے دوسری جگہ ان کی ادائیگی درست نہ تھی اس امت کے لئے ہر جگہ عبادت کرنا درست ہے۔

(۴) اس امت کو ”خیر الامم“ کا لقب عطا ہوا

(۵) درمنثور کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”قیامت کے دن ۶۹ دوسری امتیں ہوں گی اور سترہیں امت میری ہوگی ہم سب سے آخر میں اور سب سے بہتر ہوں گے۔

(۶) ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا کہ تم ہم سے پہلے ہو اور ہم آخر میں ہیں مگر قیامت کے دن حساب میں تم سے پہلے ہوں گے (معنف ابن ابی شیبہ ابن ماجہ و کنز العمال)

(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کا انتظام ان کے انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے جب ایک نبی کی وفات ہوتی تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نہیں آئے گا اور میرے خلفاء (امت میں سے) انتظام کریں گے اور وہ بہت ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کس طرح کریں؟ فرمایا: الاول الاول والاولیٰ کے بیعت کے حقوق ادا کرنا (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۸) تو رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس امت کا بھی ذکر خیر ہوا اور ان کے اوصاف حسد سے اہم سابقہ کو تحارف کر لیا گیا مثلاً حسب روایت داری و مضامین یہ اوصاف مذکور ہوئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اللہ تعالیٰ کی ہر وقت ثنا کرے گی ہر حال میں حمد کرے گی ہر جگہ اس کی حمد اور ہر بلندی پر خدا کی تجسیر کہے گی۔ آفتاب کے تغیرات کا انتظار کرے گی جب نماز کا صحیح وقت آجائے گا فوراً نماز ادا کرے گی ان کے تہجد نصف ساق تک ہوں گے وہ اپنے ہاتھ پاؤں دھوئے گی (یعنی وضو کے لئے) ان کا مؤذن فہماء آسان میں اعلان کرے گا جہاد اور نماز دونوں میں ان کی صفیں یکساں ہوں گی۔ راتوں میں ان کی (علاوات قرآن مجید ذکر و غیرہ کی) آواز شہد کی بھیوں کی جھنناہٹ کی طرح (دبشی و پست) ہوگی۔

(۹) اس امت کی عمریں کم عمر ثواب پہلی امتوں کے برابر ہوں گے۔

(۱۰) قیامت کے دن امت محمدیہ دوسری تمام امتوں سے ممتاز ہوگی کہ ان کے اعضاء و ضرور و شہ و منور ہوں گے۔

(۱۱) قیامت کے دن سب سے پہلے یہی امت ہر صراط سے گزرے گی۔

(۱۲) سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔

(۱۳) جنت والوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں بہت بڑی تعداد یعنی ۸۰ صفیں اس امت محمدیہ کی ہوں گی

شکر نعمجائے تو چند آنکھ نمجائے تو عذر تقصیرات ما چند آنکھ تقصیرات ما

ترغی شریف کی ایک روایت میں حب رسول کا آسان طریقہ بھی بیان ہوا ہے، حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ جمہیں انواع و اقسام کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا اور مجھ سے خدا کی محبت کی وجہ سے محبت کرو اور میرے مال بیت سے میری وجہ سے محبت کرو۔“
حدیث بخاری میں ”حب رسول“ کا نہایت ہی پیش بہا ثمرہ بھی ذکر ہوا ہے اس طرح کہ ایک شخص نے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کے لئے کیا کچھ تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت! مجھ سے تو نہ زیادہ نمازیں پڑھی گئیں نہ زیادہ روزوں اور صدقات کی توقیف ہوئی البتہ اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے محبت ہے آپ نے فرمایا کہ تم (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں محبت ہوگی۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی رائے عالی پہلے درج ہو چکی ہے کہ حب رسول میں حب طبعی ہی مانتے ہیں جس کی وجہ گزر چکیں دوسرے اس لئے بھی کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصولی طور سے بھی ایسے مواقع میں اہل عرف و لغت کے متعارف و عام معنی کو ترجیح دیتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ نبی کریم اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے صرف اوصاف ہدایت اور اخلاق فاضلہ وغیرہ کے سبب نہیں بلکہ آپ کی ذات اقدس کی وجہ سے بھی ہونی چاہئے۔

لہذا آپ اپنی ذات مبارک علیہ کے سبب بھی محبوب ہیں اور اپنے اوصاف حسنہ ملکات فاضلہ اور اخلاق کاملہ کی وجہ سے بھی۔
صلی اللہ علیہ وسلم بعد وکل ذرة الف الف مرة۔

باب حلاوة الايمان ”حلاوت ایمان کے بیان میں“

۱۵- حدثنا محمد بن المنثري قال ثنا عبد الوهاب الثقفي قال ثنا ابو بکر عن ابي قلابه عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاث من كن فيه وجدا حلاوة الايمان ان يكون الله ورسوله احب اليه مما سواهما وان يحب المرء لا يحبه الا الله وان يكره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف في النار.
ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پائے گا خدا اور رسول خدا اس کو تمام دوسری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں جس سے بھی محبت کرنے خدا کے واسطے کرے کفر و شرک اختیار کرنے سے اس قدر ڈر و ہیز اور وحش قدر آگ میں ڈالے جانے سے دور اور ڈر ہو سکتا ہے۔

تشریح: علامہ نے لکھا ہے کہ حلاوت ایمان سے مراد یہ ہے کہ طاعات میں لذت محسوس ہو اور خدا اور رسول کی رضامندی کے لئے بڑی سے بڑی تکالیف بھی گوارا ہوں حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے پہلا نمبر یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت دوسری سب چیزوں کی محبت پر غالب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تو اس لئے کہ وہ رب الارباب اور معتمد حقیقی ہے ساری نعمتیں اسی کے فضل و کرم سے وابستہ ہیں رسول

صلی اللہ علیہ وسلم پر اکرام ابوبکر بن ابی حمزہ السجستانیؒ ولادت 68-66ھ وفات ۱۳۱ھ مشہور زاد کبار تابعین سے ہیں صحاح ستہ میں ان سے روایت ہیں تہذیب صفحہ ۱/۳۹۷ میں فضل تذکرہ اور مناقب جلیلیہ ذکر ہیں جامع السائقیہ صفحہ ۳۸۳/۷ میں لکھا کہ امام اعظمؒ نے بھی آپ کے روایت حدیث کی ہے حافظ بخاری نے حمۃ القاری میں لکھا کہ آپ سے آٹھ سو احادیث روایت کی گئی ہیں امام احمد شین حضرت شعبہؒ نے آپ کو سید الخلق کہا حادین زید نے اپنے سبب شیعہ و دھارمین سے افضل اور زیادہ قبیح سنت کہا دارقطنی نے حفاظ الثابت میں شمار کیا۔ ابن سعد نے ثقہ ثبت فی اللہ حدیث جامع کثیر العلم محبت و عدل لکھا اتنے بڑے بلیک القدر محدث سے صرف ۸ سو حدیث روایت ہوئیں اس کی وجہ اس لئے ان کو ثقہ روایت کا طعن نہیں دیا اور امام اعظمؒ سے بڑا اور احادیث روایت ہوئیں جب بھی ان کو لقب روایت سے مطعون کیا گیا درحقیقت اس دور کے محدثین خصوصاً فقہا محدثین سب ہی روایت میں نہایت محتاط تھے۔

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اس لئے کہ روحانی انعامات و علوم الہیہ کیلئے وسیع واسطہ ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ان دونوں محبوب سے جو نعمتیں حاصل ہوئیں ان میں سے سب سے زیادہ عزیز ترین دولت ایمان کی دولت ہے اور ان کی سب سے زیادہ مفوض چیز کفر و شرک ہے لہذا ایمان کی دولت کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہیں دی جاسکتی اور کفر و شرک کے ادنیٰ شائبہ سے بھی پوری بے زاری و نفرت ہونی ضروری ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ دنیا کے مجازی محبوبوں کی محبت کا یہ حال ہے کہ ان سے ادنیٰ تعلق رکھنے والوں سے بھی محبت ہوا کرتی ہے تو پھر محبوب حقیقی سے محبت کا تقاضا یہ کیوں نہ ہوگا کہ اس سے محبت کرنے والوں سے تعلق رکھنے والوں سے محبت نہ ہو بلکہ ایک مومن شخص کے لئے اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ جس سے بھی وہ محبت کرے یہی دیکھ کر کہے کہ وہ خدا سے بھی کچھ علاقہ و محبت رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے ”من احب للہ وابلغ للہ فقد استكمل الایمان“ (جس نے خدا کے لئے محبت کی اور خدا کے لئے بغض کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا) اس تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی دو چیزیں نہایت اہم ہیں اور تیسری چیز (حب للہ) مکملات ایمان میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

بحث و نظر: محدث عارف ابن ابی جرّہ نے بیہ الخوس صفحہ ۲۵/۱ تا صفحہ ۲۸/۱ میں حدیث مذکور کے متعلقات پر بہت اچھی بحث کی ہے اس میں یہ بھی فرمایا کہ حلاوت ایمان کے بارے میں بحث ہوئی ہے کہ وہ امر محسوس ہے یا باطنی و معنوی بعض حضرات نے معنوی قرار دیا۔ یعنی جس میں وہ موجود ہوگی وہ ایمان میں پختہ اور احکام اسلامی کا پورا مطیع و متفاد ہوگا یہ فقہاء کی رائے ہے دوسرے حضرات نے اس کو محسوس چیز قرار دیا اور یہ سادات صوفیہ کی رائے ہے صاحب بھر نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک حق و صواب بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے حدیث کا مطلب بغیر کسی تاویل کے سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ بات ایسی ہے کہ اس کا ادراک و احساس وہی کر سکتے ہیں۔ جو خود بھی اس مرتبہ و مقام تک پہنچے ہوں لہذا ایسا دعویٰ کرنا موزوں نہیں کہ حدیث میں وہ مرتبہ و مقام مراد ہی نہیں ہے۔

واذا لم تر الھلال فسلم لا ناس راوہ بالا بصر

(تو نے اگر خود چاند نہیں دیکھا تو ان لوگوں کی بات ہی مان لے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لیا ہے) دوسرے یہ کہ سادات صوفیہ کی رائے کی تائید صحابہ و سلف اور واسطین کا طہین کے حالات سے بھی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حلاوت ایمان کو محسوس طریقہ پر حاصل کر لیا تھا۔ مثلاً

(۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ کہ ان کو ایمان سے ہٹا کر کفر کی طرف لوٹانے کے لئے قسم قسم کی تکالیف دی گئیں مگر وہ برابر ادا حد کہتے رہے تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ عذاب و تکلیف کی تنبیہ ایمان کی حلاوت کے ساتھ ایسا کی گئی تھی کہ حلاوت تنبیہ پر غالب آگئی تھی اسی لئے جب ان کی موت بھی اسی حالت میں آگئی تو ان کے گھر کے آدمی تو اکر باہر (کیسی سخت مصیبت دہلا ہے) کہتے تھے اور وہ خود و اطراف (کیسی خوشی و مسرت کا مقام ہے) کہہ رہے تھے پھر فرماتے تھے۔ غدا القی الاحبہ محمدًا وحبلیہ

(کل کو میں اپنے دوستوں سے ملوں گا) محبب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ساری جماعت سے جا ملوں گا) گویا انہوں نے موت کی تنبیہ کو قلماء و سرور دو عالم و صحابہ کی حلاوت کے ساتھ ملا کر اس تنبیہ کے احساس کو مغلوب کر دیا تھا۔ اور یہی حلاوت ایمان ہے۔

(۲) ایک صحابی اپنا گھوڑا باندھ کر نماز پڑھنے لگے ایک شخص آیا اور گھوڑا اکھن کر لے گیا انہوں نے نماز نہیں توڑی لوگوں نے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا کہ میں جس امر میں مشغول تھا وہ گھوڑے سے بہت زیادہ قیمتی تھا یہ بھی حلاوت ایمان ہی تھی۔

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ کسی جہاد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کی ڈیوٹی لگائی کہ رات کے وقت لشکر اسلام کی حفاظت کے لئے جاگ کر پہرہ دیں انہوں نے سنے کیا کہ نبوت بے ثبوت ایک سو جائے اور دوسرا جاگتا رہے اور جاگنے والا نماز کی نیت باندھ کر کھڑا

ہو گیا دشمن کے جاسوس احرار نکلے اور دیکھا کہ ایک سو رہا ہے دوسرا نماز میں مشغول ہے پہلے نماز والے کا خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ اپنی کمان کھینچ کر اس پر تیرہ سانا شروع کر دیے ہاں جو داس کے وہ صحابی نماز میں مشغول رہے اور زخموں کی کوئی پروا نہ کی۔ جب سارے بدن سے گرم خون بہہ کر سونے والے صحابی تک گیا تو وہ اٹھ بیٹھے اور نماز والے صحابی نے بھی نماز توڑ کر دشمن کی طرف توجہ کی اور کہا کہ اگر لشکر اسلام کی حفاظت کا خیال نہ آتا تو میں اب بھی اپنی نماز نہ توڑتا یہ بھی حلاوت ایمان ہی نہ تھی تو اور کیا تھا۔ اور اس طرح کے واقعات سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔

شیخ ابوالعباس اسکندر رانی کا ارشاد

صاحب بھیر کی طرح عارف کبیر ابوالعباس تاج الدین ابن عطاء اللہ اسکندر رانی نے بھی لکھا کہ اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو قلوب ہندوستان میں یعنی غفلت و فحاشیات نفسانہ وغیرہ کے امراض سے محفوظ ہیں وہ روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح ایک صحت مند آدمی کھانوں کے صحیح ذائقوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور مریض کو ہر اچھی چیز کا ذائقہ بھی کڑوا یا بیٹھا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ صفر کے مریض کو شہد جیسی خوشی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم ادہم کا ارشاد

حضرت ابراہیم بن ادہم فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں خدا کے ذکر و اطاعت میں وہ لذت حاصل ہے کہ اگر شاہان دنیا کو اس کا علم ہو جائے تو ہم پر لشکر کشی کر کے اس کو جہنم لینے کی سعی کریں۔

حضرت جنید رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت جنید رحمۃ اللہ کا قول ہے ”اہل اللیل فی لہم اهل الذم اهل المہوی فی ہواہم“ یعنی دنیا والوں کو کسی لہو و لعب اور بڑے سے بڑے قہش میں وہ لذت و سرور نہیں مل سکتا جو شب خیز لوگوں کو رات کی عبادت و ذکر الہی میں ملتا ہے۔

شیخ اسکندر رانی کا بقیہ ارشاد

ابن عطاء نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ کو رب حقیقی مان کر اس کے احکام کے پوری طرح مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں وہی حقیقت میں بیش کی لذت اور تقویٰ رض کی راحت محسوس کرتے ہیں اور خدا ان سے راضی ہو کر ان پر دنیا میں بھی انعامات و اکرامات کی بارش فرماتا ہے ایسے لوگوں کے قلوب امراض روحانی سے محفوظ رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا ادراک صحیح اور ذوق سلیم رہتا ہے اور وہ پوری طرح ایمان کا ذائقہ اور حلاوت حاصل کر لیتے ہیں۔ (فتح الہم من الوہاب، شرح صفحہ ۱۱۲)

صاحب بھیر انھوس وغیرہ کی مذکورہ بالا تحقیق بہت اونچی ہے مگر جو واقعات و شواہد انہوں نے بیان فرمائے ہیں وہ جس طرح حلاوت محسوسہ کی دلیل بن سکتے ہیں حلاوت معنویہ کی بھی بن سکتے ہیں اور روحانی امور میں معنوی حلاوت ہی زیادہ راز معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ علامہ نووی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک حلاوت سے مراد طاعات کو لذت و محبوب سمجھنا خدا اور رسول کے راستہ میں تکالیف و مصائب کو بخوشی برداشت کرنا اور ان کو دنیوی مرغوبات پر ترجیح دینا ہے (شرح البخاری صفحہ ۱۳۹)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے استعارہ سے زیادہ نقصان ایمان پر استدلال کرنا چاہا ہے (کما اشار الیہ شیخنا الانور) لیکن حلاوت کا لفظ بخارہ ہوا ہے کہ اس حدیث میں ارکان و اجزاء ایمان کا بیان مقصود نہیں بلکہ مکملات ایمان کی تفصیل مقصود ہے اسی لئے جو چیزیں اس میں بیان ہوئیں وہ سب ایک درجے کی نہیں اور غالباً اسی طرف علامہ قسطلانی نے اشارہ کیا ہے انہوں نے لکھا کہ:-

هذا (باب حلاوة الايمان) والمراد ان الحلاوة من ثمراته فهي اصل زائد عليه، (مراد یہ ہے کہ حلاوت ایمان کے ثمرات میں سے ہے لہذا وہ اس کے لئے بطور اصل زائد ہے) یعنی جس طرح ایمان کو قوت و استحکام پہنچانے والے اور اس کی تکمیل کرنے والے اور بہت سے امور ہیں ان میں باتوں سے بھی ایمان میں کمال بطور اسلحہ از طاعات پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایمان کے زیادہ نقص پر ہم پہلے بہت کچھ لکھ آئے ہیں جو کافی وضاحتی ہے واللہ اعلم۔

علمی فائدہ

عود کا صلہ عموماً آتی ہوتا ہے اس حدیث میں فی کیوں آیا ہے؟ اس کا جواب علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ جو شخص ہے معنی استقرار کر دیا "ان يعود مسطورا" کہا گیا ہے مگر امام عربیت حافظ عینی نے اس امر پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ یہ بے ضرورت تاویل ہے پھر فرمایا کہ یہاں فی بمعنی الی ہی ہے جس طرح دوسری آیت اول تعودن فی ملتنا واللہ درہ۔

اشکال و جواب

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاً سوا ہما فرمایا حالانکہ ایک خطبہ پڑھنے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیہ فرمائی تھی جس نے ومن بعضہما فقد غوی کہا تھا اگر ایک کلمہ میں دونوں کو جمع کرنا پسند تھا تو اس کو خود کیوں اختیار فرمایا؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں جو حافظ عینی نے نقل فرمائے ہیں۔

- (۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت میں جمع فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کی محبت ضروری ہے ایک کی کافی نہیں اور مصیبت والی صورت میں منع فرمایا کیونکہ تا فرمائی صرف ایک کی بھی منع ہے یہ جواب کا ضعیض عیاض کا ہے۔
- (۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کو اس لئے منع فرمایا کہ اس سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ کہنے والا دونوں کو ایک مرتبہ میں سمجھتا ہے مگر خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چونکہ ایسا یقین نہیں ہو سکتا اس لئے آپ کے جمع فرمانے میں کوئی مضائقہ نہیں پس یہ آپ کے خصائص سے ہوا۔
- (۳) خطبہ کا مقام ایضاً تفسیر کا ہوتا ہے اس لئے جمع و اختصار کو پسند فرمایا اور احادیث میں بیان حکم کے موقع پر اختصار موزوں ہے تاکہ اس کو مختصر ہونے کی وجہ سے سہولت یاد کر لیا جائے چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ کی حدیث میں جمع کے ساتھ وارد ہے۔

من یطع الله ورسوله فقد رشد ومن بعضهما فلا یضر الانفس۔

- (۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو افراد کا حکم اس لئے دیا کہ وہ مقام حق تعالیٰ کا ذکر مستطاب لگ کر کے زیادہ سے زیادہ تعظیم

کے اظہار کا تھا یہ جواب اصولیوں کا ہے (عمدة القاری صفحہ ۱۷۵)

- (۵) ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ جواب پسند تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو بطور تادیب و تہذیب روکا تھا جس طرح قرآن مجید میں "لا تمقوا لواء اعنا" ادب و تہذیب سکھانے کے لئے فرمایا گیا ہے اس جواب سے ایک زیادہ معتدل صورت بن جاتی ہے جو قرآن و سنت سے زیادہ موافق ہے۔ واللہ اعلم

باب

علامة الايمان حب الانصار۔ (انصار کی محبت علامت ایمان ہے)

۱۶۔ حدثنا ابو الوليد قال ثنا شعبة قال اخبرني عبدالله بن جبیر قال سمعت انس بن مالك عن النبي صلى

الله عليه وسلم قال آية الايمان حب الانصار واية نفاق بغض الانصار

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض فراق کی علامت ہے۔

تشریح:- پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق محبت کی فضیلت کا ذکر کیا تھا جو خدا کے لئے ہر ایک کے ساتھ ہو سکتی ہے اب ایک خاص گروہ کی محبت کا ذکر لائے اور ان میں سے بھی انصار کو منتخب کیا جن کی محبت نظر شارع علیہ السلام میں ایمان کی علامت ہے۔ اور ابتدا سے ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے ایمان کا ذکر ہوا پھر اس کی حلاوت کا بیان ہوا اور اب اس کی علامت بتلا رہے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا قرآن و حدیث کو سمجھنے کا ایک خاص طرز تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ فلاں حدیث کا مضمون فلاں آیت سے مستحب ہے یا فلاں حدیث فلاں آیت کے مضمون کی تشریح ہے وغیرہ حضرت کا یہ طرز تحقیق نہایت گرانقدر تھا اسی لئے حضرت علامہ عثمانی فرمایا کرتے تھے کہ ہماری بہت بڑی کوشش ہوئی تو ہم کتابوں کا مطالعہ کر کے مسائل کی تحقیق کر لیں مگر حضرت شاہ صاحبؒ کی رسائی مسائل کی اور اوج تک تھی جو ہمارے بس کی بات نہیں۔ و طوق کمل ذی علم علیم۔

یہ حضرت عثمانی کا ارشاد تھا جو صحت مطالعہ اور علم و فضل خدا داد کے لحاظ سے اپنے زمانے کے فرد بے مثال تھے۔ مصنا اللہ بعلومہ الناصحہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس حدیث الباب کے بارے میں فرمایا کہ اس کا باخذا قرآن مجید کی آیت "وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ" ہے یعنی حق تعالیٰ نے سورہ حشر کی ان آیات میں انصار کے فضل و شرف، کرم و جود، حب و ایثار وغیرہ اوصاف کا بیان فرمایا ہے اور یہ وصف بھی خاص طور سے بیان فرمایا کہ جنہوں نے مہاجرین کی آمد مدینہ منورہ سے پہلے مدینہ طیبہ اور ایمان کو اپنا گھر بنالیا تھا مدینہ طیبہ کو گھر بنانا تو ظاہر ہے مگر ایمان کو گھر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھر میں بیٹھ کر آدمی اس میں محفوظ ہوتا ہے اسی طرح انصار ایمان کے گھر کے اور احاطہ میں آ چکے تھے ایمان بطور ظرف تھا اور وہ مظروف تھے ایمان کے دروہو اور ان کے چاروں طرف تھے اور وہ ان کے بیچ میں بیٹھے ہوئے تھے جس طرح اہل جنت کا حال مذکور ہے "ان المعقین فی جنات ونہر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر"۔

(متعین) جنّتوں اور نہروں میں سچائی کے گھر میں سب سے بڑے با اقتدار بادشاہ کے قرب سے سرفراز ہوں گے) اس سے پہلے مجرّمین کفار و شرکین کے لئے فرمایا تھا کہ وہ مگر اہل اور آگ کی لپٹوں میں گھرے ہوں گے گویا جرم کفر و شرک کی سزا آخرت میں یہ ہوگی کہ ان کی دنیا کی گمراہی و طغیان و عصیان وہاں ان کو آگ کی لپٹوں کی شکل میں جسد ہو کر محصور کئے ہوگی اور چونکہ متعین نے سچائی اختیار کی تھی تو آخرت میں وہ ایمان و ہدایت کی سچائی جسد ہو کر مقعد صدق بن جائے گی۔ کیونکہ یہاں جتنی چیزیں مستور ہیں مثلاً معافی و اعراض وہ سب آخرت میں جسد و محسوس ہو جائیں گی۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مومن کا گھر ایمان و ایمانیت ہے وہ ان کے حصار میں رہ کر کفر و شرک کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے اور اعمال صالحہ باہر سے اس گھر کی حفاظت بطور قلعہ اور اس کی خندقوں وغیرہ کے کرتے ہیں اعمال صالحہ کے قلعہ میں محصور ہو کر ایک مومن فتن و فجور اور معاصی کی یلغار سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ رسی

خیال کیجئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی دور رس نظر نے کتنی اونچی بات کا کھوج لگایا۔ جس سے ایمان و کفر اور عمل صالح و معاصی کی صحیح پوزیشن واضح ہوئی اور فی ضلال وسعور اور تبوؤ الدار والایمان کی بہترین تفسیر بھی بغیر کسی تاویل بعید کے سمجھ میں آ گئی اور یہاں اس

حدیث میں انصاری کی محبت کو عظمت ایمان فرمانے کی جہت بھی روشن ہوگئی ایک تو یہ کہ سب سے پہلے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جا کر اسلام شرف ہونے والے یہ لوگ تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے) پھر ان کا ایمان و اسلام بھی مکمل اور تقییدی تھا کہ سب مسلمانوں کا ایمان اس شان کا ہونا چاہئے ان کے ایمان کی قیمت اتنی زیادہ قرار دی گئی کہ مہاجرین کو ان کی محبت کی ترغیب دی گئی۔ حالانکہ مہاجرین کے درجات خود اپنی جگہ نہایت بلند تھے ان کے معظم ایمان اور عظیم الشان قربانوں کی مثال نہیں مل سکتی اور صرف ہجرت ہی بہت بڑی فضیلت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہجرت (کی فضیلت) نہ ہوتی تو میں اپنا شاندار انصار میں کرنا (بخاری) بلکہ اگر زیادہ فخریہ سے دیکھا جائے تو انصاری کی محبت وغیرہ کی ترغیب سے مقصد بھی ان کے فضائل کو نمایاں کرنا اس لئے ہے کہ ان کے فضائل حضرات مہاجرین کے فضائل و مناقب کے مقابلے نظروں سے اوجھل ہو رہے تھے دوسرے یہ کہ مہاجرین میں اکثر حضرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قربات تھے ان سے محبت آپ کی قربات کے سبب بھی ہر مسلمان کو فطری طور سے تھی لیکن انصار مدینہ بظاہر اجانب تھے ان کی محبت سے وہ غافل ہو سکتا تھا اس لئے تنبیہ فرمادی کہ ان کی محبت بھی اس لحاظ سے فخریہ ہونی چاہئے کہ انہوں نے بھی اہل بیت کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ "واللہین تبوء اللہ داود و الایمان یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "ایمانی گھر" کی نسبت سے جس طرح مہاجرین آپ کے اہل بیت ہیں ایسے ہی انصار بھی ہیں۔ اس کے بعد اسی روحانی و ایمانی رشتہ سے سارے مومنین و متقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں اور ایک حدیث میں ایک ایسا مضمون بھی ہے کہ ہر تقی و تقی مسلمان میری آل میں داخل ہے۔

النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه امهاتهم و في قراءة و هو اب لهم. والله اعلم و علمه اتم و احکم.

انصار مدینہ کے حالات

انصار کا اصل وطن مدینہ طیبہ تھا بلکہ وہ سب کی بستیوں میں یمن کے علاقہ میں رہتے تھے جب سہا پر تہا پی آئی تو ایک کاہنہ نے اطلاع دی کہ ان بستیوں پر بھلائی خدا کا عذاب آنے والا ہے جو اس سے بچنا چاہے یہاں سے نکل جائے چنانچہ قبیلہ سہا کے لوگ اور بنو قیلہ (انصار مدینہ کے باپا اجداد) ادھر ادھر منتشر ہو گئے کچھ لوگ شام چلے گئے اور بنو قیلہ کے دو قبیلے اوس و خزرج مدینہ طیبہ میں آکر مقیم ہو گئے۔

اس وقت مدینہ طیبہ میں یہود کا تسلط تھا ان میں تین قبیلے بڑے تھے بنو قیلہ قحطان بنو نضیر اور بنو قریظہ بنو قیلہ قحطان سب سے بہادر تھے لوہاری کا پیشہ کرتے تھے یہودیوں نے اوس و خزرج کو اس شرط پر اقامت مدینہ کی اجازت دی کہ جب کسی کے یہاں شادی ہوگی اس سے سب سے پہلی رات میں دلہن کو ہمارے یہاں بھیجنا پڑے گا ان لوگوں نے مجبوری میں اس شرط کو قبول کر لیا مگر خدا کو ان کی حفاظت منظور تھی جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب شادی ہوئی تو وہ شادی شدہ لڑکی منہ کھول کر سارے مجمع کے سامنے آگئی مجمع میں جو عزا و درقاہ موجود تھے انہوں نے اس کو بے جا بلی پر عار دلائی تو اس نے کہا کہ مجھ سے پہلے تمہیں بے غیرتی کا ماتم کرنا چاہئے کہ مجھے غیر شوہر کے پاس بھیجنے پر راضی ہو۔

اس پر ان لوگوں کی غیرت و محبت کو بھی جوش آیا اور تجویہ کر لیا کہ اس ذلت کو ہرگز گوارہ نہیں کریں گے اور ضرورت ہوئی تو یہود مدینہ سے جنگ بھی کریں گے جنگ کی تیاری کی اور خدا کے عہد و سہ پر وہ لوگ یہود سے بھڑ گئے اور خدا نے ان کو یہود پر غالب کر دیا اس کے بعد یہود مدینہ اوس و خزرج سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور پر ہم تمہاری ان حرکات کا جواب دیں گے اوس و خزرج کو بھی ان کی اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی امید ہو گئی تھی پھر موسم حج پر جو لوگ مکہ معظمہ جاتے تھے ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی بھی خبریں آنی شروع ہو گئیں اور ان لوگوں نے ارادہ کر لیا کہ ہم یہود سے بھی پہلے نبی آخر الزماں پر ایمان لائیں گے۔

اوس و خزرج میں سے پہلا قافلہ موسم حج پر مکہ معظمہ پہنچا اور منی میں حجرہ عقبہ کے مقام پر ٹھہرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے

لئے ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے کہا کہ ہمارے چند آدمی باہر گئے ہیں ہم ان سے مشورہ کر لیں گے آپ شب کو تشریف لائیں مشورہ میں طے پایا کہ یہودی پیغمبر آخر اٹھان معلوم ہوتے ہیں جن کے ساتھ مل کر یہودی ہمیں استیصال کی دھمکیاں دیا کرتے تھے اس لئے موقع غنیمت ہے ہمیں ان کی بات قبول کر لینی چاہئے پھر جب آپ رات میں تشریف لے گئے تو ان بارہ آدمیوں نے دعوت اسلام قبول کر لی اس رات کو لیلۃ العتہہ کہا جاتا ہے اور اس مقام حجرہ عقبہ پر انصار سے دو بیٹھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔ ایک یہی ہے کہ جو اسلام کی سب سے پہلی بیعت ہے دوسری بیعت انصار سے اگلے سال لی ہے جس میں ستر انصاری تھے انصار میں سے جن لوگوں نے پہلے بیعت کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا عہد کیا وہ ”نقباء الانصار“ کہلائے گئے کیونکہ غیب قوم کے ناظر گرام و سردار کو کہتے ہیں۔

ایک انصاری جنتی کا واقعہ

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں والذین تبوءوا الدار والایمان الا یہ کہ ان میں ایک حدیث روایت امام احمدؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس ایک شخص اہل جنت میں سے آئے گا اتنے میں ایک انصاری آئے جن کی ریش مبارک سے وضو کے قطرات گر رہے تھے اور انہوں نے اپنے دونوں پہل اپنے بائیں ہاتھ میں لٹکا رکھے تھے اگلے روز بھی آپ نے اسی طرح فرمایا اور شخص مذکور اسی شان سے حاضر مجلس ہوئے تیسرے دن بھی آپ نے اسی طرح فرمایا اور وہ اسی طرح آئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص ان انصاری کے ساتھ ہوئے اور کہا کہ میرا باپ سے کچھ جھگڑا ہوا گیا اور میں نے قسم کھالی ہے کہ تین دن تک ان کے پاس نہ جاؤں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو اتنے وقت کے لئے مجھے اپنے پاس مقرر لیں۔ انصاری نے فرمایا بہت اچھا!

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ وہ تین رات ان انصاری کے پاس رہے (تا کہ ان کی شب و روز کی پوری زندگی کا مطالعہ کریں) دیکھا کہ کسی رات میں بھی اٹھ کر عبادات نہیں کی ابجز اس کے کہ رات کو جس وقت بھی نیند سے بیدار ہوتے تو اپنے بسز پر کدو بدلتے ہوئے خدا کا ذکر و تکبیر ضرور کرتے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھ بیٹھتے تھے دوسرے یہ کہ کبھی میں نے ان کو سوائے خیر کے کوئی بات کہتے نہیں سنا جب بیٹیوں راتیں گزر گئیں اور مجھے ان کے اعمال شانہ روز کی کوئی وقت محسوس نہ ہوئی تو مجھے ان سے کہنا پڑا کہ بھائی واقعہ یہ ہے کہ میرا باپ سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا نہ میں نے ان کو چھوڑا میں نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار سنا تھا کہ ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تین دن آپ ہی آئے اس لئے ارادہ کیا کہ آپ کے پاس رہ کر دیکھوں کیا عمل کرتے ہیں تو میں نے کوئی بہت بڑا عمل آپ کا نہیں دیکھا آپ اب ہی بتلائیے کہ اس مرتبہ کو جس طرح پہنچے؟ (کہ دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت مل گئی انصاری نے فرمایا کہ میں تو میرا اتنا ہی ہے جو آپ نے دیکھا میں یہ سن کر لوٹ پڑا تو انہوں نے بلایا اور پھر کہا کہ عمل تو اتنا ہی ہے جو آپ نے دیکھا البتہ اتنی بات اور ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کھوٹ کی بات (کی نہ عداوت وغیرہ) نہیں رکھتا اور نہ کسی کو ایسے حال میں دیکھ کر حسد کرتا ہوں حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ بس یہی وہ بات ہے جس سے آپ اس مرتبہ پر پہنچے ہیں اور یہ وہ بات ہے جو شخص کی طاقت و وسعت سے باہر ہے۔

ایں سعادت بزرور پاؤ غنیمت تا نہ عطفہ خدائے بخشندہ!

غرض انصار مدینہ کے اسی قسم کے باطنی اخلاق اور کمال ایمان کے اوصاف تھے اور ان کی ابتداء اسلام کی بے نظیر خدمات تھیں جن کی وجہ سے ان کی محبت ایمان کی علامت قرار پائی اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ٹھہرائی گئی۔ اللھم اجعلنا معہم ومع من اجبہم برحمتک وفضلک۔

باب (۷۱) حدثنا ابو الیمان قال حدثنا شعیب عن الزہری قال اخبرنی ابو ادريس عائذہ اللہ عن عبد اللہ عن عبادۃ بن الصامت وکان شہد بدرا وهو احد النقباء لیلۃ العقبة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وحولہ عصاہ من اصحابہ یایعونى علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تنزوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تلذوا بہن ان تفترونہ بین یدیکم وارجلکم ولا تعصوا لی معروف فمن وفى منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذلک شیئا فموجب فی الدنیا فهو کفارۃ لہ ومن اصاب من ذلک شیئا لم یسترہ اللہ فهو الی اللہ ان شاء عفاه و ان شاء عاقبہ لہا بعناہ علی ذلک.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے یقیوں میں سے تھے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جب آپ کے گرد و حواصط میں ایک جماعت موجود تھی یہ فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گئے چوری نہیں کرو گئے زنا نہیں کرو گئے اپنی نسل کشی نہ کرو گئے اور نہ عہد کوئی بہتان باندھو گئے اور کسی اچھی بات میں (خدا کی) تاثر مانی نہ کرو گئے جو کوئی تم میں (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان (بری باتوں) میں سے کسی میں جلتا ہو جائے اور اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ سزا اس کے (گناہوں) کے لیے کفارہ ہو جائے گی۔ اور جو کوئی ان میں سے کسی بات میں جلتا ہو گیا اور اللہ نے اس (گناہ) کو چھپا لیا تو وہ (معاملہ) اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے معاف کر دے اور اگر چاہے سزا دے دے (عبادہ کہتے ہیں کہ) پھر ہم سب نے ان (سب باتوں پر) آپ سے بیعت کر لی۔

تشریح: یہاں امام بخاری نے صرف باب کا لفظ لکھا اور کوئی ترجمہ یا عنوان قائم نہیں کیا جس کی وجہ اکثر شارحین بخاری نے یہ لکھی ہے کہ اس باب کی حدیث سے اب سابق سے ہی متعلق ہے گو یا اس کا تفسیر یہ کیونکہ اس میں انصار کی وجہ تفسیر اور وجہ فضیلت ظاہر کی گئی ہے پہلے وہ بنو قریظہ کہلاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "انصار" کا لقب مرحمت فرمایا اور ان کے دینی فضائل کی وجہ سے ان کی محبت کو ایمان کی علامت فرمایا اس حدیث میں انصار کہلانے کی وجہ اور فضیلت کا بھی اظہار ہے کہ مکہ معظمہ کی زندگی میں (ایسے وقت کہ تقریباً سارے اہل مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کے سخت مخالفت کر رہے تھے اور حنفہ در کو اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کی ایذائیں دے رہے تھے) انصار کا پہلا قافلہ حج کے موسم میں مکہ معظمہ پہنچتا ہے اور مئی میں جرہ عقبہ کے پاس جہاں حاجی ۱۱۰۰ھ ۱۲ ذی الحجہ کو رمی جہار کرتے ہیں۔ قیام کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام و اہل اسلام کے لئے بیعت کی۔

اس حدیث کی روایت کرنے والے بھی ایک جلیل القدر صحابی انصاری حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں جو لیلۃ العقبہ کی اس پہلی بیعت میں بھی شریک تھے اور اگلے سال دوسری بیعت میں بھی شریک ہوئے جس میں ستر (۷۰) انصار نے مدینہ طیبہ سے آ کر اسی مقام پر بیعت کی تھی اس کے علاوہ بدر احد بیعت رضوان اور تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تمام اوزاعی نے فرمایا کہ سب سے پہلے فلسطین کے قاضی بھی عبادہ ہی تھے ۴۲ سال کی عمر میں ۳۳ھ میں وفات پائی آپ سے ۸۸ھ میں مروی ہیں امام بخاری نے آپ سے ۸۹ھ حدیث روایت کی ہیں۔

اس حدیث کی روایت کرنے والے سب شامی ہیں اور اس ایک ہی حدیث میں تھریٹ اخبار اور حصہ تینوں صورتیں روایت حدیث کی جمع ہیں اس میں ایک قاضی کی روایت دوسرے قاضی سے ہے ابواوریس بھی قاضی تھے۔ ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے روایت کی ہے کیونکہ ابواوریس بھی صحابی ہیں۔

بحث و نظر: اس حدیث میں احکام اسلام پر بیعت فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص سارے احکام کی پابندی کرے وہ پورے اجر کا مستحق ہے جو معاصی کا مرتکب ہو اور دنیا میں عقاب کی زد میں بھی آگیا تو وہ عقاب اس کے لیے معاصی کا کفارہ ہو گیا

اور جو یہاں اس سے نہ گیا تو اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے چاہے کا بخش دے گا چاہے کا عقاب دے گا۔

اس وضاحت سے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ار جاہ رست کی حقیقت ثابت فرمادی اور عہدہ بھی ارشاد ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تابعین اور دوسرے سلف و خلف کا بھی حس پر امام بخاری نے خاص طور سے امام صاحب کو مطعون کیا کہ وہ تو مرجئی تھے وغیرہ اور قرآن مجید میں تو و آخرون موجون لا مرأئہ اما بعد ہمہ و اما یعوب علیہم (توبہ) میں تو ار جاہ کا لفظ ہی ذکر فرمایا دیا اب ظاہر ہے کہ خدا کے نزدیک مرجع معاصی تو مرجون ہیں ان کے لیے یہی خدا کا فیصلہ بتلے والے مرجئی ہیں۔ تو جس امر کی اجازت خود اللہ تعالیٰ دیں اور ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی وہی بات نگلی پھر ان کے اہاج میں اگر امام صاحب وغیرہ نے عہدہ بھی بات کہی تو ان کو بطور طعن و طنز مرجئی کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ ہاں! ار جاہ بدعت ضرور بدعت ہے اور اس سے امام صاحب خود ہی بری و بیزار ہیں اگر اس معنی سے ان کو مرجئی کہا جائے تو یہ ظلم فوق ظلم ہے۔

حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟

اس حدیث میں جو عقوبت کو کفارہ و معاصی فرمایا گیا ہے اس کی وجہ سے یہ بحث بھی چھڑ گئی ہے کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ کسی معصیت پر شرعی حد لگ جانے پر اگر وہ مجرم توبہ اور انابت الی اللہ بھی کرے تو اس جرم کے اثرات ظاہری و باطنی دنیوی و اخروی سب ختم ہو جاتے ہیں! الثالب من الذنب کمن لا ذنب لہ اس صورت میں سب کا اتفاق ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جرم کا مثلاً زنا سرتہ وغیرہ اور جرم ثابت ہونے پر حد لگ لی مگر توبہ یا توبہ کے کچھ آثار ظاہر نہ ہوئے تو کیا صرف حد لگنے سے بھی وہ پاک صاف ہو گیا یا نہیں اس میں اختلاف ہے امام اعظم اور دیگر ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ حد صرف دنیوی زجر و تنبیہ ہے دنیاوی اعتبار سے حد کا مقصد حاصل ہو گیا کہ اس کو تنبیہ ہو گئی اور دوسروں کو اس سے عبرت ملی اور اب اس کو دنیا والے زانی یا سارق کہہ کر پکار بھی نہیں سکتے، لیکن آخرت کا مواخذہ ختم کرنے اور پوری طرح پاک صاف کرنے والی چیز توبہ ہے و لم یعب فاؤلئک ہم الظالمون (حجرات) غرض احناف کے نزدیک بغیر توبہ کے صرف حد کا کافی نہیں۔ خصوصاً جب کہ جرائم پیشہ لوگ یا عادی مجرم ہمیشہ زنا سرتہ شرب خمر وغیرہ کے عادی ہوتے ہیں اور ان پر حد بھی لگتی رہتی ہے کیونکہ صحیح معنی میں دل و زبان سے توبہ نہیں کرتے اس کے برعکس شوافع کی رائے یہ ہے کہ حد سے گناہ بالکل و مل جاتا ہے توبہ کرے یا نہ کرے یہ حد ہی اس کے لیے توبہ کا قائم مقام ہے امام بخاری کی رائے بھی شوافع کے ساتھ ہے چنانچہ کتاب اللہ و میں ایک باب "الحدود کفارہ" صفحہ ۱۰۰۳ میں آئے گا اور وہاں امام بخاری نے یہی عبادہ والی حدیث پیش کی ہے ہم اس بحث کو مکمل طور پر انشاء اللہ تعالیٰ اسی مقام پر لکھیں گے اور بتلائیں گے کہ قرآن حدیث اور علم و عقل کی روشنی میں ائمہ حنفیہ کا مسلک نہایت قوی ہے یہاں مختصر اضرع صاحب کی تحقیق عرض ہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی حدود کو کفارہ نہیں کہا گیا بلکہ آیت السارق و السارقة فالطعوا ایدہما الایۃ میں تو تفصیل کے ساتھ فرمایا گیا کہ قطع یہ بطور سزا ہے اس کے بعد اگر وہ توبہ کرے گا اور اپنی حالت کی اصلاح کرے گا (جو توبہ ہی کا جزو ہے) تو اللہ تعالیٰ معاف فرہ دیں گے۔ مگر چونکہ حدود کے ضمن میں توبہ ہوتی ہے خصوصاً صحابہ کرام کے حالات سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے اس لیے بعض احادیث میں حدود کو مطلقاً کفارہ ہونا بیان ہوا ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور امراء قادیانہ کا بار بار اپنے جرم کا اقرار اور حدود جرم کو بخوشی قبول کرنا ان کی اپنی توبہ کو ظاہر کرتا ہے حضرت شاہ حلیہ حقیقت میں تو بہن چڑوں کا مجموعہ ہے۔ عدم (کساپے گناہوں پر نام ہو جائے اور سمجھے کہ جھ سے خدا کی نافرمانی ہوئی) افلاخ (کس گناہ کو ترک کر دے) عزم علی ترک (کسا گناہ اس معصیت کو ترک کرنے کا عزم اور پختہ ارادہ کرے) حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے خود حاضر ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جھ سے زنا کا جرم ہو گیا ہے آپ نے بار بار ان کو لاکھوں شک و شبہ کی بات نہ کہے مگر وہ بار بار اقرار کرتے رہے تب ان کو جرم کیا گیا اس کے بعد کھو لوگوں نے کہا کہ ماعز برادہ ہوئے یعنی بڑی معصیت کی ہے؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ یہاں نظری اختلاف ہے مسئلہ کا اختلاف نہیں ہے اور نظر حنفی کی اصوب ہے۔

حدیث عبادہ مذکور کے مقابلہ میں دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں“ اس کو حاکم نے مستدرک میں پسند صحیح روایت کیا ان دونوں حدیثوں پر محمد ثناء بحث حافظ عینی و حافظ ابن حجر نے کی ہے جو

(بقیہ حاشیہ طبرانی) دوسروں نے کہا نہیں ان کی توبہ سے ہر کسی کی توبہ ہو سکتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے محض میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ماعز کے لیے خدا سے مغفرت طلب کرنا نہیں ہے دعا و مغفرت کی پھر فرمایا کہ ماعز نے اس کی توبہ کی ہے کہ اگر ایک است پر توبہ کی جائے تو اس کو بھی توبہ ہو سکتی ہے (مسلم باب حدانہ)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف رجم کفارہ نہیں چنانچہ آپ نے دعا مغفرت کرائی حالانکہ خدا نے اقرار سے رجم گئے تھے جس سے عاصم و غیر وہ کے ارکان کی موجودگی ظاہر ہوئی ہے دوسرے یہ کہ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماعز کی توبہ میں کوئی کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا ہوگی اور شاید اسی لیے دعا سے مغفرت کرائی بخلاف عاصم یہ صحابہ کے وہاں اکثر روایات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور ان کے واقعہ میں حضور کا ان کے لیے دعا و مغفرت کا رجم بھی ثابت نہیں دونوں کے واقعات میں جعفر بن قریب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابہ نے نبی اکرمؐ سے زیادہ مستقل مزاج اور خدا کی حد پر مصر کرنے والی تھیں جس کی وجہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ماعز نے اقرار رجم کیا حضورؐ سوچنے سمجھنے کا موقع دیا حضرت ماعزؓ کچھ روز جا کر واپس ہوئے پھر اقرار کیا اور اس طرح چار بار اقرار کیا تو بڑے وقت میں خیال بدلنے کا احتمال کم ہوتا ہے بخلاف صحابہ مذکورہ کے کہ انہوں نے اقرار کیا حضورؐ نے واپس کر دیا انہوں نے پھر حاضر ہو کر اقرار کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ حضورؐ آپ شاید مجھے ماعز کی طرح لوٹا رہے ہیں خدا کی قسم مجھے تو صل بھی زنا سے ہی ہے (یعنی مجھ پر رجم کی سزا خود ہی جاری ہوئی چاہئے۔ لفظی نہیں چاہئے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا یہاں سے دو لڑاتے کے بعد رجم بھی ملے گا لڑتے کے بعد رجم بھی ملے گا لڑتے کے بعد رجم بھی ملے گا (دونوں روایت ہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ کو دودھ پلاؤ پھر آؤ اس کے بعد دودھ پلاؤ پھر آؤ پھر آؤ اس کے بعد دودھ پلاؤ پھر آؤ (یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دستور یہی تھا کہ دودھ پلانے کے بعد جب تک بچہ روئی کا کلامات میں نہ لینے لگے اور وضاعت میں ہی رہتا ہے جس سے حد رضاعت نام فطر رعشت اللہ علیہ کے مذہب کے موافق دو سال سے زیادہ اڑھائی سال کے اندر ثابت ہوتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ (چونکہ باری) صحابہ مذکورہ بیکوای شان سے لے کر حاضر ہوئیں کہ اس کے ہاتھ میں روئی کا کلام تھا انہوں نے عرض کیا کہ اب تو ساری شرطیں پوری ہو گئیں یا رسول اللہ! اب تو مجھ پر خدا کی حد جاری کر دیجئے! اس پر آپ نے اس کا بچہ کی صفائی کے بہرہ کر دیا اور رجم کا حکم دیا۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ماعز کو رجم کیا گیا تو بھگتے تھے تھے (یہ محض ایک فطری و بشری کمزوری نہیں) سزا اللہ رجم سے بھائی نہیں تھا مگر صحابہ مذکورہ نے اس بشری کمزوری کا بھی اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ بھی بعض روایات میں ملتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ماعز کی طرح نہیں بھاگوں گی اللہ اکبر! حضرات صحابہ و صحابیات کے ایمان کتنے تھے تھے کہ پھاڑ مل جائیں مگر ان کا ایمان اپنی جگہ سے نہ ہل سکتے تھے۔

(۳) حضرت ماعز پر اسلام میں سب سے پہلی بار رجم ہوا اور ان کے رجم کے ہولناک حالات تمام صحابہ و صحابیات کو معلوم ہو چکے تھے پھر بھی صحابہ مذکورہ نے اس قدر استقلال و پامردی کا ثبوت دیا اور ان کی ذرا سی بھی جھلک خدا کی حد کے قائم کرانے میں نہ ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توبہ یا تبت اللہ الی اللہ بھی نہایت کامل مکمل تھی اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی نماز جنازہ میں شرکت فرمایا اور فرمایا کہ اس نے اس کی توبہ کی ہے کہ اس کی توبہ کر ”صاحب کس“ بھی کرتا تو اس کے ماعز کا تعلق دے جاتے ”صاحب کس“ وہ بے جولوگوں سے بطور مجرم کے نکلیں و سول کرتا ہے جیسے ایم جاہلیت میں بارود میں چیزیں فروخت کرنے والوں سے لگس لگیا جاتا تھا یا صدقہ وصول کرنے والے رقم صدقات کے علاوہ رقم وصول کرنے تھے (گو بارود میں کامل بغیر رقم لینا اور وہ بھی جبر و غلبہ سے یہ کس ہے۔

امام نوویؒ شارح مسلم نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابی اور برادر کر دینے والے کتاہوں سے زیادہ قبیح ہے۔ کیونکہ لوگوں کے بہ کثرت مطالبات و حقوق اس سے متعلق ہوتے ہیں اور وہ برابر بھی کا کر تاہتا ہے (مشاورہ زمانہ ماہنامہ سال بسال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت مبارک تھی کہ جب کوئی جنازہ آتا تو ریاقت فرماتے کہ اس مرنے والے پر کوئی دین و قرض تو نہیں ہے؟ اگر نہ ہوتا تو خود نماز میت پڑھاتے اور نہ فرما دیتے کہ گو تم لوگ نماز پڑھو یہ معاملہ قرض والے کے ساتھ تھا حالانکہ اکثر قرض و روت میں لایا جاتا ہے اور کوشش بھی ادا کی جاتی ہے پھر صحابیؓ ورع و احتیاد کا تو کہنا ہی کیا؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ مذکورہ کی توبہ کو اس کے اپنی درجہ کے اخلاص و شہید خداوندی کے سبب کہ اس قدر دھیرا دینے والی موت بظلم رجم سے بھی توبہ کر دے اور جہاد کا بڑے بڑے گناہ و گنہگار کو بھی ایسی توبہ سے حق مغفرت قرار دیا اور شاید یہی تھیں کہ ایسی توبہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ کی نماز پڑھا دے جس طرح صحابہ مذکورہ کی پڑھا دی جب یہ عام اصول تو یہی ہے کہ حقوق العباد بغیر بندوں سے معاف کرانے معاف نہیں ہو سکتے مگر ان تھائی جس بندے کی گنہگار کرنا چاہیں اس کے لیے اپنے خصوصی فضل و انعام کی شان سے ان صاحب حقوق کو رخصتی کے معاف کرنا سکتے ہیں۔ اللھم اغفر لنا و ارحمنا و اکرم علینا بفضلک الخاص و جودک العام انک علی کل شیء قلیدیر و بالا جابہ جلدیر۔

بہت اہم ہے اس کو بھی ہم کتاب اللہ دہیں ذکر کریں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) اس کے علاوہ یہ کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب ان دونوں میں تطبیق کی بھی صورت نکالتے تھے پوری بحث سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب اور ائمہ حنفیہ کا مرتبہ بمقابلہ امام شافعی و امام بخاری وغیرہ نہ صرف فقہ و علم قیاس میں بہت بڑھا ہوا تھا بلکہ حدیث دانی و علم معانی حدیث میں بھی وہ نہایت اونچے مقام پر تھے مگر چونکہ اس امر کا پروپیگنڈہ نہیں کیا گیا بلکہ مخالفوں نے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا اس لیے عام ذہنوں میں غلط تصور قائم ہوتا رہا انوار الباری میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ پوری دیانت کے ساتھ صحیح پوزیشن واضح کریں گے اور جہاں کوئی کمزوری اپنے یہاں ہوگی اس کو بھی بے تامل ظاہر کریں گے یہی طریقہ ہمارے اکابر اور حضرت شاہ صاحب کا تھا کتاب کا اکثر حصہ سامنے آنے پر فیصلہ بخوبی ہو سکے گا کہ ہمارا مقصد خدمت علوم نبوت ہے کسی مسلک کی تائید اس لیے نہیں کرتی ہے کہ اس سے ہم وابستہ ہیں نہ کسی مسلک کی تردید اس لیے ہوگی کہ ہم اس کے پیرو نہیں۔ واللہ العوفی۔

بیعت اور ان کی اقسام

چونکہ اس حدیث میں بیعت کا ذکر ہے اس لیے اس کی تعریف اور اقسام ذکر کی جاتی ہیں بیعت کے شرعی معنی کسی قبض شریعت الہیہ کے ہاتھ پر کسی امر دینی کو..... سرانجام دینے کا عہد و میثاق کرنے کے ہیں چونکہ بیعت کا مقصد خدا کے کسی حکم کی بجا آوری کا عہد و میثاق رسول یا نائب رسول کی وساطت سے پورا ہوتا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس طریقہ کو نہایت پسند فرمایا اور یہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ بلا شک و شبہ خدا سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے پھر جو کوئی (اس بیعت کو) توڑے گا تو اس کے توڑنے سے اپنا ہی نقصان کرے گا اور جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے حضرت علامہ عثمانی نے اس آیت کے فوائد میں تحریر فرمایا لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل و تاکید بیعت کے ذریعے کراتا ہے جب بیعت نبوی کی حقیقت یہ ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست شفقت و حمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوگا۔ (حسیب) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے صحیح مسلم میں ”علی الخیر“ لفظ آیا ہے مشارع طریقت کی بیعت اگر بطریق شروع ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہوگی حدیبیہ میں اس امر پر بیعت لی گئی تھی کہ مرتے دم تک میدان جہاد سے نہیں ہٹائیں گے۔

غرض یہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے کبھی ہجرت پر کبھی جہاد پر کبھی ارکان اسلام کو قائم رکھنے پر کبھی میدان جہاد میں ڈلے رہنے پر کبھی ترک خواہشات و منکرات پر (جیسا کہ حدیث میں ہے کبھی تمسک بالسنۃ) اجتناب عن البدعہ اور از سر علی الطاعات پر (جیسا کہ انصاری عورتوں سے بیعت لی تھی) ایک دفعہ فقہر ائمہ جہین سے اس امر پر بیعت لی کہ کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کریں گے جس کی وجہ سے انہوں نے اتنی سختی سے اپنے اس عہد بیعت کو پورا کیا کہ اگر گھوڑے پر سوار جا رہے ہیں اور کوڑا ہاتھ سے گر گیا تو راہ چلتے سے کوڑا اٹھا کر دوپٹے کو نہ کہتے تھے بلکہ خود اتر کر اٹھاتے تھے۔ (ابن ماجہ)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر صحابی سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت لی اور کچھ انصار صحابہ سے اس امر پر بیعت لی کہ خدا لگتی بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کریں گے اور ہر موقعہ پر حق بات ہی کہیں گے جس کی وجہ سے ان میں سے ایک آدمی بڑے سے بڑے امیر اور بادشاہ تک کو بھی بری بات پر ٹوک دیتا تھا۔ اسی طرح دوسرے امور خیر پر بھی بیعت لینا عادت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا طریقہ مسنون ہے اور مشائخ و صوفیہ کا طریقہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ تمام احکام اسلام کی پابندی کے عہد

بیعت پر مشتمل ہے اور ای کے ساتھ ذکر و مراقبہ وغیرہ کے ذریعہ بھی انابت الی اللہ و تقرب الی اللہ کے وسائل اختیار کرتے ہیں جو وسائل معین انابت و تقرب ہوں ان کو بدعت نہیں کہا جاسکتا البتہ بیعت لینے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح معنی میں نائب رسول ہو ورنہ جاہد شریعت سے انحراف کا خطرہ رہے گا۔ جس سے بجائے نفع کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ علماء کرام نے بیعت لینے والے کے چند اوصاف لکھے ہیں ان پر توجہ ضروری ہے۔

(۱) عالم کتاب و سنت ہو تاکہ بیعت کے اہم مقاصد حاصل ہوں مثلاً امر معروف، نہی منکر، سکینہ، باطنی و اطمینان قلبی حاصل کرانے کے شرعی طریقے جتلا تا انزالہ ردائل و اکتساب فضائل قرآن و حدیث کے خلاف طریقوں سے نہ کرانا وغیرہ۔

(۲) عدالت، تقویٰ، صدق و ضبط وغیرہ اوصاف سے متصف ہو لہذا کہا جائے کہ مصلحت سے قطعاً مجتنب اور صفائے پر معزز ہو

(۳) دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی طرف پوری طرح راغب ہو طاعات ہو کہ وہ اور اذکار اور ثورہ مسنونہ کا پابند ہو

(۴) علماء کی خدمت میں کافی زمانہ گزار کر ان سے علم ظاہر و نور باطن سکینہ و تعلق مع اللہ کی کیفیات حاصل کی ہوں وغیرہ۔

شیخ طریقت سے ظہور کرامات و عوارق عادات ضروری نہیں کیونکہ وہ مجاہدات و ریاضات کا ثمرہ ہیں شرط کمال نہیں ہیں اسی طرح شیخ کے لئے ترک آکتاب بھی ضروری نہیں بلکہ خلاف شریعت ہے (مغلوب الحال بزرگوں کے حالات سے اس بارے میں سند لینا درست نہیں) نیز قلیل برقاات اور مشتبہ اموال سے اجتناب مشائخ کے لئے ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ جو مشائخ جب جاہ و مال میں جلا ہیں وہ ہر گز مشیخت کے لائق نہیں دوسرے یہ کہ شیخ ایسے شخص کو بنانا چاہئے جو علم و عمل کے لحاظ سے بھی زیادہ سے زیادہ مکمل ہو مگر کہ وہ مکمل کے ساتھ ہی ہوا و نہ بیکار نہ مناسب ہے نہ مفید نہ نفع اس لئے بعض ایسی بیعت کی کوئی شریعتی اہمیت نہیں ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ بیعت لینا ایسی کسی کے ساتھ پر بیعت کرنا دونوں نہایت اہم ذمہ داریوں کو تقاضی ہیں اور کسی شیخ کا اپنے کسی مرید کو خلیفہ یا قائم مقام بنانا نہایت درجہ مسداری کا منصب ہے اس میں تساہل برتنا اس منصب رفیع کو بے وقعت بناتا ہے۔ جس سے بے شمار نئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اذا و صد الامر الی غیر اھلہ فانظر الساعۃ کیونکہ ایسی باتوں سے دین میں کمزوری آ جاتی ہے جو قرب قیامت کے ساتھ بڑھتی جائیگی۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرات مشائخ طریقت نے اپنے اپنے سلسلہ کی طریقت کی حفاظت بھی سلسلہ کے نسب کی طرح کی ہے اس لئے ان کی رضا و اندازوں سے اجتناب ضروری ہے مثلاً۔

(۱) جس شیخ اور پیر مرشد سے کسی کو اجازت بیعت یا خلافت ملی ہو اسی سے اپنا سلسلہ بیعت جاری کرنا چاہئے قطع سلسلہ مناسب نہیں (۲) اگر کسی شیخ نے خود خلافت نہیں دی ہے تو اس کی موجودگی میں یا اس کے بعد دوسرے خلفاء شیخ مذکور کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو اس شیخ کی طرف سے خلافت دیدیں البتہ اپنی طرف سے دے سکتے ہیں اور اس مجاز کو بھی کسی شیخ مذکور کی بجائے ان انجیرین کے واسطے سے سلسلہ کو متصل کرنا چاہئے۔

(۳) کسی شیخ کی موجودگی میں یا اس کے بعد کسی ایک یا چند خلفاء شیخ مذکور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مجاز شیخ مذکور کی خلافت سلب کر دیں۔ ہاں اگر مجاز مذکور میں خود ہی کسی وجہ سے الہیت بیعت باقی نہ رہے کی تو وہ عند اللہ اس خلافت سے محروم ہو جائے گا۔

طرق سلوک اور علوم طریقت کی پوری معرفت کے لئے حضرت امام ربانی مجدد صاحب الف ثانی قدس سرہ کے کتب و بات شریفہ وغیرہ حضرت شاہ ولی اللہ کے رسائل تصوف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیر السبیل اور التکشف عن مہمات التصوف وغیرہ دیکھی جائیں۔

باب۔ من الدین الفرائد من الفتن (فتنوں سے دور رہنا بھی دین میں داخل ہے)

۱۸۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابی صعصعۃ عن ابی سعید بن

الخدیری انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها

شعب الجبال و مواقع القطر یفر بدینہ من الفتن.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- وہ زمانہ قریب ہے کہ مسلمان کا سب سے بہتر مال وہ بکریاں ہوں گی جنہیں نیکو روہ پہاڑوں کی چوٹیوں یا ان کی وادیوں میں گزر اوقات کرے گا تاکہ اپنے دین کو اس زمانہ کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکے۔

تشریح:- دین کے عمومی منافع و فوائد کے لحاظ سے اجتماعی زندگی اسلام میں زیادہ پسندیدہ ہے اور اسوہ انبیاء علیہم السلام بھی یہی ہے کہ معاشرہ میں رہ کر اپنی اور معاشرہ کی اصلاح پر توجہ دی جائے اسی لئے اسلام میں رہبانیت کو پسند نہیں کیا گیا کہ سب سے الگ تھلگ ہو کر صرف اپنی دینی زندگی کو سنوارا جائے اور دوسروں کے احوال سے صرف نظر کر لی جائے مگر قرب قیامت کے ساتھ طرح طرح کے فتنے بھی زیادہ ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ وہ وقت بھی آ جائے گا کہ بڑی بستیوں اور شہروں میں زندگی گزارنے والوں کو اپنے دین پر قائم رہنا دشوار ہو جائے گا بجائے اس کے کہ معاشرہ میں رہ کر اپنی اور دوسروں کی اصلاح حال و ہاں میں رہ کر اپنا دین و ایمان بھی فخریہ طور پر پڑ جائے تو ایسے مجبور کن حالات میں شارع اسلام کی طرف سے اجازت ہے کہ بستیوں اور معاشرہ کو چھوڑ کر پہاڑوں اور وادیوں میں سر چھپا کر معمولی گزران کی صورت میں اختیار کر کے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کریں۔

مقدمہ یہ ہے کہ دین و ایمان کی حفاظت دوسری انسانی ضرورتوں پر مقدم ہے ایک حدیث ترمذی و ابوداؤد میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آ جائے گا کہ اس میں میرا استقلال سے زندگی گزارنا آگ کے انگاروں کو ہاتھ میں پکڑنے کی طرح دشوار ہوگا اسی لئے اس وقت جو دین کے مقتضیات پر عمل کرے گا اس کو تہارے پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔ (یعنی صحابہ کرام کے) دوسری حدیث ترمذی و ابوداؤد میں ہے کہ قرب قیامت میں یہ کثرت فتنے اندھیری رات کے تاریک حصوں کی طرح چھائیں گے ان میں ایک شخص صبح کو مومن ہوگا اور شام تک ایمان باقی نہ رہ سکے گا یا شام کے وقت مومن ہوگا تو ایمان کے ساتھ صبح پکڑنی مشکل ہوگی۔ ان فتنوں کے وقت ایک جگہ پر بیٹھنے والا دوسرا دھرجا جانے والے سے بہتر ہوگا اور آہستہ چلنے والا تیز رفتار سے بہتر ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا اسی طرح اور بہت سی احادیث فتن و اشرار طاعت کے بارے میں ماثور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تدبیریں طور سے اور فتنوں کی نوعیت کے فرق سے دین و ایمان کی حفاظت کے طریقے بھی مختلف ہوں گے ایک وقت میں شہروں میں رہتے ہوئے ہی گھروں میں جم کر بیٹھ جانا اور باہر کی مسموم ہوا سے دین کو محفوظ کر لینا کافی ہوگا، کبھی بڑے شہروں کو چھوڑ کر چھوٹے قصبہ و دیہات کی زندگی میں سکون ملے گا اور بالکل آخر میں وہ نبوت بھی آ جائے گی جس کا ذکر حدیث الباب میں ہے حدیث میں ”دین“ کا لفظ ہے جس کا اطلاق ہم بتلا چکے ہیں کہ مجموعہ ایمان و اسلام پر ہوتا ہے لہذا اس حدیث سے اعمال کا جزو ایمان ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ البتہ ایمان کے ساتھ اعمال کی اہمیت پر استدلال درست ہے جن کے منکر مرحہ اہل بدعت ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب:- قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ وان المعرفة فعل القلب لقول اللہ تعالیٰ:۔۔۔ ولكن

یا اخذکم بما کسبت قلوبکم“

(رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تفصیل کے میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں اور یہ کہ معرفت دل کا فعل ہے کیونکہ خدا کا ارشاد ہے ”لیکن اللہ تعالیٰ ان امور کی بابت تم سے مواخذہ کرے گا جو تمہارے قلوب سے صادر ہوئے ہیں۔“)

(۱۹) حدثنا محمد بن سلام البیہقی قال اخبرنا عبدة عن هشام عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اذا هم امرهم من الاعمال بما یطيقون قالوا انا لسنّا کھیتک یا رسول اللہ! ان اللہ قد غفر لک

ما تقدم من ذنبک و ما تاخر فیغضب حتی یعرف الغضب فی وجهہ لم یقول ان التاکم و اعلمکم باللہ انا۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو کوئی حکم فرماتے تو اس امر کی رعایت فرماتے تھے کہ وہ عمل کی طاقت و استطاعت سے باہر نہ ہو، صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ! ہم آپ جیسے نہیں ہیں آپ کی تو پہلی بعد کی سب لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہیں (یعنی ہمیں تو زیادہ سخت اعمال کا حکم ملنا چاہئے) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر غصہ و مال کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تم سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں (اس لحاظ سے مجھے تم سب سے زیادہ اعمال کی ضرورت ہے۔

تشریح:- صحابہ کرام کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت اعمال انجام دے کر خدا کی خوشنودی حاصل کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے تو دیکھتے کہ بظاہر آپ کے سارے اوقات عبادت میں مشغول نہیں دوسری دنیوی حاجات میں بھی مصروف لگ جاتے، تو وہ اس سے بچتے تھے کہ آپ کو زیادہ اعمال کی ضرورت اس لئے نہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کی سب گلی چھلکی اغزشیں معاف فرمادی ہیں پھر جب آپ صحابہ کو ان کی وسعت و استطاعت کا خیال کر کے زیادہ دشوار احکام نہ دیتے، تو اور بھی خیال ہوتا کہ ہمارا حصہ دین میں بہت کم ہے جو شاید نجات اخروی کے لیے بھی کافی نہ ہو۔

چنانچہ دوسری ایک حدیث میں زیادہ تفصیل آتی ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات دن کے اعمال کیا ہیں؟ آپ نے بتائے تو صحابہ نے ان کو کم سمجھا اور سوچا کہ آپ کو اعمال کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ مغفور و معصوم ہیں لیکن ہم تو ایسے نہیں ہیں اس لیے ہمیں زیادہ اور سخت اعمال کی ضرورت ہے، پھر کسی نے کہا میں ہمیشہ جہاد کروں گا، کسی نے کہا کہ میں ہمیشہ کے لیے بیوی سے الگ رہوں گا، کسی نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری بات معلوم ہوئی تو یہی فرمایا کہ میں تو تم سب سے زیادہ اطمینان والی ہوں، مقصد یہ ہے کہ اگر عبادت کی اتنی زیادتی کہ سارے دنیا کے کام معطل ہو جائیں محمود ہوتی اور خدا اس کو پسند فرماتا تو مجھے تو اپنا کوئی وقت بھی عبادت سے خالی نہ کرنا چاہئے تھا، کیونکہ تمہیں اگر آخرت کی فکر ہے تو مجھے تم سب سے زیادہ ہے، کیونکہ میرا علم خدا کی معرفت اور تقویٰ تم سب سے زیادہ ہے، پھر بھی تم دیکھتے ہو کہ میں عبادت کے علاوہ کھانا پینا سونا اور گھر و باہر کے دوسرے کام بھی کرتا ہوں

یہ تو ایک جواب ہوا، دوسرے یہ کہ اور احادیث سے ثابت ہے کہ خدا کو سب سے زیادہ وہ عمل پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ کم ہو، تیسرے یہ کہ فرائض و طاعات کی ادائیگی کے بعد جتنا وقت جائز طریقہ پر دوسرے کاموں میں صرف ہوتا ہے وہ سب بھی عبادت ہی کے حکم میں اور موجب اجر و ثواب ہے، صرف اتنی ضرورت ہے کہ ہم اپنی نیت صحیح کر لیں وہ اس طرح کہ یہ سوچ کر وہ سب کام کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعات کے ساتھ ان سب دنیوی کاموں کی بھی اجازت دی ہے اور ہم جتنے کام کر رہے ہیں وہ سب خدا و رسول کی اطاعت ہی کا ایک جزو ہیں، مثلاً کسب معاش کے تمام جائز ذرائع اختیار کرنا، دولت زیادہ سے زیادہ کماتا بشرطیکہ اس دولت کے شرعی حقوق ادا ہوں اور طاعات و عبادات پر اس کا کوئی برا اثر نہ پڑے، دنیوی علوم و صنائع کی تحصیل بشرطیکہ ان سے عتقاد و حقہ و اعمال شریعہ پر اثر نہ پڑے، گھر و باہر کے کام کاج میں وقت صرف کرنا، غرض تمام امور مباح میں وقت صرف کرنا اگر یہ سمجھ کر ہو کہ شریعت نے بشرط عدم ضرورت دین کی اجازت دی ہے اور جن کاموں سے کوئی دین یا دنیا کا فائدہ دوسروں کو پہنچ سکتا ہو وہ تو مزید اجر و ثواب کا باعث ہیں، اسی طرح اپنے کنبہ قبیلہ، اعزہ اقرباء اور عام مسلمانوں بلکہ عام انسانوں کی مالی و غیر مالی سرپرستی و امداد و تودین اسلام ہی کا ایک جزو ہے اور علوم نبوت کی تحصیل و اہتمام بالعلم تبلیغ دین امر معروف نہی منکر، جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ تو دین کے بڑے ستون ہیں، اس طرح اگر سوچ سمجھ کر اور نیت کی صحیح کے ساتھ ہم پوری زندگی گزاریں تو اس کا ہر لمحہ عبادت ہے، لہذا اس کو کم سمجھنا مناسب نہیں۔ ولفقنا اللہ ایانا و المسلمین جميعاً لما يحب و يرضى۔

بحث و نظر: (۱) امام بخاری نے یہاں ارشاد فرمایا انا اعلمکم باللہ پر باب باندھا جو بظاہر کتاب العلم کے مناسب تھا، یہاں کتاب

الایمان میں اس کو کیوں لائے؟ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ علم و معرفت و یقین کا اطلاق احوال پر بھی ہوتا ہے اور علوم نبوت جس وقت انسان کے تمام جوارح پر چھا جاتے ہیں تو وہی بعینہ ایمان کی شان ہے جس کو حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے من مات و هو یعلم ان لا اله الا الله انہ یہاں و هو یومن باللہ نہیں فرمایا حالانکہ مراد وہی ہے اسی طرح آیت انما یشعشعی اللہ من عباده العلماء میں بھی علم مراد وہ حضرات ہیں جن کے قلوب میں علوم نبوت راسخ ہو جاتے ہیں۔ اور ان علوم کی بشارت سے ایک قسم کا نورِ حلاوت و انبساط ان کو حاصل ہو جاتا ہے اور وہی ایمان کا نور ہے جس کی زیادتی ایمان کی زیادتی اور وہی ایمان کی کمی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام بخاری کا استدلال بطور ”الحاق نظیر بالغیر“ یعنی جس طرح علم میں مراتب ہیں اسی طرح ایمان میں بھی ہیں کیونکہ علم سبب ایمان ہے۔ پس جب کہ سبب میں تکلیف ثابت ہے مسبب یعنی ایمان میں بھی ثابت ہوئی۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے امام بخاری کا مقصد معتزل کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت اول واجبات ہے اس کے بعد ایمان ہے، امام بخاری نے بتلایا کہ معرفت فعل قلب ہے لہذا وہی ایمان ہے اور وہی واجب اول بھی ہے پس معرفت کوئی دوسری چیز علاوہ ایمان کے نہیں ہے جس کو واجب اول اور اس کے بعد ایمان کو دوسرا واجب قرار دیں۔

(۲) عنوان باب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ معرفت فعل قلب ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں معرفت سے اضطراری معرفت تو ہو نہیں سکتی بھی یعرفونہ کما یعرفونہ انہاء ہم میں سے اول تو اس پر لغوی اعتبار سے فعل کا اطلاق ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ فعل کا اطلاق صرف اختیاری امر پر ہوتا ہے دوسرے اس کا ایمان سے تعلق بھی نہیں لہذا معرفت سے مراد وہی اختیاری معرفت ہوگی جو دل میں جاگزین اور جوارح پر محسوس ہو جاتی ہے وہ کسی سے اور یقیناً فعل قلب بھی ہے اور وہ عین ایمان بھی ہے امام بخاری کی یہ مراد اور بھی واضح ہو جاتی ہے اگر وہ معرفت کی جگہ یہاں ایمان کو فعل قلب کہتے مگر وہ عبارتی تفنن کے عادی ہیں اس لیے اس طرح ادا کیا۔

امام اعظمؒ سے تعصب

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی احیاء العلوم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ ایمان معرفت ہے اور امام صاحب کی مراد یہی معرفت ہے جس کی ہم نے اوپر شرح کی۔ اور امام بخاری کی مراد بتلائی اور امام احمد سے بھی یہی تعبیر منقول ہے مگر عجیب بات ہے کہ جب یہی بات امام احمد سے نقل ہوئی تو کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ اور امام صاحب سے نقل ہوئی تو انکار و اعتراض کا رخ اختیار کیا گیا بقول عربی شاعر۔

اصم عن الشيء الذي لا اریده واسمع خلق الله حين ارید

جس بات کو میں سننا نہیں چاہتا اس کو سننے سے سب سے زیادہ بھرا ہو جاتا ہوں۔ اور جس کو سننا چاہتا ہوں اس کو ساری مخلوق سے زیادہ سننے والا ہو جاتا ہوں۔

(۳) امام بخاریؒ نے یہاں معرفت کے فعل قلب ہونے پر آیت ولكن يؤخذكم بما كسبت قلوبكم سے استشاد کیا اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ آیت مذکورہ تو یمنین و خلف کے بارے میں ہے نہ کہ ایمان کے بارے میں لیکن ایسا اعتراض امام بخاریؒ کے استدلال طریقوں سے ناواقفیت کے باعث ہو سکتا ہے امام نے محض اس امر سے استدلال کر لیا کہ جس طرح کسب فعل قلب ہے معرفت بھی قلب کا فعل اور اس کا کسب ہے۔

(۴) ”امروهم بما يعطون“ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہی طریقہ تمام انبیاء علیہم السلام کا رہا ہے کہ اپنی جانوں پر توختی جھیلے ہیں اعمال شاقہ اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھولتوں آسانوں کے راستے نکالتے ہیں۔ عزیز علیہ ما عنتم حریص

علیکم بالمومنین رؤف و رحیم ارشاد باری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہارا کسی مشقت میں پڑنا نہایت ہی شاق ہے وہ تمہاری فلاح و بہبود پر نہایت جریس ہیں اور مومنوں کے لئے تو بہت ہی شفیق اور رحمت مجسم ہیں۔

(۵) ”یا رسول اللہ!“ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کے موقعہ پر صلوٰۃ و سلام کے الفاظ ادا کرنے کا ثبوت نہیں ملا اس لئے ... اس کی قرأت میں بھی ان کا اتباع مناسب ہے۔

(۶) ”وقد غفر لک اللہ ماتقدم“ یہ اشارہ ہے آیت قرآنی ”لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخر“ کی طرف جس میں فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو فتح میں دی تاکہ آپ کی سب اگلی کچھلی لغزشیں معاف کر دیں، کیونکہ فتح سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلام کلت اللہ کے لئے بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کئے اور بہت سے معرکہ ہائے جہاد میں عظیم خطرات دہا تک سے دوچار ہوئے تھے اس کے بعد یہ بحث ہوئی کہ لیغفر میں لام کیسا ہے۔ اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے لہذا یہ لام عاقبت ہے صاحب روح المعانی نے علامہ ابن قیم سے نقل کیا کہ ”سلف ان کو معلل بالاغراض مانتے تھے اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال مصارع و حکم کے ساتھ معلل ہیں یہ بات ظاہر ہے اور نصوص اس پر شاہد ہیں تاہم اس کو اتنا عام سمجھنا کہ کوئی فعل بھی اس کے افعال میں سے غرض سے خالی نہ ہو عمل بحث ہے۔

اصنہائی نے شرح الطوالع میں لکھا کہ اس مسئلہ میں معتزلہ اور اکثر فقہاء کا اختلاف ہے اور میں اسی کا قائل ہوں جو سلف کا مسلک ہے کیونکہ دس ہزار سے زیادہ آیات و احادیث میں تغلیل کی صورت موجود ہے اور سب میں تاویل کرتے جانا انصاف سے بعید ہے۔ (روح المعانی صفحہ ۶۸۹/۲) دوسری بحث یہ ہے کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ بحث نہایت اہم ہے اور پہلے سے ہمارا ارادہ تھا کہ اس کو مکمل طریقہ پر بخاری کی ”کتاب الانبیاء“ میں لکھیں گے اور وہی اس کے لئے زیادہ بہتر موقعہ ہے مگر دیکھا کہ بعض شائع شدہ تقاریر دس بخاری میں اسی حدیث مذکور کے تحت یہ بحث آگئی ہے اس لئے خیال بدل گیا اور یہاں بھی کچھ ضروری اجزاء پیش کرنے کا ارادہ ہو گیا۔ واللہ المیسر و علیہ التکلان۔

عصمت انبیاء علیہم السلام

خدا کی مخلوق میں سے خدا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا ہے وہ دنیا کے لئے خدا کے نائب و خلیفہ ہیں وہ مخلوق باعلاق اللہ کے سب سے بڑے نمونے اس کی اطاعت و عبودیت کے سب سے اونچے پیکر مجسم علوم و معرفت الہیہ کے سب سے زیادہ عالم و عارف خدا کی ذات و صفات کے ہمہ وقتی مشاہدہ و استحضار سے مستفید و مستغیر غرض جتنی خوبیاں جتنے اوصاف کمال خدا کی ذات والا صفات جل مجدہ کے سوا کسی مخلوق میں جمع ہو سکتے ہیں وہ انبیاء و مرسلین میں جمع ہوتے ہیں۔ اسی لئے کسی ایک نبی کے مرتبہ کمال علمی و عملی کو بھی خواہ وہ کسی درجہ کا بھی ہو۔ بڑے سے بڑا ملک مقرب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اپنے اپنے دور کے ہر نبی کو..... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مخضر کا مصداق کہا جاسکتا ہے اس کے بعد ان انبیاء میں بھی باہم فرق مراتب ہے خداوند تعالیٰ کی لائیاں یہ بارگاہ کے مراتب قرب بھی ہے نہایت ہیں۔

اے برادر ہے نہایت در گہمیت ہر چہ بروے می رسی بروے ہمیت

انبیاء مرسلین کی مثال چاند سورج کی ہے کہ لاکھوں چاند اور سورجوں کے لکھاں

لکھاں سے مراد ”علم فلکیات جدید“ میں ثوابت ستاروں کا عدد سر کی شکل کا نظام ہوتا ہے جو زمین کے مرکز سے بہت دور واقع ہے یہ ہمارا لکھاں ہے جس کا ایک جزو ہمارا نظام شمسی ہے اور اس کی موناٹی یا بلندی ۳۷ ہزار انوری سال ہے (یعنی ۳۲۴ کرا کر ب میل) اور چوڑائی تین لاکھ انوری سال ہے۔ پھر ہمارے اس لکھاں کے علاوہ بھی اور بہت سے لکھاں ہیں جن میں سے بعض تک اب یورپ و امریکہ کی نو

ایجاد عظیم دوربینوں کے ذریعہ رسائی ہو رہی ہے مثلاً کیکشاس سیدیم اینڈ رومیدہ جو ہم سے آٹھ لاکھ ۵۰ ہزار نوروی سال دور ہے (روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہے اس رفتار سے روشنی ایک سال یعنی ۳۶۵ دن میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوروی سال کہتے ہیں (LIGHTYEAR) نظام شمسی ہمارے کیکشاس کا نہایت حقیر جزو ہے اور اس نظام شمسی میں ہمارے سورج جیسے تقریباً ایک کھرب ثوابت و سیارے ہیں جبکہ ہمارے سورج کا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل کا ہے اور اس میں روشنی اس قدر ہے جس قدر ۵۵۶۳۳ مہم قبل ایک مربع فٹ میں جلانے سے حاصل ہو سکتی ہے ستارے میں سے ہمارا آفتاب سب سے چھوٹا ستارہ ہے اور وہ زمین سے تقریباً نو کروڑ ۱۲۹ میل دور ہے ہماری زمین نظام شمسی کا ایک نہایت حقیر جزو ہے کیونکہ زمین کا قطر خط استوا پر صرف ۷۹۱۷ میل کا ہے سورج سے ہماری زمین تک روشنی ۸ منٹ میں پہنچتی ہے جبکہ بعض ستارے ایسے بھی خدا کی مخلوق ہیں جن کی روشنی زمین تک دو ہزار برس میں پہنچتی ہے یعنی جو روشنی آج سے دو ہزار سال قبل چلی تھی وہ ہمیں اس وقت نظر آ رہی ہے اس سے خدا کی خدائی کی وسعت اس کی مخلوقات کی کثرت و عظمت اور خلاق عوامل کی بے نہایت جبروت و بڑائی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے یورپ و امریکہ کے سائنس دانوں نے یہاں تک تحقیق کی ہے کہ بعض ستارے ایسے بھی ہیں کہ جن کی روشنی زمین تک کئی کروڑ برس میں پہنچتی ہے اور ایک ستارے کی دریافت حال میں ہوئی ہے جس کا فاصلہ زمین سے آٹھ سو مہاسنگ میل دور ہے ایسی باتوں سے ہمارے بہت سے مسلمانوں کو حیرت ہوگی اور بہت سے محفل ان کو خیال آرائی سمجھیں گے مگر سوچنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں چاند سورج ستاروں اور ملکوت السلوٰۃ والارض اور کم از کم زمین کے خطوں میں ہی گھوم پھر کر اس کے عجائب و غرائب میں غور و نظر دوڑا کر ب العین کے وجود وحدانیت کا یقین حاصل کرنے کا حکم ہمارا کس کو ملتا تھا قرآن مجید ماننے والوں کو یا نہ ماننے والوں کو؟ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا ہے

فی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے
انہیں ساحل نہیں ملتا انہیں کشتی نہیں ملتی

اکبر مرحوم کا دور یورپ و امریکہ کے لوگوں کے لئے بحرانی دور تھا جس میں وہ اسلام اور مسلمانوں سے تعصب رکھتے تھے اور حقائق عالم سے حقیقہ الحقائق تک رسائی ان کے لئے دشوار ہو گئی تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ وہ دور جاہلیت ختم ہوا اور اب اس دور کا یو و امریکہ بہت کچھ اسلام سے قریب ہو چکا ہے ہزاروں سید روحیہ اسلام کے حلقہ کوش ہو چکی ہیں اور بڑے پیمانہ پر بھی وہاں اسلام کی روشنی پھیل سکتی ہے کیونکہ سائنس کی جتنی ترقی آگے ہو رہی ہے ان لوگوں کے دلوں میں حقیقہ الحقائق کی جستجو بھی بڑھ رہی ہے چنانچہ ایک جدید فلاسفر سائنسدان ”ایلف آرمولٹن“ نے کہا ہے۔

”کائنات کا حجم یا لامحدودیت انسان کے لئے اتنی زیادہ اہم نہیں بلکہ جس چیز سے انسان مستند روح پران رہ جاتا ہے وہ کائنات کی مکمل باضابطگی کے کوئی گزربو نہیں کوئی چیز خلاف توقع نہیں ہے۔“

یہ مکمل باضابطگی کو قائم رکھنے والی کون سی ذات ہے جس علوم نبوت کی ذرا سی بھی راز کھل جائے تو اس کی معرفت ہی تو وسائل مراد تک رسائی ہے اس کے سوا اور کیا ہے؟ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ مکمل اوٹ پھاڑے ساحل کے قریب کھڑے ہیں مگر ابرو غبار کی وجہ سے اس کو دیکھ نہیں سکتے یہ پردہ سامنے سے ہٹ جائے یا آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے تو ساحل نے روشناسی حاصل ہو۔

افسوس کہ دوسرے لوگ دنیوی علوم کی ترقی کے راستہ سے علی وجہ البصیرت ساحل مراد کے قریب آ رہے ہیں اور ہم میں سے لاکھوں کروڑوں مسلمان ایسے ہوں گے جو اپنے گھر کی دولت علوم نبوت کے ذریعہ بھی صحیح معنی میں خدا کے وجود وحدانیت سے نا آشنا ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلام کے بغیر کسی داکمی اسلام کی دعویہ داری کی کیا حیثیت ہے؟ ایسے ہی حالات سے متاثر ہو کر حالی مرحوم نے کہا تھا ہے

پستی کا کوئی حد سے گزرتا دیکھے
مگر کہ جو ہمارا نہ ابھرتا دیکھے
ماننے نہ بھی کہ مدہ ہے ہر جز کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترتا دیکھے

ہمارے گرد فضاء محیط میں موجود ہیں ہر دور کے ہر خطہ کے نبی کی مثال اس وقت کے چاند یا سورج کی ہے جس کے انوار و برکات روحانی و مسموٰی سے ساری دنیا کو روشنی ملی اور وہ تمام چاند و سورج اب بھی اپنی اسی آب و تاب کے ساتھ روشن ہیں مگر ہماری ادراک کو ان مادی اجسام میں مقید ہونے کی وجہ سے ان کا ادراک نہیں ہو سکتا، حضرت نبی الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں شب معراج بہت سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے ملاقات کی اور مسجد اقصیٰ میں سب نے آپ کے پیچھے مقتدی بن کر نماز جماعت ادا فرمائی۔

وہ سارے انبیاء شہسوار ہدایت تھے اور سر و دنیا پر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شمس اعظم تھے۔ آپ تمام علوم و کمالات انبیاء علیہم السلام کے جامع تھے حق تعالیٰ جل ذکرہ کی بارگاہ میں جو قرب و منزلت آپ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔

اے شمع رسل مرتبہات معلوم شد دیر آمدہ زراہ دور آمدہ!

انبیاء علیہم السلام کے خصائص و فضائل بے شمار ہیں مگر نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل کی شان سب سے بلند ہے آپ کے خصائص پر مستقل کتابیں لکھی گئیں جن میں سے امام سیوطی کی ”خصائص کبریٰ“ بہت مشہور و مستوعب ہے۔

انہوں نے کہا کہ اگر وہ میں خصائص پر بہت کم مواد ملتا ہے حالانکہ ان سے نبی و رسول کی عظمت کا سکہ دلوں پر نقش ہوتا ہے کتاب الانبیاء میں ہم بھی خصائص نبوت اور بالخصوص خصائص نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تشریح و تفصیل کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہم یہاں صرف ایک خصوصیت کا ذکر کریں گے جس کے باعث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سب انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہیں اور وہ آپ کی سب اگلی پچھلی لغزشوں کی معفرت کا اعلان ہے کیونکہ یوں لغزشیں تو تمام ہی انبیاء کی حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخش دی جاتی ہیں مگر اس طرح کھول کر اعلان صرف آپ ہی کے لئے ہوا ہے جس کی بڑی حکمت میدان حشر میں ظاہر ہوگی سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام امتوں کی شفاعت سے عذر کریں گے اور اپنی لغزشوں کو یاد کریں گے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور درخواست شفاعت کریں گے تو آپ کسی لغزش کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ انا انا لھا انا لھا فرما میں گئے یعنی میں تم سب کے لئے بارگاہ رب العزت میں شفاعت کرنے کے لئے تیار ہوں جس ذات اقدس کی ساری عمر امت کی خیر خواہی و غم خواری میں گزری تھی وہ میدان حشر میں اپنی اور اپنے سب بھائیوں کی امتوں کی اس ہولناک دن کی پریشانیوں پر خود ہی کس قدر بے چین ہوگا اور جو ہی ان سب کی خدمت کا ایک اور زریں موقع وہاں ہاتھ آیا کیسی جی داری سے ان کی سب کی دلداری انا لھا انا لھا کی تکرار سے فرمائیں گے گویا وہاں سنانا کہ الا رحمۃ للعالمین کا دنیوی زندگی کے ثبوت کے بعد دوسرا ثبوت آخرت میں اس شان کے ساتھ ہوگا

یار رب تو کریمی و رسول تو کریم حمد شکر کہ مستقیم میان دو کریم

انبیاء کی سیرت صفات ملکات

صفت انبیاء علیہم السلام کے بیان سے پہلے مناسب ہے کہ ان کے چند اہم خصوصیات ملکات و احوال کا ذکر کر دیا جائے تاکہ ان کا تعارف زیادہ بہتر طریقہ پر ہو کر ان کے ساتھ تعلق عظمت و محبت میں بھی اضافہ ہو اور جوہر عصمت بھی زیادہ خوبی سے ذہن نشین ہوں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کی تربیت و تعلیم کا اہتمام اول سے آخر تک براہ راست اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے تحت ہوتا ہے اس لیے ان کے تمام احوال زندگی دوسرے لوگوں کے احوال سے مختلف ہوتے ہیں ان کی طغولیت، شباب، کھولت، شیخوخت کے اطوار بھی سب سے جدا ہوتے ہیں ان کے ملکات بھی دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں اللہ یجبتی الیہ من یشاء و یمدیدی الیہ من ینیب (حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جو چاہیے و مصطفیٰ تو ان کو کرتے ہیں جن کو چاہیں اور اپنی ہدایت کا راستہ ہر اس شخص کو دکھا دیتے ہیں جو اس کی طرف رجوع و تاباں

کرے) معلوم ہوا کہ پیغمبران شان عطا ہونے کی شرط اور ہے اور ہدایت کی شرط الگ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته (خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کے لیے کون سا ظرف موزوں ہے) معلوم ہوا کہ عطا نبوت خاص ملکات موہوبہ پر موقوف ہے۔

(۲) باریت اٹھانے سے قلی ہی ان کے قلوب اس قدر مڑی و مٹھی ہو جاتے ہیں کہ ان کے خواب و بیداری کے حالات یکساں ہو جاتے ہیں وہ اپنے نور باطن سے سامنے اور پیچھے کی چیزوں کو یکساں دیکھتے ہیں پست و بلند و آواز کو یکساں سننے لگتے ہیں وہ ساری خلق کو خدا کا کتبہ سمجھتے اور دوست و دشمن بدخواہ و غیر خواہ کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں ان کی معصومانہ فطرت و فرشتگی پر فرشتوں کو رشک ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ وہ بشر صورت مگر فرشتہ سیرت ہوتے ہیں۔

(۳) خلعت نبوت سے سرفراز ہو کر انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے لیے اسوہ حسنہ اور تمثالی نمونہ ہوتے ہیں ان کا ہر قول و فعل دعوتِ اتباع ہے کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات مرفیات الہیہ کی آئینہ دار ہیں۔

وما یطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحیٰ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

(۴) انبیاء علیہم السلام کے نفوس پیدا کئی و خلقی طور پر مطمئنہ ہوتے ہیں دوسرے انسانوں کی طرح نفوس امارہ نہیں ہوتے یعنی ان کے نفوس فطرۃ ہر معصیت و برائی سے متفر ہوتے ہیں اسی طرح دوسرا اور بیرونی دشمن انسان کا شیطان ہے وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ تقدس و تقویٰ کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان میرا مطیع و منقاد ہو گیا ہے۔ اور فرمایا کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اس لیے جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔ بلکہ خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق میں خیر الامم کے بھی بہت سے افراد کو اس قسم کے مناقب عالیہ عطا ہو گئے ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ شیطان تم سے ڈرتا ہے ایک دفعہ فرمایا کہ اے عمر! جس راستہ پر تم چلے ہو اس پر شیطان نہیں چل سکتا ایک بار فرمایا کہ میں نے دیکھا جن و انس کے شیاطین سب ہی عمر سے ڈر کر دور بھاگ گئے ہیں۔ (تبع الخوانہ صفحہ ۲۰۷ ج ۶)

(۵) انبیاء علیہم السلام کی بے نظیروقت علم و عمل کے پورے پورے اثرات ان کے شرف محبت سے مستفیدین پر پڑتے ہیں اور وہ سب اپنے وقت کے نبی مرسل کے تمثالی نمونے بن جاتے ہیں چنانچہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان ان کے حالات و مناقب سے سب کو معلوم ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کی مثال ستاروں کی سی ہے جس سے بھی تم چاہو گے ہدایت حاصل کر لو گے وہ سب عدول تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہایت ہی ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اتنی بڑی تعداد میں جو ایک لاکھ چوبیس ہزار تک منقول ہے اپنے صحیح جانشین چھوڑے اور وہ سب ہی حق و ہدایت کے مینار تھے بعض حضرات نے چند صحابہ کے کبار معاصی میں جتلا ہونے کی وجہ سے یہ رائے قائم کی کہ ”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق نہیں ہیں“ یہ رائے ہمارے نزدیک حق صواب سے مٹی ہوئی ہے اگرچہ اے حدیث صحیح صحابہ کرام مثل نجوم اور سب کے سب عدول تھے تو پھر ان کو معیار حق نہ سمجھنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ ہاں! یہ تعبیر درست ہو سکتی ہے کہ معیار حق کا اولین و بدیع قرآن و حدیث ہے اس کے بعد صحابہ کرام بھی ضروری و بدیہی طور پر معیار حق ہیں۔

ہم نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آثار صحابہ کی حجت سے قطع نظر کا معاملہ تیسری صدی سے شروع ہوا اور یہی بات ترقی کر کے اس حد پر پہنچ گئی کہ اس زمانے کے بعض لوگوں نے برملا کہنا شروع کر دیا کہ صحابہ معیار حق ہی نہیں ہیں علاوہ اس کے کہ یہ بات خلاف تحقیق ہے اس کے مضرات اثرات نہایت دور رس ہوں گے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض کے بے مثال گہرے اثرات کا انکار کون کر سکتا ہے ان کے حالات پڑھ کر اسی طرح ایمان تازہ ہوتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھ کر ہوتا ہے ہمارے کارساز مذہب و بندہ تو فرمایا کرتے تھے کہ مشاجرات صحابہ کے صحیح حالات پڑھنے سے بھی ایمان تازہ ہوتا ہے کیونکہ ہر معاملہ میں ان کی نیک نیکی بے نقیسی و خدمت دین ہی کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ جن چند صحابہ سے یہ تقاضائے بشریت کسی معصیت کا صدور ہوا ہے ان کی بے مثال ندامت و توبہ کی صورت حال کا کچھ ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ ایک شخص کی توبہ پوری ایک امت پر تقسیم ہو سکتی ہے ہمارے نزدیک تو ایسے صحابی یا صحابی کی زندگی بھی معیار حق و صداقت بن سکتی ہے پھر دوسرے کار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تو کہنا ہی کیا؟

کچھ اسی طرح کی تقریریں ائمہ مجتہدین متجربین اور حضرات مجددین امت رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ہوئی ہے کہ ان کے کچھ نفائس واقعی یا غیر واقعی پر نظر کر کے ان کے مراتب عالیہ کو گھٹا کر دکھایا گیا اس قسم کی تحقیقات پر تنقیدی نظر ہم کچھ مقدمہ انوار الباری میں کر چکے ہیں اور کسی آئندہ فرصت میں بھی کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

انبیاء علیہم السلام کے جلیل القدر ملکات و اوصاف کی طرف چند اشارات پیش کرنے کے بعد مناسب ہے کہ وجوہ عصمت پر کچھ روشنی ڈالی جائے پہلے مسئلہ عصمت کے بارے میں اکابر امت کے نظریات معلوم کر لیجئے۔

عصمت انبیاء کے متعلق مختلف نظریات اور حقیقت عصمت

عقیدہ سفارینی میں حافظ امین الدین عراقی سے نقل ہے کہ نبی بعد النبوة عمدۃ گناہ کرنے سے بالا جماع معصوم ہوتا ہے اور بطور سہو وقوع صغیرہ میں اختلاف ہے استاد ابواسحاق اسفرائینی اور قاضی عیاض مانعین جواز میں ہیں شیخ تقی الدین سبکی کا شمار مجوزین میں ہے اور حافظ عراقی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

علامہ تفتازانی نے لکھا کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام ذنوب سے معصوم ہونے کے مسئلہ میں تفصیل ہے کفر و شرک سے تو بالا جماع معصوم ہیں قتل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی اور شوبہ کہ چھوڑ کر جمہور امت کے نزدیک اسی طرح قتل و بعد نبوت تعدد کہا کرے بھی معصوم ہیں البتہ سہوا کو اکثر نے جائز رکھا ہے صغائر کا صدور عمدہ جمہور کے نزدیک اور سہواً بالا اتفاق جائز ہے بجز ان باتوں کے جو اخلاقی گراؤت سے تعلق رکھتی ہیں (کیونکہ نبی کا وصف خلق عظیم ہے)

اس کے علاوہ عام اشعارہ کا مسلک جواز وقوع صغائر سہواً و عمدہ قتل نبوت و بعد نبوت ہے اور عام ماترید یہ اس کی بالکل نفی کرتے ہیں ہمارے فقہاء حنفیہ بھی انبیاء علیہم السلام کی عصمت مطلقہ کے قائل ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عصمت حق تعالیٰ کا وہ خصوصی فضل و انعام ہے جس سے انبیاء علیہم السلام برآن و ہر لمحہ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے مستعد رہے ہیں اور کسی وقت بھی ادنیٰ نافرمانی کا وہ خیال تک نہیں لاتے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے معصیت کا اختیار فرشتوں کی طرح سلب کر لیا جاتا ہے بلکہ اختیار و قدرت بدستور اور انسانوں کی طرح باقی ہوتے ہوئے بھی نافرمانی کا ہر داعی ان کے دواغیر کے تحت ایسا دبا مٹا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے انحراف کا امکان وقوع باقی نہیں رہتا واللہ اعلم۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید نے ”منصب امامت“ میں عصمت کی تخریج اس طرح فرمائی:-

انبیاء علیہم السلام کی عصمت یہ ہے کہ ”حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کے اقوال افعال عبادات عادات معاملات مقامات اخلاق و احوال کو نفسِ امارہ اور شیطان رجیم کی دخل اندازی اور خطا و نسیان سے محفوظ کر دیتا ہے اور اگر ان کی حفاظت کرنے والے فرشتے ان پر مسلط فرما

دیتا ہے تاکہ بشریت کا غبار بھی ان کے دامن پاک تک نہ پہنچ سکے۔“ اس کے بعد وجوہ و اسباب عصمت خبردار لکھے جاتے ہیں۔

وجوہ و اسباب عصمت

- (۱) عصمت کے ظاہری اسباب چار ہیں اور چونکہ یہ سب انبیاء علیہم السلام میں یکل معنی الیکہ موجود ہوتے ہیں اس لیے ان کی عصمت بھی یقینی ہے (۱) شر کے عواقب و نتائج کا ذاتی علم جو انبیاء کو اپنی عقل کامل کے ذریعہ ہوتا ہے (۲) وحی الہی سے اس علم و یقین میں مزید اضافہ (۳) تعلق مع اللہ اور تقرب خاص کے سبب بیان و ترک اولیٰ پر بھی ”اندیشہ مواخذہ“ (۴) عدالت و تقاہت جو برائیوں سے بچانی ہے۔
- (۲) دیگر صفات کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ایک بڑی صفت دائمی حضور الخدی کے لیے بہت بڑا سبب و وسیلہ بن جاتی ہے۔
- (۳) انبیاء علیہم السلام کو اپنی عصمت کا خود بھی پورا یقین ہوتا ہے اور کسی حکم رسول کی بجا آوری میں اگر احتی کی طرف سے کوئی تساہل پایا گیا ہے تو اس پر خدا اور رسول کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہے مثلاً ایک تو اسی حدیث زیر بحث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب و غصہ کا اتنا بار معلوم ہو چکا ہے اور اسی نوع کی دوسری حدیث کا بھی ذکر ہم کر چکے ہیں تیسری حدیث بخاری کی باب الا عتصام بالسنة میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عمل میں رخصت کا پہلا اختیار فرمایا، جس پر عمل کرنے کو بعض لوگوں نے پسند نہ کیا، حضور کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

لوگوں کا عجیب حال ہے کہ جس عمل کو میں نے اختیار کیا اس سے احتراز کرتے ہیں واللہ! میں ان سے زیادہ خدا کا علم رکھتا والا اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔

چوتھی حدیث بھی بخاری میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے صحابی کا بھڑا باغ میں آپاشی پر ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نوبت پہنچی تو آپ نے حالات سن کر فیصلہ فرمایا کہ پہلے زبیر آپاشی کر لیں پھر اپنے انصاری پڑوسی ذکر کے باغ میں پانی جانے دیں۔ انصاری نے کہا کہ آپ نے ایسا فیصلہ اس لیے کیا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے رنج و ملال ہوا۔ کیونکہ آپ کا فیصلہ حق کا فیصلہ تھا اس کو قبول نہ کرنا یا رسول کے فیصلہ کو دنیوی مصالح و تعلقات پر محمول کرنا اسلامی شان کے خلاف ہے حضرت زبیر کا بیان ہے کہ اسی معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی فلا وربک لا یومنون حتی یمسکوک لہما شجر بہنہم الایۃ (پس نہیں اور قسم ہے تیرے رب کی نہیں مومن ہوں گے وہ لوگ تا آنکہ اپنے تمام نزاعی امور میں آپ کو حتمی طور پر حکم نہ مانیں اور وہ بھی اس شان سے کہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں بھی کسی قسم کی شک و گمانی محسوس نہ کریں اور اس پوری پوری طرح تسلیم کر لیں)

درحقیقت ایسا ایمان والوں کی شان ہے کہ وہ نبی کے مرتبہ کو صحیح طور سے سمجھتے ہیں اس کی پوری زندگی اور ہر قول و فعل کو اپنے لیے اسوہ اور عمل نمونہ جانتے ہیں جن چیزوں کا بھی حکم بارگاہ رسالت سے ملتا ہے اس پر بے چون و چرا عمل کرتے ہیں اور جن چیزوں سے روک دیا اس کے پاس نہیں پہنچتے، اسی لیے سنت رسول کا اتباع اور امور بدعت سے قطعی اجتناب ایک مومن کی زندگی کا ہم ترین نصب العین ہے۔

جس حدیث کی اس وقت ہم نے تفصیل کی اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے جھگڑے کا ذکر ہے جو بدری صحابی تھے کوئی معمولی صحابی بھی نہیں مگر نزول قرآن مجید کا دور تھا رفتہ رفتہ دین مکمل ہو رہا تھا اس لیے بڑے بڑے صحابہ سے بھی اغزشیں ہوئی تھیں اور خدا اور رسول خدا کی اصلاح فرماتے تھے اور ان سب احوال و واقعات سے ہمیشہ کے لیے امت محمدیہ کی روشنی ملتی رہے گی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے مکمل نزول اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی سامنے آنے کے بعد صحابہ کرام کی علمی و عملی زندگی مکمل ہو گئی تھی اور جس

طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ زندگی میں مرضیات الہیہ اور خلق باخلاق اللہ کا کامل و مکمل مرقع پیش ہو گیا تھا اس مرقع کا فوٹو آفٹ ہو کر ہر صحابی رسول کی لوح قلب پر اس کی کاپی چھپ گئی تھی فوٹو آفٹ کی مثال ہم نے وضاحت کے لیے اور اس خیال سے دی ہے کہ فوٹو میں غلطی کا امکان نہیں رہتا اور شاید اسی لیے پورے دھوکے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اصحابی کا لنجوم باہم اھتدیتم کہ نہ کوئی ان پر آپ کے اعمال زندگی کی چھاپ پوری اور صحیح طور سے پڑھ سکتی تھی صحابہ کے بعد کے دور میں نقل و روایت شروع ہوئی جس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے تابعین و سن بعد ہم کے لیے کوئی ایسی توثیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر نہیں ہوئی البتہ اتنا فرمایا: ”تخیر القرون قرنی ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم“ اور یہ توثیق صرف خیریت کی ہے کہ کمالا علی۔

صحابہ معیار حق ہیں

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر ہم صحابہ کرام کو بھی معیار حق نہیں، میں گے تو دین اسلام کے ایک نہایت شاندار دور کو تاریک سمجھ لیں گے اور جو کدوری تابعین اور ان کے بعد اُن کی اس کو بہت پہلے سے مان کر دین کے بیشتر اجزاء کو جو صحابہ کے قادی و آخار وغیرہ پر موقوف ہے کنزور کر دیں گے غالباً اتنی صراحت کافی ہے لیکن ضرورت ہوئی تو ہم اس سے زیادہ مکمل کر بھی کچھ عرض کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ وہو المستعان۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بعض لغزشیں ہوئی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ان کا اعتراف خود انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے اور احادیث شفاعت میں بھی حشر کے روز ہر نبی کا اپنی کسی لغزش وغیرہ کے سبب شفاعت سے اعتذار ثابت ہے اس کے چند جوابات ہیں وہ بھی ذہن نشین کر لیجئے۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کی جن لغزشوں کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے وہ ان کی پوری زندگی کے ہزار ہا نیک اعمال میں سے صرف ایک دو عمل ہیں جن کی عدم اہمیت ظاہر ہے۔

(۲) وہ لغزشیں بھی کہ فرد شرک یا مگناہ کبیرہ کی قسم سے نہیں ہیں۔

(۳) اگر لغزشوں کا تعلق خطا و نسیان سے ہے جن کا مواخذہ امت سے بھی نہ ہوگا۔

(۴) انبیاء علیہم السلام پر عتاب ہے اس لئے ہوا کہ حسنات الابوار سینات المقربین پھر جن کے درجے ہیں وہ اس کے سوا مشکل ہے۔

نیز اس لئے کہ امت کے ان اچھی طرح کھول دیئے جائیں کہ خدا کی بارگاہ و کمال میں رعایت بڑے سے بڑے کی بھی نہیں کہ رسولوں سے اوپر تو کسی کا مرتبہ ہو ہی نہیں سکتا مگر وہ بھی خدا کی مخلوق اور بندے ہیں باوجود مراتب عالیہ اور اعلیٰ ترین تقرب بارگاہ رب العزت کے ان کی لغزشوں پر بھی گرفت ہو سکتی ہے اور یہ بھی نہیں کہ اگر ان کی لاکھوں لاکھ نیکیاں ہیں تو ایک دو لغزشوں پر نظر نہ ہونیوں شان رحمت سے جب غیر نوازے جائیں گے تو اپنے کیسے محروم ہو سکتے ہیں۔

غرض ان لغزشوں کا ذکر اور بعض جگہ زیادہ تند و تیز لہجہ میں بھی صرف اپنی شان جلال و جبروت کا اظہار ہے اسی لئے ایک ایک ہی لغزش کو کہیں سخت گرفت میں لیا ہے اور دوسری جگہ اس کو شان رحمت کے انداز سے دکھایا ہے اس کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش میں ملتی ہے ایک جگہ ”فھمی ادم رہ لغوی“ سے اور فرمایا اور دوسری جگہ ”فھمی ادم لھ عزماء ترمایا“ اور بات صرف اتنی تھی کہ آدم و حوا نے اپنی لغزش کی گرفت میں لیا ہے جس میں ہمیشہ کے لئے اس وقت رکھا ہی نہیں گیا تھا بلکہ دنیا میں بھیج کر ایک مہینہ مدت تک کے لئے آباد کرنا اور اعمال (اور دواہی) کا مکلف کرنا تھا پھر سب کو آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے موافق صحیح طور سے مستحق جنت و جہنم

جانا تھا، غرض ایک عبوری دور کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کو داخل جنت کیا اور بطور نبی شفقت ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے روک دیا، شیطان نے اسی کے کھانے پر طرح طرح سے آمادہ کیا اور خدائے برتر کی قسمیں تک کھائیں کہ اس درخت کے پھل کھا کر تم فرشتے بن جاؤ گے (جس سے خدا کا تقرب اور بڑھ جائے گا یا تم ہمیشہ جنت میں رہو گے) (نکالے نہ جاؤ گے) سننے سننے آدم علیہ السلام کا اشتیاق اور ہڑبھا اور سوچا کہ نبی تشریف تو نہیں لے، نبی شفقت ہے، کچھ زیادہ نقصان اور وہ بھی شرعی ضرورت ہوگا نہیں اور ممکن ہے وہ مفید و فائدہ حاصل ہو جائیں، شیطان کی باتوں سے دھوکہ کھا گئے اپنے منصب رفیع کو بھول گئے کہ نبی کو خدا کے معمولی سے احکام کی بھی زیادہ سے زیادہ رعایت کرنی چاہیے اور اس کے کسی امر و نہی کے مقابلہ میں کسی عقلی مصلحت و فائدہ پر دھیان نہ دینا چاہئے تاہم یہ صرف ایک بھول تھی اور اس کے ساتھ عزم بھی نہ تھا کہ خدا کے حکم کو جان بوجھ کر سوچ کچھ کر نظر انداز کیا ہو جو نبی شرعی کی صورت میں ہو سکتا تھا، نبی شفقت میں صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس کے خلاف سے اپنا ذاتی کوئی ضرر ہو سکتا ہے۔ آدم علیہ السلام نے اس کے مقابلہ میں نفع کشیر کا خیال باندھ لیا، یہ کیا جرح تھی کہ اس نبی شفقت پر عمل نہ کرنے کے اثرات اتنے زیادہ اور دیر پا ہوں گے کہ ذریت آدم کو جنت کی نعمتوں سے محروم ہو کر ہزاروں ہزار سال بطور ابتلائی دور کے گزارنے پڑیں گے اس لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو جس قدر ندامت ہوئی۔

اور برسہا برس تک اس سے توبہ و استغفار فرماتے رہے وہ ان کی تدبیرانہ علوشان کا مظاہرہ تھا جو حکم الہی کی اعلیٰ و ارفع ذات کی نبی شفقت کی عدم رعایت کا لازمی نتیجہ تھا ورنہ فی نفسہ اس کی حیثیت ایک غرض یا نسیان سے زیادہ تھی، اس لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جد بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام کو الرام دینا چاہا کہ آپ کی لغزش کے باعث آپ کی ساری ذریت ایک طویل طویل ابتلائی کا دلدل میں پھنس گئی تو داود جان (اور احسان فادہ) نے کیسا کھرا جواب دیا کہ تم مجھے ایسی بات پر طاعت کرنے لگے ہو جو تقدیر الہی میں میری پیدائش سے بھی ہزاروں سال پہلے لکھی ہوئی تھی سرور دو عالم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ داود جان علیہ السلام کی حجت بھائی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں تو ی تھی اس لئے وہ غالب رہے اور بھائی جان کو لا جواب ہونا پڑا۔

شرک فی التسمیہ والی لغزش بے بنیاد ہے

اس لغزش کے علاوہ جو بات شرک فی التسمیہ والی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی وہ قطعاً غلط ہے اور جو حدیث ترمذی میں روایت کی گئی وہ سب تصریح حافظ ابن اثیر و شیخ التفسیر علامہ آنوسی صاحب روح المعانی وغیرہ اسراہیلیات سے ہے اور اسراہیلیات میں سے بلکہ دوسری اخبار آحاد سے بھی، ہم وہی چیز لے سکتے ہیں جو قطعاً اسلام کے خلاف نہ ہو ظاہر ہے کہ نبی کا ہر شاہد شرک سے بری ہوتا قطعی و اجماعی مسئلہ ہے۔

لہذا آیت جلالہ شہداء میں حضرت آدم علیہ السلام و حواء مراد نہیں بلکہ جس طرح محققین اہل تفسیر کی رائے ہے وہی اصوب و اسلم ہے کہ حضرت آدم و حواء کا ذکر بطور تمہید تھا پھر ذکر ان کی اولاد کا شروع ہوا کہ ہر ماں باپ اچھی اولاد کی تمنا دو دعا تو خدا سے کرتے ہیں اور وہی عطا بھی کرتا ہے مگر بد عقیدہ ماں باپ شرک کی صورت میں اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد العزیز کوئی عبد مناف، کوئی عبد القیس، کوئی عبد لدار رکھ دیتا ہے یہ لوگ ان بچوں کو خدا کا شریک سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جو خود ہی مخلوق ہیں وہ کس طرح خدا یا خالق کے شریک بن سکتے ہیں، پھر ایسے نام رکھنا بیز شرک نہ بھی ہو تو شرک فی التسمیہ تو ضروری ہے جس سے بچنا چاہئے۔

اس کے علاوہ یہ کہ جس نبی سے کوئی لغزش دنیا میں ہوئی ہے اس کا ذکر احادیث شفاعت میں آیا ہے اور کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام قیامت کے روز اس لغزش کا ذکر کریں گے کہ مجھ سے شرک فی التسمیہ ہو گیا تھا اس لئے شفاعت نہیں کر سکتا البتہ اہل

شجرہ والی لغزش کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ اگر مذکورہ بات صحیح ہوتی تو یہ بہت بڑا عذر بن سکتا تھا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اس امر کو بھی بطور عذر پیش کر دیں گے کہ مجھے لوگوں نے ابن اللہ کہا تھا یا خدا کی کاشرک بنالیا تھا حالانکہ اس بات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ادنیٰ اشارے کو بھی دخل نہیں اسی لئے نہ ان سے اس پر مواخذہ ہوا اور نہ ہوگا۔

شک فی الاحیاء والی لغزش بے بنیاد ہے

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول رب انی کیف تحیی الموتی کی وجہ میں بھی شک فی الاحیاء وغیرہ میں بھی شک فی الاحیاء وغیرہ پر محمول کرنا غلط ہے اول تو آگے قال اولم نومن الآیہ سے یہ بات خود صاف ہوگئی کہ کسی شک وشبہ کی بات تھی ہی نہیں جو ایمان کے خلاف پڑتی دوسرے یہ کہ حدیث شفاعت میں بھی اس کا ذکر نہیں ورنہ جس طرح دینی مصلحت کے لئے تین مرتبہ تو یہ کے کلمات کہہ دینے کو عذر بنائیں گے اس بات کو بھی پیش کر کے ذیل عذر کر سکتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ھذا ربی کی بھی توجیہ ہے کہ وہ بطور ذوقی انقالات کے یا مقابل کفر و مشرکین کے فاسد مزاحمت پر فرما رہے ہیں کہ یہ رب ہے! پھر غروب ہونے پر جتلیا کہ کیا رب کی یہ شان ہوتی ہے؟ اور آخر میں رب حقیقی کا تعارف کرا دیا اور واقعی کوئی لغزش ہوتی تو اس کو بھی وہ شفاعت کے وقت سند عذر بناتے

اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کا حل ہے جس کی تفصیل حسب موقع پیش ہوگی یہاں اتنی بات صاف ہوگئی کہ انبیاء مسب معصوم تھے اور وہ خود بھی اپنے کو معصوم ہی سمجھتے تھے یہ اور بات ہے کہ خدا نے تعالیٰ کی مبرا و منزہ ذات گرامی صفات کا شعور جس قدر قوی ہوتا ہے اسی قدر بشری کمزوریوں کا احساس بھی قوی تر ہو جاتا ہے اور اس مقام رفیع میں بڑے بڑوں کو اپنی حسانت بھی مینات معلوم ہوتی ہیں لغزشیں تو پھر لغزش ہیں۔

یہاں اس امر پر بھی تنبیہ ضروری ہے کہ جن آیات میں انبیاء علیہم السلام کو خطاب کر کے بعض معاصی و رد اہل اور کفر و شرک سے اعتنا کر نیکی ہدایت کی گئی ہے ان سے مقصود تو غیر ہی ہیں صرف نوازش خطاب سے انبیاء کو نوازا گیا ہے چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود

اس طرز خطاب کے بہت فائدہ ہیں ایک حکمت یہ بھی ہے ان امور کی اہمیت کا زیادہ سے زیادہ احساس کرا نا وغیرہ ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کی کثرت تو بہر استغفار بھی ان کی شان عصمت کے خلاف نہیں کیونکہ توبہ کے معنی رجوع و انا بت الی اللہ کے ہیں اس کی ضرورت جس طرح ایک عاصی و خطا کار کو بڑے سے بڑا عینی و دلی بھی اس کا محتاج ہے اس لئے اس خطہ کیا کی سب ہی کو ضرورت ہے اور استغفار جس طرح گناہوں سے ہوتی ہے معمولی لغزشوں اور بڑا رازی غفلتوں پر بھی ہوتی ہے چنانچہ نبی امی فدائہ الہی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے دل پر کبھی غبار آتا ہے جس کی وجہ سے میں ستر بار استغفار کرتا ہوں انبیاء علیہم السلام حضور و ام کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں کہ ہمہ وقتی خدا کا مشاہدہ اور دھیان ان کو حاصل رہتا ہے پھر نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو سب سے زیادہ اعلیٰ و ارفع ہے فرمایا کہ میری آنکھیں سوئی محروم جاگتا رہتا ہے یہی قلب منور جو ہر وقت خدا کے ذکر و تصور میں مستغرق رہتا ہے اگر کبھی اتفاق سے اس پر کوئی لغو غفلت کا گزر گیا تو اسی کو تین و خبر سے تعبیر فرمایا اور اپنے مرتبہ مقام کے لحاظ سے اس کو ستر مرتبہ استغفار فرما کر پھر سے صاف و شفاف فرمایا یہ تھی نبوت کی شان رفیعہ کدو راسالحد بھی غفلت کا گوارا نہیں جبکہ غفلت کا لفظ کہتے ہوئے بھی دل ڈر رہا ہے کہ اس کا مصداق شاید ہزاروں لاکھوں جز بھی وہاں نہ ہوگا۔

سرور و عالم اروا حتفادہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں آپ کی امت کے لئے بڑا سبق ہے آج کہتے ہیں جو اپنے آئینہ قلب کو صاف رکھنے کی فکر کرتے ہیں کیا صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کے سامنے نہیں کہ ایک گناہ کرنے سے دل پر سیاہ نقطہ لگ

جاتا ہے اور توبہ واستغفار سے اگر اس کو صاف نہ کر لیا جائے، تو اسی طرح دوسرے اور تیسرے گناہ سے اس پر سیاہ نقول کا اضافہ ہوتا رہتا ہے جو محاذ اللہ غفلت میں پڑے رہنے سے کبھی کبھی پورا کا پورا بھی سیاہ ہو جاتا ہے۔

خدا سے ڈرنا چاہئے اور تکاب معاصی و ترک واجبات و فرائض سے سخت پرہیز کرنا چاہئے اور اگر کبھی غفلت ہو جائے تو اس کا تدارک فوراً کرنا چاہئے جس کا نہایت آسان نسخہ توبہ واستغفار ہے جسے خدا نے تعالیٰ کا امت محمدیہ کے لئے بہت ہی بڑا فضل و انعام ہے کہ مومن کے لئے توبہ واستغفار کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھا ہے اگر ایمان کی چنگاری بڑے سے بڑے اور زیادہ سے زیادہ گمناہوں کی راکھ میں بھی مستور ہو گئی ہے تو وہ ساری راکھ کا ڈھیر توبہ واستغفار کی پھونک سے دور ہو سکتا ہے اور ایمان کی چنگاری بھرے پوری آب و تاب سے روشن ہو جاتی ہے

العائب من الذنب کمن الذنب لہ۔ واللہ الموفق۔

اب ہم بقیہ وجوہ و اسباب عصمت انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہیں۔

۴- اللہ تعالیٰ اپنے خاص محافظ دستے فرشتوں کے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے لئے مقرر فرماتے ہیں تاکہ اگر کسی وقت کسی نبی کے لئے حالات ماحول اور زناکت و فتنے سے ایسی صورت پیش آجائے کہ بشریت کے تقاضوں کو روک تمام دشوار تر ہو جائے تو اس وقت بھی نبی کا قدم ڈگمگا نہ سکے کیونکہ نبی کی ذرا سی لغزش سے امت پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام بھول گئے تھے تو ان کی ساری ذریت کو بھول کی بیماری نے پکڑ لیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی لغزش نبی سے ہو جائے تو اسی قسم کی لغزش کا فکار اس کی ساری امت ہو سکتی ہے اس لئے انبیاء کا دامن تمام گناہوں سے پاک و صاف ہی رکھا جاتا ہے اور اس کے لئے قسم قسم کے اسباب حفاظت کے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس بات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ اپنے سامنے لے آئیے کہ بچپن میں کس طرح گھر کے بہترین ماحول (خاندان نبوت) سے لٹکے (جہاں نہایت اعلیٰ تربیت خود اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہو سکتی تھی جو بڑے جلیل القدر و عظیم مرتبے) عزیز مصر کے گھر پہنچایا اور بغیر ظاہری اسباب کے صرف اپنے الطاف غیبیہ و شان ربوبیت خاصہ سے آپ کی تربیت فرمائی (ظاہر زندگی شہزادوں کی طرح عزیز مصر کے محل میں گزر رہی ہے عزیز مصر اور اس کی بیوی زلیخا انتہائی پیار و شفقت سے آپ کو پال رہے ہیں عزیز مصر کی زلیخا کو بڑی تاکید ہے کہ اس بچے کا نہایت خیال رکھا جائے یہ ظاہری بدن کی تربیت کا سامان ہے اور دل و دماغ کی تربیت خود رب العلمین فرما رہے ہیں اب حضرت یوسف علیہ السلام جو حسن و جمال میں یکائے زمانہ تھے) جوں جوں بڑے ہو رہے ہیں زلیخا کے دل میں اس کی محبت کی پینک بڑھ رہی ہے

یزیدک وجہہ حسنا اذا ما زدتہ نظرا

(حسین و جمل چہرہ پر چٹنی زیادہ نظر کی جاتی ہے اتنی ہی اس کے حسن و جمال کی کشش بڑھا کرتی ہے)

اسی لئے حدیث میں آنکھیں چٹکنے کی ممانعت ہے اور حسن و جمال کی فتنہ سازانہوں سے بچنے کا احادیث اور کیا ان شرعیہ ہلا دیا گیا ہے کہ ایک لگاؤ و فتنہ پڑ جائے تو خیر دوسری تیسری نگاہ و النافض ہے چہ جائیکہ مستقل سنگا کی عادت اختیار کر لی جائے تو اس سے بڑا اور برا تو دوسرا مرض ہی نہیں اور سب سے بڑی ایک خرابی یہ ہے کہ ہر کام سے آدمی تھک جاتا ہے ہر چیز سے دل بھر جاتا ہے مگر صرف آنکھ ایسی چیز ہے کہ وہ دیکھنے سے نہیں تھکتی اور نہ کبھی سیر ہوتی ہے غرض اس بیماری کا کوئی علاج نہیں عربی کے مشہور شاعر حنفی نے کہا تھا کہ ”خدا میرے محسن و کرم بادشاہ کو آنکھوں کی قسوں کا رویوں سے محفوظ رکھے کیونکہ ان کا مقابلہ بندہ اپنی فوج فرار سے کر سکتا ہے نہ جو دو طاقت سے کر سکتا ہے۔ فارسی شاعر نے کہا۔

زنا توانی خود این قدر خبر دارم کہ از رخسار تو نام کہ دیدہ بردارم

اکبر الہ آبادی مرحوم بہت مایوس ہیں کہ اس زمانہ میں کم از کم اس حکم شرعی پر عمل بہت کم ہے کیونکہ شریعت نے دونوں طرف بند لگائے تھے جب ایک بند ٹوٹ چکا ہے تو صرف ایک بند سے کام کیسے چلے گا؟ وہ کہتے ہیں۔

سنے طریقوں پہ مقصد شرع کا فرمانہ ہو سکے گا اور جو پردہ نہ ہو سکے گا اھر بھی تقویٰ نہ ہو سکے گا مگر شریعت کا قانون ہے کہ جتنے زیادہ ماساعد حالات و ماحول میں شرعی حکم پر عمل کیا جائے گا اتنا ہی اس کا اجر و ثواب بھی بڑھ جائے گا اس لئے کسبت ہمت کا اسلام میں کوئی درجہ نہیں یہ مردان خدا کا دین ہے یہاں پست ہمتی و کم حوصلگی جرم عظیم ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ آزمائش کس کی ہو سکتی ہے؟ ایک ملکہ حسن و جمال کیکنے روزگار شاہزادہ حسن و جمال پر بری طرح فریفتہ ہو جاتی ہے دونوں کی زندگی ایک ہی گھر میں گزر رہی ہے۔ زیلعی بقول غالب۔

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست بزم خیال میکدہ بے خروش ہے

اس ماحول سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے کوئی شرعی و عقلی پابندی اس پر نہیں ہے اکبر مرحوم دیکھتے کہ ایک طرف کا بند پوری طرح کسبت ہے وہ حسن رہ گزرے ہی ڈر گئے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگذشت پڑھتے کہ ایسے نازک ترین موقع پر انہوں نے کس جی داری سے شریعت کو تھا، کیا ان کی ایمانی، عملی، فکری، عصمت پر ذرہ کے برابر بھی کوئی داغ آ سکا؟

ان کے دل و دماغ فکر و فکری حفاظت خود رب العالمین فرما رہے تھے اور اس کے فرشتے پہرہ پر لگے ہوئے تھے خدائی احکام کا پورا تسلط حضرت یوسف علیہ السلام کے دل و دماغ پر پھایا ہوا تھا ایسے حالات میں خلاف عصمت کوئی بات کس طرح ہو سکتی تھی دوسروں کے لئے یہ بات بہت دشوار تھی مگر خدا کے مطیع بندوں اور خصوصیت سے انبیاء علیہم السلام کے لئے ایسے دشوار گزار مرحلے آسان ہو جاتے ہیں وہ ایسے مواقع میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی استعانت چاہتے ہیں زیلعی نے پوری تیاریاں کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھانسنے کی آخری کوشش کر ڈالی مگر آپ بڑے علمینان کے ساتھ "معاذ اللہ" کہہ کر خدائی حصار میں داخل ہو گئے جہاں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت و تدبیر بیکار رکھ دی جاتی ہے۔

آگے کیا ہوتا ہے اسے بھی سن لیجئے پہلے ہر دو طرف سے صرف زبانی بات چیت تھی زیلعی نے پورے اطمینان سے اپنی تدابیر پر ہر سہرہ کر کے کہا تھا کہ اھر آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بات ممکن نہیں اس پر بھی زیلعی زبانتہ آئی اور پورے عزم و حوصلہ سے عملی قدم اٹھانے کی تدابیر کر ڈالیں تو دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے حال سے نکلنے کی پوری عملی تدابیر اختیار فرمائیں آگے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ واقعی اس قدر نازک موقع تھا کہ اس کے توڑ میں تغیر اند اولو العزمی کے ساتھ بشری تدابیر کمزور پڑ سکتی تھیں چنانچہ اس کمزوری کا احساس حضرت یوسف علیہ السلام کے قول "والا تصوف عینی کبھن احصب البہن" سے بھی ظاہر ہوتا ہے اس لئے ہم نے بھی اپنے طریقہ پر اپنی پرہیزگار و محبت دکھانے کی مدد کی اس کے بغیر ممکن تھا کہ وہ اس قدر ثابت قدمی نہ دکھا سکے اس اگر مگر والی بات سے ہو سکتا ہے کہ آپ اس قسم کا خیال دل میں لائیں کہ تغیر اند عصمت میں بھی رخنہ پڑنے کا امکان ضرور ہے مگر یہاں ہمیں دکھانا بھی سیکھی ہے کہ اگر ایسی سنگین صورت حال بھی پیش آ جائے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئی تو نبی کی عصمت کی نگرانی خدا کی بالواسطہ یا بلاواسطہ حفاظت سے بھی ہوتی ہے اور اس قسم کی گارنٹی غیر انبیاء علیہم السلام کے لئے نہیں ہے لہذا انبیاء کی عصمت ہر صورت میں بے داغ بے شک و لا ریب ہے۔ وھو المراد۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کو عیدائنی طور پر بہت سے خواص اہل جنت کے دنیا میں بھی حاصل ہوتے ہیں مثلاً دائمی حیات دائمی عبادت (کہ قبر میں بھی مشغول عبادت رہتے ہیں کثرت ازواج۔ وفات پر اجساد مبارکہ کا عدم تغیر وغیرہ) لہذا اہل جنت ہی کی طرح ان کے لئے دنیا میں عصمت بھی ثابت ہے واضح ہو کہ جنت و اہل جنت کے بہت سے نمونے دنیا میں دکھائے گئے ہیں بلکہ بعض چیزیں جنت کی دنیا میں اتاری گئی ہیں مثلاً مقام ابراہیمؑ حجر اسود وغیرہ اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی کچھ چیزیں جنت میں جائیں گی مثلاً بیت اللہ مسجد حرام اور دوسری تمام مساجد جنت کے علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور سب اسی طرح جنت کی طرف اٹھائی جائیں گی۔ واللہ اعلم۔

عصمت انبیاء کے متعلق حضرت نانوتویؒ کی تحقیق

عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایک نہایت مکمل دلیل تحقیق حضرت حمزہ الاسلام ہوا نانوتویؒ قدس سرہ کے مکتوبات گرامی میں ملتی ہے اس کا بھی کچھ خلاصہ ملاحظہ کیجئے! آپ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام تمام صغائر و کبائر سے قفل نبوت و بدعت نبوت ہر زمانے میں معصوم ہوتے ہیں مندرجہ ذیل ہر دو دلیل آپ کے مکتوب گرامی سے ماخوذ ہیں۔

(۶) قرآن مجید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقہ کا امر کیا گیا ہے جب ہر معاملہ میں آپ کی اتباع ضروری ہوئی تو آپ کی عصمت ضروری ضروری اور نہ معصیت میں بھی اتباع ناجانی پڑے گی جو خدا کا حکم نہیں ہو سکتا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ معصیت عبادت و طاعت کی ضد ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اندر مادہ شیطانی نہیں ہے جس سے معصیوں کا صدور ہوتا ہے عام انسانوں میں چونکہ مادہ فکری اور مادہ شیطانی دونوں ہوتے ہیں اس لئے ان سے دونوں کا لوازمیہ و آثار یعنی اچھے و برے اعمال بھی صادر ہوتے ہیں ملائکہ میں چونکہ صرف نیکی کا مادہ و دیعت کیا گیا ہے وہ صرف نیک اعمال کرتے ہیں گناہ نہیں کر سکتے اس کے برعکس شیاطین میں صرف مادہ معصیت و کفر رکھا گیا ہے ان سے کفر و معصیت ہی کا صدور ہوتا ہے ایمان و اعمال صالحہ کا نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر چونکہ صرف مادہ فکری و دیعت کیا گیا ہے اس لئے ان سے بھی ملائکہ کی طرح صرف نیکیاں صادر ہوں گی اس لئے وہ معصوم ہیں اور ان کی کامل اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور چونکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کے طریقوں کی پیروی کیجئے اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب بھی معصوم تھے ورنہ یہاں حضور کو ان کی مطلق اتباع و اقتدار کا حکم نہ ہوتا۔

حضرت نانوتویؒ نے یہاں اس امر کی بھی وضاحت فرمادی ہے کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی ذات میں وہ قوت نہیں ہوتی جو صہور عصیان کا اقتضاء کرتی ہے مگر کسی خارجی و عارضی سبب سے صدور عصیان کا امکان ضرور باقی رہتا ہے اسی لئے قدرت ان کی نگہبان رہتی ہے اور اس قسم کی تاثرانی سے بھی بچالیتی ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ ”کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین“ (سورۃ یوسف)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اس آیت سے چند فوائد معلوم ہوئے۔

(۱) جو عورت سود اور فحشاء کی تعریف میں نہ آتی وہ اس کا صدور کسی عارضی وجہ سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

(۲) سود و فحشاء کا تحقیق خارجی اسباب سے یہاں بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) اس امکان مذکور کے باوجود قدرت ان کے صدور سے بھی نگہبان رہتی ہے پھر لکھا معصومیت یا ایمان معنی کہ ذات معصوم میں صدور

معاصی کا مشاہدہ بھی نہ ہو صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اولیاء اللہ کی بھی یہ شان نہیں البتہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بھی حفاظت فرماتے ہیں تو ان کا درجہ محفوظیت کا ہے جو معصومیت سے کم تر ہے۔

(۷) قرآن مجید میں ہے ”عالم الغیب“ فلا یظہر علی غیبہ احد الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدہ و من خلفہ و صد! (جن) وہ عالم الغیب ہے اپنی غیب کی خبریں بجز اپنی پسندیدہ مخلوق رسولوں کے اور کسی کو نہیں دیتا اور ان کی وحی کے آگے پیچھے فرشتوں کے پہرے اور جوچیاں رکھی جاتی ہیں (تا کہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل نہ دے سکے) معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے علوم و اخبار میں غلطی کا کوئی امکان نہیں اس کے علاوہ انبیاء کا اپنے تمام اعمال زندگی میں معصوم ہونا وہ بھی اسی آیت سے ثابت ہے جس کے لئے حضرت نانوتویؒ کا طریق استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو اپنا برگزیدہ و پسندیدہ فرمایا اور یہاں کوئی قید و شرط بھی نہیں کہ قائل عمل کے باعث وہ

مرتضیٰ ہوئے۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہ اپنی پوری زندگی کے اعمال کی رو سے برگزیدہ و پسندیدہ ہیں اور یہی شان عصمت ہے۔

عظمت و عصمت انبیاء علیہم السلام کی بحث چونکہ نہایت اہم ہے اور مذاہبِ حق کی عظمت و فضیلت و حقیقت کا مدعا بھی بڑی حد تک اس پر ہے اس لئے ہم نے یہاں کسی قدر تفصیلی بحث کی باقی انبیاء علیہم السلام کے مکمل حالات و مناقب و فضائل کے لئے حضرت مولانا حافظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ کی کتاب ”قصص القرآن“ کا مطالعہ کیا جائے جو چار ضخیم جلدوں میں مدوۃ النصفین دہلی سے شائع ہو چکی ہے اردو زبان میں وہ نہایت بیش قیمت نادر علمی ذخیرہ ہے جو بھگواندہ کافی احتیاط سے مرتب ہوا ہے۔ اس کے بعد گزارش ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بیان حالات میں ادنیٰ درجہ کی بے احتیاطی یا محض واعظانہ درنگ کی نکتہ آفرینیاں مناسب نہیں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کوئی بات بھی لکھی ہو۔ خصوصاً نئی قسم کی تو اس کے لئے نہایت وسیع مطالعہ کثیر مطلوبات اور مکمل احتیاط کی ضرورت ہے کہ اکابر سلف کی تحقیقات بھی نظر انداز نہ ہو سکیں کیونکہ جمہور سلف اور ائمہ محدثین و مفسرین کو چھوڑ کر ایک دو عالموں کی رائے پر کوئی جدید نظریہ قائم کر لینا اور اس کو شرعی دعویٰ کی صورت میں پیش کر دینا نہایت ہی بدی معترفوں کا سبب بن سکتا ہے۔

علی الخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتمہ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے معلوم ہے کہ یہود نصاریٰ نے کسی قدر غلط باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی تھیں جن کا ازالہ قرآن وحدیث میں کیا گیا ہے۔ پھر امت محمدیہ میں بھی کچھ غیر متبادلوں سے ایسے مضامین نکل گئے جن سے فرق باطلہ کو قوت ملی اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی افراط و تفریط ہوئی ہے جس کے مضمر نتائج سب کو آشکار ہیں ہمارے اکابر حضرت دیوبند کی یہ شان تھی کہ ان کی تحریر و تقریر نہایت محتاط ہوتی تھی حتیٰ کہ مواظظ میں بھی اتنی احتیاط برت گئے جو ہمارے اس دور کے اکابر علماء سے دشوار نظر آ رہی ہے حضرت تھانویؒ کے مواظظ شائع شدہ ہیں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت عثمانیؒ کے مواظظ بھی اکثر سننے کا شرف حاصل ہوا مگر آج کل جو سیرت کے جلسوں میں بیان ہوتے ہیں ان کا رنگ بالکل دوسرا دیکھنے میں نظر آ رہا ہے جس کا مقصد عوام کو خوش کرنا اور ان کی داد و حاصل کرنا معلوم ہوتا ہے۔ آخر اس عوام پسندی کے رقصان سے ہمارا کوئی شعبہ زندگی بھی محفوظ رہ سکے گا یا نہیں؟ ہر وعظ اور تقریر سیرت پر اس کی اجرت اور نذرانے وصول کئے جاتے ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر وصول کرنے کی فکر میں رہتا ہے کیا یہی ہمارے اکابر و اسلاف کی شان تھی اور کیا ایسے مواظظ و تقاریر سیرت سے عام مسلمانوں پر ایسے اثرات پڑ سکتے ہیں؟ ہمارے بڑے بڑے نقاد ہیں پھر بھی عوام سے گراں قدر نذرانوں کے منتظر رہتے ہیں

اہل بدعت کی جن باتوں کو ہمارے اکابر نے خلاف تحقیق و احتیاط بتلایا تھا آج ہم خود اپنی تقاریر و تصانیف میں ان سے احتیاط کو غیر ضروری سمجھنے لگے ہیں۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اپنے مواظظ میں یہ جملہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ ”بھائی! عمل تو ہمارے پاس بھی نہیں ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ علم صحیح ہے اس لئے جو بات بتائیں گے وہ دین کی صحیح ترجمانی یعنی لکھی و معیاری ہوگی۔ کاش! اہم اپنے اس مرکز سے دور نہ ہوں۔ واللہ الموفق والمیسر۔“

بقیہ فوائد متعلقہ حدیث باب

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں ذنب کا ذکر ہے جو سب سے کم درجہ ہے جس نے معنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معظمہ اور شان رفیعہ کے لحاظ سے غیر مناسب امر کے ہیں اس سے زیادہ درجہ خطا کا ہے جو نادرست و ناصواب فعل کو کہتے ہیں اور ان سب کے اوپر مصیبت کا درجہ ہے جو عدول صحتی نا فرمانی ہے اور صفات و کمالات کی تقسیم بھی اسی میں جاری ہوتی ہے ذنب و خطا میں نہیں۔

اشکال وجواب

جب انبیاء علیہم السلام سب ہی مغفور ہیں تو پھر زیر بحث آیت وحدیث میں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت ذنوب کا ذکر کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص اعلان مغفرت کے لئے ہے کیونکہ آپ کے لیے شفاعت کبریٰ اور مقام محمود و مقدر ہو چکی ہے لہذا دنیا میں اعلان مناسب ہوتا کہ قیامت کے ہولناک دن میں آپ کے قلب مبارک کو ڈھارس اور سکون حاصل ہوا اور بے تامل شفاعت کبریٰ فرمائیں اگر دنیا میں آپ کی مغفرت کا اعلان نہ ہوتا تو ممکن تھا آپ بھی اپنے ذنوب کو اسی طرح یا ذرا کم عذر فرمادیتے جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کریں گے۔ چنانچہ اس روز عذر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام یہ بھی فرمائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ! کہ ان کے تمام گزشتہ ذنوب بخشے جا چکے ہیں۔

دوسرا اشکال وجواب

- جو ذنوب بعد کو ہونے والے ہیں ان کی مغفرت پہلے سے ہو جاتا کیوں کر ہے؟ اس کے کئی جواب ہیں:-
- (۱) اگرچہ مغفرت کا عام مفہوم یہی ہے کہ جو ذنوب کے بعد اس کا وجود ہو مگر اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم سے کوئی ذنب ہو تو ہم اس پر سواغذہ نہیں کریں گے پس مغفرت بمعنی عدم سواغذہ ہوئی۔
- (۲) علم خداوندی میں سب اگلے پچھلے موجود ہیں کیونکہ اس میں تقدم و تاخر نہیں ہے پس سب کی مغفرت بھی دفعۃً درست ہے۔
- (۳) مغفرت احکام آخرت سے ہے جہاں سب ذنوب ماضی سے متعلق ہو چکیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد

کہ وعدہ مغفرت کا متعلق عمل و احتیاط ہے نہ کہ عدم عمل و ترک احتیاط اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود مغفرت ذنوب کے بہت زیادہ عبادت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ راتوں کو نوافل میں کمرے کمرے پاؤں ستورم ہو جاتے تھے صحابہ کرام عرض کرتے کہ آپ کو اس قدر زیادہ عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ تو فرماتے کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟!

عتاب نبوی کا سبب

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ زیر بحث حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عتاب و غضب کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے لیے اعمال شائقہ کے احکام کی درخواست صحابہ کرام کے لیے ان کے مرتبہ رفیع کے لحاظ سے موزوں نہ تھی کیونکہ ایسی درخواست فطرت سلیمہ کے خلاف تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب صحابہ میں سے کسی سے کوئی غلطی اجتہادی خطا کے درجے کی ہوتی تو کچھ نہ فرماتے نہ غصہ ہوتے لیکن کوئی بات خلاف فطرت سیلا۔ ہو جاتی تو ناگواری اور غصہ کا اظہار فرماتے تھے اس قسم کی مثالیں آئندہ ذکر ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور یہاں صحابہ کرام کی درخواست مذکور کا بھل اور غیر موزوں ہونا اور پکی تعمیلات سے واضح ہو چکا ہے۔

”ان اعلیٰکم“ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس کا علم و معرفت خداوندی زیادہ ہوتی ہے اس کی عبادت خدا کو زیادہ پسند ہوتی ہے کیونکہ عبادت نام ہی مطاع کی مرضی کے موافق طاعت کرنے کا ہے۔ حق تعالیٰ کس عبادت سے اور کس وقت اور کس موقع تک عمل زیادہ خوش ہوتے ہیں جتنا علم ان امور کا زیادہ ہوگا تقرب خداوندی بھی ان کے مطابق ادا کرنے سے زیادہ ہوگا اعمال کی مشقت رضا خداوندی یا تقرب کا معیار نہیں ہے۔

نماز جیسی مقبول و پسندیدہ عبادت بھی غیر وقت مثلاً طلوع و غروب آفتاب کے وقت خدا کے یہاں قابلِ رونہ پسند ہوتی ہے غرض ان لوگوں کو

اس سے تمہیک کی جوشقنوں کے قتل میں زیادہ فضیلت تلاش کیا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اولیاء اللہ اگرچہ مقدار کے اعتبار سے طاعات و عبادات میں بڑے ہوئے ہیں مگر کیفیت کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے کم اعمال کا پابنگ بھی نہیں ہو سکتے مثلاً ترمذی شریف میں حضرت عمیر بن ہانی کے متعلق ناظر ہے کہ وہ ہر دن میں ایک ہزار عبادت کرتے تھے اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح کرتے تھے (باب ماجاء اذا اتیتہ من اللیل)

حضرت امام ابو یوسفؒ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے زمانہ فقہاء میں ہر روز دو سو رکعت پڑھ لیا کرتے تھے اسی طرح اولیاء اللہ کی بڑی بڑی عبادات و ریاضات کے حالات منقول ہوئے ہیں۔

وَقَدْ نَالَهُ لَمَّا يَجِبُ وَيَرْضَىٰ

باب من كره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقدف في النار من الايمان.

(جو کفر طرف لوٹنے کو ایسا ہی برا سمجھے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو تو یہ بھی ایمان کی علامت ہے)

۲۰- حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن قتادة عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان من كان الله ورسوله احب اليه مما سواه ما ومن احب عبدا لايحبه الا الله ومن يكره ان يعود في الكفر بعد اذا نقذه الله كما يكره ان يلقى في النار

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصائص ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت و لذت پالے گا جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات عالم سے زیادہ محبوب ہوں اور جس شخص کو کسی سے محبت ہو تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور جس کو کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی برا معلوم ہو جیسا آگ میں ڈالا جاتا۔

تشریح:- یہ حدیث اور اس کی تشریح وغیرہ پہلے درج کی، کفر کی طرف لوٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے مقصود صرف نیا اسلام لانے والا ہی ہو بلکہ وہ بھی اس میں داخل ہے جو پہلے ہی سے مسلمان تھا کیونکہ جب اسلام لانے والا کفر کی طرف لوٹنے سے اس قدر متفرق و بے زور ہوگا تو جو شخص اب ایمان چھوڑ کر اسلام چلا آ رہا ہے اس کو کفر و شرک سے اور بھی زیادہ بیزار ہونا چاہئے اور اس کا ایمان کی حلاوت بھی زیادہ حاصل ہونی چاہئے۔

انفس ہے کہ آج کل مسلمانوں کو دین و علم دین سے ناواقفیت و لاپرواہی کے باعث ایمان و اعمال صالحہ سے بے تعلقی عام ہوتی جا رہی ہے اور اس لئے وہ ایمان و اعمال کی قدر و قیمت بھی نہیں پہچانتے اور بعض نو مسلموں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ چونکہ پورے علم و بصیرت کے ساتھ ایمان و اسلام قبول کرتے ہیں وہ ایمان و اعمال کے زیادہ گرویدہ نظر آتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بغیر علم و معرفت کے کوئی ترقی صحیح و پائیدار نہیں ہو سکتی۔

باب تفاضل اهل الايمان في الاعمال (اعمال کی وجہ سے اہل ایمان کا ایک دوسرے سے بڑھ جانا)

۲۱- حدثنا اسمعيل قال حدثني مالك عن عمرو بن يحيى المازني عن ابيه عن ابي سعيد بن الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يدخل اهل الجنة الجنة و اهل النار النار لم يقول الله اخروج من كان في قلبه مضال حبة من خردل من ايمان فيخرجون منها قد اسودوا فيلقون في نحر العيا او الحبة شك مالک فينبون كما تبت الحبة في جانب السيل الم تر انها تخرج صفراء ملتوية قال وهيب حدثنا عمرو والحياة وقال خردل من خير

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اہل جنت جنت میں اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر (بھی) ایمان ہے اس کو (دوزخ سے) نکال لو۔ جب (ایسے لوگ) دوزخ سے نکال لئے جائیں گے وہ جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہوں گے پھر وہ زندگی کی نہر میں ڈالے جائیں گے پھر ان کے پانی میں (یہاں راوی کو شک ہو گیا کہ راوی نے کون سا لفظ استعمال کیا) اس وقت وہ دانے کی آگ آئیں گے (یعنی تڑا تڑا وہ شاداب ہو

جائیں گے) جس طرح سیلاب کے کنارے دانساگ آتا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ دائرہ زردی مائل چچ روچ نکلتا ہے۔

وہیب نے کہا: ہم سے عمرو نے (حیا کی بجائے) حیاۃ اور (خردل من ایمان کی بجائے) خردل من خیر (کا لفظ) بیان کیا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ میں قاض کا لفظ ہے جو اشخاص سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اس کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہوا ہے کیونکہ ان میں کی و نقض نہیں ہے اور آئندہ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں (جو ۳۲ پر آ رہی ہے) باب زیادة الایمان و نقصانہ ذکر کیا ہے کیونکہ زیادتی و کمی معانی میں ہوتی ہے اشخاص میں نہیں۔ پس یہاں عاملین پر نظر کر کے قاض کا لائے اور وہاں نفس ایمان پر نظر کر کے زیادہ و نقص لائیں گے دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اعمال کے لحاظ سے قاض بتلایا ہے اگرچہ ایمان میں برابر ہوں اور وہاں ایمان میں کمی و زیادتی بتلانی ہوگی پھر خواہ اعمال میں بھی متفاضل ہوں یا نہ ہوں۔

یہ خطاب اللہ تعالیٰ کس سے فرمائیں گے کہ دروزخ سے نکال لو علامہ قسطلانی نے تفسیر کی ہے کہ مراد مالکہ ہیں چنانچہ ایک روایت میں لعلوا کہ کا لفظ بھی موجود ہے کہاں سے نکال لو اس کو بھی علامہ موصوف نے لکھا کہ مراد دروزخ سے نکالنا ہے جیسا کہ اصیلی کی روایت میں من النار کا لفظ زائد روایت ہوا ہے پھر یہ نکالنے کا حکم ان لوگوں کے لئے ہوگا جنہوں نے توحید کے ساتھ کوئی قلمی نیکی (حسن نیت وغیرہ) کی ہوگی کیونکہ ایک روایت میں بیذیادتی موجود ہے یا جو ا من قال لا الہ الا اللہ و عمل من الخیر ما یزین کذا (نووی قسطلانی فی شرح البخاری صفحہ ۱۵۷)

یہی حدیث ابی سعید خدری مسلم شریف میں زیادہ تفصیل سے مروی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت جنت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ اے رب! ہمارے بہت سے ساتھی تھے جنہوں نے دنیا میں ہمارے ساتھ نمازیں پڑھی تھیں۔ روزے رکھے تھے حج کیا تھا اور آج وہ ہمارے ساتھ جنت میں نہیں آئے حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم ان کو دروزخ سے نکال لاؤ۔

جا کر پہچان لو وہ ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی اجازت سے نکال لائیں گے اور عرض کریں گے کہ جتنے ظاہری اعمال کے اعتبار سے ہم پہچان کر نکال کر لا سکتے تھے نکال لائے اور اب کوئی ایسا نہیں رہا ہے۔ یہ غائبانہ لوگ ہوں گے جن کے ظاہری اعمال بکثرت ہوں گے مگر معاصی کے باعث دروزخ میں ڈال دیے گئے ہوں گے اس کے بعد حق تعالیٰ ہی کے فرمانے سے وہ اہل جنت دوسری بار ان کو بھی نکال لائیں گے جن کے بہت حقوے نیک عمل ہوں گے یا صرف اکاد کا عمل ہوگا جو پہلی بار میں نظر انداز ہو گیا ہوگا۔ تیسری بار میں حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا! اب تم پھر جاؤ اور ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے ظاہری اعمال کچھ نہیں تھے مگر ان کے قلبی اعمال (کوئی اچھی نیت اچھے ارادے وغیرہ ہوں گے علامہ نووی نے یہ بھی لکھا کہ حق تعالیٰ ان کو قلبی اعمال کی معرفت کے لیے علامت بھی بتلادیں گے اور وہ ایسے لوگوں کو بھی نکال لائیں گے جو تھے اور آخری مرتبہ میں وہ لوگ نکالے جائیں گے جن کے پاس نہ ظاہری اعمال کم یا زیادہ ہوں گے نہ اعمال قلب ہوں گے صرف اقرار توحید یا ایمان کا کچھ حصہ ان کے پاس ہوگا حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ بارگاہ! مجھے اجازت دیجئے کہ ان لوگوں کو نکال لاؤں حق تعالیٰ جواب دیں گے کہ یہ کام آپ کے لیے نہیں ہے پھر حق تعالیٰ اپنی ارحم الراحمین کا اظہار فرمائیں گے اور ایسے لوگوں کو خود ہی نکالیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ فیقبض اللہ قبضۃ من النار فیخرج منها قومالم یعلموا خیر اقط (حق تعالیٰ اپنا منہ پھر دروزخ سے ایسے لوگوں کو نکال لیں گے جنہوں نے کسی قسم کی بھی کوئی نیکی نہ کی ہوگی یعنی علاوہ ایمان یا کلمہ توحید کے) کیونکہ بغیر ایمان کے تو کوئی صورت نجات کی ہوگی ہی نہیں یہ طے شدہ اور یقینی وحی بات ہے۔

جہنم سے نکلے ہوئے لوگ چونکہ مجلس کرکالے سیاہ ہو گئے ہوں گے اس لیے جنت کے دروازہ پر جو نہر حیات جاری ہوگی اس میں ان کو غسل دیا جائے گا جس سے جہنم کے تمام اثرات زائل ہو جائیں گے اور وہ لوگ اس آب حیات کے اثر سے فوراً ایک نئی سرسبز و شاداب زندگی سے بہر مند ہو جائیں گے۔

بحث و نظر: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تراجم بخاری میں سے یہ ترجمہ عنوان باب مشکل ترین تراجم میں سے ہے جس کی چار وجہ ہیں۔

(۱) یہ حدیث اور حدیث انسؓ (صفحہ نمبر ۴۲) دونوں کا مضمون ایک ہی ہے (اگرچہ اصطلاح محدثین میں دواں لیے ہو گئیں کہ ہر ایک کا راوی الگ صحابی ہے اور اسی اصطلاح کے تحت مسند احمد کی احادیث کا شمار تیس ہزار کہا گیا ہے۔

پھر باوجود مضمون واحد ہونے کے ترجمے الگ الگ کیوں قائم کئے گئے؟

(۲) امام بخاریؒ نے جو یہاں حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث ذکر کی ہے اس میں عمل کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایمان کا ذکر ہے اور حدیث

انسؓ میں خیر یعنی عمل کا ذکر ہے پس یہاں کا ترجمہ وہاں اور وہاں کا یہاں ہونا چاہئے تھا؟

(۳) امام بخاریؒ نے یہاں اصل میں ایمان کا لفظ رکھا اور خیر کا لفظ بطور متعلق لائے اور حدیث انسؓ میں برعکس کیا حالانکہ ترجمہ کی

مناسبت سے برعکس صورت ہونی چاہئے تھی؟

(۴) زیادہ نقص ایمان کی بحث پہلے گزر چکی ہے پھر یہاں اس کا اعادہ کیوں کیا گیا؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس موقع پر شارحین بخاریؒ نے جیسی ضرورت تھی پر مغز کلام نہیں کیا حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں

مسئلہ ایمان پر خوب تفصیل سے لکھا ہے لیکن اشکالات مذکورہ پر کچھ نہیں لکھا کیونکہ انہوں نے صلی تراجم ابواب بخاریؒ سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے وہ

اس طرف توجہ کرتے تو اچھا لکھ سکتے تھے اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ کے جوابات لکھے جاتے ہیں۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے جوابات ذکر ہو گئے۔

اشکال اول و ثانی کا جواب حافظ نے یہ دیا کہ دونوں حدیث میں زیادہ نقص ایمان و تقاضا اعمال کے لیے دلیل ملتی ہے اس لیے امام

بخاریؒ نے ہر احتمال پر ترجمہ قائم کر دیا۔

پھر حدیث ابی سعیدؓ کو تفاضل اعمال کے ترجمہ سے خاص کر دیا کیونکہ اس کے اندر تفاوت مراتب ایمان کا ذکر نہیں تھا اس کے لیے زیادہ

ونقصان والا ترجمہ مناسب نہیں تھا البتہ یہ ترجمہ حدیث انسؓ کے لیے موزوں تھا کہ اس میں تفاوت اختلاف وزن شیعہ ذرہ کے لحاظ سے

تھا چوتھے اشکال کا جواب حافظ نے یہ دیا ہے کہ پہلے ایمان میں زیادتی و نقصان کا ذکر تھا اور یہاں نفس تصدیق میں زیادتی و نقصان کا ذکر کر

رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے کسی جگہ بھی نفس تصدیق کے لحاظ سے ایمان میں زیادتی کا ذکر نہیں کیا ہے ان کا

مقصد مسلک تو ایمان کو مرکب مان کر زیادتی کا قول ہے خواہ اجزاء کے لحاظ سے ہو یا اسباب کے اعتبار سے اسی لیے انہوں نے کہیں تصدیق و

اعمال میں تقابلی نہیں کیا غرض حدیث انسؓ میں امام بخاریؒ کے نزدیک زیادتی و نقصان باعتبار مجموعہ کے ہے باعتبار نفس تصدیق کے نہیں لہذا

حافظ کی توجیہ مذکورہ قائل کی فتا کے خلاف ہے اسی طرح حافظ کا جواب اشکال اول و ثانی سے بھی چلنے والا نہیں ہے کیونکہ تفاوت موزونات اور

ذکر مراتب حدیث ابی سعیدؓ میں بھی حسب روایت مسلم موجود ہے اگر کہا جائے کہ تفاوت مذکور روایت بخاریؒ میں تو نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ

روایت بخاریؒ میں تو اعمال کا بھی ذکر نہیں ہے پھر اس پر امام بخاریؒ کا ترجمہ تفاضل اعمال کا قائم کرنا کیسے درست ہوگا؟

حضرت شاہ صاحب کے بقیہ جوابات

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے جوابات ملاحظہ فرمائے۔

(۱) امام بخاریؒ نے حدیث ابی سعیدؓ کو تفاضل اعمال کے ساتھ دو وجہ سے خاص کیا اول اس لیے کہ انہوں نے دونوں مفصل روایوں

پر نظر رکھی اور چونکہ مسلم کی روایت ابی سعیدؓ میں اعمال کا بھی ذکر موجود ہے اس لیے ترجمہ تفاضل اعمال کا قائم کیا اور حدیث انسؓ کے کسی

طریقہ میں بھی ذکر اعمال نہیں ہے اس لیے وہاں ایمان کا بھی ذکر موجود ہے اس لیے ترجمہ تفاضل اعمال کا قائم کیا اور حدیث انسؓ کے کسی

طریقہ میں بھی ذکر اعمال نہیں ہے اس لیے وہاں ایمان کی زیادتی و نقصان کا ترجمہ مناسب ہے دوسرے یہ کہ امام بخاری نے حدیث ابی سعید میں لفظ ایمان ذکر کیا۔ اور اس کے بعد اس کی مراد متابت بالخیر کے ذریعہ عمل متعین کی گویا اس امر پر متنبہ کیا کہ مراد امر اتب ایمان سے مراتب اعمال ہیں پس لفظ ایمان مفسر اور لفظ خیر اس کا مفسر ہوا امام بخاری کے یہاں ایمان کا اطلاق خیر پر جائز و درست ہے اور حدیث انس میں برعکس کیا کہ لفظ خیر کو اصلاً ذکر کیا اور اس کی مراد متابت لفظ ایمان سے متعین کی یہ جواب اول و ثانی سے ہوا۔

(۲) تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری اپنے علم و وجدان کے مطابق طریقہ اختیار کرتے ہیں ہر مقام پر متعین صحیح وجہ نہیں معلوم ہو سکتی اور یہاں بھی ہم اس کا تعین نہیں کر سکے۔

(۳) چوتھے اشکال کا جواب یہ ہے کہ پہلے ایمان کی زیادہ و نقص پر قصداً کوئی ترجمہ نہیں لائے تھے اسطر ادا بیان ہوا تھا اسی لئے کوئی حدیث اس کے لئے ذکر نہیں کی تھی یہاں قصداً لائے اور اپنے طریقہ پر استدلال کے لئے حدیث بھی روایت کی بفرمایا کہ میرے نزدیک دونوں حدیث میں خیر ایمان سے زائد چیز ہے لیکن حدیث الباب میں وہ اعمال قلب سے ہے اور حدیث انس میں متعلقات ایمان سے ہے جو نور ایمان اور انشراح و انبساط کی کیفیت ہے نہ کہ عمل قلبی حسن نیت وغیرہ دوسرے شارحین بخاری نے دونوں میں ایک ہی طریقہ پر سمجھا ہے۔ نیز یہ کہ دونوں حدیث کے درمیان مراتب تو ایک دوسرے کے ساتھ آگے پیچھے بے ترتیب باہم جڑتے ہیں مگر آخری مرتبہ دونوں میں مشترک ہے یعنی حدیث ابی سعید میں جن لوگوں کے سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جانے کا ذکر ہے یعنی ان ہی لوگوں کا ذکر حدیث انس میں بھی ہے (جن کے پاس نہ کوئی عمل اعمال جو ارجح سے ہوگا نہ کوئی نیک اعمال قلب سے ہوگی نہ ثمرات ایمان میں سے کچھ ان کے ساتھ ہوگا اور ارحم الراحمین ان کو بخش اپنے فضل و شان نعام خصوصی سے بلا عمل و خیر کے جنت میں داخل فرمادیں گے۔

شیخ اکبرؒ کے رائے

جن لوگوں کو باعمل کے سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا ان کے بارے میں چونکہ صرف کلمہ طیبہ کا قائل ہوتا ذکر ہوا ہے اس لیے شیخ اکبرؒ نے یہ رائے قائم کی کہ وہ لوگ اہل فترت ہیں جن کو کسی رسول و نبی کا زمانہ نہیں ملا۔ لہذا ان کے لیے ایمان بالرسول کی شرط نہ رہی صرف توحید ہی نجات کے لیے کافی ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شیخ اکبرؒ کے رائے مذکور اس موقع پر درست نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ اہل توحید و رسالت ہی ہوں گے صرف کلمہ کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ کلمہ طیبہ یا کلمہ اخلاص اسلام کا شعار و عنوان بن چکا ہے پس کلمہ کا ذکر شہادت رسالت کی تصریح سے مستغنی کر دیتا ہے اور فرمایا کہ حدیث قوی اس بارے میں وارد ہے کہ اہل فترت کا محشر میں امتحان لیا جائے گا اس طرح کہ ان کو حکم ملے گا اپنے آپ کو دوزخ میں ڈال دیں جو شخص فرمانبرداری کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح جن لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ وہ لوگ صرف قائل بالکلمہ ہوں گے تصدیق باطن ان کے پاس نہ ہوگی انہوں نے بھی غلطی کی ہے کیونکہ صرف قول بلا تصدیق قلبی کا شرعاً کوئی اختیار نہیں ہے۔

لہذا مراد وہی لوگ ہیں جن کے پاس ایمان اور تصدیق باشہادتین تو ضرور ہوگی مگر کوئی عمل نہ ہوگا اور وہ صرف کلمہ توحید کی برکت سے جہنم سے آزاد ہو کر دخول جنت کا شرف حاصل لیں گے۔

امام بخاریؒ کے استدلال پر ایک نظر

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس امر پر سب شارحین کا اتفاق ہے کہ خیر سے مراد دونوں حدیث میں نفس ایمان پر زائد چیز ہے کیونکہ قرآن مجید میں ”و کسبت فی ایمانہا خیرا“ وارد ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ خیر سے مراد عمل زائد علی الایمان ہے ایسے

ہی لمن يعمل مظال ذرة خيرا يره و من يعمل مظال ذرة شرا يره بھی اس کی دلیل ہے، لیکن اکثر شرع نے خیر سے مراد وہ عمل لیا ہے جو جوارح قلب کسی سے بھی صادر ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ خیر سے مراد اعمال قبلہ یا آثار ایمان میں اعمال جوارح نہیں ہیں، کیونکہ اعمال جوارح والوں کو پہلے ہی نکال لیا ہے گا، اس کے بعد حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب ان کو بھی نکال لو جن کے قلب میں کوئی حصہ بھی خیر کا ہو۔ تاہم یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہاں خیر سے مراد سب کے نزدیک امر زائد علی الایمان ہے تو یہاں سے زیادہ نقصان ثابت کرنا بھی نفس ایمان میں زیادہ نقصان کو ثابت نہ کرے گا، بلکہ خیر میں کرے گا، جو نور ایمان ہے اور زائد علی الایمان، شاید امام بخاری اس نور ایمان کو بھی ایمان ہی کا ایک جز سمجھتے ہیں، جس طرح اعمال وغیرہ کو مگر یہاں تو اس ایمان سے بحث ہو رہی ہے جو درنجات ہے۔ اور جب جہنم سے وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے، جن کے پاس کوئی عمل یا خیر بھی نہ ہوگی تو صاف طور سے واضح ہوا کہ مدارجات یہی کلمہ اخلاص ہے اور وہی ایمان بھی ہے، جس میں زیادتی و نقصان نہیں ہوتا، جو آخر حنیف اور دوسرے محققین کی رائے ہے۔ (تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

نکتہ بدلیجہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بارے میں صرف توحید کا ذکر اور شہادت رسالت کا بیان نہ فرمانا اور ارم المرآئین جل ذکرہ کا ان کے اخراج کے لیے اختصاص و انفراد اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ صرف اس امت یا کسی دوسری ایک امت کے افراد نہ ہوں گے، بلکہ تمام امتوں میں سے ہوں گے، لہذا ان کی صرف جہت عبودیت کی رعایت کی گئی، امتیہ کا لحاظ نہیں کیا گیا، جو رسولوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، پس مقررہ اصطلاحی کلمہ ذکر کیا گیا یعنی کلمہ توحید کلمہ متبدلہ بابت شہادت رسالت حذف کر دیا گیا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے قول باری تعالیٰ و ما اولئنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ الا لا الہ الا انا فاعبدونی میں صرف توحید کا ذکر ہوا، حالانکہ وہ سب رسول اپنی اپنی رسالت کا اقرار بھی کر لیا کرتے تھے، کیونکہ ایسا کوئی کلمہ مقررہ متعین نہیں تھا، جس سے ہر نبی کی رسالت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا۔

پھر یہ اس لیے بھی منقول ہے کہ محشر میں جب انبیاء و صلحاء کی شفاعتوں سے نامعلوم تعداد جہنم سے نکالی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رحمت عامہ کے بعد رحمت خاصہ کا ظہور بھی ہونا چاہئے، جس کا درجہ سب کی شفاعتوں سے اوپر اور راء الوراء ہے کہ وہ الرحمہ الرحمین، اہل البارین، اکرم الاکرمین، واجود الجوادین ہے، اسی لیے وہ اپنے فضل خاص سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال کر داخل جنت فرمائے گا جن کا کوئی خیر نہ لگا، جس کی وجہ سے کسی کو شفاعت کا موقع مل سکے، چنانچہ پہلے اشارہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف توحید والوں کے لیے شفاعت کرنے کا اجازت طلب بھی کریں گے تو حق تعالیٰ شانہ فرمادیں گے کہ یہ آپ کا حق نہیں، غرض اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نکالیں گے، جن کے لیے شافعین کی شفاعت بھی نہیں چل سکتی اور ایسے لوگوں کا نام بھی الگ ہی ہوگا، یعنی عقلاء اللہ (خدا کے آزاد کئے ہوئے) کیونکہ وہ محض اس کی ذات منبع الصفات کے اسم مبارک کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہاں اس نکتہ انور یہ ذکر کی برکت سے یہ بات سامع ہوئی کہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو خود ہی ایک مٹھ بھر کر نکالیں گے تو گو مقدار توحید شافعین کے ذریعہ نکلے والوں کی بھی کتنی ذکر نہیں ہوئی وہ خدا ہی کے علم مجید میں ہے، مگر سمجھ میں یہ بات آ رہی ہے کہ مقدار ان "عقلاء اللہ" کی بھی بہت بڑی ہوگی۔ خدا کی مٹھ کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ مگر ظن بہت بڑا ہے جس کی نسبت سب بڑوں کے بڑے کی طرف ہو رہی ہے اس لیے کیا اس لیے کیا عجیب ہے کہ یہ تعداد پہلے نکالے جانے والوں سے بھی بڑھ جائے، لہذا "و رحمتی وسعت کل شیء" اور "سبقت رحمتی علی غضبی" سے فائدہ اٹھانے والے بھی قسمت کے بہت پیٹے

نہیں رہیں گے۔ و کلنا نو جوو حمتک یاربنا و نختشی عذابک۔ ان عذابک بالکفار ملحق۔

حضرت شاہ صاحبؒ علاوہ وجہ مذکور کے تین وجوہ اور بھی حدیث میں ذکر کئے گئے اخلاص و حذف شہادت رسالت کے متعلق بیان فرماتے تھے ان کو بھی جمیل قاعدہ کے لیے درج کیا جاتا ہے۔

(۲) فرمایا کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ) شرک فی الذات کی نفی کے لیے نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ کے استیصال کے لیے ہے جس پر قرآن انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ مبنی ہے کیونکہ منکرین ربوبیت یا مشرکین فی الذات ہر زمانہ میں بہت ہی کم تعداد میں رہے ہیں لہذا اس کلمہ سے مقصود شرک فی العبادۃ ہی کا رد تھا حق تعالیٰ نے ان مشرکین کا قول نقل فرمایا ”ما تعبد ہم الا لیقریہونا الی اللہ ذلنہ“ یعنی خدا کو تو واحد مانتے تھے مگر ساتھ ہی یہ سمجھتے تھے کہ معبودان باطل کی عبادت سے خدا کا تقرب حاصل ہوگا۔ نیز فرمایا ”فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین“ اور فرمایا ”و اذا قبل لهم لا الہ الا اللہ يستکبرون“ معلوم ہوا کہ انکسار تھا جو دیکھیں تھا یعنی اس کلمہ کا سرے سے انکار نہ تھا کیونکہ انکسار علم کے بعد ہوتا ہے۔

ایمان و کفر اہم سابقہ میں

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت سے قبل کی امتوں میں صرف ایمان تھا کفر یا نکل نہ تھا اور آپ سب سے پہلے کفر کے مقابلہ پر مبعوث ہوئے ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مہرود کے لیے بھیجے گئے۔ وہ لوگ شرک فی العبادۃ میں مبتلا تھے حضرت یحییٰ موسیٰ علیہما السلام مقابلہ کر کے لیے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے جو اپنی قوم کے اعتبار سے مسلمان تھے کیونکہ وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھے پھر سب کے بعد حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام علیہ وسلم شریف لائے جب کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے دینی و علمی آثار کو جو پختے تھے کلمہ اخلاص کی اصل و حقیقت بھی لوگوں کے دلوں سے نکل چکی تھی۔ اور اس کو جاننے پہچاننے والے بھی باقی نہ رہے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و خدمات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سے اس کلمہ طیبہ کا احیاء کیا لوگوں کے دلوں میں اس کی صحیح معرفت ڈالی اور رب حقیقی کا مکمل تعارف کرایا کفر و شرک کی ایک ایک جڑ و شاخ کی نشان دہی فرما کر ان کو نزع و بن سے اکھاڑ ڈالا و علاوہ کلمہ اللہ کی ایسی نمایاں خدمات انجام دیں کہ اولیں و آخرین میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی اور اب جن لوگوں نے بھی اس کلمہ اخلاص کو جاننا پہچانا اور اس کے قائل ہوئے وہ سب حضور اکرم کی بدولت اور آپ ہی کی تہدید و اقتداء میں ہے۔ اسی لیے اس کلمہ کا قائل ہونا شہادت رسالت کو بھی مستلزم ہے اور اسی پر مسلم شریف کی مشہور حدیث بھی محمول ہے ”من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة“ کیونکہ بدوں شہادت رسالت کے اس کا کوئی معنی نہیں بلکہ مقصد یہی ہے کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہدید و اقتداء میں کلمہ کا قائل ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا جب یہ کلمہ مذکورہ اس تقریب و تعارف سے کہا تو اقرار و شہادت رسالت خود ہی حاصل ہے اس لیے علماء امت نے فیصلہ کیا ہے کہ جو شخص اس کلمہ کو بدوں تہدید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہے گا اس کا ایمان صحیح نہیں اس تفصیل سے دوسری وجہ حدیث میں حذف شہادت رسالت کی معلوم ہوئی۔

(۳) حینہ شہادت (اشہد ان لا الہ الا اللہ) پر جہت ایمان کا غلبہ ہے اور وہ عام اذکار میں سے نہیں ہے بخلاف کلمہ اخلاص لا الہ الا اللہ کے کہ اس پر جہت ذکر بھی ہے پس شہادت تو حیدر رسالت ذکر نہیں بلکہ ایمان ہے۔ اسی شہادت تو حید کے ساتھ شہادت رسالت بھی ملانی جاتی ہے کیونکہ ایمان بدوں اس کے مکمل نہیں ہو سکتا اور کلمہ اخلاص (بدوں لفظ شہادت) میں دوسرا جزو کم بولا جاتا ہے کیونکہ وہ اذکار میں شامل ہوتا ہے اور مقصود اصحاب ذکر ہوتے ہیں۔

پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حق تعالیٰ سے کلمہ گو لوگوں کے بارے میں اجازت طلب کی تھی اس سے بھی مقصود اس ذکر والے تھے جنہوں نے شہادت توحید و رسالت دی تھی۔ یہاں اصحاب ذکر سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بطور ورد اس کلمے کو پڑھتے ہیں کیونکہ وہ اصحاب الاعمال ہیں غرض قول بالکلمہ مسلمانوں کے لیے بطور عنوان ہے اور عنوان شہور بول کر معنوں و صدقہ خصوص مراد یا کرتے ہیں پھر یہ عنوان یہاں اس لیے بھی اختیار کیا گیا تاکہ ان لوگوں کے جنم سے بغیر کسی عمل و خیر کے نکلنے کی وجہ کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔

(۴) کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ) کا دور دورہ ابدالاً یاد تک باقی رہے گا (کیونکہ اذکار جنت میں بھی رہیں گے) اور ذکر ہو کہ مذکورہ بالا کلمہ میں جہت ذکر بھی ہے بخلاف ”حمد رسول اللہ“ کے کہ اس میں صرف جہت ایمان ہے جہت و ذرئیں سے ذکر کی صورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بصورت درود سلام ہے کلمہ مذکورہ (حمد رسول اللہ) کی صورت میں نہیں ہے لہذا اس کلمہ کا دور بھی اس دنیوی زندگی کے دور کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے اس زندگی کے بعد نہیں رہتا اور کلمہ توحید کا معاملہ مستقبل میں بھی رہتا ہے۔ غرض جنت میں صرف اذکار رہیں گے اور حمد رسول اللہ اذکار میں سے نہیں ہے۔

چونکہ حدیث میں ذکر شجر کا ہے اس لیے وہاں کے حسب حال بھی صرف ذکر کلمہ اخلاص ہے جس کا سکھ اس وقت اور بعد کو بھی چاہو رہے گا اور شہادت رسالت کا ذکر حذف کر دیا گیا کہ نہ وہ اس وقت کے حسب حال ہوگا نہ بطور ذکر اس کا اجراء ہوگا ”لن الملک الیوم۔ للہ الواحد القہار“

ضروری فائدہ۔ اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ سب سے آخر میں نکالے جانے والے لوگوں کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں گے کہ ان کے پاس کوئی عمل خیر نہیں ہے صرف قائلین توحید ہیں چنانچہ آپ رب العزت سے ان کو نکالنے کی بھی اجازت طلب فرمائیں گے جس پر اللہ تعالیٰ بوجہ مفصلہ بالا ”لہس ذلک لک“ (یعنی آپ کا نہیں ہے) یا (یہ کہ یہ کام آپ کے لیے مقدر نہیں ہے کیونکہ اس کو خدا و ائمہ اربعین انجام دیں گے) فرمائیں گے اس کے بعد یہ نظریہ قائم کرنا کہ ”ان لوگوں کا ایمان اس قدر مضعیل ہوگا کہ سید الا نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عمیق نظر بھی اس کو نہ دیکھ پائے گی درست نہیں معلوم ہوتا۔

اس کے علاوہ یہ کہ گویا ہر بیٹوں کی نظریں اعمال جوارح پر پڑتی ہیں مگر باطن کی نگاہیں تو اعمال قلوب کو دیکھتی ہیں پھر خدا کے تابعین عالی مقام پیغمبران عظام سے ایمان کی روشنی کیونکر چھپ سکتی ہے اس چیز پر تو ان کی نظر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہوتی ہے اور ہم یہ تحقیق بھی اہل کشف سے نقل کر چکے ہیں کہ تمام مؤمنین کے انوار ایمانی نور معظم مرکز نبوت علی صاحبہا الف الف تحیات و تسلیات کے اجزاء ہیں تو کیا باپ یا اصل سے اس کی اولاد فروغ چھپ سکتی ہے؟ غرض یہ بات عقلاً و نقلاً درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیب کی نفی پر استدلال کرنا اور بھی زیادہ عجیب اور بے گل ہے البتہ علم غیب کی نفی کے دوسرے دلائل حکمہ موجود ہیں جو اپنے موقع پر ذکر ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ و منه التوفیق السداد الصواب۔

تنبیہ مهم: حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے جو تجزیات شہادت رسالت کے ذکر نہ کرنے کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں ان سے یہ بات واضح ہے کہ بغیر شہادت رسالت کے ایمان مکمل نہیں ہوتا اور حدیث ”من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة“ کے ضمن میں علماء امت کی یہ تصریح بھی سامنے آ چکی کہ توحید کے ساتھ اقرار رسالت اور ان تمام باتوں پر عقیدہ ضروری ہے جن کا ثبوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو ضروری طور سے پہنچ گیا ہے اسی طرح یہ امر بھی سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ادیان انبیاء کی آمد حسب ضرورت وقت و زمانہ ہوتی رہی ہے اور بعد کے ادیان سابقہ ادیان کے لیے ناخ ہوتے آئے ہیں مگر سب سے آخر میں خاتم الانبیاء علیہم السلام کا سب سے زیادہ مکمل اور آخری دین آیا جس نے اس سے پہلے کے تمام ادیان کو منسوخ کر دیا اور اعلان کر دیا گیا۔ الیوم اکملت

لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔ اور من یتبع غیر الا سلام دینا فلن یقبل منه و هو فی الاخرة من الخاسرین (جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگا اور ایسا شخص آخرت میں ناکام و نامراد ہو گا) اسی لیے کسی کا یہ خیال کہ ناقصاً غلط اور گمراہ ہوگا کہ ”دنیا کے موجودہ دین سب حق پر ہیں اور اگر ہر دین والا اپنے دین کے صحیح اصولوں پر عمل کرے تو وہ ناجی ہے۔“ اول تو ادیان سابقہ میں سے کوئی دین اپنی اصل حالت پر باقی نہیں رہا اور بالفرض اگر ہو بھی تو وہ آخری دین خاتم الانبیاء کے ذریعہ منسوخ ہو چکا۔ پھر اس بات کی کیا قدر و قیمت ہے کہ اپنے اپنے صدیقوں کی صداقتوں پر عمل کر لینا نجات آخری کے لیے کافی ہے ایسے ہی غلط نظریات کے تحت شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ”وحدت ادیان“ کا خاکہ بنا کر اس کو بھی منسوب بنانے کی سعی ناکام ہو سکتی تھی۔

ترجمان القرآن کا ذکر

ہمارے زمانہ میں اسی کی ایک شکل کو مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ”ترجمان القرآن“ میں آیت ”اهدنا الصراط المستقیم“ کے تحت اپنے خاص انداز میں پوری قوت کے ساتھ پیش کیا جس کو پڑھ کر گاندھی جی نے لکھا تھا کہ ”مجھے مولانا کی تفسیر پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ صداقت تمام ادیان میں مشترک ہے، یہی نظریہ میرے نزدیک بھی صحیح ہے۔“ لیکن چونکہ مولانا آزاد کی اس قسم کی تعبیر اصول و نظریات

سے چند تعبیرات ملاحظہ ہوں۔۔۔ (۱) صفحہ ۱۸۰ (طبوعہ مزمعین لاہور) میں ”الہدیٰ“ کے تحت ایک سرفی دی گئی ہے۔ ”وحدت دین کی اصل عقیم اور قرآن حکیم۔“ پھر لکھا۔ ”یہاں عقیم قرآن کی دعوت کی سب سے پہلی بنیاد ہے جو کہ بھی کہتا چاہتا ہے تمام ہر ای حاصل پہنچی ہے اس اصل سے قطع نظر کر لی جائے تو اس کا تمام کارخانہ دعوت درہم برہم ہو جائے لیکن تاریخ عالم کے عجائب تصرفات میں سے یہ واقعہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جس وجہ پر قرآن نے اس اصل پر زور دیا تھا تاہی زیادہ دنیا کی نگاہوں نے اس سے غرض کیا حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے آج قرآن کی کوئی بات بھی دنیا کی نظروں سے اس وجہ پر پوشیدہ نہیں ہے جس قدر کہ یہاں عقیم۔“ سوچا جائے کہ دنیا کے عجائبات تصرفات میں سے مولانا آزاد کا تعریف مذکور ہے یا ہر زمانے کے ان لاکھوں بزرگوار علماء دین کا جنہوں نے وحدت ادیان کی اصل عقیم قرآن حکیم کا دلول و صدق اس طرح نہیں سمجھا ہمارے نزدیک ہم قرآن کے لیے سب سے پہلی شرط یہی زبان کی ماحقہ واقفیت ہے مولانا آزاد نے اپنی مذکورہ بالا تفسیر میں آیت قرآنی ”والله فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فلما اللین الفضلوا ابرادی وزلفہم علی ما ملکتم ایمانہم فہم فیہ سواء“ میں فہم فیہ سواء کا ترجمہ لکھا ہے بنا کر ”حالانکہ وہ برابر ہیں“ کیا ہے تاکہ ”عاشی مساوات“ قرآن مجید سے یہ صراحت تام ثابت ہو کر بھی عجائب تصرفات عالم میں سے ہی ہے کہ نہ کسی مفسر نے اس کا کوئی ترجمہ کیا اور نہ عربی زبان میں اس کا استعمال و ادعا ایک طرح ہوا ہے کیا یہ ضعیف کا ذکر نہیں ہے کہ سلف و خلف علماء ماست کے خلاف اور عربیت سے بھی آزاد ہو کر نئے وضع کئے جائیں دوسروں کو ضعیف کا انفرادیت اور خواہش میں اس وجہ پر استغناء کہاں کہاں کا انصاف ہے؟ کیا ضعیف کی کوئی مثال اس سے بڑی مل سکتی ہے؟ ہمارے ایک محترم عالم دین نے بھی اپنی ایک تعریف میں آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کر دیا تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی ہر وقت رہنمائی اور ای فطری حق پسندی کے باعث انہوں نے کتاب کے دوسرے ایڈیشنوں میں اس غلطی کی اصلاح فرمادی تھی (و اللہ اعلم)

(۲) صفحہ ۱۸۳ میں ”دہایت ہمیشہ ایک ہی رہی اور دہ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے سوا کچھ تھی“ کا عنوان دے کر لکھا کہ یہ عالمگیر قانون سعادت کیا ہے؟ ایمان اور عمل صالح کا قانون ہے یعنی ایک پروردگار عالم کی پرستش کرنی اور نیک عمل کی زندگی بسر کرنی اس کے علاوہ اور اس کے خلاف جو کچھ بھی دین کے نام سے کہا جاتا ہے۔ دین حقیقی کی تعلیم نہیں ہے۔“

(۳) صفحہ ۱۸۴ میں تحت عنوان ”سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر علماء سب نے کھودی“ لکھا۔ ”قرآن کہتا ہے سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر علماء سب نے کھودی ہے سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی تھی اور سب کے لیے ایک ہی عالمگیر قانون دہایت تھا لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی اور ”الدین“ پر قائم رہنے کی جگہ الگ الگ گروہ بنادیاں کر لیں۔“

(۴) صفحہ ۱۸۱ میں بڑی سرفی ”قرآن کی دعوت“ کے تحت دوسری سرفی اس طرح ہے ”سب کی یکساں تہذیب اور سب کے متفقہ دین کی پیروی اس (قرآن) کی دعوت کا اصل اصول ہے۔“ پھر لکھا: اسی لئے اس کی دعوت کی پہلی بنیاد یہی ہے کہ تمام باہیان مذاہب کی یکساں طور پر تقدیر کی جائے یعنی یقین کیا جائے کہ سب حق پر تھے خدا کی سچائی کے پتہ پر تھے سب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی اور سب کی اس متفقہ تعلیم پر کار بند ہونا ہی دہایت و سعادت کی تہما ہے۔

(۵) صفحہ ۱۸۸ ”اسلام“ کے تحت لکھا ”وہاں خدا کا علم لاہورین جو کہ سب سے پہلے اس کے سوا جو کچھ بتایا گیا ہے وہ نہائی (یعنی حاشیہ غلطی پر)

اسلام کے خلاف تھی اس کی مفصل تردید رسالہ محارف اعظم گڑھ میں شائع ہو گئی تھی پھر ایک ہندو عالم نے ہفتہ وار اخبار ”الفتح“ مصر میں ایک مضمون عربی میں شائع کیا جس میں تفسیر مذکور کی ضرورت سے زائد مداح سرائی کی تو اس کی سٹائی کے لیے رفیع محترم حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بخاری شیخ الحدیث و ناظم جامعہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی نے مقدمہ مشکلات القرآن میں تفسیر مذکور پر محققانہ تنقید کی جو عربی زبان میں بہت عرصہ ہوا مجلس علمی ذابیل سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا موصوف نے نہ صرف اس نظریہ کی غلطی پر کافی نگاہ ڈالی بلکہ تفسیر مذکور کی دوسری بہت سی اغلاط کی بھی نشان دہی کر دی تھی جس کو پڑھ کر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مولانا بخاری کو تادیب و تحسین کے طور پر ایک مکتوب بھی لکھا تھا اس محققانہ تنقید کا اردو ترجمہ چند سال قبل ایک عالم دین نے رسالہ دارالعلوم دیوبند میں شروع کیا تھا جس کی اشاعت مولانا آزاد مرحوم نے رکوا دی تھی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

مولانا آزاد کی سیاسی خدمات

مولانا آزاد مرحوم کے بارے میں اوپر کی تحریر سے صرف مذہبی و علمی لحاظ سے ”نامعیاری شان“ کا اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ ان کی سیاسی ملکی و قومی خدمات کی نہایت ”اعلیٰ معیاری شان“ کا انکار کسی طرح نہیں بلکہ ان کی گراں قدر خدمات کا نہ صرف اعتراف بلکہ زیادہ سے زیادہ ہمارے دل میں قدر و منزلت بھی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی ذلات کو معاف فرمائے گا مذہبی جی کی طرح ہمارے بہت سے مسلمان بھائی بھی خصوصاً کانگریسی تعلیم یافتہ حضرات ان کی شائع شدہ تفسیر وغیرہ سے غلط تاثرات لینے ہیں اس لیے اتنی صراحت یہاں ذکر کر دی گئی حسب ضرورت آئندہ بھی لکھا جائے گا تاکہ روایتی و علمی تحقیق کا بلند معیار شخصیت کے غلط دباؤ سے آزاد رہے۔ واللہ الموفق۔

وزن اعمال

حدیث الباب میں جو ایمان کے وزن و تجمد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح قرآن مجید میں بھی اعمال کے وزن و تجمد کی طرف اشارات ملتے ہیں تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہاں کے بہت سے اعراض و معانی محشر میں جسد ہو کر محسوس کرائے جائیں گے یا بقدر اعمال ان کو جسد دیا جائے گا تاکہ وزن ہو سکے۔

علامہ قسطلانی نے لکھا کہ قیامت میں اعمال کو جواہر کی شکل میں متمثل کیا جائے گا پس نیکیوں کے پلڑے میں سفید روشن جواہر ہوں گے۔ اور

(تفسیر ضیاء صفحہ ۱۸۲) گرد ہندوئیں کی گریباں ہیں پس اگر تیرے خدا پر عمل صالح کی اصل پڑجتم ب کہ یہاں اصل دین ہے ”حق ہو گا اور خود ساختہ گمراہیوں سے باز آ جا تو میرا مقصد یہاں ہو گا یہاں سے سزا دیا اور کیا جاتا ہوں؟“

(۶) صفحہ ۱۸۳ میں ”خلاصہ بحث“ کی سرشئی کے بعد لکھا اس (قرآن) نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب ہیں بے نیکیں اور ان مذاہب سٹائی سے مغرب ہو گئے ہیں اگر وہ اپنی فراموشی کر دے اپنی از سر نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گا اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا تمام مذاہب کی سبب مشرک اور مشفق سٹائی ہے جسے وہ ”اللہ بن“ اور ”الاسلام“ کے نام سے پکارتے۔“

(۷) صفحہ ۱۸۸ میں ایک سرشئی ”مصلحتاً مستقیم“ کے تحت لکھا۔ ان گرد ہندوئیں میں سے کوئی گرد ہندی بھی ایسی ہے جو اپنے پورے عیدوں کا قائل جم مقیدوں اور ناقابل برداشت مملوں کی ایک طویل و طویل فہرست نہ ہو تاکہ لکھا کہ عقائد و اعمال کی پوری فہرست صرف وہ لفظوں میں ختم کر دی جاسکتی ہے یا انہوں نے اصل صالح (قرآن) کے عقائد میں اصل کے لئے کوئی پوچھ نہیں اس کے اعمال میں طبیعت کے لئے کوئی تفریق نہیں ہر طرح کے پچاچم ہے پاک برہمنی میں یا عقائد و عمل کی سیدھی سے سیدھی بات۔“

(۸) آخر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر روح کے تحت لکھا۔ ”وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے“ خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔“ (صفحہ ۱۸۲)

یہ چند نمونے ہیں اسلامی عقائد و اعمال کے بارے میں مولانا کا ایک خاص نظریہ تھا جس کی جھلک یہاں دیکھی گئی اور بعض اہم امور دینی کے متعلق خود ارقام الخروف کی مولانا مرحوم سے مکاتبت بھی رہی ہے اور مولانا کی تحریریں محفوظ ہیں حسب ضرورت ان کی بھی اشاعت ہو سکتی ہے۔ (مؤلف)

برائوں کے پلڑے میں سیاہ تاریک جواہر ہوں گے، جنھیں تیش کے طور پر ہمیں یہاں سمجھنے کے لیے ایک معیار دیا گیا ہے، حقیقتاً وزن بتلانا نہیں ہے، مگر تحقیقی بات دہی ہے، جواہر ذکر ہوئی ہے، آج سائنس کی ایجادات بھی اس کی تائید کرتی ہیں، یورپ میں ہوا بھی تولی جاتی ہے اور نائٹریٹ میں وزن کر کے بھری جاتی ہے اور اسی وزن کے حساب سے اس کی قیمت ہوتی ہے، جرمنی میں ایسے کائے ایجاد ہوئے جن میں انسانی اخلاق بھی تولے جاتے ہیں۔

علامہ طحاویؒ نے اپنی تفسیر صفحہ ۱۳۸/۲ میں لکھا کہ حق تعالیٰ نے اس دنیا میں سارا نظام نہایت صحیح وزن و مقدار سے قائم کیا ہے حتیٰ کہ تمام ذرات اور حرکات و سکنات کو بھی وزن کیا ہے؟ اور جس شخص نے علم الفلک، علم طبیعت و علم کیمیا کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ پانی جو آکسیجن اور ہائیڈروجن سے بنتا ہے ان دونوں کے ذرات بھی نہایت ہی صحیح وزن و مقدار کے ساتھ ملے جاتے ہیں، اگر مقررہ مقدار سے ایک ذرہ بھی دونوں میں سے کم و بیش ہو جائے تو پانی نہیں بن سکتا، اسی طرح سے نباتات و حیوانات وغیرہ کا ترکیب بھی خاص متعین مقدار ذرات و عناصر سے ہوتا ہے و کل شیء عندہ بمقدار، عالم الغیب و الشهادة الکبیر المتعال، جس کا در مطلق علم و خبر نے ہر ایک ترین ذرات عالم اور حرکات و سکنات تک کا وزن یہاں دنیا میں قائم کیا ہے وہ اشرف المخلوقات، انسان کے اعمال زندگی کو بھی آخرت میں تولنے کا انتظام فرمادیں گے تو اس کے ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟!

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محشر میں اچھے اعمال کو اچھی صورت میں اور برے اعمال کو بری صورتوں میں لایا جائے گا اور ان کو ترازو کے پلڑوں میں رکھ دیا جائے گا، علامہ بخاری نے بعض نامہ کی رائے نقل کی کہ عمل کرنے والوں کو تولایا جائے گا کہ صحیحین میں ایک حدیث ہے قیامت کے روز ایک شخص قد آور خوب موٹا آئے گا مگر خدا کے یہاں اس کا وزن ایک گچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا، دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ اعمال تولے جائیں گے، لیکن ہر عمل کا وزن خدا کو معلوم ہے ترمذی و مسند احمد کی روایت ہے کہ قیامت کے روز میری امت کے ایک شخص کی گلو خلاصی عجیب طریقہ سے ہوگی، اس کے اعمال بد کے ۹۹ دفتر ہوں گے اور ہر دفتر خرب طویل ہوگا، سب دفتر اس کو کھول کھول کر دکھلائے جائیں گے کہ اچھی طرح دیکھ کر بتلاؤ کہ یہ سب تمہارے ہی اعمال ہیں یا نہیں؟ اور ہمارے لکھنے والے فرشتوں نے کوئی غلطی تو نہیں کی؟ وہ عرض کرے گا یا رب سب صحیح لکھا ہے غلطی کچھ نہیں کی، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کوئی عذر ہو تو کہہ سکتے ہو! عرض کرے گا یا رب، عذر بھی کچھ نہیں ہے۔ اس پر حق تعالیٰ کی رحمت خاصہ اس پر مہذول ہوگی، ایک بظاقتہ (کاغذ کا پرزہ) نکالیں گے جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا جو اس شخص کے ایمان کا وثیقہ ہوگا، حق تعالیٰ کے حکم سے اس بظاقتہ کو ترازو کے پلڑے میں اور ان تمام دفتروں کو دوسرے میں رکھ دیا جائے گا، وہ سب دفتر جکے ہوں گے اور ذکرہ بظاقتہ بھاری ہوگا، اور حق تعالیٰ جل ذکرہ کے اسم مبارک کے مقابلہ میں تو دنیا و مافیہا بھی بھاری نہیں ہو سکتے۔ واضح ہو کہ ہر عمل کا وزن جدا ہوگا، جس کی بڑی جہاد خلاص کی کمی و زیادتی ہوگی، اور عمل جوارح و عمل قلب میں بھی فرق ہوگا، لہذا المؤمن خیر من عمله اور عمل و ایمان کے وزن میں بھی بڑا فرق ہوگا، جس کو نمایاں کرنے کے لیے اس شخص کے بظاقتہ کا وزن کیا جائے گا، اور بظاہر وہ شخص ان ہی لوگوں میں سے ایک ہوگا جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جائیں گے۔ جن کے پاس کوئی عمل خیر نہ ہوگا، صرف کلمہ خلاص کے ساتھ رابطہ ہوگا۔ ایمان و عقیدہ صحیح ہوگا، جس کو حدیث میں قول لا الہ الا اللہ کے عنوان سے تعبیر کیا گیا، اور ان کے بظاقتہ میں بھی پورا کلمہ شہادت لکھا ہوا ہوگا، ایسے لوگوں کا عمومی اخراج اور جہنم سے آزادی اسی وقت ہوگی جب ارحم الراحمین کی مشیت ہوگی۔

امام غزالی کا استنباط

امام موصوف نے اخر جوا من النار من كان لمي قلبه سے استنباط کیا کہ وہ شخص بھی ناجی ہوگا، جو دل سے ایمان لایا مگر کلمہ پڑھنے کا وقت نہ ملا کہ موت آگئی، البتہ جس کو وقت و قدرت کلمہ پڑھنے کی ملی پھر بھی زبان سے اقرار نہ کیا تو کہہ سکتا ہے کہ وہ تارک صلوة کے حکم میں

رہے کہ خلفدئی النار نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا ایمان ناقص قرار پائے اور نجات نہ پائے امام غزالی کے علاوہ دوسرے حضرات نے اسی دوسری صورت کو ترجیح دی ہے، فضاء دونوں احتمال کا وہی خلاف ہے کہ نطق بالایمان شرط ایمان ہے یا محض شرط اجراء احکام ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۲۴) حدثنا محمد بن عیبد اللہ قال ثنا ابراہیم بن سعد عن صالح عن ابن شہاب عن ابی امامۃ بن حنیف انہ سمع ابا سعد بن الخدری یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم رايت الناس یعرضون علی و علیہا قمص منها ما یبلغ الشدی و منها ما دون ذلک و عرض علی عمر بن الخطاب و علیہ قميص یجره قالو افما اولت ذلک یا رسول اللہ قال الدین۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا خواب میں دیکھا لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں کسی کا کرتہ سینے تک ہے اور کسی کا اس سے نیچے ہے پھر میرے سامنے عمر بن الخطاب لائے گئے ان کے (بدن) پر (جو) قمیض ہے اسے تھیت رہے ہیں (یعنی زمین تک نیچا ہے) صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ آپ نے فرمایا کہ (اس کا مطلب) دین ہے۔

تشریح: ”بجز قمیض“ (انہما بن زین پر گھنٹے تھے) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے اس لیے اس کو بیداری کے مسائل میں نہ گھیننا چاہئے کہ اس بات کو روک دے۔

”تاؤلت“ تاؤلت کے معنی سلف میں طلب مال اور اخذ مراد و مصداق کے ہیں جیسا کہ ”هذا تاویل و بیانی“ میں لہذا تاخرین کی اصلاح پر کسی بات کو ظاہر سے پھرانے کا معنی یہاں نہیں ہے۔

”الدین“ یعنی جس طرح قمیض لباس حیاء و زینت ہے اور گرمی و سردی سے بچنے کا سبب بھی اسی طرح دین بھی دنیوی عزت و وقار کا ضامن اور آخرت کے عذاب و عقاب سے بچنے کا سبب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں لوگوں کی دینی حالت دکھائی گئی اور جو لوگ پیش ہوئے ان میں حضرت عمرؓ کا دین سب سے بڑھا ہوا دیکھا۔ بحث و نظر: امام بخاری کا مقصد دین کے لحاظ سے لوگوں کا باہمی تقاض و تقاضات بتلانا ہے اور چونکہ دین و ایمان ان کے نزدیک مترادف ہیں اس لیے گویا ایمان کی زیادتی و نقصان کا ثبوت ہوا۔ لیکن ہم تفصیل سے بتلا آئے کہ دین کا اطلاق ایمان و اسلام کے مجموعہ پر آتا ہے اس لیے ایمان میں کمی زیادتی کا ثبوت نہیں ملا۔ اور اعمال کے سبب دین کے تقاض و تقاضات سے کمی کو انکار نہیں ہے۔

دوسری کسی قدر اہم بحث یہاں یہ ہے کہ حدیث مذکور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت دوسرے تمام لوگوں پر معلوم ہوتی ہے حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باجماع امت و آثار قطعاً سب میں افضل ہیں اس کے بہت سے جہاںات دیے گئے ہیں مگر سب سے بہتر یہ ہے کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت جزوی ثابت ہوتی ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کلی کے مقابلہ میں جزئی بسا اوقات چھوٹوں کو بڑوں پر حاصل ہو جاتی ہے جس کی نظر بکثرت ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت مت دو۔ اس سے آپ کا مقصد ان حضرات کے جزوی فضائل کو نمایاں کرنا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کلی رکھتے ہیں بلکہ تمام انبیاء اپنے کمالات و فضائل میں آپ سے مستفید ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جس جزوی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بعض اکابر کے ارشاد کے موافق آپ کے عہد خلافت کی نمایاں و کثیر اسلامی فتوحات ہیں اگرچہ ان فتوحات کثیرہ کے لیے بھی بنیادی طور سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زمین ہموار کی تھی اگر وہ اپنے

دور میں فتنہ ارتداد کو اپنی اعلیٰ قابلیت اور نہایت بلند خوشگلی سے روک نہ دیتے تو قریب و بعید ممالک میں اسلامی شوکت کا وہ بے نظیر عرب و دہ پہ قائم نہ ہو سکتا جس سے تمام اعداء اسلام کے پتے پانی ہو گئے اور سب اپنی اپنی جگہ کسم پوٹک کر رہ گئے گویا جن قلوب کو حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے مختصر دور خلافت کے دو سال اور چار ماہ میں فتح کر لیا تھا ان ہی کے ظاہر ہی یا کھل و مغلطت کو اسلامی لشکروں کی بے پناہ یلغار کے ذریعہ حضرت عمرؓ نے اپنے طول طویل دور خلافت میں فتح کیا اس لیے دونوں کے کارناموں میں ظاہر و باطن کی نسبت معلوم ہوتی ہے ایک کا طرہ امتیاز باطنی فوہات تھیں تو دوسرا ظاہری فوہات کی خصوصیت سے نوازا گیا اور شاید میرا بن سے اس طرف اشارہ بھی ہو۔ واللہ اعلم عند اللہ

بظاہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے ممالک اور ایک ہزار سے زائد شہروں کو اسلام کا زیرِ نگیں کیا ساری دنیا پر ان کا رعب و جلال چھا گیا مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان سے پہلے اسی نسبت و وسعت کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ساری دنیا کے قلوب و ارواح کو اسلام کی عظمت و شوکت کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا اس لیے زیادہ گہرائی میں جانے سے معلوم ہو گا کہ اس بارے میں بھی تفصیلات کی حق داری دونوں حضرات کو برابر و برکتی حاصل ہے بلکہ داخلی فتنوں کی روک تھام کا درجہ بیرونی فتنوں کے استیصال سے کئی لحاظ سے بڑھا ہوا بھی ہے لہذا کوئی اشکال ہی یہاں پیدا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب الحیاء من الایمان۔ (حیاء ایمان کی علامت ہے)

۲۳۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک بن انس عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ عن امیہ ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی رجل من الانصار و هو یعط اخاه فی الحیاء فقال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم دعه فان الحیاء من الایمان۔

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے باپ (عبد اللہ بن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کی طرف سے گزرے آپ نے دیکھا کہ وہ انصاری اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں کچھ سمجھا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ حیا ایمان ہی کا ایک حصہ ہے۔

تشریح: ایک انصاری دوسرے انصاری بھائی کو حیا و شرم کے بارے میں سمجھا رہا تھا کہ اس کو کم کر د جس سے تم نہ رستہ نہ رہے ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ حیا سے مت روکو وہ تو ایمان سے ہے وعظ کے معنی نصیحت کرنا اور برائی سے روکنا ہے دوسری روایت میں عیض کی جگہ یعاتب ہے یعنی عتاب کے کچھ میں سمجھا رہے تھے انصاری کا مقصد یہ تھا کہ حیا کا غلبہ اس قدر ٹھیک نہیں کہ جس سے اپنے حقوق بھی وصول نہ کر سکے وغیرہ مگر نبی رحمت (اروا حنا فدہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اصول و کلیات پر تھی فرمایا کہ حیا کے بارے میں کچھ مت کہو وہ تو بہت اچھی خصلت ہے جو انسان کو بہت سی برائیوں اور محاسی سے باز رکھتی ہے اسی لیے وہ ایمان کی تکمیل کرنے والی چیز ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری چونکہ اعمال کو اجزا و ایمان مانتے ہیں اس لیے من کو یہاں جمعیت لیا ہے کہ حیا ایمان کا جزو ہے اور ہم کہتے ہیں ابتداء سے کہ حیا کا فناء ایمان ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حیا امانت کی طرح ایسا وصف حسن ہے جو مقدمہ ایمان بنتا ہے۔ حدیث میں ہے "لا ایمان لمن لا امانۃ لہ اسی طرح حیا بھی ان اخلاقِ حسنہ میں سے ہے جو ایمان کے لیے بطور مبادی و مقدمات ہیں لیکن جس طرح وصف امانت ایمان پر مقدم ہے وصف حیا بھی مقدم ہونی چاہئے۔ امانت وہ وصف ہے جس کی وجہ سے اس وصف والے پر سب کو اپنے احوال والوں کے بارے میں اعتماد و اطمینان کلی حاصل ہوا ہے چونکہ یہ وصف حق تعالیٰ نے صرف انسان کو عطا فرمایا تھا اسی لیے آسمانوں زمینوں نے امانت کا بوجھ اٹھانے سے عذر دیا تھا کیا کیونکہ وہ ایسے کچھ اوصاف کے حامل نہیں تھے اور انسان نے باوجود اپنے ضعف کے بھی ایسے اوصاف کا حامل ہونے کے باعث سہقت کر کے ایمان کا بوجھ اٹھا لیا دوسری عبارت میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں

کہ ہر چیز کو اپنے محل میں رکھنا اور ہر متحق کو اس کا پورا حق دے دینا "امانت" ہے، اور اس کی ضد "عش" ہے، یعنی کسی چیز کو اس کے مرتبے سے گرانا، اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ یا بنی! ان قدرت ان تصعب وتمسى و ليس في قلبك عش لا حد فافعل" (برخودار!) اگر تم ہرج و مرج و شام اس طرح گذار سکو کہ تمہارے دل میں کسی کے حق و مرتبے کو کم کرنے کا ارادہ و تصور نہ آئے تو ایسا ضرور کرو (اللہ اکبر! یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تزکیہ نفس کی شانِ بعثت لا تمم مکارم الاخلاق کیا بڑے سے بڑا دل بھی اس لیے منتفع پہلی معیار پر اپنی زندگی ڈھال سکتا ہے؟) لا ما شاء اللہ۔

سہل منتفع کا لفظ اس لیے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ محبت اور منعِ حقیقی کے فضل و انعام سے ایسے اعلیٰ معیار کے اخلاق جو ہمارے لیے منتفع و دشوار معلوم ہوتے ہیں، صحابہ کرام کے لیے نہایت آسان ہو گئے تھے اور اسی لیے ان سب کی زندگی ہم سب کے لیے تشانی و معیاری بن گئی۔ ولہ الحمد والمنة۔

باب فان تابوا و اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة فاعلوا سبیہم
(اگر وہ لوگ تائب ہو کر نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی کریں تو انہیں چھوڑ دو)

۲۴۔ حدثنا عبد الله بن محمد بن المسندی قال حدثنا ابو روح بن الحرامی بن عمارة قال حدثنا شعبه عن
والد بن محمد قال سمعت ابي يحدث عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال امرت ان
اقتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و يقيموا الصلوة و يؤتوا الزکوة فاذا

فعلوا اذلك عصمو امنی دماءهم و اموالهم الا بحق الاسلام و حسبا بهم علی الله

ترجمہ: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں جس وقت وہ یہ کرنے لگیں تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیں گے سوائے اسلامی حقوق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

تشریح: اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے اللہ کے نزدیک کسی انسان کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے فطری راستے کو چھوڑ کر کسی دوسری غلط راہ پر چلے دعوت و تبلیغ سے اتمامِ جہت کرنے کے بعد اب صرف وہی راستہ رہ جاتے ہیں یا اسلام کی چوکت پر دل جھکے یا سر جھکے دل کی تبدیلی کسی جبر سے نہیں ہو سکتی "لا اکوہ فی الدین" لیکن نظامِ عالم کی قیود و رہنمائی اور اجتماعی زندگی پر بہر حال اسلام قبضہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے اگر کسی کا دل اسلام کی حقانیت کا قائل نہیں ہوتا تو نہ ہو مگر بہر صورت اسے اسلامی قوانین کے سامنے سراطاعت ختم کرنا پڑے گا۔

معلوم ہوا کہ اسلامی جہاد و قاتل کا مقصد وحید یہ ہے کہ تمام انسانوں کی زندگی پر امن ہو جائے اور فتنہ و فساد یا دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے قتل و خونریزی کا پوری طرح سد باب ہو جائے۔

اس مقصد کا نتیجی حصول اسی وقت ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے پیچھے ہوئے دینِ فطرت کو اس کے رسول معظم کے امتداد و طہینان پر قبول کر لیا جائے۔ ایسا کرنے لینے پر لوگوں کی جان و مال اور عزت و دنیا و آخرت دونوں جہان میں محفوظ و مامون ہوگی نہ یہاں ان کو گزند نہ وہاں ان کو آج۔ سب اپنے دل جھنڈے کر کے دنیا میں بھی جنت جیسی زندگی گزار سکتے ہیں۔

بہشت آں چاکہ آزارے ناشد کے رابا کے کا رے نہ ناشد

اس کے بعد اگر کسی سے کوئی غلطی یا خطا یا تقاضاے بشریت ہوگی تو دنیا میں اس کا ظاہری تدارک مطابق اصولِ شریعت ہوگا اور آخرت میں اس کا کامل و مکمل تصفیہ عالم السرا و غشی کی بارگاہ سے ہوگا۔

بحث و نظر: علامہ محقق حافظ عینیؒ نے اس حدیث کے تحت ”بیان استباط الاحکام“ کی سرخی قائم کر کے بارہ نہایت اہم و مفید مسائل ذکر کئے ہیں۔
 (۱) امام نوویؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تارک صلوٰۃ کو قتل کرنا جائز ہے اور اس کو جمہور کا مذہب بتلایا۔ حافظ عینیؒ نے لکھا کہ یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ حدیث میں قتال کا ذکر ہے، قتل کا نہیں ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے، حدیث ترمذی میں آیا ہے کہ جو شخص نمازی کے سامنے سے گزرے نمازی اس سے قتال کرے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو فرمایا: اقتلا یا سعد؟ دونوں جگہ قتال سے مراد جدال و نزاع ہے، قتل کر دینا مراد نہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام نوویؒ نے نماز کے سامنے گزرنے پر قتل کر دینے کا مسئلہ تک لکھ دیا ہے کہ قاتل پر دیت ہوگی یا نہیں، جس سے وہم ہوتا ہے کہ وہاں بھی مقاتلہ سے قتل سمجھ گئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے ایسے مواقع پر غیر متعلق مسائل کا لکھنا ہی مناسب نہیں ہوتا۔

شیخ تقی الدین بن دینی العید نے بھی یہی تحقیق کی ہے کہ قتال اور قتل الگ الگ ہیں اور شرح العمدة میں بڑے شد و مد سے اس پر تنقید کی ہے۔ جس نے اس حدیث سے قتل پر استدلال کیا ہے اور فرمایا کہ لہذا قتال سے لہذا قتل ہرگز لازم نہیں آتی، کیونکہ مقاتلہ باب مفاصلہ سے ہے جو جائین سے وقوع قتال کو چاہتا ہے، قتل میں یہ صورت نہیں ہے۔ نیز حافظ عینیؒ نے امام شافعی کا قول نقل کیا کہ قتال قتل سے الگ ہے اسی لیے تو بعض مواقع میں قتال جائز ہے مگر قتل جائز نہیں ہوتا۔ (شروح البخاری صفحہ ۱۶۵)

اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام محمد سے منقول ہوا کہ امام و خلیفہ وقت ان لوگوں سے بھی قتال کرے جو غنہ یا اذان کو ترک کر دیں اس سے بعض حضرات نے سمجھا کہ اذان امام محمد کے نزدیک واجب ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ قتال کی وجہ اسلامی شعائر کا ترک ہے، کیونکہ اذان و غنہ شعائر اسلام میں سے ہیں۔

پس جب امام محمد سے ترک اذان و غنہ پر باوجود ان کے سنت ہونے قتال جائز ہوا تو ترک صلوٰۃ پر بدرجہ اولیٰ ہوگا امام نوویؒ نے لکھا کہ اس حدیث سے انہیں صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ واجبات اسلام کے ساتھ قتال کا وجوب ثابت ہوا علامہ عینیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اسی سے امام محمد نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر کسی شہر یا قصبہ کے لوگ سارے آدمی اذان ترک کر دیں تو امام وقت ان سے قتال کرے گا اور یہی حکم تمام شعائر اسلام کا ہے، مگر علامہ عینیؒ نے یہ بھی لکھا کہ اس حدیث پر خنیفہ بھی عامل ہیں کیونکہ جب ترک اذان پر قتال کرنا جائز ہوا تو ترک نماز پر بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ محدث نوویؒ مفیدین میں ہیں، محققین میں سے نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ وہ خنیفہ کے بارے میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے، مگر فرمایا کہ محدثین و فقہاء میں سے جو حضرات اہل طریقہ اور اصحاب باطن ہیں وہ

ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرتے ہیں (کیونکہ ان کے نفوس زیادہ مذکور ہو جاتے ہیں) مثلاً شیخ تقی الدین ابن دینی العید جن کو شافعی و مالکی کہا گیا ہے بڑے محقق و معتمد و قیاسی و تاجر عالم اہل طریقت میں سے صاحب کرامات باہرہ معتدل المزاج تھے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کے معاصر تھے حافظ ابن تیمیہ نے ایک مدت مصر میں گزار دی ہے اور شیخ مذکور بھی وہاں تھے لیکن ان دونوں کی ملاقات کا ذکر کہیں نہیں دیکھا، اگر دانست ملاقات نہیں کی تو ممکن ہے کہ شیخ نے اس کو پسند نہ کیا ہو، واللہ اعلم، شیخ موصوف باوجودیکہ شافعی و مالکی تھے جس بات سے خنیفہ کو فائدہ پہنچ سکتا ہو اس کو قصد و ارادہ سے اہتمام کر کے ذکر کرتے ہیں، یہ ان کی منصف مزاجی کی بڑی دلیل ہے جس طرح حافظ ابن حجرؒ غیر منصف مزاجی کی دلیل یہ ہے کہ خنیفہ کا فائدہ کی بات کو جان بوجھ کر موقع سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی بات سے فائدہ بھی پہنچا ہے تو ان کے بغیر ارادہ کے ایسا ہوا ہے، حالانکہ علم و فضل و حقیقت و سائنس کلام وغیرہ کے لحاظ سے وہ نہایت بلند پایہ محقق ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ تقی الدین بن دینی کی طرح ہمارے خنیفہ میں سے محدث شہیر حافظ زلیخا (صاحب نصب الراية) بھی ہیں وہ بھی اہل طریقت میں سے تھے اور وہ بھی سب کے ساتھ نہایت عدل و انصاف کا معاملہ کرتے تھے، اسی طرح دوسرے اہل طریقت علماء کے عدل و انصاف کا تجربہ ہوا ہے

اور ان حضرات اہل اللہ سے اس سے بھی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے پھر فرمایا کہ شیخ ابن ہمام خنی اہل طریقت میں سے ہیں اور منصف بھی ہیں مگر کبھی کبھی اپنے مذہب کی حمایت کے جذبہ میں کچھ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں۔

پھر فرمایا:۔ مفید وہ ہے جو کسی مسئلہ میں حسب حضرات اہل تحقیق کے اقوال کو بہتر اسلوب سے وضاحت و تفصیل کے ساتھ جمع کر دے۔ اور محقق وہ ہے جو دریائے علم کی غواہی کرنے کے قابل معانی و مطالب کا کھوج لگائے و شواہد ترین مسائل کا حل نکالے اقوال علماء سلف و خلف کی تنقیح کرے اور ان میں سے افراط و تفریط کو الگ الگ نکال دے ایسے عالم میرے نزدیک محقق ہیں اور ایسے علماء امت میں بہت کم ہیں۔

حکم تارک صلوٰۃ

اس کے بعد ائمہ اربعہ کے اقوال مختلف ہیں امام ابو حنیفہ امام مالک و امام شافعی تینوں کی رائے ہے کہ نماز کے فرض ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے جو شخص عداً نماز ترک کرے گا وہ کافر نہیں ہوگا امام احمد کا قول بروایت اکثر اصحاب اور بعض اصحاب امام شافعی کی رائے ہے کہ وہ کافر اور ملت سے خارج ہو گیا لہذا اس کا حکم مرد کا ہوگا کہ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور مرنے کے بعد نہ اس کو غسل دیں نہ اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔ نہ اس کے مال کا کوئی مسلمان وارث ہوگا۔ دوسرا اختلاف تارک صلوٰۃ کی سزا میں ہے۔ اس بارے میں امام اعظم آپ کے اصحاب اور امام مزنی شافعی کی رائے یہ ہے کہ اس کو سزا کے طور پر قید کر دیں گے اگر تین دن کے اندر توبہ کر کے نماز شروع نہ کرے تو اس کے جسم کو کڑوں کی مار سے لہو لہان کیا جائے گا حتیٰ کہ نماز شروع کر دے۔ اس کی سزا یا حد شرعی قتل نہیں ہے البتہ امام وقت چاہے تو بطور سیاست و تعزیر اس کو قتل کر سکتا ہے جس طرح مبتدع کو کر سکتا ہے امام مالک و امام شافعی و امام احمد تینوں کے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا فرق اتنا ہے کہ امام احمد اس کا قتل کفر (یعنی بوجہ کفر و ارتداد) اور امام مالک و شافعی (بطور حد شرعی) حد مانتے ہیں پھر قاتلین قتل کے اقوال مختلف ہیں۔

(۱) تارک صلوٰۃ کو تین روز کی مہلت دی جائے یا فوراً قتل کیا جائے یہ آخری قول زیادہ صحیح ہے

(۲) کھانا چار نماز پر عداً ترک کرنے پر قتل کیا جائے یا صرف ایک نماز چھوڑنے پر بھی جب کثرت گزر جائے ان میں بھی آخری قول زیادہ صحیح ہے

(۳) قتل تلوار سے ہو یا گردن مار دی جائے یا لکڑی کو بے وغیرہ سے چکودے جا نہیں حتیٰ کہ وہ مر جائے

(۴) قتل کے بعد اس کا حکم مقتول حد کا ہوگا جیسے زانی محسن رحم کیا ہوا ہوتا ہے کہ غسل کفن نماز جنازہ کے بعد مقابر مسلمین میں دفن ہوگا اور اس کی قبر بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک بالشت زمین سے اونچی ہوگی اس کی وراثت بھی جاری ہوگی یہی قول صحیح ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی حقیر اور دوسروں کی زبردستی کے لیے نہ مقابر میں دفن کیا جائے نہ اس کی قبر کو ایک بالشت اونچا کیا جائے۔

حکم تارک زکوٰۃ:۔ یہ ہے کہ ترک زکوٰۃ پر اس کو تعزیری سزا دی جائے اور زکوٰۃ اس سے جبراً وصول کی جائے اگر انکار کرے تو اس

سے راقم الحروف نے مقدمہ انوار الہاری جلد دوم میں بعض علماء کو متفق حاصل کیا ہے جس پر ہندو پاک کے بعض احباب اہل علم نے توجہ دلائی اور اب خود بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں انھوں نے خصوصاً حضرت شاہ صاحب کی تحقیق مذکورہ بالا کے پیش نظر اگرچہ اس وقت اردو زبان کے عام محاورہ و اصطلاح کے لحاظ سے اتنا لکھنا زیادہ بہ نکل نہ تھا دوسرے اس خیال سے بھی لکھا تھا کہ خبری ہی نہیں تو اس سے کم کیا لکھا جائے۔

تاہم اپنی غلطی کا اعتراف ہے اور معیار افضل و تحقیق کو اگر ان کی طرح مناسب نہیں اور اس کی خوشی ہے کہ ہمارے تاعمرین اور علماء مذہب میں صحیح علمی اقدار کا جائز دینے والے موجود ہیں۔ و بحمد اللہ العالیہم (عاجز مؤلف)

سے حضرت شاہ صاحب نے اس موقع پر حد تعزیر میں فرق کیا تھا کہ حد شرعی کو تاحش اپنی رائے و اختیار سے دیکھ کر کتنا کیونکہ وہ حقوق اللہ میں سے ہے مختلف طور کے کہ وہ اس کی رائے پر محمول ہے نہ صاحب تائید اللہ صاحب نہ حد تعزیر میں فرق نہیں کرتے تھے اس لیے ان کی رائے کی کمر توڑ کر سزا قطع و درجہ محرم ہی نہایت کی رائے پر محمول ہے کسی کے ساتھ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر چہ جس سے کم ان کا حد مرتبہ تو ذرا پرزور لڑکھائیں ہے وغیرہ ذلک و لدک وہ محل آخر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سے قتال کیا جائے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فرمایا ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہا جو اس صریح حدیث کے حضرت عمرؓ نے قتال بائینین زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیوں اختلاف کیا؟ جس نے اس کا صل اپنے رسالہ "اکفار المجد بن" میں پیش کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخین کا اختلاف درحقیقت غرض و سبب منع زکوٰۃ کے باعث تھا، حضرت عمرؓ اس سبب بغاوت و سرکشی سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رد کو سمجھتے تھے اس حیثیت سے کہ ایمان پورے دین کے التزام و اختیار کا نام ہے، جس نے نماز و زکوٰۃ میں فرق کیا گو یا وہ پورے دین پر ایمان نہیں لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہیں لایا، وہ قطعاً کافر ہے۔

نظر یہ حنفیہ کی تائید: یہاں حضرت شہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے حنفیہ کی اصابت و حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ایمان زیادہ کم نہیں ہوتا، کیونکہ التزام مذکور میں کوئی تشکیک نہیں ہے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہ بات محقق ہوتی کہ وہ لوگ زکوٰۃ کا بالکل ہی انکار کر رہے ہیں تو وہ بھی ان کی تکفیر ہی کرتے اور ان کے قتال میں کوئی تردد نہ فرماتے۔

نصب البرایہ طبعی ۳/۵۲۱: مجھے سچ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ کلاماً یقیناً نہیں تھا اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ لوگ مومن ہیں، مومن بخل مال کے باعث لاد مذکوٰۃ سے ک گئے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ خود بھی کہتے ہیں کہ اللہ! ہم اسلام سے نہیں پھرے، بخل مال کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دی مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور قتال کے بعد جو گرفتار ہوئے ان کو قید کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کے معاملہ پر نظر فرمائی فرمایا کہ سب کو پہلی دے دی اس طرح مسترد کر حاکم صفحہ ۳۴۲ میں بھی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے سرخ پٹوؤں سے زیادہ بیاہر محبت تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں معلوم کر لیتا اور ان میں سے یہ بات بھی ذکر کی کہ جو لوگ اپنے احوال میں مذکوٰۃ غرض ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن ادا نہیں کرتے کیا ان سے قتال جائز ہے؟

معلوم ہوا کہ وہ لوگ زکوٰۃ سے بالکل منکر نہیں تھے، تو نہ ان کے کفر میں کون شک و تردید کر سکتا تھا زکوٰۃ ضروریات دین سے ہے جن کا انکار کفر ہے ان لوگوں نے سمجھا کہ زکوٰۃ ایک مال کی نسیں ہے جو بادشاہ اپنی رعایا سے وصول کرتے ہیں لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کڈمانے میں ادا کی گئی اب چونکہ ہم ہی میں سے والی و حاکم ہو گئے ہیں وہ نسیں بھی ختم ہو گیا اور دوسرے نسیوں کی طرح دلی کی رائے پر محمول ہو گیا خواہ ہم اس کو پسند یا نہ پسند۔

خلفاء راشدین کا منصب

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ خلفاء راشدین کا منصب میرے نزدیک اجتہاد سے اوپر اور تشریع سے نیچے ہے کیونکہ صاحب شریعت نے ہمیں اس کی ابتداء مطلق کا حکم فرمایا ہے اور اسی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جمعہ کے لئے اذان اول کی زیادتی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے لئے ایک امامت کے پیچھے لوگوں کو جمع کر دینا ہے لہذا ان حضرت کے باہمی اختلاف کو مسائل اصول سے وابستہ نہ کرنا مثلاً کہنا کہ شیخین کا اختلاف حکم میں تعارض عموم و خصوص کے ہے درست نہیں اور غالباً اس سلسلہ میں ہماری تحقیق مذکور ہی اقرب الی الصواب ہے۔

علامہ محقق حافظہ حق نے لکھا کہ جن لوگوں نے اس حدیث سے تارک صلوٰۃ کے قتل پر استدلال کیا ہے ان پر اعتراض پڑتا ہے کہ وہ مانع زکوٰۃ کے لئے قتل کا حکم کیوں نہیں کرتے جب کہ حدیث ایک ہی ہے علامہ کرمانی نے یہی صراحت کی کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے تو اگر دونوں کا حکم مقابلہ ہے تو مسلم اور کفر کے لئے قتل کا حکم تو شوافع وغیرہم نہیں مانتے دوسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے

لے آئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف ایک اذان خطبہ جمعہ کے وقت ہوتی تھی یہی طریقہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ کے پورے دور میں حضرت عثمانؓ کی ابتدائی دور خلافت میں بھی رہا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان اول کا اضافہ فرمایا جواب تک موجود ہے۔

اس سے قتل الگ الگ پڑھتے تھے جو تو اہل فتنہ و فساد کا طریقہ ہے اور اذان و جماعت نماز فرض و واجب کے ساتھ خاص ہے اسی لئے فقہاء نے لکھا کہ: قتل کی جماعت مکروہ ہے، مجرمضان کے اور اس سے مراد سنن تراویح میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہاء کی اس عبارت سے جس نے مطلقاً تراویح رمضان سمجھی، فقہاء کی لہذا تہجد کی جماعت تین سے زیادہ کی رمضان میں بھی مکروہ ہوگی۔ اس کی کھل و مدلل بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

بھی قتال و مقاتلہ ہی مقتول ہے یہ کسی نے نہیں لکھا کہ آپ نے یمنین زکوٰۃ میں سے کسی قتل کی سزا دی ہے۔

حکم تارک صوم

روزہ نہ رکھنے والے کی سزا یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے اور دن کے اوقات میں اس کو کھانے پینے کے لئے کچھ نہ دیا جائے کیونکہ بظاہر وہ روزہ کی نیت کر لیا، جبکہ روزہ کے وجوب و فرضیت کا معتقد ہے۔

(۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ واجبات و شعائر اسلام کے ترک پر قتال کرنا واجب ہے۔

(۳) جو شخص اسلام ظاہر کرے اور ارکان کی ادائیگی کرے اس سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہئے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندگی کی توبہ قبول ہو سکتی ہے اس کی تفصیل مغازی میں آئے گی اور اصحاب امام شافعی کے اس مضمون

کے بارے میں پانچ قول ہیں جو اسلام ظاہر کرے اور کفر پوشیدہ رکھے ہو جس کا علم خود اس کے اقرار یا دوسروں کی شہادت سے ہو جائے۔

(۱) قبول توبہ مطلقاً اور یہی قول امام شافعی سے منقول اور صحیح ہے جس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اھلنا شققت قلبہ ہے

(۲) اس کی توبہ درجہ اولی الاسلام قبول نہیں البتہ اگر وہ اپنی توبہ میں واقعی سچا ہے تو اس کو عند اللہ نفع ہوگا۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے

اور امام اعظم رحمہ اللہ سے مذکورہ ہر دو قول کے موافق دو روایت ہیں۔ (۳) اگر ایسا شخص اس قسم کی گمراہی کا مبلغ بھی ہے تو اس کی توبہ قبول نہیں

لہذا وہ اس کی توبہ قبول ہوگی (۴) اگر خود بخود ابتدا ہی تا تب ہو کر آئے اور آثار و قرآن بھی اس کی صداقت ظاہر کریں تو اس کی توبہ قبول ہوگی

لیکن اگر قتل ہونے کے لئے گرفتار ہو کر آیا اور اس وقت توبہ کی تو قبول نہ ہوگی یہ قول امام مالک سے بھی منقول ہے۔ (۵) ایک مرتبہ قبول ہوگی

پھر اگر اسی طرح حرکات کفریہ کرے تو نہ ہوگی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو حقیقہ زندیق ہو اور ظاہر اسلام کرے اس سے مرتد کی طرح توبہ کرائی جائے گی۔ امام ابو یوسف

(قاضی القضاۃ دولت عباسیہ) کی بھی ایک زمانہ تک یہی رائے رہی مگر پھر یہ دیکھ کر طہرین و زادۃ محض اپنی جان بچانے کے لئے توبہ کر لیتے ہیں اور

اسلام ظاہر کرنے کے بعد پھر زندیقہ کی باتیں کرنے لگتے ہیں آپ نے فرمادیا تھا کہ میرے پاس جو زندیق لایا جائے گا اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کروں گا

بلکہ ثبوت زندیقہ کے بعد حکم قتل کروں گا اس کے بعد اگر اس نے خود ہی توبہ کی (اور قتل سے پہلے اس کی صداقت کا اطمینان ہو گیا تو اس کو چھوڑ دوں گا اس

کے علاوہ ایک قول امام ابو یوسف کے واسطے سے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ بھی نقل ہوا ہے کہ چھپا ہوا زندیق قتل کیا جائے اس کی توبہ قابل اعتناء نہیں۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نجات کے لئے پختہ اعتقاد کافی ہے اور یہی جمہور امت کا مسلک مختار ہے معتزلہ اور بعض

متکلمین و امام الحرمین وغیرہ کہتے ہیں کہ صرف اتنا کافی نہیں بلکہ دلائل حقانیت اسلام کا علم حاصل کر کے علی وجہ المصیرت اسلام لانا ضروری

ہے امام نووی نے لکھا کہ بکثرت احادیث صحیحہ کے عموم سے علم قطعی اس امر کا حاصل ہو جاتا ہے کہ صرف قطعی تصدیق ہونا کافی ہے۔

(۶) معلوم ہوا کہ حکم اسلام لگانے اور قتال سے بچنے کے لئے زبان سے کلمہ شہادت کہنا ضروری ہے۔

(۷) معلوم ہوا کہ اہل بدعت میں سے اہل شہادت کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

(۸) ہر شخص کے ظاہری اعمال اسلام ہی قبول ہوں گے اور ان ہی پر نظر ہوگی۔

(۹) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد امتہ دین نے ظاہری اعمال پر حکم کیا اور پوشیدہ امور کا فیصلہ حق تعالیٰ جل ذکرہ پر محول کیا

مخلوق کو ان کی کھود پرید کا حق نہیں دیا گیا۔

(۱۰) یہ حدیث ان تمام احادیث مطلقہ کی مقید اور میں ہے جن میں صرف کلمہ اخلاص پر نجات، اخروی و عصمت و نبوی بتلائی گئی ہے مثلاً

ماضین زکوٰۃ سے حضرت صدیق نے قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ان سے قتال کس طرح کر سکتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ ”مجھے قتال کا حکم ہوا ہے تا آنکہ لوگ کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ پر محسن جو ایسا کریں گے وہ اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیں گے) بجز حق اسلام کے اور ان کا حساب خدا پر ہے۔“

اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ضرور ان لوگوں سے قتال کروں گا جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کریں گے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واللہ! اتنا سنتے ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کی بات کے لئے شرح صدر کر دیا اور میں جان گیا کہ وہی حق ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایسا بھی مستحب نہیں بلکہ واقع ہوا ہے کہ بعض اکابر صحابہ کو کوئی حدیث معلوم نہ ہوئی اور دوسرے صحابہ کو معلوم تھی انہوں نے روایت کی جیسے یہی حدیث الباب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھی اور نہ وہ اس موقع پر حضرت عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث کے مقابلہ میں پیش کرتے قیاسی استدلال نہ کرتے یا جس طرح جزیہ مجوس یا طاعون والی حدیثیں بعض صحابہ سے مخفی رہیں اور بعد کو ان کا علم ہوا ہے ایک جواب یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس سے استدلال نہیں کیا بلکہ یہ جملہ بھی فرمایا تھا کہ زکوٰۃ اسلام کا حق ہے گو یا حدیث کے جملہ لاحقین الاسلام سے استدلال فرمایا۔

ایک خدشہ کا جواب

ایک خدشہ یہاں یہ بھی ہے کہ جب اس حدیث الباب کے راوی حضرت ابن عمرؓ ہیں تو انہوں نے حضرت ابوبکر و عمر کے مذکورہ مناظرہ و بحث کے وقت اس حدیث کو کیوں نہیں بتلایا۔ بعض حضرات نے تو اس خدشہ کے تحت اس حدیث ابن عمر کی صحت پر بھی شبہ کیا ہے مگر یہ خدشہ شبہ بکل ہے کیونکہ اول تو ممکن ہے حضرت ابن عمر اس موقع پر موجود نہ ہوں اور بعد کو بتلایا ہو دوسرے یہ کہ روایت مذکورہ حضرت ابن عمر ہی کی طرح زیادہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقرار شہادتیں اور اقامت صلوٰۃ و اتناء زکوٰۃ کے بعد اگرچہ وہ معصوم و محفوظ ہو گیا مگر حقوق الاسلام

(تقصا صلوٰۃ وغیرہ) کا مواخذہ اس سے ضرور ہوگا۔

(۱۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو تو ان پر قتال کفار واجب ہے تا آنکہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔

چند سوال و جواب

علامہ محقق حافظ عینیؒ نے مذکورہ بالا بارہ حدیثی فوائد ذکر فرما کر لکھا کہ اس حدیث سے متعلق چند سوال و جواب بھی ہیں جن میں ایک زیادہ

اہم یہ ہے کہ بظاہر حدیث الباب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین اور نماز و زکوٰۃ کے بعد قتال کا حکم ختم ہو جائے گا خواہ وہ شخص باقی تمام ضروریات دین سے منکر و کافر بھی ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اقرار شہادت رسالت میں وہ تمام چیزیں آ جاتی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نہیں پہنچی ہیں اس لئے ان سب کی تصدیق بھی ہمیں لازم ضروری ہے چنانچہ دوسری حدیث میں ”وہو صوامی وما جفت بہ“ بھی مروی ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ حکم تو تمام ہی فرائض کیسا ہے پھر صرف نماز و زکوٰۃ کا ذکر کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک عبادت بدنی اور ایک مالی ذکر کی تا کہ اسی پر دوسری عبادات کو قیاس کر لیا جائے دوسرے اس لئے بھی کہ یہ دونوں زیادہ اہم ہیں کیونکہ نماز و دین کا ستون ہے اور زکوٰۃ اسلام کا پہلے سے تیسرا سوال یہ ہے کہ شہادتین کے بعد تو اسلامی اصول سے قتال ختم ہو جاتا ہے اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کا انتظام نہیں کیا جاتا پھر یہاں نماز و زکوٰۃ کا ذکر کیوں ہوا اور اس کا فائدہ لاحقین الاسلام سے بھی حاصل ہو رہا تھا۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں کا ذکر محض ان کے اہتمام و تقسیم کے لئے کیا گیا اور یہ دکھانے کے لئے کہ ان کا مرتبہ شہادتین کے قریب ہی

ہے یا ترک قتال محض و مستقل طور سے مراد ہے کہ وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ شہادتین کے ساتھ سارے واجبات بھی ادا کئے جائیں ترک قتال عارضی طور سے مقصود نہیں جس کا اعادہ ترک صلوات کو ذکر پر بھی ہو سکتا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۱۱ تا ۲۱۳/۱)

تبلیغ دین کی ضرورت اور اس کا کامیاب عملی پروگرام

اوپر بیان ہوا کہ جمہور علماء امت کے نزدیک نجات اخروی کے لئے اعتقاد حازم ضروری و کافی ہے و لاکھ و براہین کے ساتھ حقانیت اسلام کا یقین ضروری نہیں تاہم اتنا تو سب ہی کے نزدیک ضروری ہوا کہ عقائد و ایمانات سے پوری طرح واقفیت ہو صرف شہادتین کا پڑھ لینا بغیر اس کا معنی و مطلب سمجھے ہوئے کافی نہیں ہوگا پھر اگر اس کے ساتھ شریعت کے فرائض و واجبات پر عمل بھی نہ ہو تو وہ نقص و نقص ہوگا۔ لہذا نہایت ضروری ہے کہ واقف شریعت حضرات اپنے اپنے قریب کے اس قسم کے مسلمانوں کو عقائد و اعمال شریعت سے واقف کریں اور ان کی تعلیم دین و اصلاح حال کے لئے پوری طرح منظم ہو کر سعی و توجہ کریں ان کو آخرت کے عذاب و ثواب سنے آگاہ کریں یہ اس وقت کے اہم ترین واجبات اسلام میں سے ہے اس کے لیے طریقہ کار وہی بہتر ہوگا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا تھا کہ سب سے پہلے اپنے کنبہ و قبیلہ میں پھر محلہ میں پھر اپنی ہستی میں تبلیغ و اصلاح کا فرض انجام دیا جائے پھر اپنی قریبی بہتیوں تک جا کر یہ خدمت ادا کی جائے اور اس طرح اگر کچھ عرصہ میں ہم پورے ملک میں تبلیغ و اصلاح کا جال پھیلا سکیں تو اس کے بعد دوسرے قریب اور پھر دور کے محالک میں کام کریں اپنے قریبی حلقوں کو چھوڑ کر اگر دور دراز کے خطوں میں کام کرنے کو ترجیح دی گئی تو اس میں مظاہرہ و نمائش تو زیادہ ہے مگر بہتر کام کا میابی کی توقعات بہت کم ہیں واللہ اعلم۔

قتال و جہاد

اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ اس کا مقصد وحید خدا نے برتر کا بول بالا کرتا ہے جس کو اعلا کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے بخاری شریف کی جس حدیث پر یہ بحث چل رہی ہے اس میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ملی ہے جب تک لوگ خدا نے برتری و وحدانیت میری رسالت اور میری لائی ہوئی شریعت سچے دل سے نہ مان لیں اور واجبات اسلام پر عمل نہ کریں اس سے برسرِ کار رہوں یعنی تبلیغ کے بہترین رسائی طرز و طریقے سے لے کر جہاد و قتال تک سے بھی اتمامِ جہت کروں رحمتِ دو عالم سرِ ایشیافت ورافت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بتلاتا ہے کہ کسی بڑے مقصد و مفاد کو حاصل کرنے کے لیے نرم و گرم سب ہی وسائل اختیار کئے جاسکتے ہیں جس طرح کسی مریض کے زیادہ خطرناک مرض کے ازالہ کے لیے زیادہ سے زیادہ کڑوی دوائیں سخت سے سخت پریہیز اور خطرہ کے وقت آپریشن تک جانا بلکہ مستحسن ہو جاتے ہیں ہاں اگر کم قیمت اور فائدہ پر ایسا کام کی صحت کے لیے جسمانی ڈاکڑوں و معالجوں کے ایسے اقدامات مستحسن ہو جاتے ہیں تو روح جیسی گرانقدر اور ہمیشہ باقی رہنے والی چیز کے لیے روحانی ڈاکڑ و معالج انبیاء علیہم السلام کی تجویز و تشخیص اور معالجاتی طریقوں سے توحش کا اظہار کیوں ہو؟ اور یہ حکم قتال بھی رحمتِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ذاتِ اقدس صلواتِ ذہرہ کی طرف سے ملے جس کے فضل و رحمت کی کوئی حد و انتہائی نہیں دنیا کی ہر چیز اس کی شانِ رحمت پر گواہ ہے اور اسی نے قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی انسانی جانوں میں سے ایک جان کو بھی بغیر بدلہ جان یا فساد کے ہلاک کر دے گا تو اس نے اتنا بڑا جرم عظیم کیا کہ گویا ساری دنیا کے انسانوں کو ہلاک کر دیا۔ اور جس نے کوئی ایک معصوم جان بھی بچائی تو گویا ساری دنیا کے انسانوں کی جانیں بچا دیں، لیکن اگر خدا ہی کے قانون کو دوسرے دنیوی قوانین کے نیچے کر دیا گیا ہو اور خدا کے کچھ برگزیدہ بندے خدا کے حکم سے اس کے قانون کو اوپر کرتا چاہیں تو کیا ایسے مقدس مقصد کے حصول میں مزاحمت و درخشاغذازی کرنے والوں کی سرکوبی ضروری نہ تھی؟

اس کے بعد امام بخاری دوسری حدیث لائے ہیں جس میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا مسائل نے عرض کیا کہ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا

اس نے پھر سوال کیا اس کے بعد؟ تو آپ نے فرمایا حج مرور۔ اس کے بعد صفحہ ۳۵ پر ایک حدیث باب الجہاد من الایمان کے تحت لائے ہیں اور کتاب الجہاد کا مستقل عنوان قائم کر کے جو احادیث ذکر کریں گے تو وہ تو گویا اس سلسلہ کی تکمیل ہوگی۔ انشاء اللہ۔

حج پر جہاد کا تقدم

امام نووی نے شرح بخاری میں اس پر بحث کی ہے کہ حج تو فرض عین ہے اس کے مقابلہ میں جہاد کو کیوں مقدم کیا گیا جب کہ وہ فرض کفایہ ہے؟ پھر اس کا جواب یہ دیا کہ جہاد اگرچہ عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے مگر بعض مواقع میں فرض عین بھی ہو جاتا ہے پھر کسی وقت بھی فرض کفایہ سے تو اس کا مرتبہ کم ہی نہیں ہوتا جب کہ حج فرض ساری عمر میں صرف ایک بار ہوتا ہے باقی جتنے ادا کرے گا وہ سب نفل ہوں گے اس لیے جہاد کا مرتبہ بڑھ گیا اور اگر صرف حج فرض اور جہاد فرض عین میں مقابلہ کیا جائے تو جہاد اس لیے بڑھے گا کہ اس میں علاوہ فرضیت کے ایک نفع عظیم ساری امت مسلمہ کے لیے ہے۔ اور اس سے مومن اسلام کی حفاظت ہوتی ہے اور اس میں جان و مال کا اگر انقدر رونا ہوتا ہے۔ وغیرہ ذلک۔

فرض کفایہ کی اہمیت

امام الحرمین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہر فرض کفایہ فرض عین کے مقابلہ میں اس حیثیت سے افضل ہے کہ کچھ لوگوں کی ادائیگی سے ساری امت کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اگر وہ بھی ادا نہ کریں تو امت کے جتنے لوگ بھی اس فریضہ کو ادا کرنے پر قادر ہیں سب ہی گنہگار ہوں گے اور بلا شک ایسی صفت کا فریضہ نہایت عظیم القدر ہے بعض حضرات نے لکھا کہ جہاد کو اس لیے حج پر مقدم کیا کہ ابتداء اسلام میں ہی جہاد کی ضرورت سامنے آئی تھی اور ظاہر ہے کہ اس سے اسلام کو بڑی قوت حاصل ہوئی اور آخر زمانے تک بھی جہاد کا حکم باقی ہے کہ حدیث میں ہے ”الجہاد ما ضی الی یوم القیامۃ“ (جہاد کا حکم روز قیامت تک جاری رہے گا۔)

اسلام جہاد کا مقصد

معلوم ہوا کہ اسلام جہاد کا مقصد صرف اعلاء کلمہ اللہ یا مومن اسلام کی حفاظت ہے ان اغراض سے بہت کر تمام دنیاوی اغراض کے لیے یا محض کسی قومی و ملکی عداوت کے سبب جو جدال و قتال ہو گا وہ اسلامی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں۔

اسلامی جہاد چونکہ ایک خدائی قانون ہے اس لیے اس کی ادائیگی نہایت اہم شرائط اور کڑی احتیاطوں پر مقبوض ہے وہ سب شرائط و احتیاطیں کتب فقہ اسلامی میں موجود ہیں ورنہ یوں لڑائیں گے کہ کوئی تنظیمی معیار مقرر نہیں بلکہ علم و حکمت سے خاقل لوگوں کو ترجیح دی جاتی ہے مگر اسلامی جہاد کے لیے علوم نبوت سے واقفیت، تہذیب نفوس اور کم سے کم واجبات اسلام کی مکمل پابندی اور شیعہ خداوندی ضروری ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ کرام کے غزوات اور خصوصیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ کے غزوات و سرایا پر ایک نظر ڈال لی جائے تو ہماری بات بخوبی روشن ہو سکتی ہے ان حضرات کی شان عین میدان جہاد میں بھی یہ ہوتی تھی کہ دن کے وقت مشغول جہاد ہیں تو رات کے وقت مصروف نوافل ہر اسلامی لشکر تقویٰ و طہارت کا بیکر جسم ہوتا تھا شام فجر ہوا تو عیسائیوں نے آرزائش کے لیے بازار جائے اور دوکانوں پر نوجوان خواہر و صرورت لڑکیوں کو بٹھایا تا کہ اسلامی لشکر کا حال معلوم کریں مسلمانوں کو معلوم ہوا تو امیر وقت نے سب کو جمع کر کے سورہ نور کی آیات فحش بھرنائیں اور نزاکت حال کا بطور احتیاط احساس کرا دیا اس کے بعد پورا اسلامی لشکر ان بازاروں سے گزر گیا اور تاریخ میں ہے کہ کسی ایک سپاہی نے بھی دوکانوں کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

کئی و مدنی زندگی: یہی وجہ ہے کہ کئی زندگی کے ۱۳ سال مسلمانوں نے سخت سے سخت تکالیف میں گزارے اور بار بار خواہش کی کہ کفار و مشرکین سے قتال و جہاد کی اجازت مل جائے مگر حق تعالیٰ کی طرف سے یہی تاکید ہوتی رہی کہ پہلے اپنے تقویٰ کے ہتھیاروں سے مسلح ہوں اپنی

نمازوں اور زکوٰۃ وغیرہ واجبات کی پوری پابندی کر کے دکھاؤ اس کے بعد جہاد کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ قال تعالیٰ: "الم توالی الذین قبلہم کفوا بایدیکم و الیمو الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ" (کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو (جہاد و قتال) سے روکے رہو۔ اور نمازوں کی پوری پابندی اور زکوٰۃ کی صحیح ادا سنگی کا اہتمام کرو) مفسرین کے اشارات کچھ اس قسم کے بھی ملتے ہیں کہ دربارِ بدنامی اس جہادی تیاری کا ایک جز و تقاضا لیے ہجرت فرض ہوئی پھر تو فوراً ہی مدنی زندگی میں غزوات و سرایا کا ایک مسلسل و طویل سلسلہ بندھ گیا۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیرت انگیز فیضِ تربیت و تزکیہ نفس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان صورتِ جم غیر مکمل طور سے فرشتہ سیرت بن چکا تھا، اسی لیے نہایت تمحّو سے عرصہ میں سارے عرب انوارِ الٰہی و علوم نبوت سے جگمگا اٹھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مختصر دورِ خلافت میں داخلی فتنوں کو پوری کامیابی سے ختم کر دیا گیا، اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں بڑے پیمانہ پر بیرونی ممالک میں فتوحات ہوئیں۔ اور اس شان سے کہ مصر کی فتح میں کچھ دیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن العاصؓ سپہ سالارِ جمش کو لکھا کہ دیر کیوں ہو رہی ہے جب کہ میں نے تمہارے ساتھ ایسے لوگ بھیجے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار کے مقابلہ میں کافی ہے، غرض جہادِ امتحانِ انفس اور واجباتِ اسلام کے کامل اجماع کی برکت سے روحانی قوت اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ اب بھی اس کے مجرمانہ کرشمے دیکھے جاسکتے ہیں، اور اتنا قیام قیامت جب تک صحیح اسلامی جہاد باقی ہے اس کے نمونے دیکھے جائیں گے۔

فضائل جہاد و شہادت

جہاں اسلامی جہاد کی شرائط سخت اور احکام اس کے اعلیٰ مقصد کے ساتھ بہت اونچے ہیں وہیں اس کے فضائل و مناقب بھی بہت زیادہ ہیں چندا حادیث یہ ہیں:

- (۱) جہاد کے وقت ایک رات مہل، بحر، پر جاگ کر حراست کرنا پے گھر پر ایک ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے (جمع الغزائین لمسلمین)
- (۲) اس کے میدان میں جم کر کھڑا ہونا گھر بیٹھ کر ساتھ برس کی عبادت سے افضل ہے (جمع الغزائین کبیرہ واسطیہ دار)
- (۳) اس میں جاسنے والی آگھ پر دو روز کی آگ حرام ہے (ترمذی)
- (۴) خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے حق تعالیٰ نے دو چیزوں کی ذمہ داری لی ہے اگر شہید ہو گیا تو سیدہ جنت میں پہنچے گا کہ اس کا جنت میں داخلہ دوسروں کا طرح روزِ جزا پر موقوف نہیں ہے اور اگر شہادت کی بلندی نہ مل سکی بلکہ گھرواپس آ گیا تو بصورتِ فتح مال غنیمت و اجر اخروی دونوں سے سرفراز ہوگا اور فتح نہ ہوئی تب بھی اجر جہاد تو ضروری حاصل ہوا (ترمذی)
- (۵) بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ شہید حور کی گود میں گرتا ہے
- (۶) شہادت کے بعد جنتِ مہر جنت کی سیرو سیاحت اور اس کے پھل کھانے میں گزارتا ہے اور رات کے وقت عرشِ الٰہی کی قدیلوں میں بیہا لیتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۷) راہِ جہاد میں غارِ اودھ ہونے والے قدم و دوزخ کی طرف نہ جائیں گے (بخاری و ترمذی نسائی)

(۸) خدا کے راستے میں ایک دن بھگی سرحد کی حفاظت ایک ماہ دن کے روزوں اور رات کے قیام سے افضل ہے (مسلم و ترمذی)

۱۔ شہیدوں کی زندگی حضرت ابن عباسؓ سے روایت اس طرح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب غزوہ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان کی ارواح کو کبوتر پرندوں کے قالب میں ڈال دیا وہ جنت کی نبھوں اور باغات میں سرگرمی اور ان کے پھل کھائیں اور رات کے وقت عرشِ خداوندی کے طلائی قدیلوں میں سرگرمی جب اس طرح عیش و سرور کی زندگی پائی تو انہیں تمنا ہوئی کہ ہمارا یہ حال اور جنت کی زندگی ہمارے بھائیوں کو بھی دنیا میں معلوم ہو جائے تاکہ وہ جنت سے بے شک اور میدانِ جہاد میں بزدلی اختیار نہ کریں اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تمہاری اس تمنا کو پورا کریں گے اور قرآن مجید کی آیات و لا تحسبن المؤمنین قتلوا فی سبیل اللہ انما قتلوا بل احياء عند ربہم یرزقون فرحین بما آتاهم اللہ من فضلہ و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من عظیمہم (آل عمران)

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

(۹) جہاد فی سبیل اللہ میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا دنیا و ما فیہا سے افضل ہے (مسلم نسائی)

(۱۰) میدان جہاد فی سبیل اللہ میں ایک ساعت کھڑا ہونا گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہیں جہاں یہ بات نہایت محبوب و پسندیدہ نہیں کہ خدا تمہاری مغفرت کر کے جنت میں داخل کر دے۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا خدا کے راستے میں غازی و مرد مجاہدین کو نکلنا جو شخص اعلا و کلتہ اللہ کے لیے بقد رفوق یا تا ذی بھی قبال کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہوگی (ترمذی)

(۱) جو شخص خدا کے رب اسلام کے دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے سے راضی ہو گیا جنت اس کا حق ہوگی۔ راوی حدیث ابو سعید بن کر بہت خوش ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا پھر اعادہ کرایا آپ نے فرمایا ایک عمل اور بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بندے کو ایک سو درجے بلند فرما دیتا ہے جن کے دور جوں کے دو درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے عرض کیا وہ کیا ہے؟ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ یعنی بار فرمایا (مسلم نسائی)

(۱۲) جنت تلواروں کے سایہ میں ہے (مسلم نسائی)

(۱۳) جس کو خدا کے راستے میں ایک تیر لگا وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگا (بخاری)

(۱۴) حق تعالیٰ ان دو شخصوں کے عجیب حال پر ٹھک فرماتے ہیں (کما یلیق بشانہ و لیس کما یلیق شیء) کہ وہ باہم قتل کرتے ہیں پھر بھی دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اس طرح کہ ایک خدا کے راستے میں ازکر شہید ہو جاتا ہے اور دوسرا کفر قاتل تو بہ کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے اور وہ بھی خدا کے راستے میں جہاد کر کے شہید ہو جاتا ہے (بخاری و مسلم نسائی)

(۱۵) جو مومن خدا کے وعدوں پر یقین رکھ کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کھڑا پاتا ہے تو اس کو گھر کے کا پیٹ بھرائی چارہ پانی اس کی لید و پیٹاب بھی اس مومن کا وزن اعمال بڑھانے کے لیے اس کی میزان میں رکھا جائے گا یعنی حسنات کے قائم مقام ہوگی (بخاری و مسلم نسائی)

(۱۶) جو شخص گھر میں رہتے ہوئے مجاہدین کے مصارف کے واسطے کوئی رقم دے گا اس کو ہر روپیہ کے عوض سات سو روپیہ صرف کرنے کا اجر ملے گا اور جو شخص خود میدان جہاد میں شرکت کے ساتھ کچھ صرف کرے گا اس کو ہر روپیہ کے عوض سات لاکھ روپیہ صرف کرنے کا ثواب ملے گا (صحیح الترمذی بحوالہ ارسال)

(۱۷) شہادت فی سبیل اللہ سے مجزومین (قرض) کے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (ترمذی)

(۱۸) ہر شہید اپنے اہل بیت میں سے ۷۰ گناہ گاروں کی شفاعت کر سکے گا۔ (ابوداؤد)

(۱۹) ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے کہ سارے مومن قندقبر سے دو چار ہوں گے بجز شہید کے؟ فرمایا تلواروں کی باز کا قندقبر جو اس کے سر پر منڈ لا چکا ہے کافی ہو گیا۔ (نسائی)

(۲۰) شہید کو قتل ہونے کے وقت صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی چونٹ لینے یا پسو کے کاٹنے سے ہوتی ہے (ترمذی۔ نسائی) یہ جہاد و قاتل کے خوفناک منظر اور اس کی ہیبت دلوں سے کم کرنے کے لیے فرمایا کہ جب شہید کو خدا کے خصوصی فضل و انعام کے باعث قتل کے وقت تکلیف بھی نہیں ہوتی تو پھر اس سے مرعوب و خوفزدہ ہونا کیسا؟ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر موت مقدر نہیں تو کتنے ہی میدان کار زار دیکھے گا۔

اور ان کو فاطمہ زہراؑ کے گام مروت پائے نہ آئے گی چنانچہ مشہور عالم شیر دل اسلامی جرنیل حضرت خالد بن ولیدؓ نے بیسویں میدان میں دوا شجاعت دی سنگروں بلا وار کتنے ہی مال کمال فتح کئے مگر موت مقدر نہ تھی اور آخر میں آنی تو گھر کے بستر پر خود ہی موت کے وقت فرمایا میں نے اتنے معرکوں میں شرکت کی اور میرا کوئی عضو نہیں بچا جس میں تلوار اور تیر کے زخم نہ ہوں اور اب مجھے افسوس ہے کہ اپنے بستر پر سر رہا ہوں۔ خدا

اور ارتکاب منکرات و فواحش سے باز آئیں یہ مقاطعہ کی صورت ان کی اصلاح حال کے لئے کم سے کم درجہ کا علاج ہے اور جس کا روزانہ عہد و اقرار ہم دے دقت میں بھی کرتے ہیں ”و نعلع و نلک من یفجرک“ (اے خدا! ہم آپ کے نافرمان بندوں سے بیزاری و قطع تعلق کرتے ہیں اس طریق کار کی کامیابی کا انحصار ہر شہر و قصبہ کی منظم تبلیغی جماعتوں پر ہوگا۔ ۹۰ میں غزوہ تبوک کے خلفین کے ساتھ جو مقاطعہ ترک تعلق و ترک کلام کی صورت میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار فرمایا تھا اور اس سے خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی۔ وہ ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے اور موجودہ حالات میں وہ ایک ہی موثر علاج ہے سورہ توبہ کی تفسیر میں اس کا واقعہ تفصیل سے ملتا ہے اور ہم بھی آئندہ کسی موقع پر لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دارالاسلام و دارالحرب کے متعلق علامہ کشمیریؒ کی تحقیق

احکام اسلام کے اجراء و غیر اجراء اور بہت سے مہمات اسلامی کا تعلق ہر دو دار کے اصولی فرق سے وابستہ ہے اس لئے اس کی بھی یہاں بقدر ضرورت شرح و ایضاح مناسب ہے اس ضمن میں یہ بات بھی آجائے گی کہ ہمارا ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ محقق عصر حضرت علامہ کشمیریؒ ندس سرہ نے اس سلسلہ میں ایک نہایت عمدہ تحقیق بہت مدت ہوئی اپنے خطبہ صدارت آل انڈیا جمعیت علماء ہند (منصفہ پشاور) میں لکھی تھی جو شائع شدہ ہے اس کے بعد ایک مستقل تحریر ای موضوع پر تحریر فرمائی، جواب تک فکری یادداشت کی شکل میں ”کتاب خانہ رحمانی منگلیر“ میں محفوظ تھی جس کو چند ماہ قبل محترم و جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی فاضل دیوبند و کن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند امیر شریعت بہار و ایدہ نے نہایت عمدہ آرٹ پیپر پر فوٹو آفست سے طبع کر کے شائع کرویا بعد حقیقت اس کی اشاعت سے مولانا موصوف نے فکری دبا پر بہت بڑی منت فرمائی ہے و لہم الاجر و المند۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر فارسی زبان میں ہے نہایت مفید ہوتا اگر اس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع ہو جاتا بہر حال اسی تحریر کا ضروری خلاصہ پیش ہے۔

کسی شہر یا ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار محض غلبہ و شوکت پر ہے اگر وہاں مسلمانوں کا غلبہ ہے تو وہ دارالاسلام ہے اور کفار و مشرکین کا غلبہ ہے تو دارالحرب ”جامع الرموز میں ہے“ کہ دارالاسلام وہ ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور مسلمان وہاں مامون ہوں اور دارالحرب وہ ہے جس میں مسلمان کافروں سے خوفزدہ ہوں۔“

اگر کسی جگہ دونوں کے احکام جاری ہوں اور بعض وجہ سے اہل اسلام کا بھی غلبہ ہو تو اس کو بھی بحکم ”الاسلام یعلو ولا یعلیٰ“ دارالاسلام کہہ سکتے ہیں مگر صرف اس وجہ سے کہ کسی جگہ مسلمان بھی رہتے ہوں (بغیر کسی غالبانہ حیثیت کے اس کو دارالاسلام نہیں کہہ سکتے۔ ورنہ جرمنی، فرانس، روس و چین وغیرہ کو بھی دارالاسلام کہا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے ایک طویل محققانہ بحث اس امر پر کی ہے کہ ایک دارالاسلام کن صورتوں میں دارالحرب بن جاتا ہے اور امام صاحب و صاحبین کے نظریات کی تنقیح و توضیح فرمائی ہے جو اہل علم کے لئے بہت قیمتی ہے پھر فرمایا کہ اجراء احکام اسلام کا مطلب بطور غلبہ اٹھارہ حکم اسلام ہے، محض اداء جماعت و جمعہ اور انہیں ہے، کیونکہ فقہانہ تصریح کی ہے اور بتلایا ہے کہ اجراء احکام کفر و استہاراً سے مراد یہ ہے کہ احکام کفار کے حکم جاری کرے اور وہ لوگ قضاۃ المسلمین کی طرف رجوع نہ کریں، یعنی قضاۃ المسلمین کی کوئی شوکت و وقعت نہ ہو اور جن بلاد میں قضاۃ فقہانہ دارالحرب ہی کی ایک قسم دارالامان بھی کہیں جس کی وضاحت حضرت شاہ صاحب نے خطبہ صدارت مذکورہ میں کی ہے اور اس وقت کے انگریزی دور کو دارالامان قرار دیا تھا اس کے مقابلہ میں دارالخوف ہے جہاں مسلمانوں کو پوری طرح جان نال عزت و مذہب کا تحفظ بھی حاصل نہ ہو اس وضاحت اور فقہانہ کرام نیز حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات صاف ہے کہ کسی غیر دارالاسلام کو دار المسلمین نام دینے کا کوئی عمل و موقع نہیں ہے خصوصاً جبکہ اس اصطلاح کا پہلے سے وجود بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

کفار کا بیض ہو جائیں اور ان کے احکام نافذ نہ ہوں بلکہ قضاۃ مسلمین ہی کے احکام چلیں تو اس وقت تک ان کو بھی دارالاسلام کہیں گے۔
غرض فقہاء نے سارا مدار نفاذ احکام پر رکھا اس پر نہیں رکھا کہ اس شہر یا ملک کے لوگ آزادی سے یا جماعت نمازیں ادا کرتے ہیں یا نہیں اور نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں وغیرہ کیونکہ ان امور یا دوسرے شعائر اسلام کی ادائیگی دارالحرب میں بھی کفار کی اجازت سے ہوتی ہے جس طرح دارالاسلام میں اہل ذمہ کفار اپنی تمام مذہبی رسوم آزادی سے ادا کرتے ہیں مگر ان کی وجہ سے ان کو دارالحرب نہیں کہہ سکتے۔
آخر بحث میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ”اہل فتنہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اگر ملک کفار میں ان کی اجازت سے مسلمان شعائر اسلام ادا کرتے ہیں تو وہ ملک دارالاسلام بن جاتا ہے“ حاشا وکلا: یہ بات لفظ سے بہت دور ہے اور جب یہ بات منہ سے مسلمان ہندوستان کے بارے میں خود ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ یہاں کفار نصاریٰ کے اجراء احکام کا اس درجہ غلبہ ہے کہ اگر ایک ادنیٰ حاکم ضلع بھی حکم جاری کر دے کہ مساجد میں نماز جماعت ادا نہ کی جائے تو کسی غریب یا امیر مسلمان کی طاقت و قوت نہیں ہے کہ مسجد میں گھر نماز ادا کر سکے۔

اسی طرح یہاں جو جمعہ و عیدین کی ادائیگی ہوتی ہے یا عدالت میں بھی بعض قوانین فتنہ پر عمل ہوتا ہے وہ بھی محض کفار کے اس حکم کے تحت ہے کہ جس سے ہر شخص کو اپنے دین کے موافق عمل کرنے کی اجازت دی گئی ہے (یعنی جب چاہیں وہ اس حکم کو منسوخ بھی کر سکتے ہیں) یہی دلیل کہ ہم لوگ ابھی تک اسی سابق امن سلاطین اسلام کے تحت ایمان میں ہیں یہ بھی غلط ہے کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جو اس شاہ عالم نے عطا کیا تھا ہم اس کی وجہ سے اس وقت مامون بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ ظاہر ہے کفار نصاریٰ کے جدید یاسن سے ہمیں موجودہ ایمان ملا ہوا ہے رعای دارالحرب کی یہ شرط کہ وہ کسی طرف سے کسی دارالاسلام کے حصہ سے ملحق و متصل نہ ہو وہ شرط بنیاد و قری کے اندر ہے ممالک و اقالم میں نہیں ہے۔ کیونکہ ایک شہر و قریہ کے لوگ اپنے قریبی شہر و قریہ والوں کی مدد کر سکتے ہیں مگر ممالک میں یہ بات دشوار ہے کون کہہ سکتا ہے کہ افغانستان ہندوستان سے ملحق ہے تو اس کے لوگ یہاں آ کر کفار کو ملک سے نکال سکتے ہیں حاشا وکلا۔ بلکہ ان کا نکالنا نہایت دشوار ہے بہر حال! ہندوستان پر کفار کا تسلط اس وجہ ہے کہ کسی وقت بھی اس سے زیادہ مستحکم تسلط و غلبہ کفار کو کسی دارالحرب میں نہیں ہوا۔ اور مسلمانوں کی مراسم اسلام کی ادائیگی محض ان کی اجازت پر ہے، مسلمانوں سے زیادہ عاجز ترین رعایا کوئی نہیں ہے ہندو کو بھی اس سے زیادہ رسوخ حاصل ہے البتہ رام پورہ، ٹونک، بھوپال وغیرہ (اسلامی ریاستوں) میں باوجود کفار کے ماتحت ہونے کے چونکہ مسلمان نواب کی طرف سے احکام اسلام جاری ہیں ان کو ”دارالاسلام“ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ رد المحتار کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم

میں مولانا منت اللہ صاحب کا نہایت شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ارشادات گرامی کا مذکورہ بالا خلاصہ پیش کر سکا۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمنا“ انک انت السميع العليم .

ختم شد

معذرت: مقدمہ انوار الہاری کے دونوں حصوں میں صرف ان محدثین کے تذکرے لکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا جن کی علم حدیث میں کوئی تصنیف یا مایاں درس ہوتا ہم بہت سے قابل ذکر حضرات اس لئے رہ گئے کہ بوقت تالیف ان کے حالات کا علم نہ ہو سکا کتاب کے دونوں حصے شائع ہو چکے تو بہت سے بزرگوں اور احباب کے خطوط آئے جس میں دینی مائدہ حضرات کی تصانیف کی ان میں واقعی بڑے بڑے حضرات ایسے ہیں جن کے ذکر سے مقدمہ مذکور کا خالی ہونا طبیعت پر بہت بارے اس لئے ارادہ کیا ہے کہ ایسے حضرات کا ذکر کسی جلد کے ساتھ بطور ضمیر شامل کر کے پورا کیا جائے گا یا نجم زیادہ ہونے کی صورت میں ایک جلد ہی مستقل شائع کر دی جائیگی۔ جن حضرات نے ایسے محدثین کے حالات ناقص بھیجے ہیں وہ کسی وقت ان کی تکمیل بھی فرمادیں میں ان سب حضرات کی توجہ و کرم کا نہایت ممنون ہوں کہ میری کوتاہی پر متنبہ کیا۔ وعند اللہ فی ذاک الجزء“ ”مولف“

مکاتیب گرامی حضرات اکابر و افضل دامت فیہم

”مبارک خواب“ مقدمہ انوار الہاری جلد دوم کے آخر میں ایک خواب کا ذکر ہو چکا ہے جس میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی منامی زیارت و تاثرات کا بیان ہوا ہے انوار الہاری کے افتتاح مبارک پر ایک نہایت مبارک خواب جو ایک عمارتی بزرگ نے دیکھا اور محترم وخلص مولانا ڈاکٹر حسن صاحب بھٹائی دامت برکاتہم نے لکھ کر راقم الحروف کو بھیجا یہاں درج کیا جا رہا ہے جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا تھا عاجز راقم ان برکات کی اہلیت اپنے اندر نہیں دیکھتا جو کچھ سامنے ہے وہ سب محض خدائے تعالیٰ جل ذکرہ کا فضل و انعام ہے اور صرف بطور تجدید نعمت ان کو پیش کرنے کی جرأت کر سکا (و ما بکم من نعمۃ فمن اللہ)

پہلا مکتوب

وہ عظیم الشان خوشخبری یہ ہے کہ میرے ایک دوست و شریک حلقہ تفسیر جناب عبدالرشید صاحب نہایت ممتی پرہیزگار آدمی ہیں اگرچہ علوم عربیہ سے عامی ہیں۔ مگر علم و علماء سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں آپ کی مؤلفہ کتاب انوار الہاری شرح بخاری شریف کے ممبر خریداری بھی ہیں (جن کا نام فہرست مرسلہ میں چا چکا ہے) اور احقر کی ترغیب پر ممبر بنانے کے لیے بڑے ساعی ہیں چنانچہ کئی ممبر وہ اپنے حلقہ احباب سے بنا چکے ہیں) اس اثناء میں جب کہ بندہ کتاب مذکورہ کی جلدوں کی پیشگی قیمت وصول کرنے کی تحریک کر رہا تھا اور وہ ممبر سازی میں ساعی تھے انہوں نے ایک نہایت مبارک خواب دیکھا ہے جو اگرچہ دلیل قطعی نہیں مگر انوار الہاری کی مقبولیت و عند اللہ کے قرآن میں سے ضرور ہے۔

روایہ صالحہ کی کیفیت یہ ہے کہ نماز فجر کے وقت سے ذرا پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ”میں چند ساتھیوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد نبوی میں جا قیام کیا اس وقت ٹھیک نماز کا وقت تھا غالباً نماز عصر کا“ میں نے وضو کی تیاری کی، اتھ میں سواک تھی پشت قبلہ کی طرف تھی اور سامنے حوض تھا جس کے کنارہ پر ایک بزرگ ہستی سواک لیے ہوئے وضو کر رہے تھے اسی وقت کچھ لوگوں نے مجھ سے باہر چلنے پر اصرار کیا اور میں نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ نماز کا وقت ہے اور کہا کہ سامنے یہ جو بزرگ شخصیت ہے وہ ہمارے آقاؐ کے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اتنا سننا تھا کہ وہ حضرت میری نظر سے غائب ہو گئے پھر دیکھا کہ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس میں انوار الہاری کے ممبروں کی فہرست تھی اور میں مسجد کے راستے میں تھا مسجد کے راست میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ یہ میری دوسری نظر تھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فہرست مجھ سے طلب فرمائی میں نے پیش کر دی۔ ساتھ ہی کتاب کا ایڈریس بھی دیا پھر دیکھا کہ ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ایک اعرابی مجھے مہمان بنا کر اپنے گھر لے گیا جہاں بہت سی پوشاک لٹکی ہوئی تھیں انہوں نے مجھے سو روپیہ بھی دیے میں نے لیے پھر نہ معلوم کیوں میں روپیہ واپس کرنے گیا (غالباً اس خیال سے کہ ان کو تکلیف دینا مناسب نہیں) تو انہوں نے صرف آدمی رقم مجھ سے یہ کہہ کر لے لی کہ میں مسجد میں میں پہچان گیا تھا کہ تم پریشان حال ہو ابھی بلطفہ واضح ہو کہ یہ صاحب پہلے بھی کئی بار زیارۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو چکے ہیں اس منام میں انوار الہاری کے ممبروں کی فہرست طلب فرماتا ممبران کے لیے عموماً اور جناب کی مؤلفہ کتاب کے لیے خصوصاً مقبولیت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن ہیں اور یہ وہ بشارت ہے جس پر آپ جس قدر بھی خوشی محسوس فرمائیں کم ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ احقر ڈاکٹر حسن عفی عنہ

دوسرا مکتوب گرامی

آج صبح ایک خانہ مشتمل بر بشارۃ عظمیٰ لکھ چکا ہوں جس میں ایک گوشہ رہ گیا تھا، شام کو صاحب روایہ سے مل کر اس کی تفریح دریافت کی اور اطلاع کے لیے یہ خط لکھ رہا ہوں وہ یہ کہ رائی نے دیکھا کہ حضور نے فہرست طلب فرمائی اور ایڈریس بھی میں نے فہرست مع ایڈریس پیش کی اس ایڈریس (پتہ) سے مراد آپ کا پتہ ہے یعنی کتاب انوار الباری ملنے کا پتہ بھی حضور نے طلب فرمایا پس مبارک ہوا اور پھر مبارک ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کو یا آپ سے یہ کتاب طلب فرمانا چاہتے ہیں اور کتاب ملنے کا پتہ طلب فرما رہے ہیں اور بندہ نے کتاب کا پتہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ سب کو دیا ہے نہ صرف مکتبہ کا کیا اس تصریح کے بعد بھی آپ کی خدمات اور انوار الباری کی قبولیت بارگاہ نبوی میں کوئی ریب باقی رہ سکتا ہے۔ پس کرمات باندہ میں اور موافق و موافق سے مقابلہ کی شان کر اس کام کو جلد از جلد مکمل کرنے کا عزم بالجزم کریں اور یقین کریں کہ ان شاء اللہ آپ کی یہ خدمت آپ کو دنیا اور آخرۃ میں نافع اور تجارتا لن تبور ثابت ہوگی احقر ذاکر حسن عفی عنہ۔

مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا العلامة محمد زکریا سہارنپوری رحمہ اللہ

چند روز ہوئے ہدیہ سیزہ مرسلہ سامی ایسے وقت پہنچا کہ میں اس وقت بہت مشغول تھا مگر اس کے باوجود اس کی مجمل نظر اور ورق گردانی تو اسی وقت شروع کر دی تھی دوسرے ہی دن رسید و شکر یہ لکھنے کا ارادہ تھا مگر حضرت اقدس راہپوری کے سفر پاکستان کی وجہ سے بے ارادہ راہ بند جانا پڑ گیا اس لیے عریضہ میں تاخیر ہوئی حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے دارین میں اس کی جزائے خیر اپنے شایان شان عطا فرمائے اور اس کے ذریعے سے دین و دنیا کے منافع سے تمتع عطا فرمائے سرسری نظر میں جتنی اب تک دیکھی اس میں تو صرف ایک ہی چیز گراں ہوئی اس میں کوئی مبالغہ یا تصنیف نہیں ہے کہ اس نا کارہ کا ذکر اس میں بے محل تھا نیز یہ بھی درخواست ہے کہ آئندہ جلدوں میں ہدایا کا سلسلہ ختم فرما کر ہر جلد پر تکلف قیثا ارسال فرمادیا کریں کہ اس طرح ہدایا میں تو اس سلسلہ لمبا ہو جائے گا۔ اور اس نا کارہ کو قیثا خریدنا پارتیس ہے۔ (ذکر یہ ملاحظہ فرمادہ ۲۹ ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ)

مکتوب گرامی حضرت المحدث العلامة مولانا المفتی سید محمد مہدی حسن شاہ جہانپوری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد للہ آن چیز کہ خاطر مخو است آخر آمد زہیں پردہ تقدیر ید ید

محترم بندہ ذوات افادہ جم، عرصہ سے دل و دماغ میں یہ امر جاگزیں تھا کہ اردو زبان میں حدیث کی کسی کتاب کی خصوصاً صحیح بخاری کی شرح حنفی کتب خیال کی طرف سے ہوتی تو بہت ہی مفید ہوتی، کتب متداولہ حدیث کے ترجمے اور شرح اردو میں دوسرے حضرات نے کئے ہیں جو آج موجود ہیں لیکن مضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کی طرف توجہ کرتا۔ قابل صد مبارکباد ہیں۔

کہ آپ نے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی سعی فرمائی اور صحیح بخاری جیسی اہم کتاب کی اردو میں شرح لکھنی شروع کی خصوصاً امام العصر حضرت رئیس المحدثین فی عصرہ مولانا السید انور شاہ صاحب قدس سرہ کے افادات کو پیش کرنے کا قصد فرمایا ہے تاکہ مجھ جیسے نااہل طلباء کو بھی استفادہ کرنے کا موقع ہاتھ آجائے خدائے وحدہ لا شریک کا شکر ہے کہ آپ نے انوار الباری شرح صحیح البخاری کا مقدمہ جو در حصوں میں پیش کیا ہے اور جو اس میں کاوش کی ہے اس کی داد دینا مستقل ظلم ہے برہنہ اس سے جو امر مزاد یہ قبول اور پردہ گہائی میں پڑے تھے یا ڈال دیے گئے تھے ان سے پردہ ہٹا دیا ہے مقدمہ کے دونوں حصوں کو پڑھا اور زبان سے یہ نکلتا رہا ہے "اللہ کرے زور قلم اور زیادہ" دونوں حصوں میں علم فقہ

و حدیث اور فقہاء و محدثین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ اور تدوین فقہ اور حدیث دانی کی مکمل و مختصر تاریخ پیش کر دی اور بڑی جانکاہی اور کاوش سے ان امور سے پردہ اٹھادیا جو اب تک پردہ خفا میں تھے مقدمہ بہت قیمتی اور بیش بہا معلومات پر مشتمل ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدمہ اردو دان طبقہ کے لیے ہی نہیں بلکہ طلباء علم حدیث اور علماء کے لیے بھی مفید اور تازہ تر مقدمہ ہے اب تک امام صاحب اور ان کے تلامذہ اور حنفی مذہب کے خلاف اور اہل الرائے ہونے کا جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اس مقدمہ نے اس کی اصلی صورت پیش کر دی اور اس کے پردوں کو چاک کر دیا، شاہد و نظائر پیش کر کے ان توہمات و شبہات اور اعتراضات کو دور کر دیا جن پر اغیار نے بنیادیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ جزاکم اللہ عنا و عن صحیح الاحناف دلی مسرت و مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ انوار الباری کی تکمیل اسی کوشش و کاوش کے ساتھ ہو جائے کہ علمی طبقہ اس سے مستفید ہو آئین۔ مقدمہ نایاب تحفہ ہے اور کافی مواد کا جامع ادبام کا دافع اور اعتراض و دلفظ پروپیگنڈہ سے کا قاطع و قائل ہے مسلسل بیماری کی حالت آپ نے دیکھی ہے انہیں امراض میں مبتلا ہوں، پھر کبھی مقدمہ کو پڑھتا رہا اور مستفید ہوتا رہا۔ والسلام۔

سید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند

کتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا المفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کرم فرما محترم مولانا احمد رضا صاحب دام فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا، سب سے پہلے تو یہ معذرت پیش کرنا ہے کہ آپ کے دو گرامی نامے اس عرصہ میں وصول ہوئے ہیں کسی کا بھی جواب نہ دے سکا کیونکہ سرسری دیکھ کر کچھ لکھنا مناسب نہ سمجھا تفصیلی مطالعہ کے انتظار و فرصت میں وقت گذرنا رہا اب کچھ وقت ملا تو سطور ذیل لکھ رہا ہوں۔

انوار الباری اشرح ار دو صحیح بخاری کا پہلے اشتہار نظر پر اس کا شاندار مقدمہ جلد اول مرسلہ آں محترم پہنچا اشتہار دیکھ کر اسی مسرت ہوئی کہ جیسے کسی کی دیرینہ آرزو پوری ہو جائے میرے نزدیک یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ صحیح بخاری کی شرح معتدل اور مناسب انداز میں اردو زبان میں آجائے استاد محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے اپنے آخری درس بخاری کی تقریر کو بڑے اہتمام سے ضبط کرا کر اس پر نظر ثانی فرما کر اسی مقدمہ کے لیے تیار کرا تھا کہ اس کے ذریعہ ایک حد تک یہ مقصد پورا ہو سکے گا مگر فحس و کدوہ مسودہ ہی باہمی اختلافات کی نذر ہو کر رہ گیا۔

آپ نے اس کام کو شروع کیا حضرت استاذ العلام حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے آپ کی خصوصیت اور مجلس علمی کی خدمت سے پہلے سے معلوم تھیں اس لیے بہت ہی مسرت ہوئی کہ یہ کام با حسن اسلوب انجام پا جائے گا اور دعا ہے کہ حسب مراد نفع و مقبول صورت میں انجام پائے مقدمہ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں آپ نے ماشاء اللہ کافی محنت کر کے معلومات کا بہت بڑا مواد کتب حدیث سے جمع فرمادیا ہے۔

دوسرے کتب گرامی میں تحریر فرمایا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ بھر مقدمہ انوار الباری جلد ثانی وصول ہوئی ابھی تک تفصیلی مطالعہ کا وقت نہیں ملا سرسری انداز میں نظر ڈالی ماشاء اللہ ہر حیثیت سے بھتر نظر آئی آپ نے بڑی محنت شاقہ برداشت فرمائی اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی نظر اس پر مرکوز رہے کہ اس زمانے کا اقتدار اہل حدیث نہیں بلکہ منکرین حدیث ہیں اساطین امت اکابر ہمہ شہر کو کسی ایسے انداز سے پیش کرنا جس کی بناء پر منکرین حدیث کو فحس و کدوہ پر جرح کرنے میں بہانہ مل جائے اس کو تعریف میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقت کا سب سے بڑا خطرہ الحمد للہ کی

مخالفت اور حقیقت پر اعتراض کو سمجھ کر اسی کی مدافعت پر زور دیا گیا ہے حالانکہ اس وقت دنیا نے اسلام کو دوسرے قوتوں نے گھیر رکھا ہے ہمارے کسی حرف سے ان قوتوں کو سہارا ملنا ایک مصیبت ہے، بس اس کا خیال ہر قدم پر رکھا جائے، نفس حدیث کی خدمت اس کے ذریعے موجودہ دور کے قوتوں کی مدافعت کو بحث و تحقیق کا اصل محور قرار دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق مزید عطا فرمائے یہ تا کارہ خلائق تو اب کسی کام کار نہیں! آپ حضرات کی مساعی جلیلہ کو کچھ خوش ہو لیتا ہے۔

والسلام بندہ شفیق حقائقہ ۲۹، ۱۱، ۸۱۰

مکتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا ابوالوفا افغانی مدیر احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن زبدۃ الخلائق واخص الاخوان سیادت مآب مولانا سید احمد رضا صاحب دام مجیدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و بکرمہ کتب مبارک شرف صدور لایا موجب مسرت ہوا اس کے نقل مقدمہ انوار الباری کا حصہ ثانیہ بھی وصول ہوا دیکھ کر آنکھوں کے لیے نور ودل کے لیے سرور ہوا اسی سرور لا یمکن تعبیرہ سچ ہے کہ ترک الاولیاء لآخر جلد اول کے مطالعہ سے میں فارغ ہوا، ہدایت کی غلطیوں پر نشانات کرتا گیا نیز جہاں کچھ کلام تھا اس پر بھی نشانات کرتا گیا، لیکن اب فرصت بھی کہاں کہ دوبارہ مراجعت کر کے اپنے تاثرات کی اطلاع دے سکوں! البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ صرف آپ ہی کے لیے مقدر کہ اتنا کام کیا اس کے نقل کسی بڑے سے بڑے عالم سے نہ ہو سکا البتہ تراجم کی ترتیب جیسے چاہئے نہ ہو سکی، تکررات بھی ہوئے اگرچہ اس کے بھی وجوہات ہیں، لیکن حروف تعجم باطبقات پر اسامہ کو مرتب کرنا چاہئے تھا دوسرے حصہ کا مطالعہ تو اب بھی شروع نہیں کیا کیونکہ مواقع موجود ہیں، لیکن نشان زدہ مقامات کے نقلی تراجم کا مطالعہ کر چکا ہوں بخاری کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے زائد لکھنے کا حق تھا جو بھی لکھا ہے بہت ہی احتیاط سے لکھا ہے ہاں ان ہی بزرگوں کی وجہ سے ہم کو ہمیشہ شکست ہی ہوتی رہی ان کو تو گایاں سننے ہی میں مزہ آتا ہے اور السن بالسن و الجروح قصاص کو بھول گئے ہیں آپ سے کوئی تیزی نہیں ہوئی ظالم ابو عبد اللہ مخالف رسول اللہ و اجاز الخداع بین المسلمین دیکھ کر کھینچنے کے گزرنے سے ہی تیزی دفع ہوتی ہے اور بخاری کے متعلق کچھ نہ کہنا چاہئے کیونکہ وہ تو معصوم ہیں آپ تو بہت سے واقعات سے چشم پوشی کر کے گزر گئے، بھلا تھا کی روایت تو کی ہی نہیں نہ اس کا ذکر آیا بخارائے اخراج کے کیا اسباب تھے اس کا بھی ذکر کہاں کیا ناسی سے امام صاحب کی روایت کے اخراج کا قیاس صحیح نہیں، سنن کے رواۃ کے اختلاف کی بنیاد پر ایسا ہوا ہے ابوی السیوطی اور بخاری کی روایت میں امام صاحب کی روایت ہے، مزہ ہنسی کی اور ابن حبانہ کی روایت میں نہیں رواۃ کتاب کی وجہ سے زیادتی کی کتب میں ہوا ہی کرتی ہے۔ موطا کو لکھنے، سنن ابوداؤد کو لکھنے، ضرورت اس کی ہے کہ متعدد نسخ کو جمع کر کے اختلافات جمع کر کے اس کی اشاعت ہونا چاہئے تو تمام روایات ظہور میں آجاتی ہیں جیسے بخاری و ابوداؤد کے لیے اجماع کیا گیا ہے ابن تیمیہ کے متعلق بھی آپ نے بہت ہی نرمی سے کام لیا ہے، مولوی نذیر حسین دہلوی کو ترکی حکومت کی جانب سے کد کمرہ میں تائب کیا گیا اور انہوں نے اقرار کیا کہ میں خفی ہوں اس کا ذکر بھی کرنا چاہئے تھا تو بتا مدامی وقت ان کے دستخط سے مکس شائع ہوا تھا نیز شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق بھی بہت کم لکھا گیا، خفی مذہب پر جتنی ان کی کاری فرمیں ہیں کچھ کم نہیں، کیا مولانا اساعیل دہلوی خفی تھے ان کے اقوال و افعال حقیقت کی ضد کے حامل نہیں؟ نہ معلوم ان کی حقیقت کی کون سی دلیل موجود ہے؟ پشاور کے علماء سے ان کی حقیقت کی تصدیق کرنا چاہئے، مولوی نذیر حسین کا قول ہدایہ پر حاتے وقت وہ ابوظیفہ کو گولی لگی وہ ابویوسف کو دھم کو وہ دفر کو لگا لک شافعی کو گولی لگی سر کران بعض بزرگوں کو بڑی خوشی ہوئی ہوگی، صدیق حسن نے تو احناف کے گھر پر قبضہ کر کے ان کے مال سے ان کے خلاف اس میں دکان لگائی تھی، لیکن اللہ جل شانہ کے فیصلوں کا مقابلہ کون کر سکتا ہے ایسا مبادیا کو لاکھوں روپیہ جو صرف ہوئے تھے دیا بروہے کاٹھ لہم یکن شینا

مذکورہ غرضیکہ آپ نے جو بھی کچھ لکھا ہے حق لکھا ہے اس میں کسی کی پروا نہیں کرنا چاہئے زبانی جمع و خراج مجالس میں رہ جائے گا اور آپ کی کتاب صدیوں یادگار زمانہ ہوگی ان شاء اللہ یہ فضیلت آپ ہی کے لیے لکھی گئی تھی ع برہمی کے واسطے دارورن کہاں احتاف بزرگوں کو صدیوں سے گالیاں کھاتے کھاتے سننے کی عادت ہوگئی اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اس لیے ان کو ناگوار ہے کہ سب و شتم کرنے والے کو دینی زبان سے بھی جواب دیا جائے منکرین حدیث تو اس سے بچتے بھی آپ کے جوابات دینے سے فائدہ اٹھائے ہوئے ہیں آپ کے اقوال کو پیش کرتے رہتے ہیں اس کا کیا جواب ہے کوئی نئی بات نہیں، مسلم نے بخاری کے متعلق کیسے الفاظ استعمال کئے ہیں حاکم نے تو دونوں پر ایسے مواخذہ کیا کہ ایک بڑی کتاب ہی ان کی فروگزاشت میں لکھ ڈالی ابو حاتم نے تو بخاری کی تاریخ پر تاریخ اس لیے مرتب کی کہ اس میں ان کی غلطیاں اور فروگزاشتیں تلائیں ان پر کیوں نگاہ نہیں ہوئی پھر فقہاء احتاف ہمیشہ ان کی تردید کرتے ہی رہے ہیں ابو بکر رازی ابو بکر سرخسی ابو الحسنین قدوسی ثقیفی ابن ہمام امیر کتاب الفقہاء انکر منکرین حدیث ان کے اقوال سے استدلال کریں تو اس کا کیا جواب ہوگا خود امام احمد رحمہ اللہ نے امام مالک و اہل مدینہ پر کچھ نہیں لکھا پھر امام شافعی نے کیا کی کی ابن حزم نے کسے چھوڑا احتاف نے تو اب تک مدافعت ہی کی ہے۔

حالانکہ کتب رجال ان کے ہاتھ میں ہیں۔ اس سے لے کر خود ان کی گالی کا رخ ان ہی طرف پھیرنا چاہئے تھا حارحانہ کا ردوائی ان کی جانب سے ہو تو سر تسلیم خم ہے لیکن ہمارے جانب سے گناہ کبیرہ ہے میں اب دوسری جلد کا تھوڑا تھوڑا مطالعہ کر دوں گا اس کے بعد لکھوں گا لیکن اب بھی فہرست کو دیکھ کر بہت سے مقامات کا مطالعہ کر چکا ہوں آپ نے نہیں بھی تجاویز نہیں کیا یہ اللہ کا فضل ہے آپ پر اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا فیض صحبت ہے۔ ابو الوفا

تبصرہ گرامی مولانا عبدالماجد صاحب دیابادی رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول کے تعارف میں ان صفحات میں اچکا ہے اصل کتاب صحیح بخاری کی شرح انوار الباری ہے جو حافظ حدیث علامہ شیخ انور کاشمیری دیوبندی کے افادات کا مجموعہ ہوگی اور یہ بھی اس کا مفصل دلچسپ اور بصیرت افروز مقدمہ ہے جو دوسری جلد میں ختم ہوا ہے اور اس میں علاوہ امام بخاری امام ترمذی وغیرہ ائمہ حدیث کے چھوٹے بڑوں پچاسوں (بلکہ شاید سینکڑوں) علمائے حدیث کا تذکرہ آگیا ہے کتاب کے مرتب مولانا بجنوری علاوہ اپنے جلالت علم کے بڑے اچھے اہل قلم بھی ہیں اس لیے سارے فنی مباحث کے باوجود ان کے بیان میں خشکی کہیں سے نہیں آنے پائی ہے اور کتاب طلبہ فرائد عام شائقین دونوں کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے۔

ایک بڑی اور بہت بڑی بات یہ ہے کہ ان کے قلم میں توازن ہے وہ احترام ائمہ حدیث و ائمہ فقہ دونوں کا پورا ملحوظ رکھتے ہیں اور پھر بھی ان میں سے کسی کی بھی عصمت و معصومیت کے قائل نہیں ”سوائے انبیاء عظیم السلام کے کوئی معصوم عن الخطا نہیں ائمہ صحاح و ائمہ متوہین کو بھی معصوم نہیں کہہ سکتے“ (صفحہ ۲/۴)

اس مضمون کے فقرے جا بجا ملتے ہیں اور فاضل مرتب نے اسے عملاً بھی خوب بنایا ہے اس دور میں حدیث کی یہ خدمت حدیث ہی کی نہیں بلکہ علم دین کی ایک اہم و قابل قدر خدمت ہے۔

مکتوب گرامی جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

محبت محترم و کرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل قاری رضوان اللہ صاحب سے انوار الباری کا حصہ دوم آپ کے والا نامہ کے ساتھ موصول ہوا فرط اشتیاق میں اسی وقت ادھر ادھر سے پڑھنا شروع کیا جی باغ باغ ہو گیا خدا آپ کو خوش رکھے ماشاء اللہ خوب کام کر رہے ہیں حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی شگرتی اور ذات

جگہ حوالے ہیں اس کے لیے دل سے شکر گزار ہوں میں خواہش مند ہوں کہ اس کی دونوں جلدیں انتہائی رعایتی قیمت پر مجھے بھیج دی جائیں۔ پاکستان میں قیمت ادا کر دوں گا۔ امید ہے کہ جواب سے مشرف فرمایا جاؤں۔

فقد والسلام:- خاکسار محمد ایوب قادری کراچی نمبر ۵۳۱ اگست ۱۹۶۲ء۔

مکتوب گرامی شیخ الفیسر مولانا ذاکر حسن صاحب پھلتی بگھور (مدارس) دام فضلمہ و فوضمہ

مقدمہ انوار الباری ہر دو جلدیں نظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد میرے قلبی تاثرات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تدوین فقہ کے وقت امام اعظمؒ کے پاس ذخیرہ حدیث کی قلت کے گمان کی تردید کس قدر واضح طور پر سیدنا امام بخاری کے ان حالات میں اس حقیقت سے ہو رہی ہے کہ انہوں نے طلب علم حدیث میں متعدد بلاد کا متعدد مرتبہ سفر کیا لیکن کو فہرہ اور بغداد کا سفر اتنی بار فرمایا جس کی کوئی تعداد معین نہیں ہو سکتی یہ اس امر کی بین شہادت ہے کہ امام بخاری کے وجود سے پہلے عراقی مرکز علم حدیث بن چکا تھا اور یہی وہ مرکز ہے جس میں امام اعظمؒ اور آپ کے اصحاب نے فقہ و اصول فقہ کے علوم مدون فرمائے۔

متاخرین کی تصحیف کے بارے میں مقدمہ صفحہ ۲۱/۲ پر جو آپ نے علامہ ابن امیر الحاج کا قول نقل فرمایا ہے وہ درایت اور واقفیت بڑا وزن رکھتا ہے اور اس سے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی حقیقت واضح ہو جاتی، تاریخ حدیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل مکمل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مذہب اور ابوہریرہ بنیاد صحاح ستہ پر ہرگز نہیں ہے بلکہ اس عظیم ذخیرہ احادیث پر تحقیق جس کا کچھ حصہ بروایت صحیحہ و ضعیفہ از متقدمین اصحاب صحاح ستہ کو بھی بعد میں نصیب ہوا اور کچھ کثرت بھی ہو گیا جس کی وجہ سے متاخرین اہل حدیث کو متقدمین سے الگ راہ اختیار کرنی پڑی اور انہوں نے اپنی بساط بھر جو ذخیرہ حدیث جمع کیا تھا اسی پر ان کو اپنے اجتہاد کی اساس قائم کرنی پڑی۔

(۲) آپ کی عمیق تحقیقات سے جلیل القدر محدثین کا محدثین احناف کے ساتھ خطر ناک حد تک تعصبات کا برتاؤ طشت از پا ہو چکا ہے بہت زیادہ قابل تحسین و لائق شکر ہے، عوام تو کیا اکثر علماء بھی محدثین کی جلالت سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ان کے بعض لہجہ و لغوات کو بھی عموماً قبول کرتے رہتے ہیں اور پھر اپنی مذہبی تحقیقات کے بارے میں تردد ہو جاتے ہیں اس تردد کی جھلک ہندوستان کے بعض بڑے بڑے علماء کی تحریرات میں بھی پائی جاتی ہے جہاں کہ آپ نے اس تردد کے رفع ہو جانے کا پورا سامان اس طرح مہیا فرمایا ہے امیر المومنین فی اللہ عیث علامہ ابن مبارک کا تلمذ امام اعظمؒ سے اس قدر اظہار من اخص ہے کہ کئی عالم حدیث اس سے ناواقف نہیں رہ سکتا اس کے باوجود ترجمان مبارک مندرجہ تہذیب میں ان کا اس سے سکوت لاطمی پر کسی طرح بھی محمول نہیں کیا جاسکتا جب کہ وہ مسلم باہر علم اہل اہل جہاں ہیں پھر ان کا یہ سکوت جس امر کی غمازی کر رہا ہے اس کو زبان قلم پر لایا نہیں جاسکتا ہر شخص خود اپنے ضمیر سے دریافت کر سکتا ہے۔

۳۔ مقدمہ صفحہ ۲/۱۹ پر مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی کی یہ لغزش کہ انہوں نے تعلیقات بخاری کو ایسے عظیم ذخیرہ سے ماخوذ بتایا جس سے بعض ذخائر کا وجود بھی امام بخاری کے زمانے میں نہ تھا بڑی عجیب بات ہے شاید وہ مدعی ست گواہ حجت والا قول ایسی ہی حقائق کے لیے کہا گیا ہے۔

۴۔ تاریخ کبیر میں سیدنا امام بخاری کے قول پر بارہ ارجاء امام اعظمؒ و مسکت الناس عنہ و عن واثیہ و حدیثہ کو علامہ کوثری کے جوابات نے مہیا منثور کر دیا ہے اور آپ کے فقہ کا لہجہ اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک تیز ہو لیکن اس احترا میں آپ کو بالکل معذور سمجھتا ہے کیونکہ ان کا یہ قول واقعہ کے بالکل خلاف ہے جب کہ امت کا دو ٹوک حصر ان کے فقہ کو تسلیم کرتا ہے اور سیکڑوں اولیاء کرامؒ نے من جانب اللہ حق مانا ہے شاید سیدنا امام بخاری کے متنتیج کردہ شرائط ان کے ذہن میں روایت عن الرسول تک محدود تھے باقی افراد امت کے بارہ میں وہ ہر کہ دوسری روایت قبول کرنا جزا خیال فرماتے ہوں گے مگر یہ اصول محل نظر ہے جب کہ قرآنی آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق

بنیاء حبیبنا الایق۔ یہ سب کے نزدیک اپنے علوم پر ہے واقعی بلا مرعوبیت و رعایت حسن ادب ان حقائق کو آپ نے درج فرما کر ہم جیسوں کم علموں پر بڑا احسان فرمایا ہے ان تحقیقات کو پڑھ کر دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر طویل و توفیق کا رہائے جلیل عطا فرمائے۔

۵۔ چہرہ کی اتالیقی اور اسطیل بن مرمرہ کی روایت از امام اعظم اور بھران سے امام اعظم کی تضعیف و تنقیص اور جہیت مفروضہ پر استدلال جو تاریخ صغیر کے محترم مؤلف نے اختیار فرمایا ہے تحقیق در سیرج کا وہ عجیب شاہکار ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ کتاب شکوک بھی شاید اس سے زیادہ قوی ہو حیدری کی روایت متعلق سنن جاست کا جواب علامہ کوثری نے اور روایت سفیان بطریق نعم بن حماد کا جواب آپ نے خوب دیا ہے۔ کتاب بغض الفداء الصغیر میں تضعیف امام ابو یوسف کا جواب آپ نے خوب دیا ہے عقل حیران ہے کہ ایسے جلیل القدر محدثین کے ان مسامحات کی آخر کیا تائید کی جائے ایسے ہی شیخ حیدری کے الزامات کی حقیقت جو آپ نے واضح فرمائی ہے۔ جزء القراءۃ خلف الامام میں حضرت امام اعظم پر بے بنیاد الزامات در بارہ جو از مرمرہ بحری ویری السیف علی الامتہ کے لئے حقیقت الزام کا جو جواب آپ نے دیا ہے بڑا مست ہے جزء رفع الیدین میں اڑتے والی روایت از ابن مبارک کے مزاحیہ واقعہ کو استدلال میں پیش کرنا اور وہ بھی ایسے مسلم امام امت کی مصلحت پر، لغو ذہان اللہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح حبک الشیء یعنی یصم۔ صبح ہے اسی طرح بغضک الشیء یعنی یصم۔ بھی اقرع واتی ہے۔

غرض ترجمہ سیدنا امام بخاری کے ذیل میں آپ نے بڑے غور و فکر اور تدبر سے کام لیا ہے اور دفاع عن الاحناف کا حق ادا کر دیا ہے، این کار از تو آید و مرداں چہنیں کنند۔

۶۔ مقدمہ صفحہ ۱۳۰/۱ اور اس کے بعد کے صفحات میں آپ نے جو حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات ذکر فرمائے ہیں بہت ہی قیمتی ہیں جن سے سیدنا امام بخاریؒ کے بارے میں بڑی بصیرت حاصل ہوئی، ادوہام امام بخاری کے عنوان میں بہت سے حقائق کا انکشاف ہوا جن تک ہم جیسے ناکارہ لوگوں کی نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کیونکہ اگر ان پر غور کا ارادہ بھی کیا جائے تو حضرت امام بخاری کا تقدس جو ہم سب کے قلوب میں راسخ ہو چکا ہے مانع ہے۔۔۔ مگر حقیقت پھر حقیقت ہے جس کو واضح ہونا ہی چاہئے۔ سیدنا امام بخاریؒ اور ائمہ متبعین کے درمیان جو فرق مراتب ہے گو وہ محققین کے نزدیک ظاہر ہے لیکن عوام پر بالکل غفی ہے اچھا ہوا کہ آپ نے اس کی خوب وضاحت فرمادی، ادوہام امام بخاریؒ کا ذکر اور پھر اس پر آپ کا محاکمہ دونوں اہم اور قابل لحاظ و لائق مطالعہ ہیں۔

۷۔ مقدمہ صفحہ ۱۴۷/۱ پر جو آپ نے چند ضروری امور کی تنقیح نہایت مختصر طور پر کر دی ہے وہ بڑی ضروری تھی، مثلاً علو احادیث بخاری پر دیگر احادیث پر ان صلاح کے دعوے کی رک کاٹ اور دعوئے قطعیت احادیث بخاری کی حقیقت وغیرہ۔

۸۔ امام طحاویؒ کی غباوہ پر جو روایت عوام دیکھی گئی ہے۔ آپ نے اس کی خوب قلمی کھول دی ہے اور ان کا اپنے ماسوں سے ترک تلمذ اور شیخ کی طرف رجوع کی اصل وجہ صحیح تحریر فرما کر اس عظیم معاذ کو رفع فرمایا۔

۹۔ توافقی امام ترمذیؒ ہمد امام اعظم کی جو چند مثالیں آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔ وہ احناف کے لئے اطمینان قلبی کا باعث ہیں، لیکن اگر مستند رکرو یا جائے تو بڑا مفید تھا شاید بخوف طوالت چندا مثلاً براکتا فرمایا گیا ہے۔

۱۰۔ امام اعظم کے بارہ میں امام نسائی کی تضعیف کا بڑا دندان شکن جواب دیا ہے۔

آفریں باد بریں بہت مردانہ تو!

۱۱۔ امام محمد بن شجاعؒ کی پرانیں جو زوی واہن عدلی کے حملوں کا علامہ کوثریؒ نے جو رد فرمایا ہے اس میں واقعی حق و دفاع ادا کر دیا ہے۔

۱۲۔ ابن جریمؒ کی وصیت علی کا رعب ان کی کتب کے ناظرین پر بہت بڑا دست پڑتا ہے، لیکن حافظہ ذہنی واہن جریمؒ نے اس کی خوب قلمی کھول دی ہے اور ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ نے ان کے تعصب از احناف کا خوب واشکاف فرمایا جس کے مطالعے کے بعد ان کی حق سبحانہ اندے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

۱۳- مقدمہ صفحہ ۲/۱۹۷ امام بیہقیؒ کے خلافیات پر جو آپ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کا ریمارک تحریر فرمایا ہے اسے دیکھ کر طبیعت پھڑک اٹھی بڑا جیتی ریمارک ہے یا ان مصیبت نے حنیہ پر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں اللہ اکبر دیکھ کر تعجب و حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔

۱۴- مقدمہ صفحہ ۲/۱۹۷ پر علامہ ابن تیمیہؒ کے طرز تحقیق و استدلال پر حضرت شاہ صاحبؒ نے جو نقد فرمایا ہے بڑا عجیب ہے تاہم تھیکہ ان کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ نہ کیا جائے عام ذہان اس کو نہیں پاسکتے خصوصاً وہ جوان کی وسعت علمی سے مرعوب ہوں اس ریمارک اور دوسرے شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود بے پایاں وسعت علمی کے ان کی نظر جذباتی زیادہ تھی جو ایک مجاہد کی شان ہے لیکن تحقیقی میدان ایک دوسری چیز ہے۔ یہاں معتدل فکر و نظر کی ضرورت ہے جذباتی رائے کا ہر قول قابل استدلال نہیں ہوتا لیکن ہمارے مہربان غیر مقلدین ان کے ہر قول کو مستدل سمجھتے ہیں اور ہماری تنقید ان کے تمام اقوال کے قابل استناد ہونے نہ ہونے تک ہے ورنہ ان کی جلالت علمی بھی کو مسلم ہے احقر کا خیال ہے کہ علامہ میں جذباتی ابھار بدعات کے کثرت شیوع کی وجہ سے بطور عمل پیدا ہوا ہوگا۔ جس میں آپ معذور تھے یہ معلوم ہو کر کہ علامہ کے اساتذہ میں جلیل القدر احناف محدث بھی تھے۔ ان کے مقلدین کے اس طعن پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ احناف میں محدثین نہیں ہیں بہر حال علامہ کے محاسن ان کی زلات سے زیادہ ہیں لہذا قابل مدح اس امر اور ان ہستیوں میں سے ہیں جن کا وجود امت کے لئے معصنات سے شمار ہوتا ہے رحمہ اللہ رحمۃ و لدعو۔

۱۵- مقدمہ صفحہ ۳۰۲ پر حافظ انیسؒ کا ترجمہ آپ نے نہایت اعتدال ہے ان کا امام اعظمؒ کی طرف سے دفاع قابل صد شکر ہے زیارۃ قبور وغیرہ مسائل میں ائمہ بدعات و اساتذہ گرامی کی محبت و خدمت کے جذبات میں انہوں نے اپنے استاد کی حمایت فرمائی لیکن اگر وہ صرف دلائل سے فیصلہ فرماتے تو امت کے لئے بہت بہتر ہوتا بہر حال ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف ہمارا فرض ہے۔

۱۶- صفحہ ۱۳۳ پر حافظ ابن حجر کے ترجمہ میں طبقہ علماء کوان کے تعصبات سے آپ نے آگاہ فرما کر بڑا احسان فرمایا ہے کیونکہ آج متداول کتب رجال انہیں کی ہیں جن پر عموماً اعتماد کیا جاتا ہے ایک شخص کے تعصب مزاجی کی وجہ سے امت کی ایک عظیم جماعت کا گریا جانا ایسا عظیم مغالطہ ہے جس کی جواب دہی آخرت میں سخت مشکل ہے اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے جس کا مدارک سوائے ان کے تعصبات کو اجاگر کرنے کے اور کسی طرح نہیں کیا جاسکتا لیکن اس موقع پر آپ کے اختصار نے تحقیقی باقی چھوڑ دی کاش مزید اشد دی جاتیں۔

۱۷- صفحہ ۱۲۹ پر حافظ عینیؒ کے ترجمہ اور ان کی عمدۃ القاری کے مزایا و فضائل سے احقر بہت ہی محظوظ ہوں

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

۱۸- صفحہ ۱۵۳ پر علامہ قاسم بن قطلوبغا مصریؒ کا ترجمہ جس انداز سے آپ نے کیا ہے آج تک نظر سے نہیں گزرا تھا۔ ایسے جلیل القدر محدث سے دوسرے تو کیا خود علامہ احناف بھی اکثر ناواقف ہیں ان کی جلالت شان کی شہادت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی حنفی نہیں بلکہ جلیل محدث صاحب شذرات نے ان کو حنا الدہر میں شمار فرمایا ہے۔ **والحمد للہ و جزاکم اللہ خیراً**۔

۱۹- صفحہ ۱۷۸ پر محدثین کی صفت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ترجمہ ایک عمدہ اور ضروری اضافہ ہے جس کا سہرا آپ کے سر ہے ورنہ عموماً لوگ ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے آپ کو پہچانتے ہیں اس سلسلہ میں شیخ عبدالحی محدث دہلویؒ اور مولانا سیالکوٹیؒ کی مخالفت کا اصلی سبب جو آپ نے واضح فرمایا بہت خوب ہے ذکر مخالفت تو سب نے کیا ہے مگر اسباب کی تہ تک پہنچنے کی بہت کم سعی کی گئی ہے۔

۲۰- صفحہ ۱۹۳ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ میں ان کی ابتدائی و انتہائی تحقیق کا فصل آپ نے واضح کر کے اس تر دو کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے جو ان کی ابتدائی تصانیف عقد الجید وغیرہ کے مطالعہ سے ناظرین کو پیدا ہوتا ہے واقعی شیخ ابوطاہر کرویؒ کی محبت و تلمذ کا اثر ان تالیفات میں نمایاں ہے اور ایسا تاثر فطری چیز ہے لیکن ہر محقق کی آخری رائے ہی قابل اعتماد ہوتی ہے جو فیوض الحرمین نے واضح کر دی ہے اور پھر حضرت شاہ صاحب موصوفؒ کی تحریر انھیں عملانے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے آپ کی یہ تلاش و جستجو اور ان کے ترجمہ میں اس کا

اضافہ بڑا قیمتی ہے جس کی جس قدر بھی قدر کی جائے کم ہے، بندہ اس سے بہت زیادہ محظوظ ہوا۔

۲۱- صفحہ ۲۱۲/۲ پر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی مٹھی کے ترجمہ میں یہ حقیقت آپ نے خوب واضح کاف کی کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب جن کی مصحفیت کا ذکر کیا جا رہا ہے ان کو شیخ اہل حضرت شاہ اہل حق صاحب سے علم حدیث میں باقاعدہ تلمذ حاصل نہ تھا اور ان کی سند سند برکت تھی نہ اجازت پھر صاحب تحفۃ الاحوذی وغایت المقصود کے ذہول کا پول کو خوب واضح کیا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات عمل بالحدیث کے مدعی ہو کر اس قدر غلط بیانی اور کذب مرتب سے کیسے کام لیتے ہیں۔

۔ گریس مکتب وہیں ملائح، و مقدمہ صفحہ ۲۲۳/۲ پر خود ان کے ترجمہ میں ان کے اساتذہ کا یہ خوب دیا ہے نیز ان کی اہل وطن کے خلاف انگریزوں سے وفاداری کا راز بھی معلوم ہوا جس کی تصدیق کشن دہلی کا سفارشی خط اور شیخ العلماء کا خطاب اور حطام دنیا کا انعام کر رہا ہے اور کمال یہ کہ یہ سب بھی خود الحیاۃ بعد المات (سوانح صاحب موصوف) کے مصنف کے قلم سے سبحان اللہ واقعی صاحب موصوف کے یہ کمالات ان کی ولایت و محمدیت کے ایسے معجزات و خوارق ہیں جو یہ درکنے کے قائل ہیں۔ تاہم حضرت امام اعظم کے ساتھ ان کے حسن ادب آج کل کے مدعیان اجتہاد کے لئے قابل صد عبرت ہے۔

۲۲- صفحہ ۲۵۹/۲ پر علامہ مبارک پوری کے ترجمہ میں ان کی جلالت کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے تعقبات کی جو چند مثالیں آپ نے دی ہیں ان سے ان حضرات کے معیار تحقیق کا خوب اندازہ ہوتا ہے ان مثالوں اور دیگر امثلہ کو دیکھ کر کہتا پڑتا ہے کہ واقعی حنفیہ مظلوم ہیں عالم ماخوذ اور مظلوم انشاء اللہ منصور ہیں اور تا صر مظلوم باجور باجر عظیم ہوگا۔

۲۳- صفحہ ۲۳۲/۲ پر حضرت علامہ حجتہ اللہ فی الارض انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ کے ترجمہ میں اگرچہ آپ نے ان کی خصوصیات و فضائل و تین صفحات میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن احقر کے نزدیک یہ تذکرہ حضرت والا کی شان تقدس و علم کو واضح کرنے میں ناکافی ہے، ذرا زیادہ وضاحت فرمادیتے تو بہتر ہوتا۔ تاہم تراجم سے جس قدر تعارف کرایا جاسکتا ہے اس کے لئے اس قدر بھی کافی ہے، حقیقہ حضرت والا کی عظیم شخصیت سے تعارف کرانے کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی باہمت بزرگ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (انوار الہاری میں حضرت کے علوم و تحقیقات کا یہ کثرت ذکر اس کی کامداری کرے گا ان شاء اللہ۔

۲۴- احاف محمد شین کا جس قدر آپ نے استفسار فرمایا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔ خصوصاً اس سے اور بھی زیادہ مسرت ہوئی کہ اکثر محدثین ہند کا ذکر بلا تفریق و جماعتی تعصب درج فرمایا گیا ہے، بیشک اہل حق کا مسلک بھی یہی ہوتا چاہئے کہ تمام اہل کمال کا اعتراف کیا جائے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

۲۵- تراجم محمد شین کے بالاستیعاب مطالعہ سے ایک بات یہ محسوس ہوئی کہ بہ نسبت دیگر محدثین کے خفی محمد شین کی اکثریت صاحب زہد و قناعت مشتعل عبادۃ قانز بمراحت قرب و ولایت منقطع عن الدنیا اور راغب الی اللہ تعالیٰ نظر آئی جو جماعت حنفیہ کے لئے باعث صداقت و اعتماد ہے اور یہ وہ آثار مبارکہ ہیں جن سے خفی مسلک کے مقبول عند اللہ ہونے پر استہدایا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ:- یوں تو مجموعی حیثیت سے جلد ثانی کی طرح ساری ہی سیکڑوں عجائب و نوادر علمیہ و تحقیقات عالیہ سے مملو ہے جس کا صحیح اندازہ پورے مطالعہ کے بعد برہنہ کر سکتا ہے، فقیر نے صرف چند مقامات کے بارے میں اپنے تاثرات عرض کئے ہیں، ورنہ ایک مستقل رسالہ اس جلد کے محاسن پر لکھا جاسکتا ہے۔

مکتوب گرامی مولانا حکیم محمد یوسف صاحب قاسمی بخاری دامت فیوضہم

انوار الباری حصہ اول کے بعد حصہ دوم نظر افروز نقشبانی بہتر کشف زاول کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ الحمد للہ جس طرح محسن ظاہری سے آراستہ ہے اس سے بڑھ کر معنوی خوبیوں کا حامل ہے، مطالعہ سے مجھ ایسے ہیچمدان کو پیش بہا اور گراں قدر فوائد حاصل ہوئے، مولف محترم کے لیے ہر بن موسیٰ دعا لگی کہ باری تعالیٰ ان کی حیات نافذ کو اس خدمت جلیلہ کے لیے باقی رکھے تاکہ یہ خدمت اتمام تک پہنچے، اور اس تالیف کو حسن قبول سے نوازے اور باعث نجات و رفع درجات فرمائے اور ان کے سید کو علوم و معارف کے لیے کھول دے۔

ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے اسلاف کرام یعنی ہندی علماء کی خدمات پر جن میں اشاعت متون احادیث و تالیف شروح ہے ہمیشہ فخر کیا ہے اب تک تمام خدمات عربی یا فارسی زبان میں ہوئی ہیں، قسام ازل نے اردو ایسی شستہ اور مقبول عام زبان میں بخاری شریف کی ایک نہایت ہی محققانہ اور بے نظیر شرح کے لیے (جو محققین کی تحقیقات عالیہ اور اکابر متاخرین کے افادات نادرہ پر مشتمل ہوگی) ابھی ایک ہندوستانی عالم محبت محترم حضرت مولانا الحاج سید احمد رضا عاقلہ اللہ وابقاہ کو منتخب فرمایا جو باعث صد ناز و افتخار ہے مقدمہ ہی سے اصل شرح کی افادیت کا اندازہ ہوگا۔

حضرت مصنف تمام احناف کی طرف سے شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خفی مسلک کی تائید و تقویت کے لیے ہمت فرمائی اور قلم اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عزم و ہمت میں برکت عطا فرمائے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگ اس کی اشاعت میں کوشش کریں تاکہ پوری کتاب جلد از جلد منصفہ شہود پر ظاہر ہو، اس وقت حضرت مولف کی یہی قدروانی ہے نہ صرف زبانی تحسین و توصیف:

وانا العبد الصغیف

محمد یوسف قاسمی غفرلہ



انوار الباری

ارز و شرح

صحیح البخاری

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُقَدِّمَةٌ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ انوار الباری کی دو جلدوں میں اکابر محدثین کے حالات و علمی خدمات کا مختصر تعارف کرایا گیا تھا اور جلد دوم کی ابتداء میں امام بخاریؒ کے حالات ۴۰ صفحات میں دیے گئے ہیں اس کے بعد انوار الباری جلد اول کے شروع میں بھی کچھ تذکرہ ہوا اور اسی کی تکمیل اس وقت پیش نظر ہے، ہم کئی بار پوری مصراحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ جہاں تک امام بخاریؒ کی فن حدیث میں غذاقت و جالبہ قد رکا سوال ہے یا ان کی تصحیح بخاری کی حریت و فضیلت دونوں امر بے شک مسلم اور تنقید سے بالاتر ہیں۔

اس مرحلہ سے گزر کر دوسرے امور زیر بحث آتے ہیں اور ہمارے نزدیک جس طرح کئی دونوں باتوں کو زیر بحث لانا علم و انصاف سے بعید ہے اسی طرح دوسری جواب سے صرف نظر کرنا بھی علم و تحقیق اور عدل و انصاف کے مقام سے نازل ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کے درجہ حدیث کی یہ بڑی خصوصیت تھی کہ جہاں وہ معانی حدیث اور شرح احکام فقہیہ پر سیر حاصل کلام فرماتے تھے جہاں سناور محدثین کے صحیح حالات، عادات اور طرز تحقیق وغیرہ پر بھی تبصرہ فرماتے تھے اور اس بارے میں کسی بڑے سے بڑے کی رو رعایت نہیں فرماتے تھے ہماری دانست میں آپؒ نے اپنے تئیں پچیس سال طویل و درودرس حدیث میں کسی وقت بھی کوئی بات عدل و انصاف کے معیار سے نازل ہو کر نہیں فرمائی۔ سارے آخر اجتہاد، سارے محدثین و فقہاء کو ایک نظر سے دیکھتے تھے، تمام مذاہب کو حدیث صحیح اور قتال و آثار صحابہ و ملف کی کسوٹی پر پکھتے تھے، اسی لیے اگر چند مسائل میں آخر خفیہ کی کمزوری دیکھی تو اس کا بھی برطا اقرار کیا اگر حافظ ابن حجر ایسے حضرات کی بے انصافی کو کھول کر بیان کیا تو اکابر محدثین سے شیخ ابن ہام و غیرہ کو بھی تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا۔ اس طرز تحقیق کا درجہ حدیث، حضرت شاہ صاحبؒ کے سوا ہمارے علم میں نہیں اور چونکہ تالیفی صورت سے ایسی جامع کوئی اور کتاب موجود نہیں ہے۔ ابتداء ہماری ذکر کردہ تقریحات و ایضات کچھ لوگوں کو غیر مانوس بھی محسوس ہوں گی، خصوصاً ان لوگوں کو جن کی نظر قدما و محدثین کی طویل علمی ایضات پر نہیں یا جنہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے بلند تر علمی پائے کے ساتھ اپنی کوتاہ نظری یا علمی و مطالعہ کے باعث کوئی مناسبت نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ جس زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے طرز تحقیق اور درجہ حدیث کے خصوصی امتیازات کی شہرت ہوئی تو کچھ قاصر اہلسنت اساتذہ حدیث پر یہ بات گراں گزری تھی کیونکہ وہ اپنے علم و مطالعہ کی کمی کے باعث اس طرز تحقیق کو نہیں چلا سکتے تھے۔ حالانکہ غیر مقلدین کے جارحانہ اقدامات نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے تحقیقی درجہ

حدیث کی ضرورت کو واضح کر دیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت اگر علامہ شوق نیوٹی، حضرت گنگوئی، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا غلیل احمد صاحب ایسے محدثین کی خدمات حدیث و فرائض ہوئیں تو علم حدیث کے میدان میں ہمیں بڑی پسپائی سے دوچار ہونا پڑتا۔

ان سب اکابر کے بعد حضرت شاہ صاحب نے طلب و تحقیق اور وسعت مطالعہ میں نہایت بلند اور غیر معمولی مقام حاصل کیا اور تیرہ سو سال کے علمی و فرائض کھجول ڈالے اور یہ صرف ان ہی کا حق تھا کہ امام بخاری، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر، حافظ ابن ہمام ایسے بلند پایہ محققین پر نقد و نظر کر گئے جب کہ نہ صرف ان حضرات کا برکی جلالیت قدر اور عظمت و وجاہت عند اللہ کے پوری طرح محترف تھے اور متبع بھر کر ان کی مدح و ثناء فرمایا کرتے تھے بلکہ ہر مخالف و معاند کے بھی جائز فضل و شرف اور علمی و دینی قدر و منزلت کا کھلے دل سے اظہار و اعتراف فرمایا کرتے تھے یہاں ہمیں ضرورت و مناسبت مقام کے لحاظ سے کچھ چیزیں حضرت امام بخاری کے بارے میں ہی لکھنی ہیں۔

حضرت امام بخاری خود مجتہد تھے اور ان کی فقہی عظمت تراجم ابواب سے ظاہر ہے جن میں فقہ، اصول فقہ اور کلام وغیرہ سب علوم سمائے ہوئے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس فقہی جانب کو وہ اختیار کرتے ہیں تو دوسری جانب کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور اس کی کوئی دلیل بھی ذکر نہیں کرتے نہ حدیث لاتے ہیں اگرچہ وہ ان کی شرط ہی پر ہو اور خود صحیح بخاری میں بھی دوسری جگہ ہو لیکن اس باب میں نہیں لاتے دوسرے باب میں دوسرے مسئلہ پر استہدائے کرنے کے لیے ذکر کریں گے۔ بخلاف امام ترمذی و امام داؤد نسائی کے کہ وہ ہر دو جانب موافق و مخالف کے باب باندھتے ہیں اور دونوں کی احادیث بھی ذکر کرتے ہیں۔

(لاحظہ ہو تہذیب الفقہ، ص ۱۸، کشف الاستحسان، ص ۳۹، ص ۵۰، ۹۵ و مقدمہ فیض الہاری ص ۲۷، فیض الہاری ص ۳۰، ۲۱، ۲۶)

اسی طرح امام بخاری نے خود توجہ کثرت قیاس کا استعمال کیا ہے مگر قائلین قیاس پر بہت کچھ تنقید کی ہے جس کی توجہ حضرت شاہ صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری تنقیح مناط پر عمل کرتے ہیں جو مجتہد قیاس سے الگ ہے حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری کے مختارات کسی کتاب میں جمع نہیں کئے گئے جس طرح دوسرے آئمہ مجتہدین کے مختارات مستقل کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں۔ (فیض ص ۱/۲۳۵)۔

امام بخاری کے مختارات وہ بھی ہیں جو دوسرے آئمہ مجتہدین کی آراء و مسائل کے موافق ہیں اور وہ بھی جو سب سے الگ ہیں حضرت شاہ صاحب کی رائے تھی کہ بحیثیت مجموعی آئمہ حنفیہ کی موافقت زیادہ ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ قال بعض الناس میں امام صاحب ہی مراد ہوں یا ہر جگہ اس کلمہ سے مخالفت ہی مقصود ہو بلکہ موافقت کے مواقع میں بھی لکھا ہے مثلاً باب اذا وقف اداوصی لا تارہ بہ تحت ص ۳۸۵ بخاری میں لکھا قال بعضهم اذا اوصی لقوا ابنہ فہوالی آباءہ فی اسلام یہاں بعض سے مراد امام ابو یوسف ہیں اور بخاری، امام بخاری نے ان کی موافقت بھی کی ہے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ امام بخاری نے اکثر مسائل وقف میں امام اعظم کے صاحبین کی موافقت کی ہے کیونکہ اس بارے میں انہوں نے محمد بن عبداللہ انصاری کی کتاب الوقف پر اعتماد کیا ہے اور وہ حضرت امام زفر کے ارشاد تلخاۃ میں سے تھے ان کے نزدیک روپیہ کا وقف بھی جائز تھا کہ اصل رقم محفوظ رہے اور اس کے منافع مصارف خیر میں خرچ ہوتے رہیں اور اس پر عمل بھی قسطہ میں رہا ہے (کمال عالمگیر بیمن الانصاری)

امام بخاری نے شکی موقف سے انقطاع کے جواز میں بھی ہماری موافقت کی ہے مگر وہ اس باب کے تحت حدیث رکوب الہدیٰ کو لائے ہیں حالانکہ ہدیٰ اور وقف میں فرق ہے کیونکہ امام بخاری ایسے دقیق فروق کی پروا نہیں کرتے اور معمولی مناسبتوں سے ایک باب کی احادیث دوسرے باب میں ذکر کر دیتے ہیں۔

جن مسائل میں امام بخاری نے دوسرے آئمہ مجتہدین سے الگ راہ اختیار کی ہے وہ بھی بڑی تعداد میں ہیں مثلاً آئمہ حنفیہ کے نزدیک نماز جماعت میں حدیث الامام ضامن کی وجہ سے نقصان کی رعایت بدرجہ غایت ہے یعنی امام کی نماز نماز مقتدی کو اپنے حصے میں لینے

والی ہے اور اسی لئے نماز مقتدی کی صحت و فساد نماز امام پر موقوف ہے شوافع نے اس بارے میں توسع اختیار کیا اور کہا کہ امام کی نماز کا فساد وغیرہ نماز مقتدی پر اثر انداز نہیں ہوتا نہ اقتداء کی زیادہ شرائط ہیں اسی لئے ان کے یہاں فرض نماز نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے بھی صحیح ہے بلکہ امام ایک وقت کی نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے دوسرے وقت کی نماز والے بھی اقتداء کر سکتے ہیں۔ لیکن امام بخاری توسع میں شوافع سے بھی آگے بڑھ گئے اور فرمایا کہ مقتدی کی تحریر اگر امام کی تحریر سے مقدم بھی ہو جائے تو اقتداء درست ہے (فیض الہاری ص ۱/۲)

امام بخاری کے نزدیک حیض والی عورت اور جنسی فیض کو قرآن مجید کی قرأت جائز ہے اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ ان کے یہاں مس مصحف کا معاملہ بھی ہلکا ہے امام بخاری کا یہ مسلک جمہور کے خلاف ہے امام بخاری کا استدلال چند آثار سے ہے اور جمہور نے احادیث مرفوعہ سے استدلال کیا ہے جن میں ممانعت ہے اور ان کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری جب کسی فقہی مسئلہ کا اختیار فرما لیتے تھے تو پھر آثار غیر مرفوعہ کے مقابلہ میں احادیث مرفوعہ کی تادیل کرتے تھے (حضرت شاہ صاحبؒ ایسے مواقع میں فرمایا کرتے کہ اس کی فقہ حدیث تک سرائت کر گئی حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ حدیث فقہ میں سرائت کرے۔ حضرت کا یہ جملہ نہایت بیش قیمت ہے اور اس کی تفصیل پھر کسی وقت کی جائے گی یا کہا جائے کہ وہ احادیث ان کو نہیں پہنچیں جو امر مستحب ہے اس قسم کے مسائل بہت ہیں جن میں امام بخاری کی فقہی رائے جمہور یا آخر مجتہدین مشہورین کے خلاف ہے اور ہم نے چند اور مسائل بھی یہاں ذکر کرنے کا قصد کیا تھا مگر بطور مثال یہ بھی کافی ہیں یہاں قلت گنجائش کے باوجود اتنی بات اور عرض کرنی ہے کہ امام بخاری نے جہاں تنقید رجال میں بے ضرورت شدت اختیار کی ہے وہاں مسائل میں بھی ان کی شدت نمایاں ہے مثلاً قرآن فاتحہ اور رفع یدین کے مسائل میں ان کے مستقل رسالے موجود ہیں ان پر مستقل تنقیدی ابحاث انوار الہاری میں اپنے موقع پر آئیں گی اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ان ہی مسائل پر اپنے مستقل رسائل میں بہترین محدثان کا نام کیا ہے مگر یہاں چند اشارات کئے جاتے ہیں۔

قرآن فاتحہ علق الامام کے بارے میں امام بخاری کا تشدد شوافع سے بھی بڑھ گیا کیونکہ ایک متواتر طور سے ثابت شدہ مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے اس کی وہ رکعت ہو جاتی ہے مگر امام بخاری نے فرمایا کہ فاتحہ نہ پڑھنے کے سبب وہ رکعت اس کو نہیں ملی (دیکھو جزم القرآن للبخاری) دوسری بات یہ کہ امام بخاری نے موقع ملنے پر ایسے مقتدی کو رکوع میں بھی قرأت فاتحہ کی اجازت دی ہے حالانکہ مسلم شریف میں حدیث موجود ہے جس سے رکوع و سجود کے بعد قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے امام بخاری نے اس حدیث کا کچھ خیال نہیں کیا۔ (فیض الہاری ص ۱۲/۲)

امام بخاریؒ کے اس مسئلہ کی تادیل کرنی پڑی ہے بعض حضرات نے کہا کہ امام بخاری نے مقتدی کے لئے مجبور ہو کر اور بادل نخواستہ یہ اجازت دی ہے کہ کیونکہ حدیث کے خلاف ہے بعض نے کہا کہ ان کی یہ اجازت بطور رخصت ہے بطور رعیت نہیں ہے وغیرہ اسی طرح امام بخاری نے رفع یدین کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے حتیٰ کہ سالہ رفع یدین میں یہ بھی فرمایا کہ کسی ایک صحابی سے بھی عدم رفع ثابت نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نئی الفرقہ دین ص ۵۲، ۵۳ میں اس پر عمدہ بحث کی ہے اور ص ۱۳۲ میں ”مصنف“ سے امام کو کج ابواب اسامہ عن شعبہ عن ابی اسحاق روایت نقل کی ہے کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود و اصحاب علی رضی اللہ عنہم صرف شروع نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ترک رفع یدین نقل کر کے لکھا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین وغیرہ میں سے بہت سے اہل علم کا مذہب ترک رفع ہے اور یہی قول حضرت سفیان اور اہل کوفہ کا ہے۔ امام بخاری کے آخر حنفیہ کے خلاف زیادہ تشدد کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے مسائل حنفیہ کے بارے میں ان کو مخالف ہوا اور غلط بات پراختار کر لیا حالانکہ وہ ہمارا مسلک نہیں تھا ہم نے اس کی طرف اشارہ حضرت شاہ صاحب کے ملحوظات عالیہ سے بھی کیا ہے اور مفصل ابحاث اپنے مواقع پر آئیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ومنا التوفیق للعواب والسادہ (ع) لعل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

باب: من قال ان الايمان هو العمل لقول الله تعالى وتلك الجنة التي اوردتموها بما كنتم تعملون وقال عدة من اهل العلم في قوله تعالى فوريك نستلهم اجمعين عما كانوا يعملون عن قول لا اله الا الله وقال لمثل هذا فليعمل العاملون.

۲۵- حدثنا احمد بن يونس و موسى بن اسمعيل قالوا حدثنا ابراهيم بن سعد قال حدثنا ابن شهاب عن سعد بن المسيب عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل اى العمل الفضل فقال ايمان بالله و رسوله قبل ثمة ماذا قال الجهاد في سبيل الله قبل ثمة ماذا قال حج مبرور.

باب ”جس نے کہا کہ ایمان عمل (کا نام) ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور یہ جنت ہے جس کے وارث تم اپنے اعمال کے بدلے میں ہوئے ہو اور یہ کہ اگر باہر علم ارشاد باری فوریک اس (اس آیت کی تفسیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہاں عمل سے مراد لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عمل کرنے والوں کو اسی جیسا عمل کرنا چاہئے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا“۔ کہا گیا اس کے بعد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنا“ کہا گیا پھر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”حج مبرور“۔

تشریح: پہلے ابواب میں امام بخاری بتلا چکے ہیں کہ اعمال کی ایمان میں خاص حیثیت ہے اور یہ تو سب ہی کو تسلیم ہے کہ اعمال ہی سے ایمان کی حفاظت و ترقی ہوتی ہے اور ترک اعمال واجہ و ارتکاب کھارے سے ایمان کمزور ہوتا ہے نور ایمان کو ظلمت عصیان گھیر لیتی ہے یہاں امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان عمل ہی ہے اور ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے جیسے مرجع کرامیہ ”لیکن اگر امام بخاری کا مقصد یہ ہو کہ اعمال کو اجزاء ایمان ثابت کریں تو یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی، چنانچہ علامہ قسطلانی نے لکھا کہ امام بخاری نے آیت لمثل هذا فليعمل العاملون سے اگر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ عمل اجزاء ایمان سے ہے تو یہ استدلال درست نہیں کیونکہ عمل کا لفظ آیت میں عام ہے اس سے مراد ایمان لینا دعویٰ مخصوص بلا برہان ہے جو مقبول نہیں لہذا اس سے ان لوگوں کی تردید نہیں ہو سکتی جو اعمال کی اہمیت تو مانتے ہیں مگر ان کو داخل ماہیت ایمان نہیں سمجھتے البتہ اگر مراد یہ ہے کہ آیت میں عمل کا اطلاق ایمان پر ہوا ہے تو یہ اس حیثیت سے درست ہے کہ ایمان عمل قلب ہے جو تدریق ہے اور اس بات میں کوئی نزاع نہیں ہے لہذا امام بخاری کی غرض اس باب سے یا دوسرے اس قسم کے ابواب سے جزئیات اعمال کا محو و نام تمام ہے۔ (کمالات بغضی) (شروع البخاری ۱/۱۶۸)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ امام بخاری کا مقصد یہاں یہ بتلانا ہے کہ ایمان عمل قلب ہے جس طرح پہلے ایک باب میں معرفت کو فعل قلب کہا تھا اور آیات و احادیث میں جو عمل کا ایمان پر اطلاق ہوا ہے وہ بھی اسی حیثیت سے ہے کہ ایمان اکبر اعمال ہے یہ مقصد نہیں کہ ”بما تعملون“ میں عمل کو مختصر سمجھ لیا جائے ایمان میں اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا اور آپ نے جواب ”ایمان“ سے دیا تو یہی بات واضح ہوئی کہ ایمان عمل ہے۔ حدیث ابواب میں سب سے افضل عمل تصدیق قلبی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق ہے اس کے بعد سب سے افضل اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا اور پھر حج مبرور فرمایا۔

حج مبرور کے متعدد معانی منقول ہیں۔ (۱) پورے ارکان کے ساتھ صحیح ادا کرنا (۲) ایسا حج جس میں رفعت فوق چدال اور دوسرے نگاہ شامل نہ ہوں۔ (۳) ایسا حج جس میں ریا و خود شہرت و بڑائی مقصود نہ ہو (۴) ایسا حج جو عند اللہ مقبول ہو پھر عند اللہ مقبولیت کی

علامت علانے یہ کہی ہے کہ حج کے بعد حج کرنے والے کی دینی حالت پہلے سے بہتر ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر خدا خواست دینی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جائے تو وہ حج کی ناقبولیت کی بڑی علامت ہے اور وہ کسی بڑی غلطی اور گناہ کا نتیجہ ہے خدا محفوظ رکھے اس لئے اتنی بڑی عظیم الشان عبادت کی توفیق اگر مل جائے تو ارادہ سفر حج سے وقت و ایسی تک نہایت زیادہ صحیح نیت مال کی پاکیزگی تمام دوسرے اعمال و اخلاق کی درستی معاملات کی صحت و صفائی حقوق العباد کی پوری ادائیگی وغیرہ کی طرف توجہ کی جائے یہ سفر خلائی کا پٹا کمر سے باندھ کر سراپا مجروح و نیاز ہو کر اپنے آقا و مولارب کریم جل جہدہ کے باجروت دربار کی حاضری اور محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچوں کی خاک چھاننے کے لئے ہے اس لئے جہاں یہ زندگی کی سب سے بڑی سعادت اور فلاح و کامرانی کی بہت بڑی ضمانت ہے وہاں معمولی غفلت کوتاہی یا غلطی بھی بعض اوقات بہت بڑی بدبختی کا سر و سامان بن سکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حج کی عبادت باطن کے کھوکھٹ یا کھرے پن کو نمایاں کر دیتی ہے یعنی اگر پہلے سے دینی و اخلاقی خرابیاں موجود ہیں اور ان کی اصلاح نہیں کی تو وہ فاسد مادہ اور ابھر جاتا ہے اور اگر بہتر ملکات و حالات پہلے سے ہیں اور اصلاح حال کی مزید فکر رہتی ہے تو اس مقدس عبادت کی برکت سے ان میں ترقی و نشو و نما ہوتا ہے معلوم ہوا کہ سفر حج سے قبل اپنی اصلاح حال کی فکر بہت زیادہ کرنی چاہئے تاکہ اپنے حال و حال ظاہر و باطن کو بہتر سے بہتر بنا کر وہاں کی حاضری دی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضی کے موافق عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بحث و نظر: افضل اعمال کی تعیین و ترتیب مختلف صورتوں سے وارد ہوئی ہے حدیث الباب میں ایمان کے بعد جہاد پھر حج ہے حدیث الہی و زمین حج کا ذکر نہیں متفق کا ذکر ہے حدیث ابن مسعود میں پہلے نماز پھر بر والدین پھر جہاد ہے اور ایک حدیث میں ہاتھ و زبان کی سلامتی کا ذکر ہے۔ یہ سب احادیث صحیح ہیں پھر اختلاف کیوں ہے؟

جواب یہ ہے کہ جو احوال کا اختلاف سوال کرنے والے اشخاص اور ان کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہے جس کو اس کے حسب حال و ضرورت جس عمل کی رغبت دلائی مقصود تھی وہی ذکر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ انفعلیت من کل الوجہ کا بیان مقصود نہیں ہوتا اور بعض اوقات کسی وقتی ضرورت و اہمیت کے باعث بھی کسی عمل کی اہمیت و انفعلیت قائم ہو جاتی ہے اس لئے اصولی بات یہی ہے کہ جس وقت کسی عمل کی زیادہ احتیاج و ضرورت ہو۔ اس وقت وہی عمل زیادہ افضل ہے۔

یہاں امام بخاری نے جو آیت سورہ زخرف کی پیش کی ہے فلیک الجنة النعی اور لعموھا بما کنتم تعملون میں مؤمنین کے لئے جنت کا حصول بطور وراثت اور بعض اعمال بتلایا گیا ہے اور آیت سورہ توبہ میں ان اللہ اشعری من المومنین الفسھم و اموالھم بان لھم الجنة سے صرف بطور عرض اعمال مفہوم ہوتا ہے اس لئے یہاں وراثت کا مطلب معلوم ہوتا چاہئے۔ کیونکہ وراثت کا عام مفہوم کسی میت کے چھوڑے ہوئے مال کا مالک ہونا ہے جو حق تعالیٰ جل و ذکرہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

اس اشکال کو پیش کر کے علامہ محقق حافظ حنفی نے جواب دیا کہ یہ باب تفسیر سے ہے نہ تفسیر نے کہا جس طرح میت کا باقی مال ورثہ کی ملکیت میں آ کر ان کے پاس آ کر اپنے ذاتی اموال کی طرح باقی رہتا ہے اور کوئی اس کو حین نہیں سکتا۔ یہاں بھی جنت مومنوں کے پاس ہمیشہ رہے گی تو گویا جنت کے اندر تفسیر ہوئی اور ہاتوں میں نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ مورث کا فرکو قرآن دیا جائے۔

۱۔ کیونکہ ہر شخص کے لئے دو دھکائے آخرت میں بنائے گئے ہیں ایک جنت میں دوسرا جہنم میں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر اہل جنت کو اس کا حصہ جہنم کا بھی دیا جائے گا۔ جس پر وہ شجر خدا بھالے گا اور کہے گا کہ اگر خدا مجھے ہدایت دے گا تو میں جہنم میں جاتا ہوں اسی طرح اہل نار کو اس کا حصہ جنت کا دیا جائے گا جس پر وہ شجر کرتے گا کاش! خداوند تعالیٰ مجھے بھی ہدایت دے (نسائی ابن ماجہ ابوداؤد ترمذی ابن کثیر ص ۱۸۵)

چونکہ اس کا حصہ جنت میں تھا جس سے وہ کفر کی وجہ سے محروم ہو گیا اس لئے اس کا حصہ بھی منتقل ہو کر مومن کو مل گیا اور بطور وراثت ملنے کی صورت ہو گئی تیسرا جواب یہ کہ مورث خدا نے تعالیٰ ہی کو کہا جائے اور بطور مجاز کے وراثت کو بمعنی عطایا جائے گویا عطاء کو (تحقق استحقاق کے اندر) ایراث کے ساتھ تشبیہ دی گئی (عمدة القاری ص ۲۱۵)

تحقق بیضاوی نے یہ توضیح کی کہ جزا عمل کو میراث سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح میراث مورث کے بعد رہ جاتی ہے عمل کرنے والے کے بعد اس کے عمل کی جزا پیچھے رہ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اوپر کی وضاحت و تفصیل کے بعد یہ بات صاف ہو گئی کہ جنت کا حصول بطور جزا عوض ہوگا جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت اشتراسے بھی معلوم ہوتا ہے اس کے تفسیری فوائد (مؤلفہ حضرت علامہ مٹھی) سے مستفید ہو کر اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔

”اس سے زیادہ سودمند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیر سی جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدس خریدار بنا ہماری جان و مال کو جو فی الحقیقت اسی کی مخلوق و مملوک ہے۔ محض ادنیٰ مل بست سے ہماری طرف نسبت کر کے ”مبیع“ قرار دیا جو عقد حق میں مقصود بالذات ہوتی ہے اور جنت جیسے اعلیٰ ترین مقام (یا بہترین دولت لازوال) کو اس کا ”مشتن“ (قیمت) بتلایا جو مبیع (خریدنی چیز) کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ ہوا کرتا ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جنت میں نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال و خطرہ گزرا“۔ اب خیال کرو کہ جان و مال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں انہیں جنت کی قیمت دشمن نہیں بتایا۔ نہ اس طرح کیا کہ حق تعالیٰ بائع ہوتے، ہم مشتری ہوتے، یہ حق تعالیٰ کے لطف و کرم کی حد ہے کہ ذرا سی حقیر چیز کے معاوضہ میں جنت جیسی لازوال و قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا جیسا کہ بائع کی جگہ ہن محکم الجبر فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے۔

نیم جان بستاند و صد جاں دہد آنگہ در دہشت نمایاں دہد

جان دئی ہوئی اسی کی تمہی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بحر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لئے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں بلکہ صرف اتنا مقصود ہے کہ جب کبھی موقع و ضرورت پیش آئے جان و مال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کو تیار ہیں دینے سے کھل نہ کریں خواہ وہ لیں یا نہ لیں اسی کے پاس چھوڑے رکھیں اسی لئے فرمایا ”یقاتلون فی سبیل اللہ یقتلون و یقتلون“۔ یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے اس کے بعد ماریں یا مارے جائیں دونوں صورتوں میں عقد پورا ہو گیا اور قیمتی طور پر قیمت کے مستحق ٹھہر گئے۔

۱۔ گویا دنیا کے تمام مسلمان مرد و عورت خدا کی ریح روڈ فوج ہے نماز ان کی فوجی پریہ ہے جو اپنے آقا و شہنشاہ کی بندگی و اطاعت و قادیاری و فرائیض و امر و نہی و رعایت و رعایا کے لئے (مسیح ہم فی وجوہہم من اللہ السجود) جو کسی وقت اور کسی حال میں نہیں چھوڑا جاسکتا حزب اللہ حزب اللہ میں یہی خطا قائل ہے صحابہ کرام کا ارشاد ہے کہ ہم مسلمان و غیر مسلمان کا فرق نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے ہی سے کرتے تھے۔ دینیوں کو جوں کی پر یہ قوائے ہم و بدن کی ترقی کے لئے ہے لیکن اسلامی پریہ کا واحد مقصد قوائے روحانی کی ترقی ہے کیونکہ نماز ساری عبادات اسلامی کی سر تاج تمام روحانی کمالات کا سرچشمہ اور وصول و تعلق مع اللہ کی بڑی ضمانت ہے اس کا نورانی جز و صرف خدا کی عبادت و اطاعت کا اقرار و صرف اسی سے ہر قسم کی بد و فحش حاصل کرنے کا منہ اور اس کے ہر نافرمان و غیر متبع بندے سے قطع تعلق کا اعلان ہے۔ اگر یہ سب چیزیں نماز کی بندگی پر ہی حاصل نہیں تو وہ نماز اپنی حقیقت و مغز سے خالی ہے غرض صبح کے طور سے نماز پڑھنے والے مسلمان حزب اللہ (خدا کی فوج) ہیں جو ہر وقت خدا کی احکام کی تعمیل کے لئے دست بستہ و مستعد و تیار ہیں۔

۲۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ میدان جہاد میں جا کر مارے ہی جائیں یا بھی پیش ہوتا ہے کہ قاتل و منصور ہو کر اپنی جان میں سلامت کے کراہیں اور بھٹا مال راہ خدا میں صرف کیا تھا اس سے کہیں زیادہ بطور نصرت لے آتے ہیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس سے کہی جلد میں گزر چکا ہے بیسیوں میدان جنگ میں شریک ہوئے، ہم میں کوئی جگہ باقی نہ تھی جس تیر کو مارے نہ زمین نہ ہوں مگر پک دقات بستر ہوئی۔

جب یہ تفریح سامنے آگئی کہ دخول جنت بعض اعمال ہوگا تو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بسبب اعمال نہ ہوگا کیونکہ ہماری معرفت حق معرفت سے نازل تر اور اعمال حق اعمال سے قاصر درقا صریح کوئی بڑے سے بڑا ولی مقرب بھی خیال نہیں کر سکتا کہ اس کی معرفت و عبادت حق تعالیٰ کی شان بے چون و بے چوک کے لائق ہے اس لئے ایمان و اعمال کو دخول جنت کا سبب حقیقی بنانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اول تو زلات و معاصی کی سد سکندری ہمارے اور جنت کے درمیان بہت بڑی حائل و فاصل ہے۔ اس کو وہ اپنی شان کریبی سے ہٹا دیں اور مغفرت سے نواز دیں، پھر ہماری ناقص معرفت و عبادت کو محض اپنے فضل و انعام سے شرف قبول بھی عطا فرمادیں تو وہ اس لائق کہاں کہ ان کے عوض حق تعالیٰ اپنی جنت نعیم اپنے رضوان عظیم اور دیدار عظیم جیسے انعامات احسانات و تشریفات سے نوازیں۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و دہم وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفر تمام گشت و پیاپاں رسید عمر ما بچہاں در اول وصف تو ماندہ ایم

اس لئے بہت سے عارفین کمالین نے تو حمد و ثناء کی تسلیل مافی کی شنآوری کو بھی احتیاط سے بالاتر قرار دیا کہ مہاد کوئی غلطی و خطا سرزد ہو جائے اور سنگبار یا دگمناہ لازم ہو۔ انہوں نے کہا۔

زلف حمد و ثناء اولی است برخاک ادب سخن ثنائے تو ان گفتن در دے بی تو ان سخن

(سید سید شہناز و درود پڑھو بہت زیادہ خیالی گھوڑے مت دوڑاؤ)

اس سے معلوم ہوا ہے کہ حدیث الباب اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں آیا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ فرمایا میں بھی نہیں، مجرا کے کہ خدا نے برتر مجھ کو اپنی رحمت کی نوازشوں سے دھاک دے جب افضل خائف، حذیفہ، ابوحنیفہ، نجرانیا، دہم (ابو احسان فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں ایسا فرمائیں تو دوسروں کا حال معلوم۔ وجود ہی ہے کہ اعمال میں خود صلاحیت دخول جنت کے سبب حقیقی بننے کی نہیں ہے اس کے لئے اس کی رحمت، قبولیت اور خصوصی فضل و انعام ہی درکار ہے۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا جائے کہ جب اعمال پر ہمارے شخص اس کے فضل و کرم پر ہے تو ہم اصلاح اعمال، تکمیل اخلاق اور واجبات اسلام کی ادائیگی میں تساہل برتنے لگیں، کیونکہ ہم سے مطالبہ پوری پوری طرح اطاعت و فرمانبرداری کا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (بقرہ) اے ایمان والو! اسلام کو پورا پورا قبول کرو۔ یعنی ظاہر و باطن، عقیدہ و عمل میں تمام احکام اسلام کا اتباع کرو۔ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاہ و لا تموتن الا وانتم مسلمون (آل عمران) اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا اس سے ڈرنا چاہئے اور تمہاری موت بہر حال اسلام ہی پر آئی چاہئے۔ ام حسبکم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم الایۃ (بقرہ) کیا تم نے سمجھ لیا کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور تم سے سخت سخت امتحان پہلے مسلمانوں جیسے نہ جائیں گے و اما الذین سعد و الفی الجنة (ہود) جنت میں نیک بخت لوگ جائیں گے، فلک الجنة الی نووٹ من عبادنا من کان تقیا الذین سعد و الفی الجنة (مریم) ہم اپنی جنت کا وارث و مستحق اپنے بندوں میں سے صرف ان کو بنائیں گے جو متقی و پرہیزگار ہوں گے۔ للذین اتقوا عند و بہم جنات آلایۃ (آل عمران) صرف متقی پرہیزگاروں ہی کے لئے خدا کے یہاں جنتیں ہیں فمن زحزح عن النار و ادخل الجنة فقد فاز (آل عمران) وہی شخص حقیقت میں کامیاب ہوا جس نے اپنے اعمال و کردار کے ذریعے دوزخ سے دوری اور جنت کے دخول کی سعادت حاصل کر لی پھر بیسیوں آیات میں اہل جنت کے اعمال و اوصاف اور مستحقین جنم کے افعال و خصال بتلائے ہیں راقم الحروف نے ایسی بہت آیات یکجا جمع کی ہیں کہ یہاں بخوف طوالت ذکر نہیں کی گئیں۔

ام بخاری نے اپنے استدلال کے لئے دوسری آیت پیش کی کہ لیسئلہم اجمعین عما کانوا یعملون کہ بہت سے اہل

علم نے یہاں عمل سے مراد قول لا الہ الا اللہ سمجھا ہے یعنی ایمان اس پر حافظ مہدی نے امام نووی کا قول پیش کیا کہ اس آیت میں دوسری وجہ بھی ہے اور وہی مختار و پسندیدہ بھی ہے یعنی ایمان سے تمام اعمال تکلیف کے بارے میں سوال کریں گے اور جس نے اس کو کفر توحید کے ساتھ خاص کیا اس کا دعویٰ تخصیص بلا دلیل ہے لہذا مقبول نہیں پھر پہلے لوگوں کو استدلال حدیث ترمذی نقل کر کے اس کی تصحیف کی۔ (عمدہ ص ۱/۲۱۵)

اس کے بعد حافظ مہدی نے امام بخاری کے تیسرے استدلال آیت لعنل هذا فلیعمل العالمون پر لکھا کہ یہاں بھی استدلال جب صحیح ہو سکتا ہے کہ عمل کو بمعنی ایمان لیا جائے حالانکہ یہ بھی دعوئے تخصیص پر دلیل وغیرہ مقبول ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ

گذشتہ حدیث کی بحث و نظر میں جہاد و قتال پر حسب ضرورت لکھا جا چکا ہے اس حدیث میں ایمان کے بعد افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو فرمایا ہے جس کی غرض صرف اعلاۃ کلمۃ اللہ ہوئی ہے اور جیسا کہ پہلے بھی وضاحت کی گئی جو قتال یا جنگ کسی دنیاوی غرض، ملکی فتوحات، مذہبی مصیبت یا جذبہ انتقام کے سبب ہو تو وہ اسلامی شریعت کی نظر میں نہ مطلوب ہے نہ محمود پھر اسلامی جہاد کو بعض لوگوں نے صرف دفاعی جہاد میں محدود کر دیا ہے مثلاً مولوی چراغ علی مرحوم نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی جس کا اردو ترجمہ ”تحقیق المجاہدہ کے نام سے مدت ہوئی شائع ہوا تھا۔ انہوں نے پورا زور اس پر صرف کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جتنے غزوات و سرایا ہوئے وہ سب دفاعی تھے۔ اور آیات جہاد و قتال میں بھی ترجموں کے اندر بریکٹ لگا کر سب کا رخ دفاع کی طرف پھیر دیا عادت سے تعرض نہیں کیا، فقہاء و محدثین کی توان کے یہاں کوئی وقت ہی نہیں پھر ان کی بات کو کیا اہمیت دیتے، جگہ جگہ ان حضرات پر طعنے کئے ہیں اور جہاں بڑے بڑے محدثین و فقہاء کے اقوال کو نقل کیا ہے تو بے توقیری کے ساتھ جس کی ترجمانی ان کے مترجم نے بھی ضروری سمجھی ہوگی کہ فلاں یہ کہتا ہے فلاں یہ لکھتا ہے حالانکہ مفسرین یورپ کی تحریفات ذکر کرتے ہوئے بھی ہر جگہ ان کا ادب کیا ہے کہ فلاں مفسر یہ لکھتے ہیں یہ کہتے ہیں، دلائل میں کوئی جان نہیں مگر ابتدا میں ایک تمبر لگا کر محقق نے یہاں تک لکھ دیا کہ ”اسندہ اسلام پر جو کچھ لکھا جائے گا وہ زیادہ تر مولوی چراغ علی مرحوم کی خوش چینی ہوگی خواہ کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے“ خواہ ان کی کتابوں کا حوالہ دے یا نہ دے۔“

ہمارے ہندوستان کے اندر وہ دور بھی عجیب گزرا ہے کہ مصنف تحقیق المجاہدہ جیسے چند محققین پیدا ہوئے جنہوں نے علماء سلف و خلف کو جاہل و کم علم سمجھا اور کسی ایک دعو عالم میں کوئی اخلاقی کمزوری دیکھی تو سارے علماء عصر پر مضموم تمبر لکھ دیا۔ انتہائی ذاتی علم عربیت کا بھی کمال نہیں مگر قرآن مجید کی تفسیر میں تک لکھ ڈالیں واللہ المستعان۔

جہاد کے موضوع پر ایک اچھی قابل قدر ضخیم کتاب ”المجاہد فی الاسلام“ کے نام سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی شائع ہوئی تھی اس میں اسلامی وغیر اسلامی جہاد کی پوری تفصیل آگئی ہے، اسلامی جہاد کی دفاعی و اقدامی ہر دو قسم کی تحقیقی طرز سے واضح کیا ہے۔ دوسرے مذاہب کے جہاد کی نظریات و مقاصد دنیا کی مشہور جنگوں کی ضروری تاریخ سے واقف کیا ہے۔

اسلامی اصول و قوانین جنگ کا تقابل بھی دنیا کی سابقہ و موجودہ متہدین قوموں کے اصول و قوانین سے خوب واضح کیا ہے اور اسلامی جہاد کی برتری پر ضرورت و اہمیت کو دل نشین انداز میں پیش کیا ہے غرض یہ کتاب ہر طرح عمل اور نہایت گراں قدر معلومات کا ذخیرہ ہے۔ جزی اللہ المؤلف خیر الجزاء یہ کتاب بہت عرصہ کے بعد دوبارہ شائع ہوئی ہے مگر اسی طویل مدت میں جدید معلومات کا اضافہ بھی ہونا چاہئے تھا۔ یہ بڑی کمی محسوس کی گئی۔

اے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سارے غزوات و سرایا دفاعی تھے اور اقدامی جہاد یا یہی فجرہ موعودہ کا دور تو عرفات و راندہ کے جہاد کی کارناموں کو کیا کہا جائے گا کیا وہ سب جہاد ہی تھے؟ کیا خلفاء راشدین کا اقدام خلاف سنت و شریعت تھا؟ جب کہ وہ سب کا طرز پر تیج سنت ہونے ہی کی وجہ سے شارع علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق منتظر است امت قرار دینے گئے تھے اس کی مکمل بحث اسندہ کی موقع پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب..... اذالم یکن الاسلام عی الحقیقۃ وکان علی الاستسلام ار الخوف من القتل لقوله تعالیٰ قالت الاعراب امنّا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا فاذا کان علی الحقیقۃ فهو علیٰ قوله جل ذکره ان الدین عند الله الاسلام الایۃ.

۲۶..... حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعب عن الزهري قال اخبرني عامر بن سعد ابن ابي وقاص عن سعد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اعطى رهطاً و سعاداً جالساً فترك رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً هو اعجمهم الى فقلت يا رسول الله مالک عن فلان فوالله اني لاراه مؤمناً ففان او مسلماً لمسكت قلباً ثم غلبني ما اعلم منه فعدت لمقاتلي و عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال يا سعد اني لاعطى الرجل وغيره احب الي منه خشية ان يكبه الله في النار رواه يونس و صالح و معمر و ابن اخي الزهري عن الزهري.

باب: ”اگر کوئی حقیقت میں اسلام پر نہ ہو، محض ظاہری طور سے اطاعت گزار ہو یا جان کے خوف سے (اسلام کا نام لیتا ہو) تو وہ (ظاہر) مسلم کہلائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہیاتی کہتے ہیں کہ ”ہم ایمان لائے“ تم کہہ دو کہ نہیں، تم ایمان نہیں لائے“ ہاں (یوں) کہو کہ مسلمان ہو گئے“ تو اگر کوئی (مخلص) فی الواقع اسلام لایا ہو تو اللہ کے نزدیک وہ (مومن) ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اللہ کے نزدیک (اصل) دین اسلام ہی ہے۔“

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو کچھ عطا فرمایا اور سعد بھی وہاں بیٹھے تھے (یہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان میں سے ایک شخص کو نظر انداز کر دیا جو مجھ سے پسند تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے کس وجہ سے فلاں آدمی کو چھوڑ دیا؟ خدا کی قسم! اس تو اسے مومن سمجھتا ہوں! آپ نے فرمایا کہ مومن یا مسلمان؟ کچھ دیر میں خاموش رہا۔ اس کے بعد اس شخص کے متعلق جو مجھے معلومات تھیں انہوں نے مجھے مجبور کیا اور میں نے دوبارہ وہی بات عرض کی کہ خدا کی قسم! میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں حضور نے فرمایا کہ مومن یا مسلم؟ میں پھر کچھ دیر چپ رہا اور پھر جو کچھ مجھے اس شخص کے بارے میں معلوم تھا اس نے قضا کیا۔ میں نے پھر وہی بات عرض کی۔ حضور صلیہ السلام نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔ اس کے بعد فرمایا اے سعد اس کے باوجود کہ ایک شخص مجھے زیادہ عزیز ہے میں دوسرے کو اس خوف کی وجہ سے (مال) دیتا ہوں کہ کہیں (وہ اپنے اظہار یا کچے پن کی وجہ سے اسلام سے نہ بھرجائے اور) اللہ اسے آگ میں اوندھائی ڈال دے! اس حدیث کو یونس صالح معمر اور زہری کے بیچے (محمد بن عبداللہ) نے زہری سے روایت کیا۔

تشریح: معلوم ہوا کہ آدمی کو جس بات کے صحیح ہونے کا یقین ہو اس پر قسم کھا سکتا ہے دوسرے یہ کہ سفارش کرتا جائز ہے اور سفارش کو قبول کرنا یا رد کرنا دونوں جائز ہیں۔ تیسری یہ کہ جنت کسی کے لئے یقینی نہیں سوائے عشرہ مبشرہ کے چوتھے یہ کہ مومن بننے کے لئے محض زہانی اقرار کافی نہیں قلبی اعتقاد بھی ضروری ہے یا نہ یوں یہ کہ تالیف قلب کے لئے مفسموں پروردیہ صرف کرنا درست ہے۔

بحث و نظر: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کا مقصد ترجمہ الباب سے یہ ہے کہ معتبر و غیر معتبر اسلام کا فرق بتلا دیں اس طرح کہ جو اسلام دلی گہرائی اور صدق نیت کے ساتھ ہے وہی معتبر اسلام ہے اور وہی موجب نجات بھی ہے جس کو فرمایا ”ان الدین عند الله الاسلام“ اسلام کا پناہ سند یہ دین بتلایا اور جو اسلام صرف ایسی دینی یا نقلی و دکھائی ہو کہ نفس الامر واقع میں اس کی کوئی حقیقت و وجود نہ ہو وہ غیر معتبر ہے۔

عام طور پر شراح نے بظاہر آیۃ ”فالت الاعراب امنّا“ ذکر کرنے سے یہ نہ سمجھا ہے کہ امام بخاریؒ یہاں مقررین کے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ جب آپ کے نزدیک ایمان و اسلام ایک ہی چیز ہیں تو آیت ”فالت الاعراب امنّا“ میں ایمان و اسلام کی تفریق کیوں ہے؟ تو اس کے جواب میں امام بخاریؒ نے یہاں بتلایا کہ اسلام اخروی، یعنی ظاہری تا بعداری بغیر قصد قلبی کے معتبر ہی نہیں ہے تو اس کے ایمان کے ساتھ اتحاد کا سوال بھی غلط ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے ہے کہ یہ شرح اس لئے بھی مناسب نہیں کہ اعتراض پوری طرح دفع بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے اگرچہ ایمان کی نفی کی ہے مگر اسلامنا کہنے کی اجازت تو دے ہی دی ہے خواہ وہ اسلام واقعی ہو یا غیر واقعی۔
لہذا اس جگہ امام بخاریؒ نے مسئلہ اتحاد اسلام و ایمان کے کوئی تعرض نہیں کیا ہے البتہ اگلے ترجمہ میں اس کو لیا ہے یہاں امام بخاریؒ کے نظریہ اتحاد ایمان و اسلام کی وجہ سے یہ خیال ہو گیا کہ جواب سوال دے رہے ہیں۔

خوف قتل کی وجہ سے اسلام لانا

ایسے اسلام کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جبر و اکراہ سے اسلام لائے اور دل میں اسلام سے نفرت ہو وہ تو قطعاً کافر ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے نزدیک سب دین برابر ہوں اور ہر دین کو اختیار کر لینا جائز سمجھتا ہو اور اسلام قبول کر لے تو چونکہ اس نے بھی محض اسلام کو دین حق سمجھ کر قبول نہیں کیا ہے وہ بھی کافر ہی ہے اور بظاہر یہ دونوں صورتیں امام بخاریؒ نے یہاں مراد لی ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ اسلام تو کسی جبر و اکراہ ہی سے اختیار کیا تھا مگر پھر اس پر راضی ہو گیا گویا خوف قتل سے ظاہری اسلام کے ساتھ اس نے اپنے قلب کو بھی اعتقاد و تصدیق پر آمادہ کر لیا تو وہ بالافتقار مؤمن ہے۔
حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جس نے ظاہری الفاظ ترجمہ الباب پر نظر کر کے یہ خیال کیا کہ امام بخاریؒ اس کو بھی مؤمن قرار نہیں دیتے اس نے بہت غلط سمجھا۔

استسلام کی صورت

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ استسلام، مسلم بمعنی صلح سے ہے یعنی بطریق مصالحت مجبوراً اسلام لایا اور صرف زبان سے کہا دل میں کچھ نہیں تو ایسا اسلام بھی مجتہد نہیں ہے کیونکہ باب استعجال کے خواص سے یہ بھی ہے کہ کوئی کام بغیر رغبت قلب کے کسی مجبوری یا دل کی ناخوشی کے ساتھ کیا جائے فرمایا یہ معنی اس باب سے بہت جگہ نکلتا ہے اگرچہ علماء صرف نے ذکر نہیں کیا جیسے لفظ استعجال آیت ہما استحفظوا من کتاب اللہ و کانوا علیہ شہداء (مائدہ) یعنی احبار یہود نے کتاب اللہ کی حفاظت بطور رغبت نہیں کی بلکہ ان پر خلاف طبیعت اس کی حفاظت کا بوجھ ڈال دیا گیا یا استیسار کے معنی اپنے کو مجبوراً سیر سمجھ لینا یا استسار بمعنی خواہ مخواہ گدھ بن جانا اسی طرح استسلام بھی ہے کہ مسلمان نہیں مگر کسی مجبوری سے اسلام ظاہر کر رہا ہے۔

اری اور اریٰ کافر کی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تمام انکسافت نے بالاتفاق کہا ہے کہ صیغہ معروف بمعنی یقین اور مجہول بمعنی یحتمل شک ہوتا ہے شاید اس لئے کہ اول روایت (بھری) سے اور دوسرا رائے ہے۔
شیخ ابن ہمام نے بھی باب الصیام میں یہی لکھا ہے یہاں صیغہ مجہول اولیٰ معلوم ہوا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یقین و جزم کے ساتھ کوئی بات کہنا سوائے ادب ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ قسم کے لحاظ سے معروف بہتر ہے کہ حضرت سعدؓ نے قسم کھا کر کہا میں اس کو مومن سمجھتا ہوں قسم کے لئے شک کی بات موزوں نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ بات اس لئے تکرر ہے کہ واللہ لا ظنہ کذا کہا جاتا ہے یعنی قسم بخدا میں فلاں کو ایسا گمان کرتا ہوں اگر قسم کے لئے صرف یقینی بات ضروری ہوتی تو ظن و گمان پر قسم جائز نہ ہوتی حالانکہ وہ قطعاً جائز ہے۔

او مسلمان کا مطلب

علامہ محقق حافظ بیہقیؒ نے قاضی عیاضؒ سے نقل کیا کہ کہ او یہاں (مسکون واو) تعظیم و توجیع یا شک کے لئے ہے اور جس نے او (فتح واو) کہا

اس نے لفظی غلطی و معنوی پیچیدگی پیدا کی۔ مقصد شارع یہ ہے کہ دونوں لفظ کہے جائیں۔ اس میں احتیاط ہے کہ کسی کے ایمان کے بارے میں (جو باطن کی چیز ہے) کوئی قطعی حکم نہ لگایا جائے بعض نے ادو کو معنی مل کہا ہے گویا پہلی بات سے ہٹا کر تلقین فرمائی کہ مومن نہیں مسلم کہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کے ایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شک تھا بلکہ حدیث میں انہی کے متعلق حضور نے بڑی مدح فرمائی ہے۔

بھیل بن سراقہ کی مدح

وہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے پورا نام بھیل بن سراقہ ضرئی بن ان کی بڑی منقبت یہ ہے کہ ایک روز فخر و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ”تم بھیل کو کیسا سمجھتا ہو؟“ عرض کیا جیسے اور عام جاہلین ہیں ”فرمایا اچھا فلاں شخص کو کیسا خیال کرتے ہو؟ عرض کیا ”وہ تو سرداروں میں سے ایک سردار ہیں“ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا (سن لو!) تمہارے مدوح سردار جیسے لوگوں سے گساری بھر جائے تو ان سب سے یہ بھیل افضل ہیں۔“ اس پر عرض کیا کہ وہ فلاں شخص ایسا ہے تو حضور آپ کے ساتھ خصوصی احسان کا معاملہ کیوں فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اپنی قوم کا سردار ہے اس میں اس کے ذریعہ ان سب کی تالیف قلب کرتا ہوں۔“ (مسند محمد بن ہادون الرضائی وغیرہ جامع)

ایک اشکال و جواب

پھر یہ اشکال رہتا ہے کہ جب وہ ایسے تھے تو ان کے بارے میں آپ نے حضرت سعد کو مومن کہنے پر کیوں ٹوکا۔ جواب یہ ہے کہ بیٹک ان کے بارے میں اسلام و ایمان کے متعلق کوئی شک و تردید نہیں تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور اصلاح ”تنبیہ و تادیب اس اصول کی طرف رہنمائی فرمائی کہ کسی کے باطن یا کسی کے مزاج پر خدا کے لئے وثوق و جزم کی بات اور وہ بھی تنبیہ کی موجودگی میں کچھ کہنا مناسب نہیں چنانچہ اسی طرح جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری کے بچہ کی وفات پر فرمایا کہ وہ خوش قسمت تو جنت کی ایک چڑیا ہے، حضور نے ان کو بھی ٹوکا کہ ایسی بات مت کہو حالانکہ یہ بات معلوم تھی کہ وہ ایک مسلمان کا بچہ تھا اور مسلمانوں کی تاباں اولاد سب جنت میں جائے گی جو کچھ اختلاف ہے اولاد مشرکین میں ہے غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی ایک اصولی بات کے پیش نظر اصلاح فرمائی خاص جزی کسی جگہ مقصود نہ تھی، اصولی بات یہی ہے کہ امور غیب کے متعلق قبل از علم کوئی حتمی بات کہو دینا مناسب نہیں، خصوصی صاحب شریعت کی موجودگی میں کہ وہ ان سب میں زیادہ علم والا ہے لہذا ہر بات کے اندر اس کی رہنمائی کا انتظار کرنا چاہئے نہ یہ کہ اپنی طرف سے پیش قدمی کر کے کچھ کہا جائے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جب کسی بات کا سوال کیا جاتا تھا تو ان کا اکثری جواب ”اللہ و رسول اعلم“ ہوا کرتا تھا یعنی خدا اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

حدیث سے ترجمہ کی مطابقت

امام بخاری نے ترجمہ و عنوان باب یہی رکھا تھا کہ جب اسلام حقیقت و نفس الامر کے لحاظ سے صحیح نہ ہو تو وہ معتبر نہیں تو حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوگی کہ ایسا اسلام ایمان سے مغایر ہوگا دوسرے یہ کہ حضرت شاہ صاحب نے درس کے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ امام بخاری کے نزدیک آیت ”ولکن قولوا اسلامنا متفقین“ کے بارے میں ہے جیسا کہ انہوں نے کتاب التفسیر میں اس کی تفسیر بھی کی ہے تو اس نظریہ سے مزید مطابقت ہوگئی اگرچہ تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ لوگ منافق نہ تھے بلکہ وہ سب مسلمان ہی تھے لیکن ابھی تک ایمان ان کے دلوں میں مستحکم نہ تھا تو چنانچہ حافظ ابن کثیر نے بھی آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہی تحقیق درج کی انہوں نے لکھا:-

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ادو مسلمان فرما کر) مومن و مسلم کے مفہوم میں تفریق کی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان انھیں خاص ہے اسلام سے“ اور اسی کو ہم نے شرح کتاب الایمان بخاری کے اقوال میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے ولف الحمد والمنة نیز حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مسلم تھا منافق نہ تھا جس کو آپ نے اس کے اسلام ہی پر پھر و سر کر کے اعدا و عید دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔

نیز یہ معلوم ہوا کہ جن اعراب کا ذکر آیت میں ہوا ہے وہ بھی منافق نہ تھے بلکہ مسلمان ہی تھے البتہ ایمان نے ان کے دلوں میں ابھی جڑ نہیں پکڑی تھی اور انہوں نے کسی ہی حالت میں اپنے لیے ایسے اعلیٰ مقام کا دعویٰ کر دیا جس پر ابھی نہ پہنچے تھے اس لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو صبیہ و نادب ہوئی یہی راۓ حضرت ابن عباسؓ، امیر المومنینؓ و قتادہؓ کی ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

یہ وضاحت ہم نے اس لیے کی کہ امام بخاریؒ کی مائے یہ ہے کہ وہ لوگ منافق تھے اسلام ظاہر کرتے تھے مگر حقیقت میں مسلمان نہ تھے اور سعید بن جبیرؒ مجاہد و ابن زید سے ”ولکن قولوا الصلحنا“ کے بارے میں یہ معنی نقل ہوئے کہ ہم نے باوجود خواستہ خوفِ قتل و قید کے سبب اسلام قبول کیا ہے۔

پھر ان میں سے مجاہد نے کہا کہ یہ آیت بن اسد کے بارے میں اترتی ہے اور عقادہ نے ان لوگوں کے بارے میں بتلائی جنہوں نے اپنے ایمان کا احسان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بجلایا تھا مگر صحیح قول اقول یہی ہے کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے لیے مقام ایمان پر وصول کا دعویٰ کیا تھا حالانکہ وہ مقام اس وقت تک ان کو حاصل نہ ہوا تھا لہذا ان کو ادب سکھایا گیا اور خبردار کیا گیا کہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان کی حلاوت نہیں اترتی ہے اور اگر وہ منافق ہوتے (جیسا کہ امام بخاریؒ نے سمجھا) تو ان کی زجر و نصیحت کا طریقہ وہ ہوتا جو سورہ براءۃ میں منافقین کے لیے اختیار ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۹ ج ۱ مجمع مسئلے عمرہ)

ہمارے اصحاب کی (۳) مشہور رائے یہ ہے کہ نصیحتیں کسی بات پر اپنے علم کے مطابق حلف اٹھانا ہے جبکہ واقعہ میں وہ بات اسی طرح نہ ہو مثلاً زمانہ گذشتہ کے بارے میں کہے کہ اللہ میں فلاں جگہ گیا تھا اور دل میں یہی خیال و یقین بھی ہے مگر واقعہ میں گیا نہیں تھا یا برعکس ہو یا موجودہ زمانہ میں اس طرح ہو کہ ایک شخص کو آتے دیکھا اور یہ سمجھ کر کہ وہ زید ہے واللہ اللہ لویڈ کہہ دیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ عمرو ہے۔ وغیرہ۔

۱۱..... قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح دلیل اس امر کی ہے کہ اسلام و ایمان میں فرق ہے ایمان باطن اور عمل قلب سے ہے اور اسلام ظاہر و عمل جوارح سے ہے لیکن ایسا نہ ہوگا کہ کوئی مومن تو ہو اور مسلم نہ ہو البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم ہو مگر مومن نہ ہو۔ حدیث کے الفاظ سے یہی بات معلوم ہو رہی ہے۔

خطابی نے فرمایا کہ اس حدیث کے ظاہر سے ایمان و اسلام میں فرق کرنا ضروری ہو گیا، ایک شخص کو مسلم یا مسلم کہہ سکتے ہیں مگر مومن نہیں کہہ سکتے اور کبھی دونوں بھی ایک ساتھ ہو سکتے ہیں کہ مومن مسلم بھی ہو اور مسلم مومن اس کی زیادہ تحقیق اول کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔ (عمدة القاری ص/۱/۲۸۸)

باب: الفشاء السلام من الاسلام وقال عمار ثلث من جمعهم فقد جمع الایمان الانصاف من لفسک و بدل السلام للعالم والانفاق من الاقمار.

۲۷- حدثنا قتيبة قال حدثنا الليث عن يزيد بن أبي حبيب عن أبي الغبر عن عبد الله بن عمرو بن رجلا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الاسلام خير قال تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف.

باب: (سلام کا رواج اسلام میں داخل ہے اور حضرت عمار نے فرمایا کہ تین باتیں جس میں اکٹھی ہو جائیں اس نے گویا پورے پورے ایمان کو جمع کر لیا، اپنے نفس سے انصاف سب لوگوں کو سلام کرنا اور عکس قی میں (اپنی ضرورت کے باوجود راہ خدا میں) خرچ کرنا)۔ ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کما ناکلأ واور ہر واقف ونا واقف شخص کو سلام کرو۔

تشریح: امام بخاری نے یہی حدیث پہلے بھی روایت کی تھی جو نمبر ۱۱ پر گزری ہے رِوَاۃ حدیث بھی لیٹ ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص تک ایک ہی ہیں صرف ایک راوی عمرو بن خالد کی جگہ یہاں ختمیہ ہیں امام بخاری کے ان دونوں شیوخ نے حدیث مذکور کو الگ الگ عنوان سے پیش کیا تھا اس لئے امام بخاری نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔

وہاں اطعام طعام کے تحت لائے تھے یہاں اثناء سلام کے ذیل میں ترجمہ الباب میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قول ذکر ہوا ہے اور یہ قول بطریق حدیث مرفوع بھی حضرت عمار سے شرح المستدرجہ میں روایت ہوا ہے۔

حضرت عمار نے جن تین باتوں کا ذکر فرمایا ہے علماء نے لکھا کہ وہ مدار اسلام اور جامع خیرات و حسنات ہیں کیونکہ جس نے اپنی ذات سے حضرت عمارؓ مشہور سمائی ہیں جن کے مناقب و فضائل کثیر ہیں ان کے والد یسارؓ والدہ سیدہ تھیں۔ بیٹوں ابتدائی دور کے مسلمان ہیں حضرت سیدہ کو ابو جہل نے اسلام لانے ہی کے باعث قتل کیا تھا اور وہ در اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ تھیں ان بیٹوں کو کفار قریش سخت سخت تکالیف و عذاب میں مبتلا کرتے تھے تا کہ اسلام سے باز آجائیں مگر نہایت پامردی سے اسلام پر قائم رہے۔ کئی زندگی میں بسا اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کے پاس سے ہوتا تھا جب کہ کفار و مشرکین ان کو کھر طرح کے عذاب دیتے ہوئے تھے آپ ان سے فرماتے کہ آل یاسر! صبر کرو یقیناً تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔

حضرت عمار بدر و غیرہ مقام نزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے میں پہلے حبش کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی طرف آپ ہی کے بارے میں آیت ”الامن اکوہ و قلبہ مطمئن بالایمان“ نازل ہوئی تھی آپ سے ۶۲ حدیثیں مروی ہیں آپ نے حسب پیشگوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ”وہج عمار لقلعہ الفلحہ الباغیہ“ مسلمین کے میدان میں ۳۷ھ میں عمر ۷۳ یا ۷۴ سال شہادت پائی واللہ اعلم۔ آپ کی شہادت پر ایک علی الطیف کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سے "لیعنا بیننا و بین اللہ"۔ اور اسی طرح مخلوق سے حق و انصاف کا معاملہ کیا اور خدا مخلوق نیز اپنے حقوق میں سے کسی کا کوئی حق ضائع نہ ہونے دیا تو اس نے طاعت کا حق ادا کر دیا۔

دوسری چیز سلام کو عالم میں پھیلانا یعنی بجز مانع شرعی کے ہر ایک پر سلام پیش کرنا یہ بھی مکارم اخلاق کے بہت اونچے درجہات میں سے ہے جس کے اندر دو باتیں خود بخود آ جاتی ہیں تو اشیاء یعنی عدم ترغ و بیزائی اور کسی کو حقیر نہ سمجھنا دوسرے اپنے مخلوق کے تعلقات کی اصلاح اس طرح کہ کسی سے بغض و کینہ نہ ہو جو سلام سے رکاوٹ بنا کرتا ہے تیسری چیز باوجود تنگ دستی و افلاس کے دوسروں کی امداد و دیگرری کرنا ہے یہ بھی جو دو کم کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس میں تمام ہی تعلقات و مصارف شامل ہیں مثلاً مصارف اہل و عیال مصارف مہمانان سائل کو داد و بخش وغیرہ۔

غرض حق تعالیٰ کی طاعت کے طور پر تمام تعلقات و مصارف ادا کرنا اس کی دلیل ہے کہ خدا پر مکمل بھروسہ ہے دنیا سے بے رغبتی بہت سی لگی چوڑی امیدیں باندھنے سے احتراز موجود ہے یہ سب آخرت کے اہم طرق میں سے ہے۔ نسأل اللہ العلیق لسانہ و وجوہ الخیر لنا و لاحبابنا و لسانہ المسلمین۔ آمین۔

علامہ عینی نے لکھا کہ اس ارشاد میں ایمان کی تمام خصلتیں آ گئی ہیں۔ اس لئے کہ وہ مالی ہوں گی یا بدنی بدنی کی دو قسم ہیں۔ ایک کا تعلق خالق سے ہے دوسری کا مخلوق سے انفاق من الاقتار سے مالی خصلت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مال کو دوسروں پر جب ہی خرچ کرے گا کہ اس کو خدا کی ذات پر پورا اعتماد ہو اور جو صرف مال کو باعث افلاس و فقر نہ سمجھے بلکہ ترقی و برکت کا سبب جانے۔

اپنے نفس سے انصاف اس سے حق تعالیٰ کے تمام لوازم و ادائیگی کی بجائے آری کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جو شخص اپنے نفس سے حسد کرے گا یا خود اپنے نفس کو انصاف کا خوگر کرے گا وہ حقوق اللہ و حقوق العباد سب ادا کر سکے گا اسی طرح افشاء سلام سے حسن اخلاق و معاشرت کی طرف اشارہ ہے۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اعمال کی اہمیت تکمیل ایمان کے لئے بہت زیادہ ہے ان کو بے حیثیت سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ امام نووی نے اپنی کتاب "الاذکار المنتتجہ من کلام سید الابرار" میں "سلام" کے مستقل عنوان کے تحت کئی ورق میں اس کے متعلق مسائل کی تفصیل کی ہے جو بہت اہم و قابل مطالعہ ہے اس سے چند چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مستنون طریقہ بغیر ہاتھ کے اشارہ کے ہر ملنے والے کو "السلام و علیکم" کہنا ہے اس کے ساتھ اگر رحمتہ و برکات و مغفرت زیادہ کرے گا تو ہر کلمہ ہر دس نیکیوں کا اضافہ ہوگا۔ گویا ان چاروں کلمات ادا کرنے والے کو چالیس نیکیاں ملیں گے۔

(السلام و علیکم کی جگہ سلام و علیکم یا علیک السلام وغیرہ کہنا یا خطوط میں سلام مستنون کا لفظ لکھنے سے پوری سنت ادا نہ ہوگی۔ ترمذی و نسائی میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے علیک السلام یا رسول اللہ! حضور نے ارشاد فرمایا یہ مردوں کا سلام و تحیہ ہے تم آج اس میں السلام علیکم کہا کرو)۔

(۱) علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسن و اکمل طریقہ کی طرف رہنمائی فرمائی۔ یہ غرض نہیں کہ سلام ہی نہیں ہے۔ اس لئے جواب اس کا بھی واجب ہوگا۔

(۲) دور و اس لئے آدمی کو سلام یا اس کے جواب میں و علیکم السلام کہتے ہوئے ہاتھ کا اشارہ بھی کر سکتے ہیں مگر صرف اشارہ سلام نہیں ہے۔ (۳) سلام اس طرح کرنا چاہئے کہ سننے والا اچھی طرح سے سن لے اور جواب میں اس کا مزید اہتمام کرنا چاہئے اس لئے کہ جواب سلام واجب ہے اور اس لئے بھی کہ سلام کرنے والے کی یہ سمجھ کر دل شکنی نہ ہو کہ میرا جواب نہیں دیا۔

(۴) سلام اور اس کے جواب کا طریقہ حاضر کی طرح غائب کے لئے بھی مشروع ہے اس لئے زبانی پیام یا خط میں بھی اس کو درواج دینا چاہئے اور ہر بات سے مقدم سلام ہی کو کرنا چاہئے زبانی سلام کے جواب میں علیہ و علیکم السلام کہے کر و علیہ السلام کہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ یہ جبرائیل تم کو سلام کہتے ہیں

میں نے یہ سن کر علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا: حضرت عائشہؓ کی بڑی منقبت ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے سلام پیش کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی منقبت وفضیلت اس سے بھی زیادہ آئی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ خدیجہ آپ کے پاس آ رہی ہیں ان کو حق تعالیٰ کا سلام پہنچائے گا۔ یہ واقعہ عارحاً مکہ معظمہ کا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک اجنبی عورت کو بھی سلام کہلا سکتے ہیں جبکہ ہر دو طرف صلاح و تقویٰ کی شرط پوری ہو اور کسی فتنہ و مفسدہ کا خطرہ نہ ہو ورنہ اس کی وجہ سے یہ شروع چیز ممنوع ہوگی۔

(۵) سلام کا جواب اسی وقت دینا چاہئے اگر گریہ کے بعد دیا تو ادا نہ ہوگا اور ترک واجب کا گناہ ہوگا۔

(۶) اگر ایک جماعت کو سلام کہا گیا اور ان میں سے صرف ایک نابالغ لڑکے نے جواب دیا تو بعض علماء کی رائے ہے کہ جواب سب کی طرف سے ادا نہیں ہوا جس طرح ایک نابالغ کسی جنازے کی نماز پڑھ دے تو نماز کفایہ ادا نہیں ہوئی دوسرے علماء نے کہا کہ ادا ہو گیا جس طرح نابالغ کی اذان صحیح ہو جاتی ہے۔

(۷) اگر ایک دفعہ کسی سے ملاقات ہو کر سلام و جواب ہو گیا پھر جدا ہو کر درمیان میں کوئی دیوار درخت یا پتھر وغیرہ حائل ہوا تو دوبارہ ملے تو پھر سلام کہنا سنت اور جواب واجب ہے اسی طرح جتنی دفعہ ملیں گے سلام کرنا چاہئے یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جاری تھا۔

(۸) جس طرح مردوں و بچوں میں سلام کا رواج عام ہوتا چاہئے عورتوں میں بھی اس کی تلقین کر کے عادت ڈالنی چاہئے۔

(۹) حدیث سے ثابت ہے کہ ابتداء بالسلام افضل ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سلام کرنے والے کو دونوں میں سے بہتر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ خدا سے وہ شخص زیادہ قریب ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔

(۱۰) اکثر حالات میں سلام کرنے کی تاکید ہے اور ان میں زندوں اور مردوں دونوں کے لئے سلام کی تاکید ہے یعنی جب قبروں سے گزر ہو تو مردوں کو بھی سلام کر کے گزرنا چاہئے۔ اگر چہ ان کے لئے سلام کے الفاظ الگ ہیں۔ مگر بعض حالات میں زندوں پر سلام کہنے کی کراہت بھی وارد ہے مثلاً حالت بول و براز میں سونے والے پر کھانا کھانے والے پر (البتہ بھوکا ہو تو کر سکتا ہے) نماز پڑھنے والے پر اذان دینے کی حالت میں اقامت صلوٰۃ کہنے کے وقت خطبہ جمعہ پڑھنے کے وقت قرآن مجید تلاوت کرنے والے پر وغیرہ ایسے لوگوں کو اگر کوئی سلام کہے تو ان پر جواب دینا واجب نہیں ہے البتہ وہ جواب دیں تو حرج و استحباب ہے بجز مشغول بول و براز یا نماز پڑھنے والے کے کہ وہ اس حالت میں جواب نہ دیں فاسق و بدعتی کو بھی ابتداءً سلام نہ کرنا چاہئے کہ اس میں دین کی اہانت ہے وہ کرے تو جواب دیا جائے۔

(۱۱) کفار و مشرکین کو اسلامی سلام نہ کہنا چاہئے البتہ اخلاق و مروت کے طریقہ پر دوسرے مناسب الفاظ ملاقات کے وقت کہے جا سکتے ہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل (شہنشاہ روم) کے نام کتاب گرامی میں السلام علی من اتبع الهدی لکھوایا تھا۔

(۱۲) اگر اقتدار فساد کی فاریے و بیون یا ظالم حاکموں کی معصرت سے بچنے کے خیال سے ابتداءً سلام کہنے کی ضرورت ہو تو کہہ سکتے ہیں علماء نے لکھا کہ اس میں اس طرح نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال و احوال پر واقف ہے کیونکہ سلام خدا کا نام بھی ہے اس طرح ان کے لئے دعا و خیر و برکت و سلامتی نہ ہوگی اسلامی سلام کا مقصد ہے۔

(۱۳) بخاری و مسلم کی احادیث سے ثابت ہے کہ سوازیچہ پڑھنے والا بیٹھے والے پر اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں پر اور چھوٹے بڑوں پر سلام کہیں اس میں تواضع کا اظہار اور ان لوگوں کا اکرام و تعظیم ہے سنت یہی ہے تاہم اگر اس کا یکس ہو تب بھی مکروہ نہیں ہے اور آنے والے کو بہر صورت ابتدا کرنا چاہئے۔

(۱۴) اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں پر سلام کہنا سنت ہے اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تب بھی سلام کہے اس طرح السلام علینا و

علی عباد اللہ الصالحین اگر مسجد میں جائے یا کسی دوسرے گھر میں جس میں کوئی نہ ہو تو اس طرح کہے۔ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین' السلام علیکم اهل البيت و رحمة الله و برکاته۔

(۱۵) کسی شخص سے ملاقات کے بعد واپسی کے وقت بھی سلام کرنا سنت ہے۔

(۱۶) کسی کے گھر پر جاؤ تو روزانہ پر سلام استیذان کرو۔ السلام علیکم اذ دخل یعنی تم پر سلامتی ہو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ بعد اندر جا کر ملاقات کا سلام ہوگا۔ یہ بھی مسئلہ ہے پر سلام استیذان تین بار کہہ سکتا ہے اگر اندر سے جواب نہ آئے تو واپس ہو جانا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ بحث و نظر: اوپر ذکر ہوا کہ سلام کی ابتدا سنت ہے اور جواب واجب ہے اور یہ بھی حدیث ہی سے ثابت ہے کہ ابتدا کرنے والا افضل ہے اور اس کو نیکیاں بھی ۹۰ ملتی ہیں اور جواب دینے والا مفضول ہے اور اس کو نیکیاں بھی صرف دس ملتی ہیں حالانکہ شرعی اصول یہ ہے کہ کسی سنت کا ثواب فرض و واجب کے برابر بھی ہو سکتا ہے چنانچہ اس سے اتنا بڑا ہوا جائے جواب یہ ہے کہ بے شک اصول یہی ہے اور یہ صحیح ہے کہ ہزار رکعت یا زیادہ نفل کا ثواب بھی ایک فرض رکعت کے برابر نہیں ہو سکتا اسی طرح ایک ہزار یا زیادہ روپے بھی مثلاً صدقہ ناقلہ کے طور پر دیئے جائیں تو ایک روپے فرض زکوٰۃ یا واجب صدقہ فطر وغیرہ کے برابر نہیں ہو سکتے اسی لئے رمضان شریف کے بڑے فضائل میں سے یہ بات ہے کہ اس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہو جاتا ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر گنا کر دیا جاتا ہے مگر اس قاعدہ سے تین چیزیں مستثنیٰ ہیں جن کو علماء نے اس طرح نظم کیا ہے۔

الفرض افضل من تطوع عابد حتی ولو قد جاء منه پاکر
الا تطوع قبل وقت وابتداء ع بالسلام کذا کہ ابن عمر

ایک فرض کی افضلیت کتنی ہی زیادہ نفلوں سے بڑھی ہوئی ہے مگر وقت نماز شروع ہونے سے قبل یا وضو ہو جانا وقت آنے کے بعد وضو کرنے سے افضل ہے حالانکہ پہلا وضو مستحب اور دوسرا فرض و واجب ہے اسی طرح اسلام کی ابتداء کہ وہ سنت ہے مگر جواب سے افضل ہے جو واجب ہے تیسری چیز تنگدست بد حال مقرر و مقرض سے بری کر دینا کہ یہ مستحب ہے مگر واجب سے بڑھ کر ہے کہ ایسے شخص کو کہلت دینا واجب ہے اور سختی کے مطالبہ کرنا ناجائز ہے اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب..... کفران العشر و کفر دون کفر فیہ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۸ ... حدثنا عبد اللہ بن مسلمہ عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس قال قال

النبی صلی اللہ علیہ وسلم اريت النار فاذا اکثر اهلها النساء یکفرون قبل ینکفرون بالله قال یکفرون العشر

ویکفرون الاحسان لو احسنت الی احدھن اللھر ثم رأت منک شیئا قالت ما رایت منک غیر الط۔

باب..... (خاندن کی ناشکری کا بیان اور ایک کفر کا احراپ میں) دوسرے کفر سے کم ہونے کا بیان اور اس میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی (ایک روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دو زوج دکھائی گئی تو اس میں میں نے زیادہ تر عورتوں کو پایا (کیونکہ) کفر نہ کرتی ہیں آپ سے پوچھا گیا کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا (نہیں) شوہر کے ساتھ کفر کرتی ہیں اور (اس کا) احسان نہیں مانتیں (ان کی عادت یہ ہے کہ) اگر تم مدت تک کسی عورت پر احسان کرتے رہو (اور) پھر تمہاری طرف سے کوئی (ناگوار) بات پیش آجائے تو (یہی) کہے گی میں نے تمہاری طرف سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جنم دکھائی گئی میں نے دیکھا کہ اس میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ ان

میں مادہ کفر زیادہ ہے اور جس کے ساتھ مادہ کفر زیادہ ہوگا وہ جہنم سے زیادہ قریب ہوگا عرض کیا گیا کہ کیا وہ خدا کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اپنے شوہروں کے ساتھ کفر کرتی ہیں اور ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ہر تعلق مثل والے سے کفر کرتی ہیں۔ کسی کا احسان نہیں مانیں بلکہ جہاں کوئی بات خلاف طبع پیش آئی تمام کیے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہیں اور جس نے ایک مدت تک احسان کیا ہو اس کو بھی بر ملا کہہ دیتی ہیں کہ میں نے تم سے کبھی بھی کوئی بھلائی کی بات نہیں دیکھی اسی عام عادت ناشکری و بے قدری کے سبب جہنم کا زیادہ حصہ ان سے بھرا جائے گا۔

شوہر کے حقوق

طبرانی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی ترغیب دلائی اور اس کے دینی و دنیاوی فوائد بتلائے تو ایک عورت آپ کی خدمت میں آ کر کہنے لگی کہ آپ مجھے شوہر کے حقوق بتائیں اگر میں وہ حقوق ادا کر سکوں گی تو نکاح کروں گی؟ آپ نے فرمایا شوہر کے حقوق اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر اس کا جہنم پھوڑوں سے پک رہا ہو اور عورت اسے اپنی زبان سے چائے تب بھی حق ادا نہ ہوگا وہ عورت یس بن کر گھبرا گئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ شوہر کی اطاعت اس درجہ میں ہے کہ اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو بیوی کو حکم دیا جاتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ شوہر کی اطاعت بڑی عبادت ہے اور اس کو ناراض کرنا بہت بڑا گناہ ہے حدیث میں ہے کہ جب تک وہ ناراض رہے گا خدا کے فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہ بھی حدیث میں ہے کہ جب کوئی بیوی اپنے شوہر کو ستاتی ہے تو جو حور اس کو جنت میں ملنے والی ہے وہ کہتی ہے کہ خدا تیرا اس کرے تو اس کو مت ستا تو تیرے پاس مہمان ہے تھوڑے دن بعد تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے گا۔ اگر مرد بیوی کو کھگڑے کہ اس پھاڑ کے پھر اٹھا کر اس پہاڑ تک لجائے اور اس کے پھر اٹھا کر تیسرے پہاڑ تک لے جائے تو اس کو یہ بھی کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم جن کے آدمی ایسے ہیں جن کی زینماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی دوسری عورت، ایک تو وہ باندی یا غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائے، دوسری وہ عورت جس کا شوہر ناراض ہو، تیسرے وہ شخص جو شہر میں مست ہوا، کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے اچھی عورت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عورت کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو خوش کر دے اور جب کچھ کہے تو کہہ مانے اور اپنی جان و مال میں کچھ اس کے خلاف نہ کرے اور اطاعت گزار بیوی کے لیے بڑی بشارت آئی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس کو اختیار ہوگا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو مطلب یہ ہے کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازے سے اس کا جی چاہے گا جنت میں بے درود کوک چلی جائے گی اور یہ بھی ایک حدیث میں ہے کہ جس عورت کی موت ایسی حالت میں آ جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ عورت جنتی ہے۔

بقیہ تشریح حدیث الباب

مسلم شریف کے باب العیدین میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز بغیر اذان و اقامت کے نماز عید پڑھائی، پھر خطبہ دیا جس میں تقویٰ کی ترغیب دی خدا کی اطاعت کی طرف بلایا اور مردوں کو وعظ و تذکیر کے بعد عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے ان کو بھی وعظ و تذکیر کی پھر فرمایا جنہیں صدقہ و خیرات زیادہ کرنی چاہیے کیونکہ تم میں سے زیادہ تعداد جہنم کا ایندھن ہے۔

یہ سن کر مجمع کے درمیان سے ایک عورت کھڑی ہوئی جس کا نام اسماء بنت یزید تھا اور وہ خطیبہ النساء مشہور تھیں ایک روایت خود ان سے بھی مروی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ ”(میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بے تکلفی اور بے باکی سے بات کر سکتی تھی اس لیے میں درمیان سے بول پڑی اور بلند آواز سے سوال کر تی تھی۔“

عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا ”اس لیے کہ تم شکوہ شکایت کے دفتر بہت کھولتی ہو اور اپنے شوہروں و محسنوں کی ناشکری کرتی ہو۔“ اس پر سب عورتیں اپنے زیوروں میں سے کوئی نہ کوئی زیور صدقہ کی نیت سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جھولی میں

ڈالے لگیں کسی نے ہاتھ کی انگوٹھی، کسی نے کان کی ہالی دی وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ یہ صدقہ فطر نہیں تھا بلکہ دوسرا صدقہ ناقض تھا کہ جس سے جو ہوا سودا یا تاک حق تعالیٰ کے غضب و عتاب سے بچنے کا ذریعہ ہو اور جنہم سے پناہ ملے، حضرت عطاء راوی حدیث نے بھی یہی بتلایا کہ یہ صدقہ فطر نہیں تھا۔

محدثین نے لکھا ہے کہ "تَحْقُوقُ الْعَشِيرِ بَيَانُ بے تَحْقُوقِ الشَّكَاةِ" کا کہ اپنے شوہروں کی شکایتیں بیان کرتی ہیں اور ان کے احسانات کو چھپاتی ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وہ عورت مغضوب ہے جو اپنے گھر سے چادر نکھینٹے ہوئے نکلتی اور شوہر کی شکایات دوسروں تک پہنچاتی ہے۔

ایک حدیث میں یہ جملہ بھی مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے عورتوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ کسی عقلمند پختہ کار آدمی کی عقل کو خراب کرنے والا ہو یا وجود اس کے کہ خردان کی عقل دونوں ناقص ہیں عورتوں میں سے کسی نے سوال کیا کہ ہمارے دین میں کیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، کیا ہر مہینہ کے ایک معتد بہ حصہ میں تم نماز روزہ کے ادائیگی سے محروم نہیں ہو؟ یہی دین کا نقصان ہے عرض کیا کہ عقل کا نقصان کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میں سے وہی شہادت ایک مرد کے برابر نہیں؟ یہ بات نقصان عقل ہی کے سبب تو ہے۔

فوائد علیہ: علامہ عینی نے حدیث الباب سے چند فوائد کا استنباط کیا ہے ان میں سے چند کر کئے جاتے ہیں۔
(۱) ... حقوق و نعمتوں کی ناشکری حرام ہے کیونکہ بغیر ارتکاب حرام کے دخولی جنم نہ ہوگا، امام نووی نے لکھا کہ شوہر اور احسان کی ناشکری پر دخولی نارکی و عید سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں باتیں گناہ کبیرہ ہیں۔

ابن بطال نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندوں کو احسان و نعمت کی ناشکری پر عذاب ہوگا اور کہا گیا ہے کہ خیر نعمت واجب ہے۔
(۲) حدیث سے شوہر کے حق کی عظمت ظاہر ہوئی کیونکہ اس کی ناشکری کو اقسام معاصی سے شمار کیا گیا اور اس سے زیادہ یہ کہ شوہر کے حق کو حق تعالیٰ کے حق کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا چنانچہ فرمایا گیا اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو یہی کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اسی لیے خاص طور پر دوسرے سب معاصی میں سے عورتوں کی اس خاص معصیت کا بیان فرمایا پس اگر اس کے باوجود کوئی عورت اپنے شوہر کی ناشکری و شکایت کرے اس کی حق تلفی کرے گی تو یہ اس امر کا ثبوت ہوگا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حقوق میں بھی لاپرواہی ہو گی، لہذا اس پر کفر کا اطلاق بھی درست ہوگا، مگر فرق یہ ہوگا کہ اس کفر کی وجہ سے وہ ملت سے خارج نہ ہوگی۔

(۳) معلوم ہوا کہ جنم اس وقت بھی مخلوق و موجود ہے جو اہل سنت کا مذہب ہے۔

(۴) معلوم ہوا کہ انکار حق و ناشکری پر کفر کا اطلاق کر سکتے ہیں۔

(۵) ثابت ہوا کہ معاصی سے ایمان میں نقص آتا ہے لیکن وہ مستلزم کفر نہیں ہے جو دخولی نار کا سبب ہوتا ہے کیونکہ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ وہ خدا کے ساتھ کفر کرتی ہیں، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ شوہر کے ساتھ کفر کرتی ہیں۔ (عمدة القاری ص ۱/۲۳۷)
بحث و نظر: حدیث الباب کے تمام راوی مدنی ہیں، سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور انہوں نے بھی مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی تھی دوسرے یہ کہ تمام راوی طویل القدر راہ کبار ہیں۔

کل تعداد احادیث بخاری شریف

علامہ عینی نے اس موقع پر بھی لکھا کہ امام بخاری نے یہاں حدیث کا ایک کٹڑا بیان کیا ہے اور دوسری جگہ ای اسناد سے پوری حدیث لائے ہیں تو اس طرح کٹڑے کر کے لانے سے امام بخاری کا مقصد مختلف قسم کے تراجم و عنوانات قائم کرنا ہوتا ہے اور ان کا اس طرح کرنا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ وہ ایسے کٹڑے نہیں کرتے جن سے معنی میں کوئی خرابی یا فساد آئے پھر لکھا کہ اس طرح کٹڑوں کی وجہ سے

بعض شار کرنے والوں نے کل احادیث صحیح بخاری کی تعداد بغیر تکرار کے کم و بیش چار ہزار بتلائی ہے، ابن صلاح 'لودنی اور بعد کے لوگوں نے اسی طرح کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور بغیر تکرار کے کل تعداد ۲۵۱۳۲ سے زیادہ نہیں ہے۔ (عمدة القاری ص ۱/۲۳۵)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح امام بخاریؒ کا یہ ترجمہ کفران العشر و کفرون کفر مشکل تراجم میں سے ہے اور دوسرا جملہ کفرون کفر مرفوع کاٹی ہے اس لئے کہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا قول ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ذیل تفسیر آیت و من لم یحکم بما انزل الله فاولیک هم الکافرون (۹۱/۲) اور وہاں یہی رائے حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل ہوئی ہے یعنی کفرون کفر والی حافظہ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے ذیل میں تو صرف عطاء کی طرف اس کو منسوب کیا ہے دیکھو صحیح ص ۱/۶۳ مگر آگے دوسرے باب ظلم دون ظلم میں اس رائے کو حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی منسوب کیا ہے (ملاحظہ ہو صحیح ص ۱/۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اس بات کی اصل حضرت ابن عباسؓ سے ہے اور حضرت عطاءؓ نے بھی غالباً آپ سے ہی اس کو لیا ہے کیونکہ وہ آپ کے تلمیذ ہیں۔ ایک بحث یہ ہے کہ "کفر دون کفر" میں دون کے معنی کیا ہیں؟ حافظہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ دون بمعنی اقرب ہے اور مجھے یہی معنی پسند ہے، بعض نے بمعنی غیر لیا ہے یہ میرے نزدیک مروج قول ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے بمعنی غیر والا معنی پسند ہے پھر حافظہ نے اس کی شرح قاضی ابوبکر بن العربیؒ کی طرح کی ہے جو حافظہ ابن تیمیہؒ کی تحقیق سے مطابقت رکھتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایمان چونکہ مرکب ہے تو ممکن ہے کہ ایک مومن کے اندر بعض اشیاء کفر کی ہوں اور ایک کافر میں کچھ باتیں ایمان کی موجود ہوں جسے کبر کہہ وہ اصاف کفر میں سے ہے مگر کبھی کسی مسلمان میں بھی ہوتا ہے یا حیا کہ وہ اصاف ایمان میں سے ہے، مگر کبھی کافر میں بھی ہوتی ہے پس اسلام کا دائرہ بہت طویل و عریض ہے اس کا اعلیٰ درجہ لا الہ الا اللہ ہے اور ادنیٰ درجہ راستہ سے گزرنے والوں کو تکلیف سے بچانے کی نیت سے تکلیف دہ چیزیں بھانا دونوں کے درمیان محصور مراتب ہیں۔

اسی طرح کفر کا دائرہ بہت وسیع ہے، پس جس طرح نجات کا باعث و موجب مرتبہ اخیرہ کا ایمان ہے۔ ایسے ہی کفر مہلک کا حال بھی ہے کہ وہ بھی اسی مرتبہ میں ہوگا، پھر ادنیٰ و اعلیٰ کفر کے درمیان غیر محصور مراتب ہیں۔

اس کی نظیر ہمارے سمجھنے کے لئے صحت و مرض ہے کہ ایک تندرست آدمی میں بعض اوقات کچھ امراض بھی ہوتے ہیں اور مریض میں کچھ وجوہ صحت کے بھی ہوتے ہیں مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تقریر محدثین و مفسرین کے طرز تحقیق کے مناسب ہے متکلمین و فقہاء کے طور طریق پر موزوں نہیں کیونکہ ان کی دینی نظر ایک نقطہ دار نجات پر مرکوز ہے جو صرف ایک مرتبہ محفوظ اخیرہ ہی ہو سکتا ہے دوسرے مراتب نہیں ہو سکتے لہذا ان کے یہاں ایمان و کفر کا اجتماع بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

اس اختلاف مذکور کی مثال ایسی ہے جیسے طباء میں اختلاف ہوا ہے کہ جالینوس نے تین احوال مانے ہیں، صحت مرض اور درمیانی حالت، ابن سینا نے صرف دو حالتیں مانیں، صحت یا مرض درمیانی حالت کا انکار کیا اس طرح اندھے کو جالینوس کے نظریے پر تندرست کہہ سکتے ہیں (کہ حاسرہ بصرے محروم ہے) اور ندمریض (کیونکہ باقی اعضا صحیح ہیں) ابن سینا کی تحقیق پر وہ مریض ہی کہلائے گا۔

اس تفصیل کے بعد ان سب احادیث کا صل بغیر کسی تاویل کے نکل آیا جن میں کہا نہ معاصی پر کفر کا اطلاق ہوا ہے جیسے من توک الصلوٰۃ معتمد القدر کفر وغیرہ۔

۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں لفظ کفر کی چار تادیل کی گئی ہیں۔ (۱) کفر بمعنی قرب الکفر ہے کہ کفر کے قریب پہنچ گیا تھا مگر کفر نہیں ہے لیکن یہ تاویل بے معنی ہے کیونکہ حدیث میں نواز ترک کرنے والے کی موجودہ حالت بیان ہو رہی ہے اور اسی پر کفر کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کسی دوسری حالت پر نظر نہیں ہے (۲) من توک الصلوٰۃ مستحلاً مراد ہے یعنی جو شخص ترک الصلوٰۃ کی طرح جائز کچھ کافر ہو جائے گا (۳) مراد فعل الکفر ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حافظ ابن حجر کی رائے پر تنقید

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے ترجمۃ الباب اور اس کے بعد کے ایک ترجمہ باب ظلم دون ظلم دونوں کا مقصد ایک ہی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے جس طرح اسلام کے مراتب قائم کئے تھے ضروری تھا کہ کفر کے بھی مراتب بتلائے اور دونوں کے اقرب ہے اس سے بھی مراتب ہی کی طرف اشارہ ہے لہذا کفر ایک نوع ہے جس کے تحت بہت سے مراتب ہیں کوئی شدید کوئی خفیف مگر میری رائے ہے کہ دونوں کے اقرب نہیں بلکہ بعضی غیر ہے کیونکہ امام بخاری نے اور بھی کئی جگہ یہ لفظ استعمال کیا ہے اور وہاں قطعاً بعضی غیر ہی ہے مثلاً باب من خص قوم بالعلم ای صوی قوم اور خود حدیث الباب بھی اسی طرف مشیر ہے کیونکہ اس میں کفر کی دو نوع بتلائیں ایک کفر باللہ دوسری کفران بالعشر گویا دونوں قسم کو تعلقات کے تغایر سے الگ الگ بتلایا ایک ہی قسم کے مراتب نہیں بتلائے جیسے ایک تصور ہے دوسرا تصور معکم کہ دونوں نوع میں علم کی پس کفر وغیر کفر کی صورت متعین ہوگی اور قاضی ابوبکر بن العربي کی تحقیق کو بھی اسی پر محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ الگ الگ انواع میں بھی مراتب قائم ہو سکتے ہیں بلکہ یہ اس سے بہتر ہے کہ کفر کو ایک ہی نوع مان کر اس کے افراد کے لئے احکام مختلف ثابت کئے جائیں۔ یہ بات مستبعد ہے البتہ مختلف انواع کے افراد کے واسطے احکام کا ہو متعقول بھی ہے پس یہاں ایک نوع کو موجب غلو دار اور دوسری کو موجب فسق قرار دیں گے اور اس میں کوئی بعد نہ ہوگا دون کا بعضی غیر ہونا اور بعضی اقرب نہ ہونا آیت و بظہر مادون ذلك لمن يشاء سے بھی پوری طرح واضح ہے۔ غرض ان سب قرائن سے میں نے یہاں حدیث میں بھی دون کو بعضی غیر لینا قطعی قرار دیا اور قاضی ابن عربی کی تحقیق کو بھی اسی سے مطابق سمجھا اور یہ فیصلہ کیا کہ امام بخاری کی غرض بھی یہاں تقارب کفر بالکفر کا بیان نہیں ہے اور نہ ان احادیث کی شرح مقصود ہے جن میں کفر کا اطلاق معصیت پر ہوا ہے جس کو قاضی ابن عربی کی تحقیق سمجھا گیا۔

حافظ ابن تیمیہ کی تحقیق

حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق بھی اگرچہ بہت جید ہے لیکن امام بخاری کے مقصد پر منطبق نہیں ہے کیونکہ امام بخاری تو بظاہر کفر کے نوع ہی کو بیان کرنا چاہ رہے ہیں اور اس کی مزید تائید دوسرے نسخہ بخاری سے بھی ہوتی ہے جس کو حافظ یعنیؒ نے نقل کیا ہے۔ ”و کفر بعد کفر“ اہم نکتہ: ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر امام بخاری کو تحقیق مذکور مقصود ہوتی تو وہ ایسی کوئی حدیث مثلاً ”قَالَ لَفَرَا“ کی سبب میں ضرور لاتے جس میں کفر کا اطلاق محاسنی یا کافر کا عاصی پر ہوا ہے حالانکہ انہوں نے کسی جگہ بھی اس کی طرف اشارہ نہیں کیا اور نہ کفر کو شی و احد اور ایسا طویل و عریض دکھلایا کہ اس کے تحت بہت سے مختلف افراد ہیں بلکہ اسی امر کی طرف اشارہ کیا کہ کفر کی قسم کے ہیں اور ایک کفر دوسرے کفر کے مابین ہوتا ہے۔ شہد و جواب: اگر کہا جائے کہ امام بخاری نے حدیث کفران العشر تو ذکر کر کے جواب یہ ہے کہ کفران یہاں بعضی لغوی ہے یعنی حق ناشیاسی جس کا اطلاق کبھی ایسے امر پر بھی ہوتا ہے جو معصیت بھی نہیں ہوتا۔

دوسرا شہد و جواب: اگر کہا جائے کہ امام بخاری نے حدیث قتالہ کفرانگلے باب میں روایت کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس جگہ لائے ہیں وہاں باب کا عنوان کفر دون کفر قائم نہیں کیا ہے غرض جہاں ایسا ترجمہ قائم کیا ہے کہ اس سے اشارہ حافظ ابن تیمیہؒ والی تحقیق کی طرف نکل سکتا تھا (بقیہ حاشیہ ص ۱۹۸) اس نے کفر کا کام کیا یہ تاویل قابل قبول ہے (۳) لفظ کفر بکفر دون کفر ایسا کفر نہیں ہوا جو سب غلو دار ہو بلکہ ایسا ہوا کہ جس نے اس کے اسلام کی بڑی خوبی کو زائل کر دیا اور کفر کی برائی کے داغ سے اس کو انداز بنادیا یہ تاویل حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ کی ہے جو سب سے بہتر ہے اور اس تحقیق پر لفظ کافر کا اطلاق عاصی پر جائز ہے کیونکہ مبادیہ کفر اس میں پایا جاتا ہے مجھے زیادہ پسند ہے کہ ایسے شخص پر کفر کا اطلاق نہ ہو اگرچہ بظاہر کفر بھی ہو کیونکہ اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوں گے پہلے حنفیہ کا نظریہ وضاحت سے بیان ہو چکا ہے کہ وہ ایمان کو ایک خاص مرتبہ محفوظ اخیرہ پر منحصر رکھتے ہیں اس لئے اس آخری تاویل یا تحقیق کو بھی انہوں نے اختیار نہیں کیا۔

وہاں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی جس میں کفر کا اطلاق محصیت پر ہوا ہو اور جس جگہ ایسی حدیث لائے ہیں وہاں معبود ترجمہ نہیں ہاں نہ تھا۔

امام بخاری و حافظ ابن تیمیہ کے نقطہ نظر کا اختلاف

اگر امام بخاری کا مقصد وہی تحقیق ہوتی جو حافظ ابن تیمیہ کی ہے تو ہمارے نزدیک حسب ذیل چند امور بطور قرآن اس کے مؤید ہوتے ہیں۔ (۱) ایک ہی مقام میں ترجمہ وحدیث اس کے مطابق لاتے (۲) اگلے باب میں عاصی پر اطلاق کفر سے نہ روکتے حالانکہ بجز شرک کے ہر صورت میں اس کے اطلاق سے روک رہے ہیں۔ (۳) بجائے ولا یکفر کہے ویکفر صاحبہا کہتے۔ (۴) ولا یکفر صاحبہا کو کسی قید سے مثلاً کفر باللہ وغیرہ سے متفید کرتے تاکہ وہ مراد پوری ظاہر ہوتی ہمارا خیال نہیں کہ ایسے اہم مواضع میں امام بخاری ناقص عبادت ذکر کرتے۔ (۵) قتل و قتل پر اصرار سے نہ ڈراتے جیسا کہ ”باب خوف المومن ان یحبط عملہ وعشیۃ اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الفسہم النفاق“ میں کیا ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ”ایسا مومن فی الحال کافر نہیں ہوا البتہ اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے خدا ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے اور ہمارا خاتمہ ملت بیضاء محمد علی صاحبہا الف الف صلوات و تحیات پر کرے۔

پس وہاں کفر کا اطلاق فی الحال نہیں ہے بخلاف تحقیق حافظ ابن تیمیہ کے کہ اس کے لحاظ فی الحال کفر کا اطلاق درست ہوتا یکفر دون کفر اس سے معلوم ہوا کہ باب زیر بحث کے ساتھ اگلے دونوں باب لا یکفر صاحبہا والا اور تحذیر مذکور والا ملانے سے امام بخاری کا مقصد پوری طرح وضاحت میں آجاتا ہے اور تحقیق مذکور کو شرعاً ترجمہ مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے دوسرے ہمارا غالب خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے کفر دون کفر کا عنوان بھی صرف حدیث کے مخصوص الفاظ کی رعایت و لحاظ سے قائم کیا ہے کیونکہ حدیث میں ایک ہی فعل کو اللہ تعالیٰ اور غیر دونوں کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس سے کفر مختلف قسم کا مفہوم ہوا اسی طرح دوسرے بہت سے مواضع میں بھی امام بخاری نے مخصوص الفاظ حدیث کی رعایت سے تراجم لگائے ہیں۔

امام بخاری کا بلند پایہ علمی مقام

امام بخاری جو علم کے بہت اونچے مقام پر فائز ہیں اس لیے ہم جیسے قلیل البہاعت لوگوں کی رعایت کر کے ہندی کی چند ہی نہیں کر سکتے نہ انہیں اس کی ضرورت ہو تو اپنے علم کے مقام پر فہم کے مطابق ہی کلام کریں گے خواہ اس کی وجہ سے تحقیق حیرت میں پڑیں یا کوتاہ نظر لوگوں کا اعتراض کا موقع ہاتھ آئے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تراجم بخاری کا حق جیسا چاہے آج تک کسی سے ادا نہیں ہو سکا اور وہ بدستور اب تک چیتانوں کی طرح ہیں۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا۔

۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک اہم لفظ کفر کرامی: یاد آئے کہ زمانہ قیام و اکمل میں چند بار بعض آیات مشککہ قرآن مجید کا حل فرماتے ہوئے جب حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ عرض کیا کہ بخاری اس حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں اس قدر دقیق و مشکل اسلوب کیوں اختیار فرمایا اور اسلوب میں کیوں بیان نہ فرمایا تو فرمایا کہ ”مولوی صاحبؒ آگاہی کہاں تک اتر لے؟“ بعد میں الفاظ تھے جن پر مجھے ایسا یقین ہے کہ گویا بخاری ان رہا ہوں حالانکہ تقریباً ۳۰۰ سال گزر چکے ہیں مقصد یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے منہل اپنے فعل و انعام سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صدمے میں ہمیں اپنے کلام و بلاغت نظام سے استفادہ کا شرف بخشا اس میں جہاں بیشتر حصہ اور امر لسانی و تذکیر کا ہے وہ ہر شخص کے لیے ہل انھوں نے اس کے ساتھ کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن کے سمجھنے کے لیے بڑے علم و بصیرت کی ضرورت ہے ان کے مضامین بہت ادق ہونے کی وجہ سے غیر معمولی غور فکر کے طالب ہیں حضرت شاہ کا منشا یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر چیز کو ہر شخص سمجھے لے اور حق تعالیٰ کی بے نیاز ذات کو کیا ضرورت تھی کہ قلیل البہاعت لوگوں کی رعایت فرما کر مضامین عالیہ و دقیقہ کو بھی ہر شخص کی سمجھ کے لائق ۱۔ سارے ماسلحین دنیا بھی اپنے مرتبے سے اتر کر بات نہیں کرتے تو شہنشاہوں کے شہنشاہ رب العالمین سے اس کی توقع کیوں کی جائے راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ کچھ ایسی ہی شان ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کے علم کی بھی تھی کہ وہ ہر ایک عالم کی دسترس سے باہر تھا بلکہ حضرت کی حقیقتاً عالیہ کو بہت سے اساتذہ فہم بھی بعض اوقات سمجھنے سے قاصر رہتے تھے جب تک تھی کہ ”کوئی کہاں تک اترے؟“ اللهم افھمنا بعلمہ۔

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جہنم دکھائی گئی جس میں اکثریت عورتوں کی تھی مگر دوسری حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر جنّت کو جنت میں دو بیاباں ملیں گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں ان کی کثرت ہوگی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب ندے سکے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو دو بیاباں حوران، ہشت ہوں گی جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”لکل امری زوجتان من الحور المعین“ اور ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم دکھائی گئی اس وقت تک ان کی اکثریت ہی تھی وہ دورانہ اسلام کا تھا عورتیں نئی نبی اسلام میں داخل ہوئی تھیں زیادہ جاہلیت میں کوئی روک ٹوک نہ تھی اس لیے وہ بہ کثرت لعن ملعون وغیبت میں مبتلا تھیں اور آپ نے عورتوں کی اکثریت جہنم میں دیکھی پھر اسلام کی تعلیم سے ان کے حالات میں انقلاب پیدا ہوا وہ بہ نسبت مردوں کے زیادہ رشتہ القلب ہوتی ہیں اور اچھی باتوں کا اثر بھی جلد لیتی ہیں اس لیے جتنی زیادہ پہلے سے برائیوں میں مبتلا تھیں اسی قدر اسلام کے بعد برائیوں سے دور اور اچھائیوں سے قریب تر بھی ہو گئیں۔ واللہ اعلمیٰ اعلم۔

خلاصہ کلام: کفر انہی عشر بھی ایک قسم کا کفر ہی ہے مگر یہ کفر کفر باللہ کے مقابلہ میں کم درجہ کا ہے کفر باللہ غلو و تارکاً موجب ہے اور کفر ان عشر ایک معصیت کبیرہ ہے جس طرح حضرت شاہ صاحب کی تحقیق ہے علامہ نووی وغیرہ نے بھی یہاں کفر کے بہت سے اقسام ذکر کئے ہیں علامہ نووی نے لکھا کہ علماء نے کفر کی چار قسم لکھی ہیں (۱) کفر انکار کو کتب و لسان سے خدا کا منکر ہوا اور خدا کی معرفت و وحیدہ کوئی واسطہ نہ رکھے (۲) کفر نحو ذکر دل سے اقرار ہی ہو مگر زبان سے اقرار نہ کرے جیسے ایشی وغیرہ کا کفر (۳) کفر معاندہ کہ دل کی معرفت اور زبان سے اقرار دونوں ہوں مگر پھر قبول ایمان بالوحید نہ کرے جیسے ابوطالب وغیرہ کا کفر (۴) کفر نفاق کہ زبان سے اقرار کرے مگر دل سے انکار ہو۔ جیسے منافقین کا کفر ہوتا ہے۔

علامہ ازہری نے کہا ایک کفر براۓ بھی ہے جیسے شیطان قیامت کے روز کہے گا انی کفرت بما اشرکتمونی یعنی تمہارے شرک سے میں بری ہوں اور اس سے کم درجہ کفر کا یہ ہے کہ وحدانیت، نبوت وغیرہ سب امور کا عقیدہ و اقرار ہو مگر کبارہ معاصی کا مرتکب ہو جیسے قتل، سعی فی الارض، بالفساد، منازعہ اولی الامر شق عصا المومنین وغیرہ مذکورات الامارہ۔

اس کے بعد علامہ نووی نے لکھا ہے کہ شریعت نے مذکورہ بالا چار اقسام کفر کے علاوہ بھی کفر کا اطلاق کیا ہے اور وہ کفر ان حقوق نعم ہے اور اس کا بیان اس حدیث الباب میں ہے اور اسی قسم کی حدیث اذ ابی العبد من موالیہ فقد کفر (مسلم) اور حدیث لا ترجعوا بعدی کفاراً بضرب بعضکم رقاب بعض۔ وغیرہ ہیں اور یہی مراد بخاری کی ہے کفر دون کفرا سے اور بعض نے بھی کفر بعد کفر ہے اور دونوں کے معنی ایک ہیں (شروح اربعہ ص ۱۷۹) علامہ کرمانی نے بھی اس موقع پر انواع کفر کی تشریح مذکورہ بالا طریقہ پر کی حافظ سیوطی نے بھی ازہری سے انواع کفر نقل کی ہیں البتہ تسلطی نے وہی مراتب قائم کرنے کی صورت ذکر کی ہے۔

معلوم ہوا کہ امام نووی و کرمانی بھی وہی تحقیق سمجھے ہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ نے متعین فرمائی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد

اس کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ باب کفرون کفر الخ سے حنفی کی کلی تائید نکلے ہے کہ اعمال اصلی ایمان میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ایمان ہوتا تو کفرون کفر صحیح نہ ہوتا بلکہ تارک حسانت اور مرتکب سیئات کا کفر ہوتا اس لیے کہ ایمان کے کچھ اجزاء اس سے منکفی ہو گئے پھر فرمایا کہ امام بخاری کی غرض اس باب سے معتزلہ کا رد کرنا ہے جو مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج کرتے ہیں (لایع الدرداری ص ۱/۲۶)

امام بخاری کا مقصد

امام بخاریؒ نے پہلے ابواب میں ”من الایمان“ وغیرہ کے اشارات سے مراد اہل بدعت کی تردید کی تھی کہ وہ اعمال کو ایمان کے ساتھ کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اب کفر و کفر اور اس کے بعد کے چند ابواب میں ان کا مقصد معتزلہ و خوارج کی تردید ہے اور یہ بتانا ہے کہ کفر کے بہت سے اقسام ہیں معاصی والا کفر، کفر باللہ سے مبائن و مغائر ہے اس لیے اس کی وجہ سے ایمان سے خارج کرنا یا غلطو دینا کا مستحق قرار دینا غلط ہے، واللہ اعلم بالصواب، والیہ المر جمع والمآب۔

ایک اہم مغالطہ اور اس کا ازالہ

اوپر کا مضمون اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق لکھنے کے بعد ایضاً البخاری دیکھی تو اس میں باب کفر و کفر کے بعد باب المعاصی من امر الجاہلیہ کے تحت محترم صاحب ایضاً دامت برکاتہم نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کو اپنے لیے ناقابل فہم بتلایا اور آخر میں یہ بھی فرمایا شاید مولف فیض الباری سے تسامح ہو گیا ہو اور یہ تفسیر خود ان کی طبع زاد ہو (ص ۳۱۹)

اگر اس کا انشاء یہ ہے کہ حضرت محترم دامت برکاتہم نے اپنے استاذ حضرت شاہ صاحب سے ایسی تحقیق نہیں سنی تو اس کے دو بڑے سبب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آپ نے ۲۶ ۲۷ھ میں دورہ پڑھا تھا اور اس وقت بھی حضرت شاہ صاحب سے ترمذی و بخاری پڑھنے کا موقع نہیں ہوا جس سے حضرت شاہ صاحبؒ سے تمام مباحث ترمذی و بخاری سننے کا موقع ملتا ہے و رہا یہ کہ آپ نے مجموعی طور پر بہت سے اہم مباحث میں حضرتؒ کی رائے ضرور معلوم کی ہوگی اس لیے یہ فیصلہ کرنا مناسب نہیں کہ ہم نے یہ تحقیق شاہ صاحب سے نہیں سنی تو اس کی نسبت ہی کو مشکوک قرار دے دیا جائے اس وقت میرے سامنے محترم مولانا محمد چراغ صاحب مولف العرف العزیزؒ کی تقریر درج بخاری شریف زمانہ دیوبند کی موجود ہے اور اس مقام پر حضرت شاہ صاحبؒ کی یہی تحقیق اختصار کے ساتھ درج ہے پھر اس کی نسبت کو مشکوک کرنا کیسے درست ہوگا؟ دوسرا سبب یہ ہے کہ ۲۷ھ سے ۵۱ھ تک بڑا طویل زمانہ ہے حضرت شاہ صاحب کا مطالعہ کہ وقت موقوف نہیں ہوا بلکہ برابر بڑھتا رہا اس لیے معلومات و تحقیقات میں بھی اضافہ و نقصان ہوا۔

اس کے بعد عرض ہے کہ راقم الحروف نے زمانہ قیام ڈابھیل میں دو سال حضرت شاہ صاحبؒ کے درس بخاری شریف میں شرکت کی دونوں سال درس کی تقریریں لکھیں اور یوں بھی ہر وقت قرب کا شرف حاصل ہوا میری یادداشتوں میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق موجود ہے جس کو اوپر لکھ چکا ہوں اور اس کی تحقیق کی تائید امام نوویؒ و کرمانی حافظ عینیؒ وازہریؒ سے بھی نقل کر چکا ہوں پھر بھی یہ دعویٰ نہ مولف فیض الباری نے کیا اور نہ میں کر سکتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات عالیہ کو بے کم و کاست پوری طرح لکھ دیا ہے نہ یہ ہماری وسعت میں تھا نہ استطاعت میں، ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا، اس لیے یہ بھی اعتراف ہے کہ محترم صاحب ایضاً البخاری دام ظلہم، یا محترم مولف فتح المہم ایسے محقق حضرت شاہ صاحبؒ کے آخری سالوں کے درس کی تقریریں قلمبند کرتے تو یقیناً وہ ہماری جہد و محنت سے کہیں زیادہ مکمل اور بہتر ہوتیں مگر اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف نسبت مفاسد میں شک و شبہ کی اتنی فراوانی موزوں نہیں جس کی مثال اوپر دی گئی ہے۔ واللہ المستعان۔

یہاں مناسب ہوگا کہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کلمات بھی نقل کر دوں میرا طریقہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ بعینہ اسی

طرح اردو کے ظلم بند کر لیا کرتا تھا دوسرے یہ کہ حضرت کی خاص رائے لکھنے کا اہتمام بھی زیادہ کیا کرتا تھا۔ ”پھر دونوں بمعنی اسفل ہے یا بمعنی غیر ہے اول کو حافظ نے فتح الہاری میں ترجیح دی ہے یعنی مراتب بیان ہوئے ہیں اور ایک جماعت نے دوسرے کو راجح قرار دیا ہے اور بعض شامین نے اس کو مرجوح کہا ہے مگر میرے نزدیک یہی درست ہے اور مقصد انواع کا بیان ہے یعنی میں ثابت کیا ہے کہ بخاری کے ایک نسخہ میں لفظ غیر موجود ہے آگے دونوں کا لفظ آئے گا اور وہاں بھی یہی جھگڑا ہے اور وہاں بھی میرے نزدیک بمعنی غیر کو ترجیح ہے اور غیر یہاں معنی ہے استثنائی نہیں ہے علی دوہم غیر ذائق اور علی دوہم غیر ذائق کا فرق یاد کرو۔“

اس کے بعد آگے دوسرے دونوں پر باب ظلم ظلم دونوں ظلم میں فرمایا:۔

”خطابی نے کہا کہ ظلم سے مراد ظلم قلب ہے اور ظلم ظلم ہے اور مقصد بیان انواع ہے اس کو حافظ نے نقل کر کے پسند نہیں کیا لیکن میرے نزدیک خطابی کی رائے صحیح ہے۔“

غالباً اتنی تفصیل کے بعد حضرت شاہ صاحب کی رائے و تحقیق پوری روشنی میں آچکی ہے اور نسبت کا شک رفع ہونے کے ساتھ شاید اب ناقابلِ فہم بات بھی نظر ثانی کی محتاج سمجھی جائے گی۔

باب المعاصی من امر الجاہلیۃ ولا یکفر صاحبہا بازکا بها الا بالشک لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انک امر و فیک جاہلیۃ و قول اللہ تعالیٰ ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء وان طاعتنا من المؤمنین اقتضوا فاصلحوا بینهما فسمما ہم المؤمنین۔

(۲۹) حدثنا عبدالرحمن بن المبارک قال ثنا حماد بن زید قال ثنا ایوب و یونس عن الحسن عن الاحنف بن قیس قال ذہبت لانصرہذا الرجل فللقینی ابوبکرہ فقال ابن تریذہ؟ قلت انصرہذا الرجل قال ارجع فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا التقی المسلمان بسیفہما فالقاتل والمقتول فی النار قلت یا رسول اللہ هذا القاتل فما بال المقتول قال الہ کان حریصاً علی قتل صاحبہ۔

باب ”تمام معاصی دور جاہلیت کی یادگار ہیں“ تاہم ان کے ارتکاب کرنے والے کو بجز شرک کے کافر نہ کہا جائے گا اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو) فرمایا تھا ”تمہارے اندر جاہلیت کا اثر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا شرک کو نہیں بخشیں گے اس کے سوا جس کے گناہوں کو چاہیں بخشیں گے اور فرمایا اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرادو اس میں دونوں قتال کرنے والوں کو مسلمان فرمایا۔“

۱۔ راہ الحروف نے علامہ نووی (۱)، محقق ربانی (۲)، حافظ عثلی (۳)، اور علامہ ابراہیم (۴) کے اقوال سے بیان انواع کی تائید نقل کی ہے اور محقق خطابی (۵) کی بھی یہی رائے ہے اب بعض شامین اس کو مرجوح کہتے ہیں اور حافظ نے خطابی (۶) رد جاتے ہیں۔

۲۔ تقریباً اسی طرح کا جملہ حضرت شاہ صاحب سے مولانا عبدالحق بن استاذ چاند آبادی اور حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب کی یادداشت میں بھی ملا ہے جس کا حوالہ فیض الہاری ص ۱۱۹ کے حاشیہ میں ہے مگر عمدۃ القاری میں یہ حوالہ ابھی تک نہیں مل سکا البتہ یہ بتلے جاتے ہیں:۔ اس باب میں اشارہ انواع ظلم کی طرف مذکور ہے کیونکہ ظلم دونوں ظلم کہا ہے ”پھر آگے لکھا:۔“ لفظ دونوں یا بمعنی غیر ہے یعنی انواع ظلم مختلف و متفاوڑ ہیں یا بمعنی اونے ہے یعنی بعض انواع اشد ہیں ظہیم اور سہو عاقبت کے لحاظ سے۔ ”پھر آگے فرمایا:۔“ مطابقت حدیث کی ترجمہ سے اسی طور ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ظلم کی بہت سی انواع ہیں اور ان میں بعض انواع کفر ہیں اور بعض کفر نہیں ہیں تو اس سے بدایت ہی معلوم ہو گیا کہ بعض انواع کم درجے کی ہیں بعض سے۔ (عمدہ ص ۲۳۸)

محقق عثلی کے ہر جملہ کا ذکر بیان انواع پر معلوم ہو رہا ہے اور ایک نوع کے مراتب بات کا نظر انداز کر رہے ہیں بلکہ دونوں بمعنی اوئی والی صورت کو بھی انواع کے ساتھ لگا کر ان انواع کی اونچی نیچی دکھانا چاہتے ہیں ایک ہی نوع کے مراتب قرار نہیں دیتے۔ واللہ اعلم

ترجمہ: حسن اخف بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ (جنگ میں) میں اس مرد (حضرت علیؓ) کی مدد کرنے کو چلا تو مجھے ابو بکرؓ مل گئے کہنے لگے کہ اس کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا اس شخص (علیؓ) کی مدد کروں گا (اس پر) انہوں نے کہا کہ لوٹ جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ جب دو مسلمان اپنی کھوپڑیاں لے کر (آپس میں) بھڑ جائیں تو بس مرنے اور مارنے والا دونوں دوزخی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو قاتل ہے (ٹھیک ہے) مگر مقتول کا کیا قصور؟ آپؐ نے جواب دیا کیونکہ وہ مقتول بھی اپنے (مسلمان) بھائی کو قتل کرنے کا خواہشمند تھا۔

تشریح: اس باب کا منشا یہ ہے کہ گناہ کی قسم کا ہو چھوٹا یا بڑا بہر حال وہ اسلام کی ضد ہے اور جاہلیت کی بات ہے لیکن اس کے باوجود شرک کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے گناہ کے ارتکاب سے آدمی کا فرنیس بن جاتا۔ حدیث کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان لڑائی اسلام اور ایمان کے تقاضے کے خلاف تھی اسی بنا پر ابو بکرؓ نے اخف بن قیس کو روکا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد انہوں نے نقل کیا اس کا تعلق اس لڑائی سے ہے جو محض ذاتی اور نفسانی اغراض کے تحت ہوا اور حضرات صحابہؓ یا بھی جنگ غلط نہیں اور اجتماعی اور ربی مصالح کی بناء پر واقع ہوئی تھی اس لئے قاتل اور مقتول والی مذکورہ حدیث کا اطلاق اس جنگ کے شرکاء پر نہ ہوگا چنانچہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اخف بن قیس نے ابو بکرؓ کا مشورہ رد کر دیا اور وہ باقاعدہ حضرت علیؓ کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے یہ جنگ بہر حال اجتہادی امور سے متعلق تھی اس میں ایک فریق کا اجتہاد صحیح نہ تھا اور رائے کی اس غلطی پر اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی گرفت نہیں صحابہؓ کا معاملہ یہ ہی تھا۔

جنگ جمل و جنگ صفین

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کی جنگ جمل و جنگ صفین کی بڑی شہرت ہے یہ تاریخ اسلام کا اہم باب ہے اور جیسا کہ پہلے اشارہ کیا تھا ہمارے اکابر اساتذہ دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ مشاجرات صحابہؓ پڑھنے سے ایمان قوی ہوتا ہے کیونکہ ان کے صحیح واقعات و اسباب پر نظر ہو تو سب کا مقصد محض دینی و اجتماعی اصلاح معلوم ہوتا ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ عہد صحابہؓ جنگیں نہ ہوتیں تو ”باب البغاة“ ہم پر مغلّی رہتا، حضرات صحابہؓ کے زمانے میں اس قسم کے مسائل مختلف فیہا رہے ہیں مگر فقہاء و ائمہ مجتہدین کے زمانے میں ٹھہر گئے یہ امت محمدیہ کی خصوصی منقبت و فضیلت ہے کہ اس کے مصائب و ابتلاؤں سے بھی بعد کے لوگوں کو بڑے بڑے دینی و علمی فوائد حاصل ہوئے۔

بہت ہی غلط فہمیاں مؤرخین کی بجا احتیاطی اور بے جا طومار بندی کے سبب پیدا ہوئیں اس لئے یہاں صحیح واقعات کی طرف مختصر اشارات کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں داخلی فتنے سر اٹھائے تھے جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی نرمی و رعایت و مروت، حیا و ساحت نفس کے سبب ابھرنے اور پھلنے پھولنے کا موقع ملا جس کا سب سے پہلا نقصان خود ان کی ذات کو اور پھر بعد کے لوگوں کو پہنچا حضرت علی رضی اللہ عنہ آج کے جانشین ہوئے تو لوگوں نے سب سے پہلا مطالبہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے کا کھڑا کر دیا۔ بات چونکہ چلنے والی تھی خوب چلی بڑے بڑے صحابہؓ نے اس مطالبہ کی حمایت کی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ فوری طور پر اس مطالبہ کو پورا کرنے سے قاصر تھے کیونکہ اول قاتلین عثمان کی تعیین و شرعی ثبوت ضروری تھا پھر ان شریعتی لوگوں کا منظم گروہ تھا ان پر بغیر پورے اقتدار خلافت کے ہاتھ ڈالنا بہت دشوار تھا اور اگرچہ آپ کی بیعت خلافت تجاؤز عراق و مصر میں عام طور سے ہوئی تھی مگر شام میں نہ ہو سکی تھی بلکہ گورنر شام حضرت معاویہؓ نے بھی قبول نہیں کی تھی اوہا کا برتاجاز میں سے ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نیز عراق میں سے کونہ و بصرہ کے لوگ بھی باوجود بیعت علیؓ کے بغیر قاتلین عثمان کا قصاص لینے ان کی امارت و خلافت عملی طور پر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔

حضرت عائشہؓ و حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے بصرہ جا کر قیام کیا اور کونہ و بصرہ کے لوگوں سے مل کر اس مطالبہ میں قوت پیدا کی، حضرت علی رضی

اللہ عز و جل سب کو معذرت کی نزاکت سمجھا کر مطمئن کرنے کے خیال سے بصرہ تشریف لے گئے۔ گفتگو نہیں ہوئیں اور بڑی حد تک اصلاح حال کی توقع ہوگئی مگر شہر پسند عناصر نے جنگ کی صورت ناگزیر بنادی تاہم یہ جنگ بصرہ کے باہر میدان میں صرف ایک دن رہی اور ختم ہوگئی۔

حضرت علیؑ کے سمجھانے پر حضرت زبیرؓ پہلے ہی جنگ سے دستبردار ہو گئے تھے سالار رجیش حضرت طلحہؓ اس معرکہ میں مروان کے تیر سے زخمی ہو کر شہید ہوئے یہ معرکہ صبح سے زوال کے وقت تک رہا تھا اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی قیادت اور حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں شام تک دوسرا معرکہ ہوا اور حضرت علیؑ کی فتح پر ختم ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہایت احترام کے ساتھ چند لوگوں کی حفاظت میں مدینہ طیبہ واپس کر دیا اور خود بصرہ کو کوچہ کے حالات درست کرنے کے بعد شام کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رخصت ہوتے وقت اہل بصرہ سے فرمایا ”ان کے اور حضرت علیؑ کے درمیان اس سے زیادہ کچھ نہ تھا جو ایک عورت اور اس کے شوہر کے بھائی کے درمیان ہوتا ہے“ حضرت علیؑ نے بھی سب کے سامنے اس کی تصدیق دتائی۔

دونوں طرف کے جلیل القدر صحابہ بہترین فقہا و علماء اس جنگ میں شہید ہوئے جس کا رنج و ملال حضرت علیؑ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کو ہمیشہ رہا اور دونوں اپنے کئے پر تادم ہوئے حضرت عائشہؓ قرآن مجید کی آیت وقون فی بیوتکم (ازواج مطہرات کو ارشاد خداوندی ہوا تھا کہ تم سب اپنے گھروں میں گڑی رہنا باہر نکلنے کا نام نہ لینا) تلاوت فرما کر اتار دیا کرتی تھیں کہ دو پہر ہو جاتا اور فرمائیں کاش! مجھے آج سے بیس سال پہلے موت آجاتی کبھی فرمائیں ”بخدا اہم حمل سے اگر میں بیٹھ رہتی تو مجھے“ اس سے زیادہ خوشی ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے دل لڑکے پیدا ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح فرمایا کرتے تھے کہ کاش! آج سے بیس سال قبل مجھے موت آچکی ہوتی اور فرماتے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو تب یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصہ ہی نہ لیتا۔

یہ تو جنگ جمل کی سرگزشت تھی اب جنگ مہین کا حال سنئے۔ حضرت معاویہؓ اپنے چچا زاد بھائی مظلوم خلیفہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ قاتلین سے لینے کا تہیہ کر چکے تھے اور ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ حضرت علیؑ باوجود قدرت کے اور قاتلین عثمانؓ کو متعین طور سے جانتے ہوئے قصاص نہیں لے رہے ہیں اچانک خط میں حضرت علیؑ لکھا۔

”حضرت عثمانؓ کے وارث آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے اگر آپ اپنے کو واقعی حضرت عثمانؓ کے خون سے بری بتلانے میں سچے ہیں تو قاتلوں کو ہمارے حوالے کریں ہم ان سے قصاص لیں گے اور پھر آپ کے پاس (بیعت خلافت کے لئے) دوڑتے ہوئے آئیں گے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا۔

”میں باوجود تلاش کے اب تک حضرت عثمانؓ کے مقرر قاتلوں کا پتہ نہیں لگا سکا ہوں اور مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں پر تم قتل کی تہمت لگاتے ہو اور جن پر گمان کرتے ہو ان کو بھیج دوں۔“

ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ کے آخری عشرہ میں صلین کے مقام پر نہر فرات کے کنارہ پر دونوں طرف کے لشکر جمع ہو کر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں لڑے اس کے بعد عوم کے مہینہ میں جنگ بندی رہی ماہ صفر کے آخری تین دن مہسان کی لڑائی ہوئی اور آخر میں شامیوں کی شکست کے آثار نمودار ہوئے تو انہوں نے نیزوں پر قرآن مجید اٹھا کر جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔

دونوں طرف سے حکم مقرر ہوئے ”جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا“ دونوں حکم کا فیصلہ میزان عدل پر پارا نہ اترا اور اختلاف بڑھ گیا حضرت

علیؑ و خوارج وغیرہ کے قتلوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور ان کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔ حضرت معاویہؓ شام کو مغربیوں سے سنبھالے رہے اور مصر پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح اسلامی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، مغربی حصہ شام و مصر اور افریقہ کے علاقے حضرت معاویہؓ کے تحت ہو گئے، مشرقی حصہ عراق، جزیرۃ العرب اور فارس کے مفتوحہ علاقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام دور خلافت میں منہاج نبوت پر قائم رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے طریقے استعمال کئے، زمانہ اور زمانے کے لوگوں کے حالات و چیزوں کے ساتھ خرابی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس لئے خلافت علی منہاج النبوت سے زیادہ کامیابی و نیوی سیاست کے لئے مقدر ہو چکی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ آخر عمر تک دین اور دینی سیاست کو کامیاب بنانے کی جان توڑ مساعی میں مشغول رہے۔ ان پر ہر اگلا دور پچھلے دور سے زیادہ سخت اور صبر آزمایا، مگر وہ کوہ استقامت بنے ہوئے، مصائب و آلام کو خستہ و پشیمانی سے برداشت کرتے رہے۔

آپ نے ایک روز اہل کوفہ کے سامنے دل ہلا دینے والا خطبہ دیا۔ جو ساتھیوں سے آپ کی انتہائی مایوسی اور ناسازگار حالات و ماحول پر آپ کے غیر معمولی رنگ و خم کی سراپا تصویر تھا، اس کے چند جملے یہ ہیں۔

”جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ اس کو حقیروں و ذلیلوں اور کمینہ خصلت لوگوں کے ہاتھوں ذلت و خواری کے عذاب میں جلا کر لے گا۔ میں نے تم کو ان لوگوں سے لڑنے کی دن رات دعوت دی، مخفی طور سے بھی سمجھا یا علانیہ بھی کہا کہ دشمنوں کے حملہ کرنے سے پہلے تم مقابلہ پر آ جاؤ خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس قوم کے گھر پر حریف چڑھ کر لڑنے آئے وہ ذلیل ہوگی۔ تم لو نے جارہے ہو تمہارے مرد عورتیں اور بچے قتل کئے جاتے ہیں اور وہ حملہ کرنے والے تمہاری سر زمین سے صحیح سلامت واپس چلے جاتے ہیں۔ حیرت اور سخت حیرت کی اور دلوں کو مردہ دماغوں کو حیران اور غموں کو بے حاد سینے والی بات ہے کہ وہ اپنے باطل پر اس طرح متحضر اور تھے ہوئے ہیں اور تم حق پر ہو کہ بھی اس طرح ناکام و نامراد ہو، تم میری دوسری کی شدت سے ڈرتے ہو تو بخدا! نگواروں کے سامنے تمہاری گرد بھی نہ ہوگی، اے مرد دنیا کو گوا! اے خواب کے بندو! اے پردہ نشینوں کی عقلوں خدا کی قسم تم نے اپنی نافرمانی سے میری تدبیریں غلط کر دیں اور مجھے غصے سے بھر دیا، اتنا کہ قریش نے میرے متعلق کہا ”یو طالب کا بیٹا بہادر ضرور ہے لیکن لڑائی میں صاحب تدبیر نہیں“ ان نکتہ چینیوں کے کیا کہنے! مجھ سے زیادہ لڑائی کا ماہر اور میدان کون ہوگا؟ بخدا! میری عمر ابھی بیس سال کی بھی نہ تھی کہ میدان جہاد میں کود پڑا اور آج ساٹھ سال سے آگے ہوں، لیکن جس کا حکم نہیں چلتا اس کی رہنمائی کیا؟“

بحث و نظر: ہم نے یہاں جنگ بھل و جنگ صفین کا حال اس لئے بھی لکھا ہے کہ حدیث الہاب کا جنگ صفین سے تعلق ہے، کیونکہ احنف بن قیس نے فرمایا، میں اس شخص (حضرت علیؑ) کی مدد کے لیے گھر سے نکلا اور ابو بکر نے مجھے روکا پھر یہ حدیث سنائی۔ ”ایضاح البخاری“ میں اس

سے آپ کا نام خاک، کیت، ابو بکر عمر بن نام احنف ہے۔ شیخین کے دور خلافت میں اسلام لائے نبی جم قبیلہ کے سرداروں میں سے اور طیل القدر تابعی تھے آپ کی عابدانہ تعریف سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا، مغفرت فرمائی تھی۔ نقل ہے کہ جب ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا فرمانے کی خبر ملی تو سجدہ میں گر گئے۔ حسن بصری نے فرمایا کہ میں نے کسی سردار کو احنف سے افضل نہیں پایا۔ عہد فاروقی میں اپنے والد عمرو سے مدینہ طیبہ آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی تمیم کے ساتھ سوئے بن قحط۔ اس لئے ان کو اس کی خدمت کیا کرتے تھے ایک وفد احنف کی موجودگی میں بنی تمیم کا ذکر آ گیا اور حضرت عمرؓ نے حسب معمول اس کی خدمت کی، احنف نے کھڑے ہو کر کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی، حضرت عمرؓ نے اجازت دی تو کہا، آپ نے بلا استئذان پورے قبیلہ بنی تمیم کی برائی کی حالانکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہیں ان میں اچھے برے ہر قسم کے لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے کج کہا اور پھر ذکر خیر سے گذشتہ خدمت کی حمایا فرمائی، احنف نے بھی کچھ عرض کرنا چاہا مگر حضرت عمرؓ نے روک دیا کہ تم چیخاؤ! انتہاری جانب سے تمہارے سردار غرض ادا کر چکے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے احنف کو ایک سال تک ساتھ رکھا، پھر فرمایا کہ مجھ کو تم میں بھلائی کے سوا کوئی قابل اعتراض (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واقعہ تعلق جنگ جمل سے لکھا ہے مگر حقیقت میں اس کا تعلق جنگ صفین سے ہے اور یہی رائے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی ہے، حضرت مدنی قدس سرہ نے درج بخاری شریف میں فرمایا: ”اخف بن قیس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامیوں میں سے تھے لہذا ان کی حمایت کے لیے جارہے ہیں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ کا زمانہ ہے۔“ (مطبوعہ مکتبہ بخاری ص ۱۳۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: قاتل و مقتول کے جنسی ہونے کی حدیث کو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ کے بارے میں پیش کرتا ہے بل کہ یہ کیونکہ حدیث میں اس قاتل و مقتول کا ذکر ہے جو ظلم و جور کی راہ میں لڑتے ہوں اور ان دونوں حضرات کی جنگ دینی و اجتماعی مصالح کے تحت تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے کو حق پر سمجھتے تھے اسی لیے اکثر صحابہ کرام

(بقیہ فرائض سابقہ) بات نظر نہیں آئی تھا اور ظاہر اچھا ہے امید ہے باطن بھی اچھا ہوگا میں نے یہ اس لئے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو ڈرایا تھا کہ اس امت کی ہلاکت باخبر منافقوں کے ہاتھوں ہوگی۔ بصرہ و ادبیس ہو کر کھادہ میں فارس کی بہم میں شرکت کی۔ بڑے عاقل و دہرے تھے قوی و مکی مہمات میں ان کا نام سب سے پہلے ہوتا تھا پھر ابوہریرہؓ کے بعد مشہور ایرانی افسر ہرمزان (کو جس نے خورستان کی بہم میں ہرا ڈال دی تھی) کے کردہ یہ طیبہ بن گئے اس وقت تک عراق فتح ہو چکا تھا مگر ایران پر عام فوج کشی نہ ہوئی تھی اور مفتوحہ علاقے بار بار بار بار ہو جاتے تھے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ایران کے اندر عام فوج کشی کے بغیر وہاں کی شورش ختم نہیں ہوگی اس پر حضرت عمرؓ نے دفعہ چارے نے بروفی انتظامات شروع کئے اور ایران کے ہر ہر صوبے کے لئے طغہ و طغہ فوجیں روانہ کیں۔ خراسان کی بہم اخف کے پیر و ہونے کی جہاں بزرگ و عظیم تھا ۲۲ھ میں اخف اور ہر ہونے ہرات فتح کر کے آگے بڑھتے رہے اور بزرگ و ہر ہونے فرار ہو رہا تھا اور آپ نے تمام خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور نیشاپور سے طبرستان تک ہر علاقہ کو صلیح کر لیا بزرگ و مجبور ہو کر دریا پار خاقان چین کے پاس چلا گیا اخف اور بھی آگے بڑھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمروؓ حاکم دارہ ایران سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے اس لئے دریا پار کی پیش قدمی سے ان کو روک دیا۔ بزرگ و کے حدود چین میں داخل ہونے کے بعد خاقان چین نے اس کو پوری مدد دے کر کھادہ کیا اور خورداک لنگر ہار کے ساتھ اس کی مدد کے لئے خراسان پہنچا۔ سپہ سالار کی طرف بڑھا تلخ کی اسلامی فوجیں اخف کے ساتھ مرو و رازد و ادبیس جا چکیں تھیں اس لئے بزرگ و اور خاقان چین دونوں اپنے لڑ و لنگر کے ساتھ تلخ ہوتے ہوئے مرو کی طرف بڑھے اخف نے دامن کوہ میں صف آرائی کی پہلے صبح و شام دونوں طرف کی فوجوں میں معمولی جھڑپ ہوتی رہی۔ ایک دن اخف خود میدان میں لگے خاقان کی فوج سے ایک بہادر تکر حمل و داس جاتا ہوا مقابل آیا اخف نے اس کا فوراً تمام کام کر دیا اس کے بعد کچے بعد کو دے دو بہادر اور مقابلہ میں آئے اخف کی ہمدانے ان کا بھی خاتر کیا پھر تکر کا پورا لنگر آ کر بڑھا خاقان چین کی نظر لاشوں پر پڑی۔ اس نے فیل بدلی بزرگ و کی حجت میں اس کو کچھ فائدہ نظر نہ آیا اور مسلمانوں کو شکست دینا بھی مشکل معلوم ہوا۔ اس لئے اس نے کہا کہ ہمیں یہاں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہمارے بہت سے نامور سپاہی تل ہونچے ہیں یہ کہہ کر اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا خاقان کے مع فوج و ادبیس ہونے سے بزرگ و کی دست پھرنوٹ گئی اور اس نے اپنا خزانہ لے کر ترکستان جانا چاہا یا ایرانیوں نے مکی خزانہ لے جانے سے روکا اور لڑ کھڑا نہ اس سے چین لیا مسلمانوں نے صلح کر لی اور سارا خزانہ بھی ان کے حوالہ کر دیا اخف نے ان کے ساتھ یہاں شریفانہ برتاؤ کیا کہ انہیں اس کا خسوس ہوا کہ وہ ایک تک مسلمانوں کی حکومت سے کیوں محروم رہے بزرگ و ترکستان چلا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک خاقان چین کے پاس مقیم رہا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایران میں بغاوت ہوئی اور خراسان مسلمانوں کے قبضہ سے مکی کو پھر اخف ہی نے فوج کشی کر کے وہاں پر قبضہ کر لیا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اندرونی خلفائے ہونے تو اخف نے اپنی کوارمیان میں کر لی چنانچہ جب حضرت علی اور حضرت عائشہؓ میں اختلاف ہوا تو اخف نے جو اس وقت مکہ معظمہ میں تھے حضرت علی کے ہاتھوں پر بیعت کر لی لیکن جنگ جمل میں کسی جانب سے حصہ نہیں لیا البتہ جب حضرت علی اور حضرت امیر معاویہؓ میں جب صفین چھری اس وقت وہ مصر نہ کر سکے اور حضرت علیؓ کی حجت میں نہایت پر جوش تھیں اور اہل بصرہ کو مکی ان کی حمایت و امداد پر آمادہ کیا اس کے بعد حضرت علیؓ نے خوارج پر فوج کشی کی تو اس وقت بھی ان کا ساتھ دیا اور بزرگ و اہل بصرہ کو آپ کی امداد کے لیے گئے تھے حضرت اخف رضی اللہ عنہ نے اہل جلیحد حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوذرؓ وغیرہ سے حدیث حاصل کی، اللہ، مامون، قسطنطین اللہ تھے (تہذیب ص ۱۹۱) اور آپ کے علاوہ میں حسن بصریؒ، طلق بن عقیب، ابوطلحہ بن شہیر و خیرہ و ساقی ذکر ہیں۔

علم کے علاوہ غیر فہم عقل و دانش تہذیب کے ساتھ خود بخود ہی عبادت و ریاضت میں مستاز تھے اور علم یعنی ضبط عقل میں خرد تھے حافظہ انہں حجرت لکھا کہ ان کے مناقب کثرت ہیں ان کا علم ضرب المثل تھا لیکن خود ہمیشہ بطور ادا رکھ فرمایا کرتے تھے کہ میں حقیقتاً علم نہیں ہوں البتہ اپنے کو علم رکھنا چاہتا ہوں (تہذیب و ادب ص ۱۰۸) ان کا ارشاد تھا کہ میں تین کاموں میں زیادہ جلدی کرتا ہوں نماز پڑھنے میں جب کہ اس کا وقت آجائے، چنانچہ وہ دن کرنے میں اور لڑکی کی شادی میں جب کہ اس کی نسبت ہو جائے۔ (باقی حاشیہ صفحہ پر)

حضرت علیؑ کے ساتھ تھے اور میرے علم میں انصار تو سب ہی ان کے ساتھ مہاجرین میں سے زیادہ حضرت علیؑ کے ساتھ اور کم حضرت معاویہؓ کے ساتھ اور بہت سے مزدیاساکت رہے جیسے حضرت ابن عمرؓ کا انہوں نے کسی کا ساتھ نہیں دیا پھر فرمایا کہ حضرت اصحابؓ کے تقویٰ و صفاء قلب کا اور اک کرنے سے عقل عاجز ہے کہ باوجود اس کے بھی کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت علیؑ کی حمایت نہیں کی حضرت علیؑ کا یہ حال تھا کہ حضرت ابن عمرؓ کے لیے مدیہ گھلتا استعمال فرماتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ جب حق واضح ہوا تو نامود ہوئے اور وفات کے وقت تو اس بات کو یاد کر کے روتے تھے کہ حضرت علیؑ کا ساتھ کیوں نہ دیا ہمارے زمانے کے اندر ایسا قصہ ہو جائے تو ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں اور نفیبت و برائیوں سے دل خنثا کریں اس کے بعد فرمایا کہ آیت وان طائفتان من المؤمنین القتلوا کا شان نزول جیسا کہ بخاری (باب الصلح) اور عامہ کتب تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ قباء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں صحابہؓ میں باہم لڑائی ہوئی تھی جس میں قتال تو نہیں ہوا صرف مار پٹائی ہوئی تھی حضور نے صلح کرادی پس القتل کے لفظ سے کبیرہ کے ارتکاب کے بعد مومن رہنے پر استدلال صحیح نہ ہوگا کیونکہ مار پیٹ کا کبیرہ ہونا بحث طلب ہے لہذا امام بخاریؒ نے صرف اقتتال کے لفظ سے فائدہ اٹھایا ہے ہم نے حضرت احنفؓ کے مختصر حالات زندگی میں شامیرہ میں لکھ دیے ہیں اور دل چاہتا ہے کہ حضرات صحابہؓ بعین مجاہدین اسلام اور علماء و فقہاء کے حالات موقع بہ موقع لکھتے رہیں تاکہ ناظرین فذائے روح حاصل کرتے رہیں مگر طوالت کا خوف مانع ہو جاتا ہے حضرت احنفؓ کے حالات میں یہ بات تاریخی حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ انہوں نے جب جمل میں کوئی حصہ نہیں لیا البتہ جب صفین میں خوب بڑھ چڑھ کر داد شجاعت دی ہے اس لیے حدیث الباب میں ”ذہبت الانصر هذا الرجل سے جب جمل میں حضرت علیؑ کی امداد کے لیے نکلنے کی بات صحیح نہیں ہے واللہ اعلم۔

معاصی سے مراد کبار ہیں

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ المعاصی من امر الجاہلیۃ میں معاصی سے مراد کبار ہیں کیونکہ صفار کا معاملہ زیادہ سنگین نہیں حتیٰ کہ حسانت بھی کفارہ سیئات بن جاتی ہیں اور لا ینکفر صاحبہا سے مذہب جہور کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک دل و زبان سے شہادتین کا یقین و اقرار باقی ہے۔ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ بخلاف معتزلہ کے جن کے نزدیک ایسا شخص نہ مومن باقی رہا نہ کافر ہوا وہ ایک درمیانی مرتبے کے قائل ہوتے ہیں۔

ایک اشکال اور جواب

اشکال یہ ہے کہ جب امام بخاریؒ کفر و کفر کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک تو اطلاق کفر کا جواز ہونا چاہیے تھا پھر انہوں نے لایکفر کیوں کہا؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ امام بخاریؒ اپنی جانب سے کسی مرتکب کبیرہ کی تکفیر نہ کر سکتی خبر دے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ صرف ان مواقع میں ان کفار ہونا چاہیے جہاں قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہے جیسے شریعت نے لعنت کرنے (بائی حاشیہ سابقہ) آپ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کے معتقد و شیر رہے، حضرت علیؓ کے زمانہ میں ان کے بھی معتقد اور وسیع راستہ پر جب حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی تھی لیکن حضرت معاویہؓ کے نارست افعال پر بے تحاشہ تنقید کرتے تھے، امیر معاویہؓ نے جب یزید کی ولی عہدی کے لیے تمام مالک و محروسہ و فوج و طلب کئے تو احنفؓ بھی بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے امیر معاویہؓ نے ان سے بھی یزید کی ولی عہدی کے بارے میں پوچھا، انہوں نے کہا: ”امیر المؤمنین! آپ یزید کے شانہ روز کے مثل اس کے ظاہر و باطنی حالات اور اس کے آنے جانے کے مقامات سے انہی طرح واقف ہیں اگر اس واقف کے بعد بھی آپ اس کو فائدہ اور صدمہ گھمہ کے لیے بھڑکتے ہیں تو اس میں ضرور کئی ضرورت نہیں اور اگر بھڑکتے ہیں تو ایسی حالت میں کہ آپ کو کفر پر آخرت کا سفر قسطنطنیہ آنے والا ہے یزید کو دنیا کا توشہ نہ دیجئے ورنہ یوں صاف فرض ہے کہ آپ جو کچھ فرمائیں ہم اس کو بجا لائیں (ابن کثیر ص ۴۳۱/۲) آپ کی وفات ۶۷۷ یا ۶۷۸ء میں ہوئی۔ (رحمہ اللہ و رستہ و سعید) یزید کے بارے میں اگر اس قسم کا پورا مواد حقیقہ سے سنبھال کر لیا جائے تو صحیح پوزیشن زیادہ واضح ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔

سے روکا تو کسی کو جائز نہیں کہ دوسرے کو اپنی طرف سے لعنت کا مستحق ٹھہرائے امام بخاری نے مضارع کا صیغہ ذکر کیا ہے اشارہ اس طرف ہوا کہ آئندہ ہم خود سے کسی کو کافر کہنے کا فیصلہ نہیں کر سکتے، اس سے محل ہے محل تکفیر کا دروازہ کھلا ہے، لہذا جو اطلاق شریعت کی طرف سے سابق میں ہو چکے ہیں۔ اسی حد تک ہم بھی اطلاق کر سکتے ہیں۔

دوسری شرح اس محلے کی یہ ہے کہ چونکہ عام مشہور معنی کفر کے کفر غلو کے ہوتے ہیں تو لفظ کفر کو مرکب کبیرہ پر اطلاق کرنے سے روک رہے ہیں تاکہ مطلق لفظ سے کوئی کفر غلو نہ سمجھ لے۔

تیسری شرح یہ ہے کہ مرکب کبیرہ سے کفر کی بات سرزد ہونے پر بھی اس کا فرائض نہیں کہیں گے کیونکہ شیعہ نے مجمع الزوائد میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ آپؓ نے چند چیزیں ذکر کیں پھر فرمایا کہ جو ان کو ترک کرے گا اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس میں کفر ہے مگر یہ نہ کہیں گے کہ وہ کافر ہے۔ اسی طرح کا قول حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے مگر اس روایت میں ایک راوی جھوٹا ہے محدث شیعہ امام درانیؒ سے بھی یہی بات منقول ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کا کفر نہ کہنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ صیغہ فاعل کا اطلاق ایسے شخص پر جس سے کوئی فعل صرف ایک بار صادر ہوا ہو عرف میں نامائوس ہے اگرچہ عقلاً درست ہے اگر کہا جائے کہ قرآن مجید میں تو لفظ کافر کا بھی اطلاق ہوا ہے مثلاً ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولک ہم الکافرون جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق ایک فرقہ و جماعت پر ہوا ہے ایک شخص فرد پر نہیں ہے اور یہاں اسی سے بحث ہے چنانچہ لعنت کا بھی مثلاً جھوٹوں پر چڑھے مگر کسی ایک شخص کو خواہ وہ جھوٹا ہی ہو یہ نہ کہیں گے کہ تجھ پر لعنت ہے۔ غرض امام بخاریؒ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن امور پر شریعت میں کفر کا اطلاق ہوا ہے وہ تو باب کفر و دو کفر میں بیان کر چکے مثل کفران العشر اب ان کے علاوہ جو معاصی ہیں ان کو بتلانا چاہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی کا کفر کا اطلاق نہ کیا جائے گا اسی لیے اس باب میں حدیث انک امراء فیک جاہلیۃ اور قالہ کفر والی حدیث ذکر نہیں کی۔

اصل مقصد ترجمہ بخاری

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ وضاحت مذکورہ تو امام بخاریؒ کی اس مراد کے تحت ہے جو بعض شرائع نے بھی ہے مگر میں نے جو ان کی دوسری مراد پہلے باب میں تفصیل سے بتلائی ہے اس کی روشنی میں امام بخاریؒ کی غرض یہاں یہ بتلانے کے ساتھ کہ معاصی پر کفر کا اطلاق صحیح نہیں یہ بھی صراحت کرتی ہے کہ باب سابق میں کفر سے مراد وہ عام و وسیع معنی نہیں ہیں جن کے تحت مختلف قسم کے افراد داخل ہوں کیونکہ اگر وہ معنی مقصود ہوتے تو ان کے نزدیک یہ اطلاق ضرور جائز و صحیح ہوتا لہذا الا یکفر کہہ کر گویا اسی وسیع معنی سے بچنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تائید حق

قوله تعالیٰ ”و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء“ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ آیت اہل سنت والجماعت کا مسلک حق ہونے پر صریح دلیل ہے اور زعمشری کو اس میں تاویل کرنی پڑی۔

شرک و کفر میں فرق

شرک کے معنی کفر مع عبادۃ غیر اللہ ہیں لہذا وہ تمام انواع کفر و معاصی سے زیادہ قبیح ہے اور کفر اس سے عام ہے لیکن یہاں آیت میں شرک سے مراد کفر ہی ہے کیونکہ ایک شخص اگر عبادت غیر اللہ نہیں کرتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہے تو بے شک وہ غلات وہ کافر ہے اور اس کی مغفرت نہ ہوگی لہذا آیت میں شرک کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ اگر لوگ فی العبادۃ کرتے تھے ان ہی کو زبردستی زیادہ کرنی تھی۔

اس کے بعد امام بخاری نے دوسری آیت بھی بطور استنبط پیش کی ”وان طائفان من المؤمنین اقتلوا۔“ کیونکہ اس میں بھی مومن کا اطلاق عامی پر ہوا ہے کہ قاتل معصیت ہے البتہ اتنی بات رہتی ہے کہ قاتل مذکورہ آیت معصیت کبیرہ ہونا چاہیے تاکہ اس پر کفر کا اطلاق ہو سکتا ہو اور پھر اطلاق مومن کا شخص مذکورہ پر کفر دون کفر کے قاعدے سے صحیح ماننا پڑے حالانکہ پہلے آیت مذکورہ کے شان نزول میں یہ بتلایا جا چکا ہے کہ قاتل معصیت کبیرہ نہیں تھا۔

اس کا کل حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ فرمایا کہ یہاں امام بخاری کی غرض صرف یہ بتلانا ہے کہ مومن کا اطلاق اس پر بھی ہوا جس میں جاہلیت تھی اور اس میں شک نہیں کہ قاتل امور جاہلیت میں سے ہے لہذا یہاں قاتل کو معصیت کبیرہ ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک اہم اشکال اور جواب

حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں یہ اس حدیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”السيف حمام الذنوب“ (تکوار گناہوں کو کھوکھو کر دیتی ہے) حالانکہ یہ حدیث صحیح قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ جواب یہ ہے کہ اس نحو ذنوب والی حدیث میں وہ مقتول و شہید مراد ہے جس نے قاتل کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا یہی وہ ہر طرح مظلوم و شہید ہے اور اس کے سارے گناہ شہادت کے ساتھ دھل گئے اور یہی صورت ہاتل و قاتل کے قصہ میں پیش آئی ہے اور ہاتل نے جو قاتل سے ”انی اريد ان تبوء بالعمى والمك ففكوك من اصحاب النار:۔“ کہا تھا اس کی تفسیر بھی اس شرح کے تحت آجاتی ہے یعنی میں اس امر پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ (قتل) کی وجہ سے مستحق جہنم بنے اور میرے گناہ تیری تکواری کے سبب جو ہو جائیں۔“ کیونکہ تکواری عدا الذنوب ہے گو یا جب اس کی تکواری سے اس کے گناہ جو ہوئے تو وہی اس کے گناہ لے جانے والا ہو گیا نہ یہ کہ اس کے گناہ اس پر ڈال دیے گئے کیونکہ ایسا سمجھنا آیت لا تزد وازرة ووزا عمنی کے خلاف ہوگا۔

پھر اس عنوان سے ذکر کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ کسی کو ظلماً قتل کرنے کی غیر معمولی قیادت اور برائی نہ ہو کرنی ہے تاکہ اپنے گناہ سے سخت احتراز کیا جائے۔

ایک اہم علمی و دینی فائدہ

حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے وقت بھی قتال یا دفاع سے باز رہنا چاہیے اس لیے یہاں اس کے متعلق بھی ضروری تصریحات ذکر کی جاتی ہیں علامہ محقق حافظ عیسیٰؒ نے اسی حدیث کے تحت عمدۃ القاری ص ۱/۲۳۷ میں اور علامہ نوویؒ نے شرح مسلم شریف کی کتاب القتل ص ۱/۳۸۹ مطبوعہ انصاری دہلی میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بغرض افادہ پیش کرتے ہیں۔

باہم مسلمانوں کے کسی اختلاف وقتہ کے وقت قتال و جنگ میں شرکت کرنے کے متعلق علما امت کا اختلاف ہے۔

(۱)..... بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس میں شرکت نہ کی جائے بلکہ اگر وہ لوگ کسی کے گھر میں گھس آئیں اور اس کو شرکت پر مجبور کریں تو شرکت نہ کرے حتیٰ کہ اگر وہ اس کو قتل بھی کریں تو اس کو مدافعت بھی نہ کرنی چاہیے کیونکہ وہ لوگ متاول ہیں یعنی کسی دینی واجتماعی غرض وقتہ صدکو سامنے رکھ کر قتال کر رہے ہیں یہ مذہب صحابہ میں سے ابو بکر و غیرہ کا ہے اور طقات ابن سعد میں حضرت ابوسعید خدریؓ کا بھی یہی مذہب نقل ہوا ہے۔

(۲)..... صحابہ میں سے حضرت ابن عمرؓ ابن عباسؓ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے کہ ایسے قتال میں شرکت نہ کرے مگر اپنے نفس سے مدافعت کا حق اس کو حاصل ہے قتال سے روکنے والوں کا استدلال اسی حدیث الباب سے ہے نیز دوسری حدیث طویل سے ہے جو ابی بکرؓ سے صحیح مسلم باب القتل میں مروی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”ایک وقت ایسے قتلوں اور آزمائش کا آئے گا اور ضرور آئے گا کہ اس میں ایک جگہ پر بیٹھ جانے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا اس کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا دیکھو جب ایسا وقت

آئے تو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ ان کے ساتھ وقت گزار دے اور جس کے پاس بکریاں ہوں ان کے گلہ میں رہے اور جس کے پاس کوئی زمین ہو وہ وہاں جا کر ٹیکہ سوئی سے وقت کاٹ دے، ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! جس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہو؟ (یعنی ہستی میں محنت مزدوری یا دوسرے وسائل معاش کے سبب سب کے ساتھ رہنے پر مجبور ہو) فرمایا اپنی تلوار کی دھار پتھر پر مار کر کند کر دے (تاکہ شرکت قتال کے لائق ہی نہ رہے) پھر جہاں تک ممکن ہو اس قتال سے دور دور رہے پھر آپ نے تین بار یہ کلمہ پڑھ لیا۔ اے اللہ! کیا میں نے پوری بات پہنچادی؟ ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر مجھے لوگ مجبور کر دیں اور کھینچ تان کر میدان قتال میں لے جائیں اور وہاں مجھے کوئی اپنی تلوار سے قتل کر دے یا کسی کے تیرے سر چاؤں؟ فرمایا وہ قاتل تیرے اور اپنے گناہ کے ساتھ لوٹے گا اور اسباب النار سے ہوگا۔ (یہاں حدیث میں بھی ”بیوء بالعمہ والعمک“ وارد ہے جس کی بہت بہتر شرح اور پرانے گناہ کے ساتھ لوٹنے کا اور اسباب النار سے ہونے کے بعد جمہور علماء اسلام کا مذہب ملاحظہ کیجئے۔

(۳) اکثر صحابہ تابعین اور جمہور اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ ایسے وقت حق کی امداد اور باغیوں سے قتال واجب ہے یعنی جو شخص یا جماعت حق پر ہو اس کی ہر طرح کی نصرت اور اس کے ساتھ ہو کر باغی جماعت سے جنگ کرنی ضروری اور دینی فریضہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ **فقاتلو النبی** تبھی الا یہ یعنی بغاوت کرنے والے شریک مسلمانوں سے جنگ کر دتا آنکھ وہ خدا کے امر حق کی طرف لوٹ آئیں۔ علامہ یعنی اور علامہ نووی نے لکھا کہ یہی مذہب صحیح ہے اور احادیث منع مذکورہ کا مصداق وہ ہیں جن پر حق واضح نہیں کہ کس طرف ہے یا مراد و گروہ ہیں جو دونوں ظالم ہوں یعنی کسی کے پاس دینی مقصد نہ ہو اور اگر وہ بات صحیح ہو جو اوپر کے دونوں مذہب والوں نے کہی ہے تو بغاوت کرنے والے اور فساد شریک غالب ہو کر راہ حق کو سدود کر دیں گے اور ان کی رسی دراز ہو جائے گی۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم

علامہ یعنی نے یہ بھی لکھا کہ اہل سنت کے نزدیک حق یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں سکوت کیا جائے ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے ان کے افعال کی اچھی تاویل کی جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ سب مجتہد تھے اپنے کردار و اعمال کے صحیح دینی مقاصد پر حق ان کی نظر تھی انہوں نے کسی مصیبت یا دنیوی غرض و جاہ کا قصد نہیں کیا تھا۔ لہذا جو ان میں سے خطا پر تھے ان کی بھی فردی غلطیوں سے خدا کے یہاں مجتہد ہونے کے سبب درگزر رہے اور جو حق و صواب پر تھے ان کے لئے خدا نے ذیل اجر و ثواب مقرر کیا ہے۔

حضرت علیؓ اور خلافت

اس کے بعد یا مر کہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے کون حق پر تھا؟ اس کے بارے میں محقق طبری وغیرہ نے تو سکوت کیا ہے لیکن جمہور علماء و محققین نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حق پر تھے کیونکہ وہی اس وقت تمام صحابہ میں خلافت کے زیادہ اہل حق و اہل حق تھے اور اس زمانے کے ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ افضل و اشرف بھی وہی تھے (عمدۃ القاری ص ۱۳۷)

تکمیل بحث

حدیث ”القاتل و المقتول فی النار“ پر کافی بحث ہو چکی ہے مگر علامہ محقق محدث عبداللہ بن ابی جرہ اندلسی نے بھیہ النفوس (شرح البخاری) میں چند فوائد نہایت قیمتی تحریر فرمائے ہیں ان کو ذکر کئے بغیر حدیث مذکور کی شرح کو ختم کر دینا مناسب نہیں انہوں نے سب سے پہلی وضاحت تو یہ کہ ”حدیث مذکور کا مفہوم عام مراد نہیں کیونکہ قتال بعض سلف (جس میں دونوں فریق کے لئے اتحاف جنت کی شہادت

مل جھکی تھی) یا قتل خطا یا قتل بضرطی تعلم طریق جنگ اور اس قسم کے بہت سے قاتل ضرور مستثنیٰ ہیں لہذا حدیث کا مصداق یہ ہے کہ قاتل کرنے والوں میں سے ہر شخص کا ارادہ دوسرے کو قتل کرنے کا بطور ظلم و عدوان بغیر تاویل حسن یا کسی شبہ کے اور تاقی ہو۔

لہذا اگر کسی کے پاس چور آیا یا ڈاکو چڑھ آئے کہ اس کو قتل کریں یا مال لوٹ لیں تو اس کو چاہئے کہ اس آنے والے سے اس نیت سے قتال و مقابلہ نہ کرے کہ اس کا خون بھائے بلکہ اس نیت سے قتال کرے کہ وہ اپنے مال و جان یا آبرو کی حفاظت و مدافعت کر رہا ہے پھر اگر اس مدافعت و حفاظت خود اختیار کی کے اندر وہ مقابلہ مارا جائے تو وہ بدترین مقتول اور بے بارا جائے تو شہید ہوگا کیونکہ حدیث میں وارد ہے جو شخص اپنے مال (جان یا آبرو) کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے البتہ فقہاء نے ایسے موقع پر اتنی احتیاط مزید لکھی ہے کہ ہو سکے تو اس کو خدا کی قسم دے کر ایسے اقدام سے روک دے پھر اگر مجبور ہو کر مندرجہ بالا صحیح نیت سے مدافعت کے لئے نکالا اور اس حملہ آور کو زخمی کر دیا (کہ وہ حملہ کرنے کے قائل نہ رہا) تو اور زخم پہنچا کر اس کو بالکل مار نہ ڈالے اور اگر وہ بھاگے تو اس کا چپچہا نہ کرے اور اگر اس کی سبقت سے اس چور کو ایسی ضرب لگی کہ وہ مر گیا تو اس کا ذاتی سامان نہ لے۔

یہ سب تفصیل اس صورت میں ہے کہ حملہ کرنے والا یا چور مسلمان ہو اور اگر کافر ہو تو اتنی احتیاط و قیود نہیں ہیں کیونکہ اس نے ایسا اقدام کر کے خود ہی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال ہے البتہ ذمی کافر کے احکام دارالسلام میں مسلمان ہی جیسے ہیں۔

دوسری بحث علامہ موصوف نے یہ کی ہے کہ قاتل و مقتول دونوں کا گناہ برابر ہے یا الگ الگ ہے؟ جس طرح موسیٰ عاصی اور کافر دونوں جہنم میں جائیں گے مگر دونوں کا جہنم میں جانا یکساں نہ ہوگا تو اس حدیث سے دونوں کا معاملہ یکساں معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید میں ہاتل و قاتل کے واقعہ سے دونوں کا فرق معلوم ہوتا ہے اسی لئے صحابہ کرام کا حال پیش آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے جواب میں حمیہ فرمائی کہ مقتول بھی چونکہ دوسرے کو قتل کرنے پر حریص تھا اس لئے اس کی نیت بھی قاسد تھی پس دونوں فسادیت میں برابر ہو گئے بشری قدرت میں جتنا تھا وہ دونوں کو چپکے کی کو باقی رکھنا یا کسی کو فدا کر دینا یہ اس کی قدرت سے باہر ہے گو یا حرم قتل مسلم کو ہی اس کی عمر ختم کرنے کے قائم مقام کر دیا گیا کیونکہ شریعت نے قتل نفس کے بارے میں نہایت سختی اختیار کی ہے چنانچہ اس کا فیصلہ ہے اگر ایک جماعت مشورہ کرے کسی ایک شخص کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لے اور ان میں سے صرف ایک شخص قتل کرے اور باقی لوگ صرف موقع پر موجود ہیں تو وہ سب ہی لوگ قاتل قرار پائیں گے اور شریعت سے سب ہی کو قتل کی سزا ملے گی۔

جب صرف اس موقع کی موجودگی پر یہ حکم ہے تو جو شخص موجود بھی ہو قتل پر حریص بھی ہو کوشش بھی کرے اس کا حکم معلوم ہے بلکہ شریعت میں اس سے بھی سخت احکام ہیں مثلاً یہ کہ اگر کسی مسلم کے قتل میں کوئی اعانت کرے خواہ ایک جھوٹی بات سے ہی ہو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر یافنس من و حمة اللہ کا ہوگا یعنی خدا کی رحمت سے مایوس۔

ظلم و قتل کا فرق

محدث ابن ابی جرّہؓ نے یہ تحقیق بھی کی کہ کیا ظالم و مظلوم بھی قاتل و مقتول کی طرح گناہ میں برابر ہیں یا نہیں؟ جبکہ ہر ایک نے دوسرے پر ظلم کا ارادہ کیا ہو آپ نے لکھا کہ ظلم و قتل میں باہم ہر جہت سے مشابہت نہیں ہے کیونکہ ظلم کی دو قسم ہیں۔ حسی و معنوی حسی کا تحقق دماہ و اموال و اعراض میں ہوتا ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتہ الوداع میں فرمایا تھا کہ ایک دوسرے کے دماہ و اموال و اعراض کی نگہداشت و احترام فرض و واجب ہے اور اس میں رخسہ اندازی حرام ہے دماہ کے اندر ظلم کی صورت قاتل و مقتول والی حدیث کی شرح میں گزر چکی ظلم فی الاموال کی صورت ظلم فی الدماہ سے اس لئے الگ ہے کہ جوابی طور ظلم کرنے کو ہم صرف تنجیس کے طور پر ظلم کہتے ہیں حیثیت

نہیں جس طرح جزاء سینۃ سینۃ مٹلھا میں ہے کہ دوسری سیدہ حقیقت میں برائی نہیں ہے وہ تو بطور قصاص ہے۔

ظلم معنوی: جس کی بحث اس موقع کے لئے زیادہ مناسب ہے اس کی دو قسم ہیں۔ نیت بغیر عمل و نیت کے اور نیت مع عمل یا تسبب کے اول کی مثال حسد، بغض وغیرہ بری اور مذموم نیات ہیں حدیث میں ہے لا تمحاسدوا ولا تبغضوا ولا تباغضوا ولا تلامذوا اور کونوا عباد اللہ اخوانا (آپس میں حسد کرنا نہ بغض رکھنا نہ ایک دوسرے سے اعراض کر کے پیٹھ پیچیرا اور سب خدا کے نیک بندے بھائی بھائی بنے رہو)۔

پس یہ سب نیات اور دل کے اعمال اعراض و اموال کی طرح نہیں ہیں کہ ان کا حساب ہو جائے جس کی زیادتی نفہر آئے اس سے مکافات کرانی جائے بلکہ یہ قاتل و مقتول کی طرح ہیں کہ دونوں کو عذاب برابر ہوگا کسی کا دوسرے سے کم نہ ہوگا کیونکہ امور باطن کی برائی اچھائی نسبت امور ظاہر کے زیادہ سنگین ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان فی الجسد المضعفة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب (جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ صحت مند ہوتا ہے تو سارا جسم تندرست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ قلب ہے) قلب سے مراد وہ جسمانی عضو نہیں ہے بلکہ اس کے اندر کی کیفیت و حالت مراد ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم سے ہو سکے کہ صبح و شام اس طرح گزار دو کہ تمہارے دل میں کسی ایک شخص کی طرف سے بھی دل میں کدورت نہ ہو تو ضرور ایسا ہی کردہ پھر فرمایا کہ اے بیٹے! یہ میری سنت ہے جو میری سنت کو اپنے عمل سے زندہ رکھے گا گویا وہ مجھے زندہ رکھے گا اور مجھے اس طرح زندہ رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا دوسری حدیث میں فرمایا جو شخص اس طرح صبح و شام گزارے کہ کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے اس کے کئے ہوئے سب گن و بخش دینے جائیں گے نیز فرمایا جو ہم میں سے کسی کے ساتھ کھوت اور دھوکا کا معاملہ کرے وہ ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے خدا اس کو نقصان پہنچائے گا جو کسی مسلمان کے ساتھ کھر و حیلہ کرے خدا اس کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کرے گا وغیرہ اس بارے میں آیات و احادیث بکثرت ہیں۔

دوسرا وہ ظلم ہے جو نیت و عمل کے ساتھ سے جو جیسے قطیعہ رحم کیونکہ جب دوقریٰ رحم کے ناتے والے ایک دوسرے کا مقاطعہ کریں گے تو قطع رحم والی و عید و سزا کے دونوں متحق ہوں گے اور اس میں کسی کے لئے یہ عذر صحیح نہ ہوگا کہ دوسرے نے پہلے قطع رحم کا معاملہ کیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تمہیں اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنی ہے جو تم سے قطع تعلق کرے اور اس کو بھی امداد پیش کرنی ہے جو تمہیں منع کر کے محرم کر دے نیز آپؐ نے خبر دی کہ جب حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو رحم نے عرض کیا کہ اے رب! یہ تاجیز آپ کی بارگاہ ذوالجلال میں قطع رحم سے پناہ لینے والے کی جگہ کھرا ہے۔ حضرت رب العزت جل ذکرہ نے فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ جو تمہیں ملے گا میں اس کو اپنے ساتھ مل دوں گا اور جو تمہیں قطع کرے گا میں اس کو اپنے سے قطع کر دوں گا؟ رحم نے عرض کیا کیوں نہیں یارب؟ میں ضرور اس بات سے راضی ہوں حق تعالیٰ نے فرمایا اچھا تمہارے لئے ایسا ہی ہوگا۔

تیسرا وہ ظلم ہے جو نیت اور تسبب سے ہوگا جیسے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش دھوکہ مکر وغیرہ کے ذریعہ کرے خواہ دوسرے کو ضرر و اذیت پہنچنے یا نہ پہنچنے کیونکہ کسی کی فاسد نیت اور ایک مسلم کے لئے سبب اذیت بننے میں تو کسی نہیں کی یہ دوسری بات ہے کہ وہ نقصان اس کو کسی وجہ سے نہ پہنچ سکے چونکہ اس طرح نیت فاسد اور سبب اذیت بننا بھی شرعاً ممنوع ہے اس لئے یہ بھی پہلے کی طرح ہوگا کہ دونوں کا گناہ برابر ہوگا کسی کا کم و بیش نہیں۔

علامہ ابن ابی جریرؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ اسی لئے فضلاء اہل علم و عمل جن کو نور بصیرت عطا ہوا ہے کبھی اہل معاصی و کبائر سے بھی ان کی شخصیات سے نفص نہیں رکھتے البتہ ان کے افعال مذموم خلاف شرع سے بغض و نفرت کرتے ہیں بلکہ ان پر ایک طرح سے دم کھاتے ہیں کہ

وہ تقدیری طور سے مبتلائے معاصی ہوئے اور ساتھ ہی خدا سے ڈرتے ہیں کہیں ان جیسے نہ ہو جائیں گویا ایک طرف ان کی بد اعمالیوں سے انقبض و نفرت کرتے ہیں دوسری طرف ان کی افتاد طبع کی مجبوری پر رحم کھاتے ہیں تیسری طرف اس امکان سے کہ خدا کہیں ہمیں بھی ان جیسا نہ کر دے ڈرتے بھی رہتے ہیں اور ایسی ہی صورت میں حق تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ ولا تاخذ کم بهما والہ فی دین اللہ کہ کہیں تم ایمانی رشتہ کے تحت اپنی جہلی رفت و شفقت کے سبب اس پر مجبور نہ ہو جاؤ کہ ان پر حد و شرعیہ بھی جاری نہ کر سکو۔ واللہ الموفق (پہچہ الخوص ص ۶۰/۱)

۳۰ حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن واصل الاحدب عن المعمر بن قنبل قال لقيت اباذر بالربذة وعليه حلة وعلى غلامه حلة فسالته عن ذلك فقال اني سلبت رجلا فغير له بامه فقال لي النبي صلى الله عليه وسلم ابا اذر عيرته بامه انك امرء فيك جاهلية اخوانكم خولكم جعلهم الله تحت ايدىكم فمن كان اخوة تحت يده فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم فاعينوهم.

ترجمہ: حضرت معمر سے نقل کیا گیا وہ کہتے کہ میں ربذہ کے مقام پر حضرت ابوذرؓ سے ملان کے بدن پر جیسا جوڑا تھا ویسا ہی ان کے غلام کے جسم پر بھی تھا میں نے اس (حیرت انگیز بات) کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے میں نے ایک شخص (یعنی غلام کو برا بھلا کہا، پھر میں نے اسے ماں کی غیرت دلائی یعنی ماں کی گالی دی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ حال معلوم کر کے) مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر! تم نے اے ماں (کے نام) سے غیرت دلائی ہے شک تم میں ابھی کچھ جاہلیت کا اثر ہے تمہارے ماتحت لوگ تمہارے بھائی ہیں اللہ نے (اپنی مصلحت کی وجہ سے) انہیں تمہارے قبضے میں دے رکھا ہے تو جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو تو اس کو بھی وہی کھائے جو آپ کھائے اور وہی پہنائے جو آپ پہنائے اور ان کو اسنے کام کی تکلیف نہ دے کہ ان پر بار ہو جائے اور ان پر اگر کوئی ایسا سخت کام ڈالو تو تم خود بھی (ان کی مدد کرو۔

تقریباً معمر بیان فرماتے ہیں کہ میں ربذہ جا کر حضرت ابوذرؓ رضی اللہ عنہ سے ملا دیکھا کہ ایک خلع (چادر و جہر کا سوٹ) وہ پہنے ہوئے تھے اور اسی جیسا ایک حلدان کے غلام پر تھا میں نے اس بارے میں حضرت ابوذرؓ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا یہاں سوال کی نوعیت ذکر نہیں ہے مگر امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں اس طرح نقل کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت کے پاس ایک چادر ہے اور غلام کے پاس دوسری تو میں نے عرض کیا کہ اگر وہ (غلام والی) چادر آپ لے لیتے تو آپ کا سوٹ ہو جاتا۔ اس پر حضرت ابوذرؓ رضی اللہ عنہ نے پورا قصہ سنایا جس سے ان کے استعجاب کا جواب ہو گیا۔

ابو داؤدؒ کی روایت میں اس طرح ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ وہ غلام والی چادر لے لیتے اور اپنی چادر کے ساتھ لاکر پہنتے تو خلع (سوٹ ہو جاتا)

مقصد سوال معمرؓ اور عربوں کا حال

بظاہر معمرؓ اس مساوات کو دیکھ کر آقا و غلام دونوں کا لباس یکساں ہے متعجب ہوئے پھر دوسرا تعجب اس سے کہ بے جواز سوٹ بنایا ہے۔ گویا آقا نے ظاہری زینت و فیشن کا بھی خیال نہیں کیا یہ دونوں باتیں نہ صرف حضرت معمرؓ کے لیے وجہ حیرت و تعجب تھیں بلکہ جس طرح دوسری روایت ابی داؤدؓ سے معلوم ہوا کہ سب ہی دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالتی تھیں کیونکہ عرب والے بڑی ناک والے تھے ان کی بڑی آن بان تھی ان میں سے ہر شخص شامی مزاج رکھتا تھا بڑی غیرت و حیثیت والے تھے۔ غلاموں کو برابری کا درجہ دینا تو بڑی بات تھی وہ اپنی بیویوں کے جواب تک برداشت نہ کر سکتے تھے۔

۱۔ بڑہ مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی چھانڈائی بنائی تھی۔ وہاں ان کے دو حفاظ تھے میں تیار ہوا گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، جو اسلامی عساکر میں بھیجے جاتے تھے۔ کذا الفادہ الشیخ الابرور۔ ۲۔ حدائق یک قسم کے اور نئے لباس کو کہتے ہیں اگر ایک چادر ایک کپڑے کی اور چادر دوسرے کا ہو تو اس کو خلع نہیں کہتے اس لیے یہاں راوی سے خلع کہنے میں تبحر ہوا ہے جیسا کہ دوسری روایات سے ظاہر ہے۔

زمانہ رسالت کے چند حالات

چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک ماہ کے لیے سب سے الگ تھلگ ہو کر مسجد نبوی سے متصل ایک بالاحادثہ میں فروکش ہو گئے تھے اور یہ بھی عام شہرت ہو گئی تھی کہ آپ نے ان سب کو طلاق دیدی ہے حالانکہ یہ بات غلط تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر آپ کا رخ و اثر کم کرنے کے لیے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم قریش خاندان کے لوگوں کا عورتوں پر کدے مڑنے کے زمانے میں بڑا عرصہ داب تھا وہ ان کی مجال نہ تھی کہ ہماری کسی بات کا پلٹ کر جواب بھی دے سکیں۔ مگر جب ہم لوگ مدینہ طیبہ آئے تو یہاں دوسرا رنگ دیکھا کہ عورتیں مردوں پر غالب تھیں اس کا یہ اثر ہوا کہ ہماری عورتوں نے بھی ان کی باتیں سیکھ لیں ایک روز ایسا ہوا کہ میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا کچھ برا بھلا کہا تو اس نے پلٹ کر مجھے جواب دے دیا مجھے یہ بات نہایت ناگوار ہوئی اس پر وہ کہنے لگی: آپ کو میرا جواب دینا ناگوار ہوا! واللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نہ صرف حضور کو جواب دیتی ہیں بلکہ کوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا پورا دان بات تک نہیں کرتی میں نے اس سے کہا کہ اگر یہ بات درست ہے تو ایسا کرنے والی ضرور تباہ و برباد ہوئی ان میں سے کون اس امر پر اطمینان حاصل کر سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب و فخر کی وجہ سے اس پر خدا نے برتر جل ذکرہ کا غضب نازل نہ ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا تو اس کی ہلاکت میں کیا شک رہا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا میری اتنی بات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے رنج و الم کے آثار درو ہوئے اور آپ نے قسم فرمایا

اس کے بعد میں (اپنی بیٹی) حصہ کے پاس گیا وہاں جا کر دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی رو رہی تھی میں نے پوچھا کیا تمہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں پھر میں نے کہا: کیا یہ بات صحیح ہے کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہے؟ اس نے کہا ہاں! میں نے کہا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک تم میں سے کسی بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رات تک بات نہیں کرتی؟ اس نے کہا ہاں! ”ایسا بھی ہوتا ہے“ میں نے کہا بڑی خرابی! بڑے خسارہ کی بات ہے اس میں خدا کے غضب کا بڑا خطرہ ہے میں تمہیں خاص طور سے ہدایت کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کبھی ایک لفظ جواب کا زبان سے نہ نکالنا ورنہ کبھی آپ سے کسی چیز کا سوال کرتا بلکہ جب کبھی کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھ سے طلب کرنا اور دیکھو اپنی سوکن (عائشہؓ) کی وجہ سے دھوکہ میں نہ پڑ جانا، (کہ تم کبھی اسی کی دیکھا دیکھی نافرمانی کرنے لگو) وہ تم سے زیادہ خوبصورت بھی ہے اور حضور کو اس سے محبت بھی زیادہ ہے یہ سن کر حضور نے دوبارہ قسم فرمایا اس کے بعد میں نے مزید بیٹھنے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

میں نے اس کمرے میں جا کر طرف دیکھا تو سارے کمرے میں بجز آپ کے بیٹھنے کی جگہ کے سامان کے کچھ نظر نہ آیا (جو صرف ایک گرد آلود بوریا تھا) جس پر لیٹنے سے حضور کے پہلوئے مبارک پر نشانات پڑ گئے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دعا فرمائیں کہ آپ کی امت میں بھی ایسا ہی خوشحالی آجائے جیسی روم و فارس کے لوگوں میں ہے حالانکہ وہ لوگ اللہ کے بعد گزر بھی نہیں ہیں۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ امہؓ کے بیٹھ گئے اور فرمایا: ابن الخطاب! کیا تم اب تک کسی شک و شبہ میں مبتلا ہو؟ ان لوگوں کے واسطے ساری عیش و راحت و دنیا ہی کی زندگی میں دیدی گئی ہے (کیونکہ آخرت میں پوری طرح محروم ہوں گے) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے اللہ سے مغفرت طلب فرمائیے! (مجھے سے غلطی ہوئی) یہ روایت بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی کی ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیر بھی کی جس کا واقعہ مشہور ہے۔ نیز ایک مرتبہ حضرت ابو بکر و عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کے دروازے پر لوگوں کا اجتماع تھا یہ دونوں حضرات اجازت

لے کر اندر گئے تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں خاموش بیٹھے ہیں اور آپ کے گرد وازدواج مطہرات ہیں جو نقشہ طلب کر رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابھی کچھ دیر پہلے کا قصہ ہے کہ زید کی بیٹی نے (اپنی بیوی کے متعلق کہا) مجھ سے نفقہ کا مطالبہ کیا تھا میں نے اس کی گردن پر ایک حکامارا اس پر حضرت کو خوب ہنسی آئی پھر فرمایا کہ یہ سب بھی اسی لئے جمع ہیں، حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور (اپنی بیٹی) عائشہ کو مارنے کے لئے ٹھڑے ہوئے اسی طرح حضرت عمرؓ نے (اپنی بیٹی) حفصہ کو مارنے کا ارادہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو روک دیا ان دونوں نے اپنی بیٹیوں کو ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ کسی نازیبا بات ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیزیں مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہیں وہ سب بولیں۔ واللہ! ہم آج سہ ہرگز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سوال کر کے تنگ نہیں کریں گی۔

غرض اس قسم کے واقعات سے یہ بات نمایاں ہے کہ عرب کے لوگوں کا اصل مزاج کیا تھا اور پھر اس میں اسلام کی روشنی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تربیت و تزکیہ سے کیا کچھ کا پلٹ ہوئی۔

فیض رسالت

غلاموں کے بارے میں بھی وہ مساوات یا مساوات کا برتاؤ کیسے کر سکتے تھے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خصوصی ہدایات دیں، جیسا خود کھائیں، ان کو کھلائیں، جیسا خود پہنیں، ان کو پہنائیں ان پر وسعت سے زیادہ کسی کام کا بوجھ نہ ڈالیں اگر ایسی ضرورت پیش آئے تو اس کام میں خود بھی ہاتھ نہ مائیں۔ وغیرہ

حضرت ابوذرؓ کا مقام رفیع

پھر تمام صحابہ میں سے بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی شان بالکل الگ تھی۔ انہوں نے اپنے حبشی غلام کو تحقیر کے طور پر یا ان سواہ (اوکا لی کے بیٹے) کہا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت بلال حبشیؓ کو لایا کہہ دیا تھا انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی آپ نے حضرت ابوذرؓ کو بلا کر تنبیہ فرمائی کہ اسلام کے بعد بھی ایسی جاہلیت کی بات کرتے ہو؟ غلاموں کو کون کون سے غلامی خاندانوں کے برابر سمجھو۔ وہ ان کو ایسی ہدایت ملی کہ پھر وہ غلاموں کے ساتھ وہ سلوک کر کے دکھایا کہ دوسروں کو ان سے سبق مذاور ان کی نقل کرنی دشوار ہو گئی۔ حضرت معمرؓ کے سوال میں کہ ان تین نکل سکتی ہیں مثلاً یہ کہ آقا و غلام کے لباس میں مساوات کیسی؟ اچھی چادر غلام کو نہ دے کر دونوں ایک قسم کی عمدہ چادر پہننے، سوٹ ہو جانا، گھنٹیا قسم کی چادر خود رکھ کر دونوں ایک قسم کی عمدہ چادر میں غلام کو دے دیتے وہ بھی سوٹ ہو جاتا اور خود بھی گھنٹیا سوٹ پہن لیتے حضرت ابوذرؓ نے جواب میں وہ عام ضروری بات بتلائی جس کا پہنچانا ان کا خاص مشن و مقصد زندگی بن چکا تھا وہ چاہے کہ غلاموں، زیر دستوں، کمزروں، ضعیفوں اور حاجت مندوں کے معاملہ میں جو پیشہ برائے ہدایت ان کو حاصل ہوئی ہے اس سے سب ہی استفادہ کریں۔ اسی لئے سوال کے جس جز کو معمرؓ یا دوسرے لوگوں نے بظاہر نظر انداز کر دیا تھا اور جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ بات سب کو معلوم تھی کہ آپ غلاموں سے مساویانہ سلوک کے عادی ہیں آپ نے اسی کا جواب دیا کہ اصل سوال اور قابل جواب بنیادی بات وہی تھی اس کے ساتھ دوسری بات کا جواب خود ہی آ گیا کہ خود عمدہ چادر میں دونوں لے لیتے تو مساوات کے خلاف تھا اور تیسری بات اس لئے نظر انداز فرمائی کہ ہر بے غلام اس صورت کو ہرگز برداشت نہ کرتا اور ممکن ہے عملاً ایسا ہوا بھی ہو اور غلام نے انکار کیا ہو ورنہ ابوذرؓ نے تو اپنی اقتدا طبع سے اسی کو زیادہ پسند کیا ہوگا پھر جواب میں اس لئے بھی اس کو ظاہر نہ کیا ہوگا کہ اس سے اپنے دستور اور بہت بلند مقام کا اظہار ہوتا نیز لوگوں کے لئے وہ صورت بظاہر قابل عمل بھی تھی۔

یہ بات ہم نے اس لئے لکھی کہ حضرت ابوذرؓ نے اپنا معمول یہ بھی بنالیا تھا کہ سال و ضرورت مند کو وہ چیز دی جائے جو اپنے پاس سب سے اچھی ہو چنانچہ ایک شخص کو اس کے کہنا یہ تمہارا پرانی خدمت میں رہنے کی اجازت اس شرط پر دی تھی کہ جب کوئی سال آئے تو اس کو میرے محل میں سے سب

سے اسی قسم کی چیز دی جائے اور گھٹیا قسم کی اپنے لئے روک لی جائے اور ایک دفعہ اس کے خلاف کرنے پر نہایت ناراض ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔
حدیث کی شرح میں یہ بات ذکر سے رہ گئی کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تنبیہ مذکور فرمائی تو آپ فوراً زمین پر گر گئے اور فرمایا کہ جب تک وہ غلام (یا حضرت بلائ) میرے چہرہ کو اپنا پاؤں نہ لگا سکیں میں زمین سے سر نہ اٹھاؤں گا چنانچہ وہ آئے اور آپ کے رخسار کو اپنا پیر لگا تا جب ہی اٹھے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

بحث و نظر: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں اگرچہ مواسات (ہمدردی) کا مطالبہ ہے، مساوات (برابر کرنے کا) نہیں مگر حضرت ابوذرؓ نے اس کا مفاد مساوات ہی قرار دیا تا کہ بچے نفس کی اصلاح زیادہ تشدد و سختی سے کریں۔

سب صحابہ کا مسئلہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں تفصیل منقول ہے، ایک قول ہے کہ تمام صحابہؓ کے لئے نامناسب کلمہ کہنا فق ہے، بعض نے کہا کہ سب شیخین (ابوبکر و عمرؓ) کفر ہے، لیکن محقق بات یہ ہے کہ تمام صحابہؓ یا اکثر کے بارے میں سب یعنی برا بھلا قول کفر ہے، کسی ایک یا دو صحابی کے متعلق ایسا کرنا فق ہے اور صحابہ کا ہم ایک دوسرے کو سب کرنا فق نہیں ہے کیونکہ ایسا جہاں ہوا بھی ہے تو وہ کسی داعیہ کے تحت ہوا ہے، محض اپنے (ناروا) غضب و غصہ کو خنڈا کرنا مقصود نہ تھا، بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے بعد میں سب صحابہؓ کیا کہ وہ کسی سبب صحیح کے تحت نہیں ہے بلکہ محض غصہ خنڈا کرنے کے لئے اور بوجہ نفسانیت ہے کیونکہ وہ لوگ دنیا سے جا چکے اور ان کا کوئی معاملہ یہاں کے لوگوں سے باقی نہیں رہا۔ اب ان کو مطمئن کرنا یا ان کی برائیاں نکال کر ظاہر کرنا محض ان سے بغض رکھنے کے سبب ہو سکتا ہے۔

حکم روافض

اس میں اختلاف ہے کہ روافض کی تکفیر کی جائے یا نہیں؟ علامہ شامیؒ کے رائے تکفیر کی نہیں ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی نے تکفیر کی ہے اور فرمایا کہ تکفیر نہ کرنے کا سبب ان کے عقائد سے ناواقفیت ہے (کذا افاقا دا شیخ الانور) واللہ اعلم

حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک

آپ بڑے جلیل القدر صحابی اور مشہور عابد و زاہد تھے، آپ کا مسلک تھا کہ حاجت سے زیادہ جو مال جمع کیا جائے وہ کنز ہے جس پر قرآن مجید میں عذاب کی وعید آئی ہے۔ جمہور صحابہؓ تابعین اور دوسرے علماء امت کے نزدیک کنز سے مراد وہ جمع کیا ہوا مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور یہاں حدیث میں جو حکم مواسات ہے وہ بھی اختیالی ہے۔ وجوب کے لئے نہیں ہے، قضی حیاض نے اسی مسئلہ کو جماعی مسئلہ لکھا ہے۔ علامہ محقق یعنی نے اس کو عمدۃ القاری ص ۱/۲۳۳ میں نقل کیا ہے، تجتہ الاسلام حافظ حدیث مفسر شبیر ابوبکر صامی رازی حنفی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں اس مسئلہ پر مفصل و مدلل بحث کی ہے اور حضرت ابوذرؓ کے موافق احادیث و آثار کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ ان کا تعلق ابتدا اسلام کے اس دور سے تھا جب لوگ شدید حاجت و فتنی عیش میں مبتلا تھے اور اس وقت باہمی مواسات واجب کے درجہ میں تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی رائے

پھر لکھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا ارشاد ہے کہ یہ احادیث و آثار آیت خلعن اموالہم صلقة تطہر ہم سے منسوخ ہو گئے نیز احادیث مشہورہ سے دور دور میں دینار میں نصف دینار بطور زکوٰۃ واجب ہونا معلوم ہوا ہے، کل مال دینے کا وجوب ثابت نہیں ہوا پس اگر تمام مال دینا واجب ہوتا تو نہ گورہ نصاب بتلانے کی ضرورت نہ تھی پھر یہ کہ صحابہ کرامؓ میں سے بھی بہت لوگ مالدار تھے جیسے کہ حضرت عثمان غنیؓ حضرت عبداللہ بن عوفؓ

وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس امر کو جانتے تھے مگر ان کو تمام مال صدقہ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ تمام مال کا صدقہ کرنا فرض و واجب نہیں ہے اور فرض صرف ذکوۃ ہی ہے البتہ کسی وقت ایسے حالات پیش آ جائیں جن کے باعث موساسات واجب ہو جائے مثلاً کوئی بھوکا حالت خطرار میں ہو یا کسی کے پاس کپڑے نہ ہوں یا کسی میت لاوارث کے کفن و دفن کی ضرورت لاحق ہو تو اس وقت اس ضرورت کو پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔ غلی المال حق سوى الزکوۃ (مال میں ذکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے)

اس کے بعد محقق بھاص نے لکھا کہ آیت میں ولا یبفقوہا سے مراد ولا یبفقون منہا ہے گویا من محذوف ہے جس کی تائید آیت یتخذ من اموالہم صدقۃ سے ہوتی ہے کیونکہ بعض مال لینے کا حکم فرمایا تمام کا نہیں اس طرح دوسری آیت کو پہلی آیت کے لئے نسخ ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور دونوں کا مفاد ایک ہی ہو جاتا ہے۔

کنز سے کیا مراد ہے

دوسرے یہ کہ کنز سے شریعت کی اصطلاح میں وہ مال مراد ہے جس کی ذکوۃ ادا نہ کی گئی ہو حضرت عمر بن عباسؓ ابن عمرؓ حاضر مروی ہے یہی تفسیر مروی ہے لہذا آیت کنز سے صرف و وجوب ذکوۃ ہی مفہوم ہوا اور اس کی تائید حدیث ابن عباسؓ سے بھی ہوتا ہے کہ جب وہ کنز والی آیت اتری تو مسلمانوں کو یزید بن ابی مرثدہؓ نے فرمایا کہ میں تمہارا فکر و تردد رفع کروں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور عرض کیا۔ یا نبی اللہ! یہ آیت آپ کے صحاب پر بھاری ہو گئی ہے آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے ذکوۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ تمہارے پاس کے باقی اموال طیب ہو جائیں اور اوراغت کا حق اس لئے قائم کیا ہے کہ تمہارے بعد کے لوگوں کو فائدہ پہنچے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے (خوشی سے) بکھیر کر کہی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ آدمی کا سب سے بہترین کنز ذخیرہ اس کی نیک بیوی ہے ایسی کہ جب اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے جب اس کو کسی بات کا حکم کرے تو اطاعت کرے اور جب کہیں سفر کو جائے تو اس کے مال و آبرو کی حفاظت کرے ایک حدیث ابن ابیہیہ نے ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم نے اپنے مال کی ذکوۃ ادا کر دی تو جو حق تم پر واجب تھا وہ پورا کر دیا معلوم ہوا کہ مال میں جتنا حق واجب الاداء ہے وہ ذکوۃ ہی ہے (الحاکم ماقرن للبخاری طبع المطبعۃ المجددہ البصریہ ۱۳۲/۳)

تحقیق صاحب روح المعانی

محقق آلوسی صاحب روح المعانی نے بھی کنز والی آیت کے تحت احادیث و آثار ذکر کئے ہیں اور طبرانی و بیہقی سے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عادی ذکاة فلیس بکنز (جس مال کی ذکوۃ ادا کر دی وہ کنز نہیں ہے) یعنی وہ کنز جس پر وعید آئی ہے اس صورت میں ہے کہ حکم کے موافق صرف نہ کیا جائے جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مال جمع کر کے بالکل نہ رکھا جائے ورنہ مستحق عذاب ہوگا اس سے مراد وہی صورت ہے کہ اس کا حق واجب ادا نہ کیا جائے اور بعض نے کہا کہ وہ سب روایات فرضیت ذکوۃ سے پہلے زمانے کی ہیں۔ مثلاً وہ روایت طبرانی کہ ایک شخص کی اہل صفہ میں سے وفات ہوئی اور اس کے جہد میں ایک دینار ملا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک داغ ہے اور دوسرے کی وفات پر دو دینار نکلے تو فرمایا دو داغ ہیں بعض نے کہا کہ اہل صفہ کے

۱۔ نہ نالی شریف میں حضرت ابن ابیہریرہؓ سے اس طرح مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کنز کی عورت سب سے بہتر ہے فرمایا جو دیکھنے سے خوش کرنے حکم کی اطاعت کرے اور اپنے جان و مال میں شہرہ کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کرے خود نبی و اوصا میں حضرت ابن ابیہریرہؓ و ابیہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقویٰ الہی کی بعد ایک مومن کو اس سے بہتر کوئی خیر و نعمت نہیں ملی کہ اس کی بیوی صالحہ ہو جس کو حکم کے اطاعت گزار ہوں اس کو دیکھے تو دل خوش کرے اگر اس پر کسی معاملہ میں مجبور کر کے قسم کھائے (کہ اللہ و خدا را یہ کرے گی) تو اس کی قسم پورا کر دے) اگر سفر میں چلا جائے تو اپنے بدن اور اس کے مال میں خیر خیرا ہی کرے۔

لئے ایسا موزوں نہ تھا وغیرہ پھر محقق آلوسی نے لکھا کہ ظاہر آیت پر نظر کر کے حضرت ابوذرؓ نے ضرورت سے زائد سب مال کو صرف کر دینا واجب قرار دیا ہے اور وہ اس پر بڑی سختی سے عمل کرتے تھے اور دوسروں سے بھی یہی نظریہ منوانا چاہتے تھے۔

اس سلسلہ میں ان کی سب سے پہلی نوک جھونک یہ یزید بن معاویہ سے ہوئی کہ یزید بن معاویہ کی ممان میں لشکر اسلام روم پر فوج کشی کے لئے گیا تھا حضرت ابوذرؓ بھی اسی میں تھے جب مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو انہوں نے اس کو کنز بتلایا یہ یزید نے حضرت معاویہؓ کو خبر دی آپ نے ان کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا اور حضرت ابوذرؓ کو بھی ان کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ حضرت عثمانؓ سے جادلہ خیال کرنے کے بعد بھی اپنی رائے پر مصر رہے۔ اتفاق سے اس وقت مدینہ طیبہ میں بھی کہیں سے بہت سامان آیا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت ابوذرؓ سب لوگوں سے جھگڑتے رہے حتیٰ کہ کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ملت خفیہ تمام ملتوں سے زیادہ سہل اور عادل تر ہے اور جب کل مال کا خرچ کر دینا ملت یہودیہ میں بھی فرض نہیں ہوا حالانکہ اس میں سب ملتوں سے زیادہ جنگی و شدت ہے تو ملت عینیہ میں کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس پر حضرت ابوذرؓ کو سخت غصہ آ گیا اور حضرت کعبؓ کو مارنے کے لئے لاشعی اٹھا کر کہا کہ اے یہودی! تجھے ان مسائل میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ کعبؓ بھاگے اور ابوذرؓ پیچھے ہوئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی پیٹھ پیچھے چھپ کر پناہ لی۔ مگر حضرت ابوذرؓ ان کو بغیر مارے نہیں مانے ایک روایت یہ بھی ہے کہ کچھ چوٹ حضرت عثمانؓ پر بھی پڑی۔

حضرت ابوذرؓ کی رائے دوسرے صحابہؓ کی نظر میں

غرض حضرت ابوذرؓ کے اس خیال پر یہ کثرت صحابہؓ نے اعتراضات کئے اور وہ حضرات آیات و راہت پڑھ کر سمجھانے کی سعی کرتے تھے کہ اگر کل مال کا صرف کر دینا واجب ہوتا تو ان آیات کا فائدہ رہا؟ لوگ ان کے پاس جمع ہوتے تھے جہاں وہ پہنچتے ان کو دھام کرتے تھے اور ان کے خیالات پر حیرت و استعجاب کرتے تھے اس سے تنگ آ کر حضرت ابوذرؓ نے سب سے علیحدگی کی ویکسوی اختیار کر لی مگر حضرت عثمانؓ سے مشورہ کیا کہ کہاں جاؤں؟ آپ نے زبدۃ جا کر اقامت کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ وہیں جا کر رہنے لگے تھے صرف جمعہ کے دن مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے۔ زبدہ میں ان کے ساتھ صرف ان کی رفیقہ حیات اور غلام تھا وہیں ان کی وفات ہوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ خدا ابوذرؓ پر رحم فرمائے تنہا رہے گا اور سب سے دور الگ اس کی وفات ہوگی ایسا ہی ہوا۔ (مرنے کے بعد ایک راہگزر قافلہ کے لوگوں نے خلاف توقع موقع پر پہنچ کر آپ کی جھینٹ و تکفین کی اور نماز پڑھ کر دفن کیا۔

واقعہ ابی ذر اور شیعی تحریف

محقق آلوسی نے لکھا کہ قائل اعتقاد واقعہ صرف اتنا ہی ہے مگر شیعی حضرات نے ایسی طرح نقل کیا ہے جس سے حضرت ذی النورین عثمان رضی اللہ عنہ کو مٹھوٹوں کیا جاسکتا ان کی غرض تو عثمانؓ کو کم کرنے کی ہے اور خدا ان کے لئے کوفہ ضرور پورا اور کمال کرے گا۔ (روح المعانی ص ۸/۱۸ ص ۸۸ ص ۸۹ ص ۹۰ ص ۹۱ ص ۹۲ ص ۹۳ ص ۹۴ ص ۹۵ ص ۹۶ ص ۹۷ ص ۹۸ ص ۹۹ ص ۱۰۰ ص ۱۰۱ ص ۱۰۲ ص ۱۰۳ ص ۱۰۴ ص ۱۰۵ ص ۱۰۶ ص ۱۰۷ ص ۱۰۸ ص ۱۰۹ ص ۱۱۰ ص ۱۱۱ ص ۱۱۲ ص ۱۱۳ ص ۱۱۴ ص ۱۱۵ ص ۱۱۶ ص ۱۱۷ ص ۱۱۸ ص ۱۱۹ ص ۱۲۰ ص ۱۲۱ ص ۱۲۲ ص ۱۲۳ ص ۱۲۴ ص ۱۲۵ ص ۱۲۶ ص ۱۲۷ ص ۱۲۸ ص ۱۲۹ ص ۱۳۰ ص ۱۳۱ ص ۱۳۲ ص ۱۳۳ ص ۱۳۴ ص ۱۳۵ ص ۱۳۶ ص ۱۳۷ ص ۱۳۸ ص ۱۳۹ ص ۱۴۰ ص ۱۴۱ ص ۱۴۲ ص ۱۴۳ ص ۱۴۴ ص ۱۴۵ ص ۱۴۶ ص ۱۴۷ ص ۱۴۸ ص ۱۴۹ ص ۱۵۰ ص ۱۵۱ ص ۱۵۲ ص ۱۵۳ ص ۱۵۴ ص ۱۵۵ ص ۱۵۶ ص ۱۵۷ ص ۱۵۸ ص ۱۵۹ ص ۱۶۰ ص ۱۶۱ ص ۱۶۲ ص ۱۶۳ ص ۱۶۴ ص ۱۶۵ ص ۱۶۶ ص ۱۶۷ ص ۱۶۸ ص ۱۶۹ ص ۱۷۰ ص ۱۷۱ ص ۱۷۲ ص ۱۷۳ ص ۱۷۴ ص ۱۷۵ ص ۱۷۶ ص ۱۷۷ ص ۱۷۸ ص ۱۷۹ ص ۱۸۰ ص ۱۸۱ ص ۱۸۲ ص ۱۸۳ ص ۱۸۴ ص ۱۸۵ ص ۱۸۶ ص ۱۸۷ ص ۱۸۸ ص ۱۸۹ ص ۱۹۰ ص ۱۹۱ ص ۱۹۲ ص ۱۹۳ ص ۱۹۴ ص ۱۹۵ ص ۱۹۶ ص ۱۹۷ ص ۱۹۸ ص ۱۹۹ ص ۲۰۰ ص ۲۰۱ ص ۲۰۲ ص ۲۰۳ ص ۲۰۴ ص ۲۰۵ ص ۲۰۶ ص ۲۰۷ ص ۲۰۸ ص ۲۰۹ ص ۲۱۰ ص ۲۱۱ ص ۲۱۲ ص ۲۱۳ ص ۲۱۴ ص ۲۱۵ ص ۲۱۶ ص ۲۱۷ ص ۲۱۸ ص ۲۱۹ ص ۲۲۰ ص ۲۲۱ ص ۲۲۲ ص ۲۲۳ ص ۲۲۴ ص ۲۲۵ ص ۲۲۶ ص ۲۲۷ ص ۲۲۸ ص ۲۲۹ ص ۲۳۰ ص ۲۳۱ ص ۲۳۲ ص ۲۳۳ ص ۲۳۴ ص ۲۳۵ ص ۲۳۶ ص ۲۳۷ ص ۲۳۸ ص ۲۳۹ ص ۲۴۰ ص ۲۴۱ ص ۲۴۲ ص ۲۴۳ ص ۲۴۴ ص ۲۴۵ ص ۲۴۶ ص ۲۴۷ ص ۲۴۸ ص ۲۴۹ ص ۲۵۰ ص ۲۵۱ ص ۲۵۲ ص ۲۵۳ ص ۲۵۴ ص ۲۵۵ ص ۲۵۶ ص ۲۵۷ ص ۲۵۸ ص ۲۵۹ ص ۲۶۰ ص ۲۶۱ ص ۲۶۲ ص ۲۶۳ ص ۲۶۴ ص ۲۶۵ ص ۲۶۶ ص ۲۶۷ ص ۲۶۸ ص ۲۶۹ ص ۲۷۰ ص ۲۷۱ ص ۲۷۲ ص ۲۷۳ ص ۲۷۴ ص ۲۷۵ ص ۲۷۶ ص ۲۷۷ ص ۲۷۸ ص ۲۷۹ ص ۲۸۰ ص ۲۸۱ ص ۲۸۲ ص ۲۸۳ ص ۲۸۴ ص ۲۸۵ ص ۲۸۶ ص ۲۸۷ ص ۲۸۸ ص ۲۸۹ ص ۲۹۰ ص ۲۹۱ ص ۲۹۲ ص ۲۹۳ ص ۲۹۴ ص ۲۹۵ ص ۲۹۶ ص ۲۹۷ ص ۲۹۸ ص ۲۹۹ ص ۳۰۰ ص ۳۰۱ ص ۳۰۲ ص ۳۰۳ ص ۳۰۴ ص ۳۰۵ ص ۳۰۶ ص ۳۰۷ ص ۳۰۸ ص ۳۰۹ ص ۳۱۰ ص ۳۱۱ ص ۳۱۲ ص ۳۱۳ ص ۳۱۴ ص ۳۱۵ ص ۳۱۶ ص ۳۱۷ ص ۳۱۸ ص ۳۱۹ ص ۳۲۰ ص ۳۲۱ ص ۳۲۲ ص ۳۲۳ ص ۳۲۴ ص ۳۲۵ ص ۳۲۶ ص ۳۲۷ ص ۳۲۸ ص ۳۲۹ ص ۳۳۰ ص ۳۳۱ ص ۳۳۲ ص ۳۳۳ ص ۳۳۴ ص ۳۳۵ ص ۳۳۶ ص ۳۳۷ ص ۳۳۸ ص ۳۳۹ ص ۳۴۰ ص ۳۴۱ ص ۳۴۲ ص ۳۴۳ ص ۳۴۴ ص ۳۴۵ ص ۳۴۶ ص ۳۴۷ ص ۳۴۸ ص ۳۴۹ ص ۳۵۰ ص ۳۵۱ ص ۳۵۲ ص ۳۵۳ ص ۳۵۴ ص ۳۵۵ ص ۳۵۶ ص ۳۵۷ ص ۳۵۸ ص ۳۵۹ ص ۳۶۰ ص ۳۶۱ ص ۳۶۲ ص ۳۶۳ ص ۳۶۴ ص ۳۶۵ ص ۳۶۶ ص ۳۶۷ ص ۳۶۸ ص ۳۶۹ ص ۳۷۰ ص ۳۷۱ ص ۳۷۲ ص ۳۷۳ ص ۳۷۴ ص ۳۷۵ ص ۳۷۶ ص ۳۷۷ ص ۳۷۸ ص ۳۷۹ ص ۳۸۰ ص ۳۸۱ ص ۳۸۲ ص ۳۸۳ ص ۳۸۴ ص ۳۸۵ ص ۳۸۶ ص ۳۸۷ ص ۳۸۸ ص ۳۸۹ ص ۳۹۰ ص ۳۹۱ ص ۳۹۲ ص ۳۹۳ ص ۳۹۴ ص ۳۹۵ ص ۳۹۶ ص ۳۹۷ ص ۳۹۸ ص ۳۹۹ ص ۴۰۰ ص ۴۰۱ ص ۴۰۲ ص ۴۰۳ ص ۴۰۴ ص ۴۰۵ ص ۴۰۶ ص ۴۰۷ ص ۴۰۸ ص ۴۰۹ ص ۴۱۰ ص ۴۱۱ ص ۴۱۲ ص ۴۱۳ ص ۴۱۴ ص ۴۱۵ ص ۴۱۶ ص ۴۱۷ ص ۴۱۸ ص ۴۱۹ ص ۴۲۰ ص ۴۲۱ ص ۴۲۲ ص ۴۲۳ ص ۴۲۴ ص ۴۲۵ ص ۴۲۶ ص ۴۲۷ ص ۴۲۸ ص ۴۲۹ ص ۴۳۰ ص ۴۳۱ ص ۴۳۲ ص ۴۳۳ ص ۴۳۴ ص ۴۳۵ ص ۴۳۶ ص ۴۳۷ ص ۴۳۸ ص ۴۳۹ ص ۴۴۰ ص ۴۴۱ ص ۴۴۲ ص ۴۴۳ ص ۴۴۴ ص ۴۴۵ ص ۴۴۶ ص ۴۴۷ ص ۴۴۸ ص ۴۴۹ ص ۴۵۰ ص ۴۵۱ ص ۴۵۲ ص ۴۵۳ ص ۴۵۴ ص ۴۵۵ ص ۴۵۶ ص ۴۵۷ ص ۴۵۸ ص ۴۵۹ ص ۴۶۰ ص ۴۶۱ ص ۴۶۲ ص ۴۶۳ ص ۴۶۴ ص ۴۶۵ ص ۴۶۶ ص ۴۶۷ ص ۴۶۸ ص ۴۶۹ ص ۴۷۰ ص ۴۷۱ ص ۴۷۲ ص ۴۷۳ ص ۴۷۴ ص ۴۷۵ ص ۴۷۶ ص ۴۷۷ ص ۴۷۸ ص ۴۷۹ ص ۴۸۰ ص ۴۸۱ ص ۴۸۲ ص ۴۸۳ ص ۴۸۴ ص ۴۸۵ ص ۴۸۶ ص ۴۸۷ ص ۴۸۸ ص ۴۸۹ ص ۴۹۰ ص ۴۹۱ ص ۴۹۲ ص ۴۹۳ ص ۴۹۴ ص ۴۹۵ ص ۴۹۶ ص ۴۹۷ ص ۴۹۸ ص ۴۹۹ ص ۵۰۰ ص ۵۰۱ ص ۵۰۲ ص ۵۰۳ ص ۵۰۴ ص ۵۰۵ ص ۵۰۶ ص ۵۰۷ ص ۵۰۸ ص ۵۰۹ ص ۵۱۰ ص ۵۱۱ ص ۵۱۲ ص ۵۱۳ ص ۵۱۴ ص ۵۱۵ ص ۵۱۶ ص ۵۱۷ ص ۵۱۸ ص ۵۱۹ ص ۵۲۰ ص ۵۲۱ ص ۵۲۲ ص ۵۲۳ ص ۵۲۴ ص ۵۲۵ ص ۵۲۶ ص ۵۲۷ ص ۵۲۸ ص ۵۲۹ ص ۵۳۰ ص ۵۳۱ ص ۵۳۲ ص ۵۳۳ ص ۵۳۴ ص ۵۳۵ ص ۵۳۶ ص ۵۳۷ ص ۵۳۸ ص ۵۳۹ ص ۵۴۰ ص ۵۴۱ ص ۵۴۲ ص ۵۴۳ ص ۵۴۴ ص ۵۴۵ ص ۵۴۶ ص ۵۴۷ ص ۵۴۸ ص ۵۴۹ ص ۵۵۰ ص ۵۵۱ ص ۵۵۲ ص ۵۵۳ ص ۵۵۴ ص ۵۵۵ ص ۵۵۶ ص ۵۵۷ ص ۵۵۸ ص ۵۵۹ ص ۵۶۰ ص ۵۶۱ ص ۵۶۲ ص ۵۶۳ ص ۵۶۴ ص ۵۶۵ ص ۵۶۶ ص ۵۶۷ ص ۵۶۸ ص ۵۶۹ ص ۵۷۰ ص ۵۷۱ ص ۵۷۲ ص ۵۷۳ ص ۵۷۴ ص ۵۷۵ ص ۵۷۶ ص ۵۷۷ ص ۵۷۸ ص ۵۷۹ ص ۵۸۰ ص ۵۸۱ ص ۵۸۲ ص ۵۸۳ ص ۵۸۴ ص ۵۸۵ ص ۵۸۶ ص ۵۸۷ ص ۵۸۸ ص ۵۸۹ ص ۵۹۰ ص ۵۹۱ ص ۵۹۲ ص ۵۹۳ ص ۵۹۴ ص ۵۹۵ ص ۵۹۶ ص ۵۹۷ ص ۵۹۸ ص ۵۹۹ ص ۶۰۰ ص ۶۰۱ ص ۶۰۲ ص ۶۰۳ ص ۶۰۴ ص ۶۰۵ ص ۶۰۶ ص ۶۰۷ ص ۶۰۸ ص ۶۰۹ ص ۶۱۰ ص ۶۱۱ ص ۶۱۲ ص ۶۱۳ ص ۶۱۴ ص ۶۱۵ ص ۶۱۶ ص ۶۱۷ ص ۶۱۸ ص ۶۱۹ ص ۶۲۰ ص ۶۲۱ ص ۶۲۲ ص ۶۲۳ ص ۶۲۴ ص ۶۲۵ ص ۶۲۶ ص ۶۲۷ ص ۶۲۸ ص ۶۲۹ ص ۶۳۰ ص ۶۳۱ ص ۶۳۲ ص ۶۳۳ ص ۶۳۴ ص ۶۳۵ ص ۶۳۶ ص ۶۳۷ ص ۶۳۸ ص ۶۳۹ ص ۶۴۰ ص ۶۴۱ ص ۶۴۲ ص ۶۴۳ ص ۶۴۴ ص ۶۴۵ ص ۶۴۶ ص ۶۴۷ ص ۶۴۸ ص ۶۴۹ ص ۶۵۰ ص ۶۵۱ ص ۶۵۲ ص ۶۵۳ ص ۶۵۴ ص ۶۵۵ ص ۶۵۶ ص ۶۵۷ ص ۶۵۸ ص ۶۵۹ ص ۶۶۰ ص ۶۶۱ ص ۶۶۲ ص ۶۶۳ ص ۶۶۴ ص ۶۶۵ ص ۶۶۶ ص ۶۶۷ ص ۶۶۸ ص ۶۶۹ ص ۶۷۰ ص ۶۷۱ ص ۶۷۲ ص ۶۷۳ ص ۶۷۴ ص ۶۷۵ ص ۶۷۶ ص ۶۷۷ ص ۶۷۸ ص ۶۷۹ ص ۶۸۰ ص ۶۸۱ ص ۶۸۲ ص ۶۸۳ ص ۶۸۴ ص ۶۸۵ ص ۶۸۶ ص ۶۸۷ ص ۶۸۸ ص ۶۸۹ ص ۶۹۰ ص ۶۹۱ ص ۶۹۲ ص ۶۹۳ ص ۶۹۴ ص ۶۹۵ ص ۶۹۶ ص ۶۹۷ ص ۶۹۸ ص ۶۹۹ ص ۷۰۰ ص ۷۰۱ ص ۷۰۲ ص ۷۰۳ ص ۷۰۴ ص ۷۰۵ ص ۷۰۶ ص ۷۰۷ ص ۷۰۸ ص ۷۰۹ ص ۷۱۰ ص ۷۱۱ ص ۷۱۲ ص ۷۱۳ ص ۷۱۴ ص ۷۱۵ ص ۷۱۶ ص ۷۱۷ ص ۷۱۸ ص ۷۱۹ ص ۷۲۰ ص ۷۲۱ ص ۷۲۲ ص ۷۲۳ ص ۷۲۴ ص ۷۲۵ ص ۷۲۶ ص ۷۲۷ ص ۷۲۸ ص ۷۲۹ ص ۷۳۰ ص ۷۳۱ ص ۷۳۲ ص ۷۳۳ ص ۷۳۴ ص ۷۳۵ ص ۷۳۶ ص ۷۳۷ ص ۷۳۸ ص ۷۳۹ ص ۷۴۰ ص ۷۴۱ ص ۷۴۲ ص ۷۴۳ ص ۷۴۴ ص ۷۴۵ ص ۷۴۶ ص ۷۴۷ ص ۷۴۸ ص ۷۴۹ ص ۷۵۰ ص ۷۵۱ ص ۷۵۲ ص ۷۵۳ ص ۷۵۴ ص ۷۵۵ ص ۷۵۶ ص ۷۵۷ ص ۷۵۸ ص ۷۵۹ ص ۷۶۰ ص ۷۶۱ ص ۷۶۲ ص ۷۶۳ ص ۷۶۴ ص ۷۶۵ ص ۷۶۶ ص ۷۶۷ ص ۷۶۸ ص ۷۶۹ ص ۷۷۰ ص ۷۷۱ ص ۷۷۲ ص ۷۷۳ ص ۷۷۴ ص ۷۷۵ ص ۷۷۶ ص ۷۷۷ ص ۷۷۸ ص ۷۷۹ ص ۷۸۰ ص ۷۸۱ ص ۷۸۲ ص ۷۸۳ ص ۷۸۴ ص ۷۸۵ ص ۷۸۶ ص ۷۸۷ ص ۷۸۸ ص ۷۸۹ ص ۷۹۰ ص ۷۹۱ ص ۷۹۲ ص ۷۹۳ ص ۷۹۴ ص ۷۹۵ ص ۷۹۶ ص ۷۹۷ ص ۷۹۸ ص ۷۹۹ ص ۸۰۰ ص ۸۰۱ ص ۸۰۲ ص ۸۰۳ ص ۸۰۴ ص ۸۰۵ ص ۸۰۶ ص ۸۰۷ ص ۸۰۸ ص ۸۰۹ ص ۸۱۰ ص ۸۱۱ ص ۸۱۲ ص ۸۱۳ ص ۸۱۴ ص ۸۱۵ ص ۸۱۶ ص ۸۱۷ ص ۸۱۸ ص ۸۱۹ ص ۸۲۰ ص ۸۲۱ ص ۸۲۲ ص ۸۲۳ ص ۸۲۴ ص ۸۲۵ ص ۸۲۶ ص ۸۲۷ ص ۸۲۸ ص ۸۲۹ ص ۸۳۰ ص ۸۳۱ ص ۸۳۲ ص ۸۳۳ ص ۸۳۴ ص ۸۳۵ ص ۸۳۶ ص ۸۳۷ ص ۸۳۸ ص ۸۳۹ ص ۸۴۰ ص ۸۴۱ ص ۸۴۲ ص ۸۴۳ ص ۸۴۴ ص ۸۴۵ ص ۸۴۶ ص ۸۴۷ ص ۸۴۸ ص ۸۴۹ ص ۸۵۰ ص ۸۵۱ ص ۸۵۲ ص ۸۵۳ ص ۸۵۴ ص ۸۵۵ ص ۸۵۶ ص ۸۵۷ ص ۸۵۸ ص ۸۵۹ ص ۸۶۰ ص ۸۶۱ ص ۸۶۲ ص ۸۶۳ ص ۸۶۴ ص ۸۶۵ ص ۸۶۶ ص ۸۶۷ ص ۸۶۸ ص ۸۶۹ ص ۸۷۰ ص ۸۷۱ ص ۸۷۲ ص ۸۷۳ ص ۸۷۴ ص ۸۷۵ ص ۸۷۶ ص ۸۷۷ ص ۸۷۸ ص ۸۷۹ ص ۸۸۰ ص ۸۸۱ ص ۸۸۲ ص ۸۸۳ ص ۸۸۴ ص ۸۸۵ ص ۸۸۶ ص ۸۸۷ ص ۸۸۸ ص ۸۸۹ ص ۸۹۰ ص ۸۹۱ ص ۸۹۲ ص ۸۹۳ ص ۸۹۴ ص ۸۹۵ ص ۸۹۶ ص ۸۹۷ ص ۸۹۸ ص ۸۹۹ ص ۹۰۰ ص ۹۰۱ ص ۹۰۲ ص ۹۰۳ ص ۹۰۴ ص ۹۰۵ ص ۹۰۶ ص ۹۰۷ ص ۹۰۸ ص ۹۰۹ ص ۹۱۰ ص ۹۱۱ ص ۹۱۲ ص ۹۱۳ ص ۹۱۴ ص ۹۱۵ ص ۹۱۶ ص ۹۱۷ ص ۹۱۸ ص ۹۱۹ ص ۹۲۰ ص ۹۲۱ ص ۹۲۲ ص ۹۲۳ ص ۹۲۴ ص ۹۲۵ ص ۹۲۶ ص ۹۲۷ ص ۹۲۸ ص ۹۲۹ ص ۹۳۰ ص ۹۳۱ ص ۹۳۲ ص ۹۳۳ ص ۹۳۴ ص ۹۳۵ ص ۹۳۶ ص ۹۳۷ ص ۹۳۸ ص ۹۳۹ ص ۹۴۰ ص ۹۴۱ ص ۹۴۲ ص ۹۴۳ ص ۹۴۴ ص ۹۴۵ ص ۹۴۶ ص ۹۴۷ ص ۹۴۸ ص ۹۴۹ ص ۹۵۰ ص ۹۵۱ ص ۹۵۲ ص ۹۵۳ ص ۹۵۴ ص ۹۵۵ ص ۹۵۶ ص ۹۵۷ ص ۹۵۸ ص ۹۵۹ ص ۹۶۰ ص ۹۶۱ ص ۹۶۲ ص ۹۶۳ ص ۹۶۴ ص ۹۶۵ ص ۹۶۶ ص ۹۶۷ ص ۹۶۸ ص ۹۶۹ ص ۹۷۰ ص ۹۷۱ ص ۹۷۲ ص ۹۷۳ ص ۹۷۴ ص ۹۷۵ ص ۹۷۶ ص ۹۷۷ ص ۹۷۸ ص ۹۷۹ ص ۹۸۰ ص ۹۸۱ ص ۹۸۲ ص ۹۸۳ ص ۹۸۴ ص ۹۸۵ ص ۹۸۶ ص ۹۸۷ ص ۹۸۸ ص ۹۸۹ ص ۹۹۰ ص ۹۹۱ ص ۹۹۲ ص ۹۹۳ ص ۹۹۴ ص ۹۹۵ ص ۹۹۶ ص ۹۹۷ ص ۹۹۸ ص ۹۹۹ ص ۱۰۰۰ ص ۱۰۰۱ ص ۱۰۰۲ ص ۱۰۰۳ ص ۱۰۰۴ ص ۱۰۰۵ ص ۱۰۰۶ ص ۱۰۰۷ ص ۱۰۰۸ ص ۱۰۰۹ ص ۱۰۱۰ ص ۱۰۱۱ ص ۱۰۱۲ ص ۱۰۱۳ ص ۱۰۱۴ ص ۱۰۱۵ ص ۱۰۱۶ ص ۱۰۱۷ ص ۱۰۱۸ ص ۱۰۱۹ ص ۱۰۲۰ ص ۱۰۲۱ ص ۱۰۲۲ ص ۱۰۲۳ ص ۱۰۲۴ ص ۱۰۲۵ ص ۱۰۲۶ ص ۱۰۲۷ ص ۱۰۲۸ ص ۱۰۲۹ ص ۱۰۳۰ ص ۱۰۳۱ ص ۱۰۳۲ ص ۱۰۳۳ ص ۱۰۳۴ ص ۱۰۳۵ ص ۱۰۳۶ ص ۱۰۳۷ ص ۱۰۳۸ ص ۱۰۳۹ ص ۱۰۴۰ ص ۱۰۴۱ ص ۱۰۴۲ ص ۱۰۴۳ ص ۱۰۴۴ ص ۱۰۴۵ ص ۱۰۴۶ ص ۱۰۴۷ ص ۱۰۴۸ ص ۱۰۴۹ ص ۱۰۵۰ ص ۱۰۵۱ ص ۱۰۵۲ ص ۱۰۵۳ ص ۱۰۵۴ ص ۱۰۵۵ ص ۱۰۵۶ ص ۱۰۵۷ ص ۱۰۵۸ ص ۱۰۵۹ ص ۱۰۶۰ ص ۱۰۶۱ ص ۱۰۶۲ ص ۱۰۶۳ ص ۱۰۶۴ ص ۱۰۶۵ ص ۱۰۶۶ ص ۱۰۶۷ ص ۱۰۶۸ ص ۱۰۶۹ ص ۱۰۷۰ ص ۱۰۷۱ ص ۱۰۷۲ ص ۱۰۷۳ ص ۱۰۷۴ ص ۱۰۷۵ ص ۱۰۷۶ ص ۱۰۷۷ ص ۱۰۷۸ ص ۱۰۷۹ ص ۱۰۸۰ ص ۱۰۸۱ ص ۱۰۸۲ ص ۱۰۸۳ ص ۱۰۸۴ ص ۱۰۸۵ ص ۱۰۸۶ ص ۱۰۸۷ ص ۱۰۸۸ ص ۱۰۸۹ ص ۱۰۹۰ ص ۱۰۹۱ ص ۱۰۹۲ ص ۱۰۹۳ ص ۱۰۹۴ ص ۱۰۹۵ ص ۱۰۹۶ ص ۱۰۹۷ ص ۱۰۹۸ ص ۱۰۹۹ ص ۱۱۰۰ ص ۱۱۰۱ ص ۱۱۰۲ ص ۱۱۰۳ ص ۱۱۰۴ ص ۱۱۰۵ ص ۱۱۰۶ ص ۱۱۰۷ ص ۱۱۰۸ ص ۱۱۰۹ ص ۱۱۱۰ ص ۱۱۱۱ ص ۱۱۱۲ ص ۱۱۱۳ ص ۱۱۱۴ ص ۱۱۱۵ ص ۱۱۱۶ ص ۱۱۱۷ ص ۱۱۱۸ ص ۱۱۱۹ ص ۱۱۲۰ ص ۱۱۲۱ ص ۱۱۲۲ ص ۱۱۲۳ ص ۱۱۲۴ ص ۱۱۲۵ ص ۱۱۲۶ ص ۱۱۲۷ ص ۱۱۲۸ ص ۱۱۲۹ ص ۱۱۳۰ ص ۱۱۳۱ ص ۱۱۳۲ ص ۱۱۳۳ ص ۱۱۳۴ ص ۱۱۳۵ ص ۱۱۳۶ ص ۱۱۳۷ ص ۱۱۳۸ ص ۱۱۳۹ ص ۱۱۴۰ ص ۱۱۴۱ ص ۱۱۴۲ ص ۱۱۴۳ ص ۱۱۴۴ ص ۱۱۴۵ ص ۱۱۴۶ ص ۱۱۴۷ ص ۱۱۴۸ ص ۱۱۴۹ ص ۱۱۵۰ ص ۱۱۵۱ ص ۱۱۵۲ ص ۱۱۵۳ ص ۱۱۵۴ ص ۱۱۵۵ ص ۱۱۵۶ ص ۱۱۵۷ ص ۱۱۵۸ ص ۱۱۵۹ ص ۱۱۶۰ ص ۱۱۶۱ ص ۱۱۶۲ ص ۱۱۶۳ ص ۱۱۶۴ ص ۱۱۶۵ ص ۱۱۶۶ ص ۱۱۶۷ ص ۱۱۶۸ ص ۱۱۶۹ ص ۱۱۷۰ ص ۱۱۷۱ ص ۱۱۷۲ ص ۱۱۷۳ ص ۱۱۷۴ ص ۱۱۷۵ ص ۱۱۷۶ ص ۱۱۷۷ ص ۱۱۷۸ ص ۱۱۷۹ ص ۱۱۸۰ ص ۱۱۸۱ ص ۱۱۸۲ ص ۱۱۸۳ ص ۱۱۸۴ ص ۱۱۸۵ ص ۱۱۸۶ ص ۱۱۸۷ ص ۱۱۸۸ ص ۱۱۸۹ ص ۱۱۹۰ ص ۱۱۹۱ ص ۱۱۹۲ ص ۱۱۹۳ ص ۱۱۹۴ ص ۱۱۹۵ ص ۱۱۹۶ ص ۱۱۹۷ ص ۱۱۹۸ ص ۱۱۹۹ ص ۱۲۰۰ ص ۱۲۰۱ ص ۱۲۰۲ ص ۱۲۰۳ ص ۱۲۰۴ ص ۱۲۰۵ ص ۱۲۰۶ ص ۱۲۰۷ ص ۱۲۰۸ ص ۱۲۰۹ ص ۱۲۱۰ ص ۱۲۱۱ ص ۱۲۱۲ ص ۱۲۱۳ ص ۱۲۱۴ ص ۱۲۱۵ ص ۱۲۱۶ ص ۱۲۱۷ ص ۱۲۱۸ ص ۱۲۱۹ ص ۱۲۲۰ ص ۱۲۲۱ ص ۱۲۲۲ ص ۱۲۲۳ ص ۱۲۲۴ ص ۱۲۲۵ ص ۱۲۲۶ ص ۱۲۲۷ ص ۱۲۲۸ ص ۱۲۲۹ ص ۱۲۳۰ ص ۱۲۳۱ ص ۱۲۳۲ ص ۱۲۳۳ ص ۱۲۳۴ ص ۱۲۳۵ ص ۱۲۳۶ ص ۱۲۳۷ ص ۱۲۳۸ ص ۱۲۳۹ ص ۱۲۴۰ ص ۱۲۴۱ ص ۱۲۴۲ ص ۱۲۴۳ ص ۱۲۴۴ ص ۱۲۴۵ ص ۱۲۴۶ ص ۱۲۴۷ ص ۱۲۴۸ ص ۱۲۴۹ ص ۱۲۵۰ ص ۱۲۵۱ ص ۱۲۵۲ ص ۱۲۵۳ ص ۱۲۵۴ ص ۱۲۵۵ ص ۱۲۵۶ ص ۱۲۵۷ ص ۱۲۵۸ ص ۱۲۵۹ ص ۱۲۶۰ ص ۱۲۶۱ ص ۱۲۶۲ ص ۱۲۶۳ ص ۱۲۶۴ ص ۱۲۶۵ ص ۱۲۶۶ ص ۱۲۶۷ ص ۱۲۶۸ ص ۱۲۶۹ ص ۱۲۷۰ ص ۱۲۷۱ ص ۱۲۷۲ ص ۱۲۷۳ ص ۱۲۷۴ ص ۱۲۷۵ ص ۱۲۷۶ ص ۱۲۷۷ ص ۱۲۷۸ ص ۱۲۷۹ ص ۱۲۸۰ ص ۱۲۸۱ ص ۱۲۸۲ ص ۱۲۸۳ ص ۱۲۸۴ ص ۱۲۸۵ ص ۱۲۸۶ ص ۱۲۸۷ ص ۱۲۸۸ ص ۱۲۸۹ ص ۱۲۹۰ ص ۱۲۹۱ ص ۱۲۹۲ ص ۱۲۹۳ ص ۱۲۹۴ ص ۱۲۹۵ ص ۱۲۹۶ ص ۱۲۹۷ ص ۱۲۹۸ ص ۱۲۹۹ ص ۱۳۰۰ ص ۱۳۰۱ ص ۱۳۰۲ ص ۱۳۰۳ ص ۱۳۰۴ ص ۱۳۰۵ ص ۱۳۰۶ ص ۱۳۰۷ ص ۱۳۰۸ ص ۱۳۰۹ ص ۱۳۱۰ ص ۱۳۱۱ ص ۱۳۱۲ ص ۱۳۱۳ ص ۱۳۱۴ ص ۱۳۱۵ ص ۱۳۱۶ ص ۱۳۱۷ ص ۱۳۱۸ ص ۱۳۱۹ ص ۱۳۲۰ ص ۱۳۲۱ ص ۱۳۲۲ ص ۱۳۲۳ ص ۱۳۲۴ ص ۱۳۲۵ ص ۱۳۲۶ ص ۱۳۲۷ ص ۱۳۲۸ ص ۱۳۲۹ ص ۱۳۳۰ ص ۱۳۳۱ ص ۱۳۳۲ ص ۱۳۳۳ ص ۱۳۳۴ ص ۱۳۳۵ ص ۱۳۳۶ ص ۱۳۳۷ ص ۱۳۳۸ ص ۱۳۳۹ ص ۱۳۴۰ ص ۱۳۴۱ ص ۱۳۴۲ ص ۱۳۴۳ ص ۱۳۴۴ ص ۱۳۴۵ ص ۱۳۴۶ ص ۱۳۴۷ ص ۱۳۴۸ ص ۱۳۴۹ ص ۱۳۵۰ ص ۱۳۵۱ ص ۱۳۵۲ ص ۱۳۵۳ ص ۱۳۵۴ ص ۱۳۵۵ ص ۱۳۵۶ ص ۱۳۵۷ ص ۱۳۵۸ ص ۱۳۵۹ ص ۱۳۶۰ ص ۱۳۶۱ ص ۱۳۶۲ ص ۱۳۶۳ ص ۱۳۶۴ ص ۱۳۶۵ ص ۱۳۶۶ ص ۱۳۶۷ ص ۱۳۶۸ ص ۱۳۶۹ ص ۱۳۷۰ ص ۱۳۷۱ ص ۱۳۷۲ ص ۱۳۷۳ ص ۱۳۷۴ ص ۱۳۷۵ ص

میں آجائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ بات پہلے بتائی جا چکی کہ دور رسالت میں جب تک لوگوں کے معاشی حالات اچھے نہ تھے تو مال کا جمع کرنا جائز نہ تھا، اس کے بعد زکوٰۃ کا حکم آیا اور جمع مال کی بھی اجازت بشرط ادا زکوٰۃ دی گئی، لیکن ساتھ ہی دوسری ہدایات قرآن و حدیث سے یہ بھی دی گئیں کہ صرف مال بچاؤ اور محض زکوٰۃ پر مختصر نہیں رہے گا بلکہ دوسرے حقوق بھی جمع شدہ مال میں علاوہ زکوٰۃ کے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لیس البران تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله والیوم الآخر والملائکة والکتاب والنبيين والی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب و اقام الصلوة واتی الزکوۃ الایۃ

”بڑی نیکی جو مغفرت و ہدایت کے لئے کافی ہو یہ نہیں کہ تم صرف اپنا نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا کرو اور عقائد و اعمال ضروریہ کی پروا بھی نہ کرو بلکہ نیکی و بھلائی جو اثر ہدایت و سبب مغفرت ہے یہ ہے کہ اللہ روز قیامت تمام ملائکہ، کتب، آسمانی اور انبیاء علیہم السلام پر دل سے ایمان لائے اور ان پر یقین کرے نیز باوجود رغبت و محبت مال کے اس کے علاوہ زکوٰۃ کے قریبوں، یتیموں، غریبوں، مسافروں اور ضرورت مند مساکین پر صرف کرے، اسی طرح گردن چھڑانے (یعنی مسلمانوں کو کفار نے ظلماً قید کر لیا ہو تو ان کو رہا کرانے) میں یا مقروض کو قرض خواہوں سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یا غلام مکاتب کو خلاص دلانے میں خرچ کرے“ اور نماز کو خوب درستی کے ساتھ ادا کرے اور چاندی سونے اور جملہ اموال تجارت کی زکوٰۃ ادا کرے۔ الخ (ذکر حضرت علامہ عثمانی ص ۳۴)

روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں فی الرقاب تک تلاوت فرمائی تھی، ہم نے زیادہ وضاحت کے لئے آیت کا اگلا جملہ لکھا ہے تاکہ زکوٰۃ کا حکم الگ معلوم ہو یہ روایت ابن کثیر میں ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ سے نقل ہوئی ہے (ابن کثیر ص ۲۰۸/۱ طبعی و مرقاۃ (شرح مشکوٰۃ) میں اس کی تفصیل میں کچھ مثالیں بھی لکھی ہیں کہ سائل کو اور قرض مانگنے والے کو محرم نہ کرے نہ سنے کی چیز مانگی جائے تو دینے سے انکار نہ کرے پانی، نمک، آگ وغیرہ کم قیمت چیزیں دیے ہی دے دے۔ آیت مذکورہ کے علاوہ جس کا حوالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی دیا دوسری آیات بھی ہیں۔ مثلاً۔

- (۱) پارہ مستقل میں ہے (۱) اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو (۲) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر (یعنی اخلاص کے ساتھ)
- (۲) پارہ بن تالو میں ہے (۱) تم کامل خیر و بھلائی کو جب ہی حاصل کر سکو گے کہ اپنی محبوب چیزوں کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کر دو گے (۲) جنت ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور جو فراغت و شگنی ہر حال میں صرف خیر کرتے ہیں۔
- (۳) پارہ ہندرون میں ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کچھ انواروں کو خرید لیا ہے اور اس کے عوض میں ان کو جنت دیں گے (۲) جو کچھ کم و بیش انہوں نے صرف کیا اور جتنے میدان اللہ کی راہ میں ان کو طے کرنے پڑے وہ سب کچھ ان کے نام پر لکھا گیا۔

(۴) پارہ مبعث اللہی میں ہے کہ قربت دار کو اس کا حق دے رہنا اور محتاج و مسافر کو بھی۔

(۵) پارہ وکن مبعث میں ہے۔ جو چیز بھی تم خرچ کر دو گے اس سب کا عوض اللہ کے یہاں ملے گا۔

(۶) پارہ تبارک الذی، سورہ دہر میں ہے۔ وہ لوگ اللہ کی محبت میں غریب، یتیم اور قیدی کو کھانا کھاتے ہیں ان کے علاوہ اور بھی

بہت سی آیات ہیں جن میں زکوٰۃ کی قید نہیں ہے اور دوسرے نیک کاموں میں صرف کرنے کی ترغیب ہے۔

اس کے بعد اسی سلسلہ کی چند دوسری احادیث کا محظہ کریں۔

- (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اے آدم کے بیٹے! تو (نیک کام میں) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کرونگا (بخاری و مسلم)
 (۲) فرمایا:۔ حرم (حب مال) سے بچو اس نے پہلے لوگوں کو براہ دوز دیا تھا (مسلم)
 (۳) فرمایا:۔ بچی زندگی میں خود ایک دم خیرات کرے یا اس سے بہتر ہے کہ مرنے کے وقت ان کی طرف سے ایک سو درم خرچ کئے جائیں۔ (ابوداؤد)
 (۴) فرمایا:۔ خیرات کرنے میں جلدی کیا کرو کیونکہ بلا اس سے آگے نہیں بڑھنے پائی (یعنی رک جاتی ہے) (زرین)
 (۵) فرمایا:۔ جو شخص ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے خیرات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے پھر اس کو بڑھاتا ہے جیسے تم چمچھے کو پالتے ہو یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے (بخاری و مسلم)
 (۶) فرمایا:۔ خیرات کرنا مال کو کم نہیں ہونے دیتا خواہ آدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے خواہ ثواب بڑھتا رہے (مسلم)
 (۷) فرمایا:۔ اچھا صدقہ یہ ہے کہ کسی کو دودھ والی اونٹنی یا بکری دودھ پینے کے لیے دیدی جائے جو ایک برتن مچ کو بھر دے اور ایک برتن شام کو بھر دے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دودھ پیتا رہے اور جب دودھ نہ رہے تو مالک کو لوٹا دے (بخاری و مسلم)
 (۸) فرمایا:۔ جو مسلمان کوئی درخت لگا دے یا بکھتی بووے پھر اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا چاندہ جانور کھائے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر اس میں سے چوری ہو جائے تو اس سے بھی اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا۔
 (۹) حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میری والدہ کی وفات ہو گئی ہے کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ (جس کا ثواب ان کو بخشوں) فرمایا پائی! انہوں نے ان کو ان کھدوا دیا اور لکھ دیا کہ یہ ام سعد کے لیے ہے (ابوداؤد و نسائی)
 (۱۰) فرمایا:۔ سات چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے:۔

(۱) علم و دین سکھانا (۲) نہر کھودنا (۳) کنواں کھودنا (۴) درخت لگانا (۵) مسجد بنانا (۶) قرآن مجید تلاوت کیلئے چھوڑنا (۷) اولاد جو اس کیلئے مرنے کے بعد مدافعت و مغفرت کرے (بڑا اور ابوقحوم) ابن ماجہ میں بجائے درخت و کنوئیں کے صدقہ جاریہ اور مسافر خانہ کا ذکر ہے۔
 ان سب آیات و احادیث مذکورہ بالا سے علاوہ زکوٰۃ کے مال کے دوسرے مصارف پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت اسلامی کی نظر میں تمام انسانی ضروریات کا تکفل درجہ بدرجہ مالداروں پر لازم ہے اور اگرچہ تمام افراد میں مساوات کو اسلام ضروری نہیں قرار دیتا مگر موصات اور باہمی ہمدردی کو نہایت ضروری سمجھتا ہے اسلامی تعلیم کی رو سے کسی شہر یا قصبہ کے مالدار آدمی کا اچھا کھانا بہن کر زندگی گزارنا جب کہ دوسرے بہت سے لوگ خوراک و پوشاک کو ترستے ہوں خدا کو کسی طرح محبوب نہیں اس لیے جہاں اسلامی بیت المال ایسے لوگوں کی کفالت کے لیے موجود نہ ہو۔ وہاں مسلمانوں کو اپنا نجی بیت المال قائم کر کے لوگوں کی امداد کرنی چاہیے اور اس سے پہلو تہی کرنے والے مالدار سب ہی تنگ رہوں گے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانی معاشرہ کی بہت سی جائز آزادیوں کو عملاً سلب کر کے جو معاشرہ مساوات کا ڈھونگ رچا جاتا ہے اس کی حیثیت و وقعت اس سے زیادہ نہیں کہ جانوروں و چوپایوں کی طرح صرف ان کے ظاہری ڈھانچہ اور پیٹ کا حق تو تسلیم کیا جائے مگر ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور باطنی کمالات پر مہر لگا دی جائے۔

معاشی مساوات

اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت اوپر ہو چکی جس سے معلوم ہوا کہ غریب و مساکین و زیر دستوں کی اہم ضروریات زندگی کا پورا کرنا امراء و مالداروں کے ذمہ ہے اور ان کے ساتھ موصات و ہمدردی کا برتاؤ بھی نہایت ضروری مگر سب انسانوں کی معیشت برابر درجہ کی ہو جائے یا سب مال و جاہ میں یکساں درجہ کے ہو جائیں یا اسلام کا مطالبہ نہیں اس لیے جن حضرات نے معیشت و اسباب معیشت کے اندر سب انسانوں

کے حقوق برابر قرار دیے ہیں یا درجہات کی اونچ نیچ کو غیر فطری یا غیر اسلامی سمجھا ہے وہ صحیح نہیں اسی طرح جن لوگوں نے انفرادی ملکیت کا انکار کر کے صرف اجتماعی ملکیت کو مانا ہے وہ بھی درست نہیں حق تعالیٰ نے دنیا کو مجمع الاموال بنایا ہے نور و ظلمت، خیر و شر، صحت و مرض، اعلیٰ و ادنیٰ، تریاق و زہر، پھر ہر قسم مخلوق میں باہمی عظیم درجہات تفاوت اسی لیے پیدا کیے کہ اپنی ہر قدرتی شان کا مظاہر کریں انسانوں میں ظاہری شکل و صورت کے غیر معمولی تفاوت کے ساتھ ان کے باطنی اخلاق، ملکات، علمی و عملی صلاحیتوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ہر شخص کی ضرورتیں الگ الگ ہوتی ہیں تو سب کو ایک ہی پیمانے سے ناپنا یا سب کو ایک ہی درجہ میں رکھنا یعنی ایک غیر فطری و غیر معقول عمل ہوگا۔

اسی کو حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں ان اور وحی مستبین میں انسانوں کے تفاوت فضل و کمال و تفاوت فی الرزق وغیرہ کی طرف اشاروں سے نمایاں کیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ رزق میں تفاوت کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک طرف غنی کو صواب ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ فرماتے ہیں کہ وہ خدا کی نعمتوں پر شکر کرے اور اپنی ثروت سے صرف خود ہی نفع اندوز نہ ہو بلکہ غریب و مساکین اور خضعاء و زیر دستوں کی ضروریات کا تکفل بھی بطیب خاطر کرے کیونکہ ساری مخلوق اللہ کا نکتہ ہے اور انسانی ہمدردی انسانیت کا جزو عظیم ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہاں تک ہے کہ ہر جاندار کو کھلانے پانے کا بھی بڑا اجر و ثواب ہے اور اگر زر چکا کر کسی کی کھیتی یا درخت کا غلہ و پھل کسی انسان یا حیوان نے کھا لیا تو وہ بھی صدقہ ہوا۔ دوسری طرف غریب و مساکین کو حکم ہے کہ وہ اپنے افلاس و قسوت مال کے باوجود صبر و شکر کریں تکالیف و مشقتوں کو انگیز اور برداشت کرنے کی عادت و حوصلہ کریں دولت و ثروت اللہ کے حکم سے ملتی پھرتی ہے آج ایک کے پاس ہے تو کل دوسرے کے پاس ہوتی ہے اس پر انسانی سعادت و شقاوت کا مدار نہیں ہے اس کا مدار صرف خدا کی بخشیشی ہوئی شریعت پر عمل کرنے نہ کرنے پر ہے دنیوی زندگی کے نشیب و فراز ہرگز قابل لحاظ نہیں لہذا نہ آپس میں کسی کی اونچ نیچ یا دوسرے اسباب کے تحت بغض و عداوت رکھنا ایک دور سے پر مال و جاہ کی کمی بیشی کے سبب حسد کرو نہ آپس کے میل جول و تعلقات میں فرق آنے دو بلکہ سب ایک اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو“

تاکس نہ گوید بعد از ان من دیگر متو دیکری

”لَا تَبْتَغُوا الْغَنَاءَ وَلَا تَحْسَدُوا وَلَا تَدَّاهِرُوا وَارْكَبُوا أَعْيَادَ اللَّهِ اخْوَانًا“ (اوپر کا قال صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن و سنت کے احکام کا خلاصہ ہم نے پیش کر دیا اس سے آگے بڑھ کر جن لوگوں نے بعض آیات سے موجودہ دور کی اشتراکیت یا معاشی مساوات ثابت کرنے کی سعی کی ہے وہ حد سے تجاوز ہے مثلاً آیت سورہ نحل میں فہم فیہ سواء کا ترجمہ حالانکہ وہ برابر ہیں کرنا اور فا کو اؤء حالیہ کا وجہ دینا جو بنا برعیت کے بھی خلاف ہے یا سواء ”للمساكين“ (ممسکین) کا مطلب یہ لینا کہ سب حاجت مندوں کے لیے رزق دروزی برابر پیدا کی گئی ہے یا آیت خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (بقرہ) کا ایسا مطلب سمجھنا جو انفرادی ملکیت کی شرعی قطعیت پر اثر

لے حسن بصری سے معقول ہے حضرت عرض اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو تحریر فرمایا۔ واقعہ ہرزقک من الدنیا فان الرحمن فضل بعض عبادہ علی بعض فی الرزق بلاہ یتلی بہ کلا فیستلی من بسطلیہ کیف شکوہ للہ و اداء الحق اللہی الفرض علیہ فیما رزقہ و خولہ۔ رواہ ابن حاتم (تفسیر ابن کثیر ص ۳ / ۵۷۷) ”دنیا میں جو کچھ رزق تمہیں ملا ہے اس پر قاعدہ کو کیونکہ رزق نے ہر ایک کا امتحان کرنے کے لیے رزق کے اندر بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دی ہے“ چنانچہ مسکین داردار کا امتحان تو نہ ہر بے مال دار کا امتحان ہے کہ وہ خدا کا شکر کس طرح ادا کرتا ہے اور اپنے مال و دولت میں سے حقوق و واجبہ کی ادا کرتا ہے یا نہیں۔“ سلفہ حضرت شاہ ابیہ نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ ”اور پھر انہیں اس (زمین) میں خوراکیں اس کی چادران میں پورا ہوا پچھے والوں کو حضرت علامہ عثمانی نے حاشیہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا ارشاد نقل کیا یعنی پوچھنے والوں کا جواب پورا ہوا دوسرے مفسرین نے بھی ایسا سمجھا اور لکھا ہے معاشی مساوات کسی نے اس سے ثابت نہیں کی۔“ سلفہ حضرت شاہ ابیہ نے ترجمہ اس طرح کیا۔ ”وہی ہے جس نے پیدا کیا تہارے واسطے جو کچھ تیرے میں ہے سب اور تو اس تحریر پر فرمائی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور تہا پر بلا اور انا اللہ کے لیے زمین میں ہر طرح کی (بقیہ فوہما گلے صفحہ پر)

نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا ”ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ظلم (گناہ) نہ کیا ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان الشُّرکَ لَظْلَمَ عَظِیْمَ اتاری کہ آیت بالا میں مقصور بڑا ظلم ہے جو شرک ہے۔

تشریح: چونکہ بقول خطابی صحابہ کرام شرک سے کم درجہ کے معاصی کو ظلم کا مصداق سمجھتے تھے اور شرک کا درجہ ظلم سے اوپر جانتے تھے اس لیے ان کو پریشانی ہوئی کہ ہم سب ہی نے کچھ نہ کچھ ظلم کا ارتکاب کیا ہے گناہوں سے معصوم کون ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مطمئن فرمایا کہ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے جو بڑا ظلم ہے حافظ ابن حجرؒی رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام اس امر سے تو واقف تھے کہ ظلم کے تحت شرک و معاصی سب ہی داخل ہیں مگر چونکہ آیت میں تعظیم تھی کہ ایمان کے بعد کوئی ظلم بھی نہ کیا ہو تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ظلم و شرک کی تخصیص بتلا کر ان کی تشفی فرمادی اور وجہ تخصیص عام شارحین نے یہ لکھی کہ آیت میں ظلم کی توحین تعظیم کے لیے ہے لہذا ظلم عظیم متین ہو گیا دوسری توجیہ جو زیادہ بہتر ہے حضرت جتہ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے کہ صحابہ کا اشکال تو لفظ ظلم پر نظر کرنے کے باعث تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب آیت کے کلمہ ولم یلبسوا سے دیا ہے کیونکہ لبس کا اطلاق چاہتا ہے کہ ایک جنس کی دو چیزیں ایک محل میں جمع ہوں سو ایمان و شرک دونوں عقیدہ کی چیزیں ہیں اور دل بھی دونوں کا ایک یعنی قلب ہے۔ معاصی کا تعلق جو ارجح ہے اور وہی اس کا مکمل و مورد ہے لہذا ان کے لیے لبس کا لفظ موزوں نہیں ہو سکتا غرض لبس والتباس کی صورت ایمان و شرک میں مشدود ہے ایمان و معاصی میں نہیں اور اس کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ بعینہ یہی حضرت نانوتویؒ والی توجیہ علامہ تاج الدین سبکی نے بھی عرس الافراح میں اپنے والد ماجد سے نقل کی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس آیت پر کچھ اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے اور یاد وسط سے لکھنے کا سورۃ الانعام میں آیت کے تحت لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا مگر انفس کہ وہاں تک تعمیری فوائد لکھنے کا وقت میسر نہ ہوا البتہ اس کی تکمیل حضرت عثمانؓ کر سکتے تھے اور کی چاہیے بھی تھی نہ معلوم ان کو کیا مانع پیش آیا؟ بہر حال! اوپر کی آخری توجیہ ہی اس سلسلہ کے لیے حرف آخر معلوم ہوتی ہے اور کسی موقع سے ہم بھی مزید عرض کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

بحث و نظر: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں بھی میرے نزدیک کفروں کفر کی طرح ظلم و ظلم میں دونوں معنی غیر ہے اور میرے نزدیک ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے یہ ترجمہ قبول باری تعالیٰ ”ظلمات بعضھا لوق بعض اور حدیث نبویؐ ”الظلم ظلمات یوم القیامۃ“ کے مجموعہ سے اخذ کیا ہو کہ دنیا کے تمام ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائیں گے اور وہ ظلمات (اندھیریاں) ایک ایک سے بڑھ کر تاریک ہوں گی اس لیے امام بخاریؒ نے یہ دکھلایا کہ ظلم بھی متغایر انوار کے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک بحث یہاں یہ ہے کہ راوی نے کہا۔ صحابہ کے ایضاً یظلم؟ کہنے پر اس کے جواب میں آیت ان الشُّرکَ لَظْلَمَ عَظِیْمَ نازل ہوئی حالانکہ دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم نے لقمان کا قول ان الشُّرکَ لَظْلَمَ عَظِیْمَ نہیں سنا؟ جس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت پہلے سے اتری ہوئی تھی اور صحابہؓ اس کو جانتے تھے حافظ نے فتح الباری ص ۶۶/۱ میں جواب لکھا کہ ممکن ہے آیت مذکورہ اسی قصہ میں اتری ہو اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے استنباط بھی فرمایا ہو اس طرح دونوں روایتوں میں مطابقت ہوگئی لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ صحیح جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ اس واقع سے نقل ہی نازل شدہ تھی اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تلاوت اجنبیت و استبعاد دفع کرنے اور صحابہؓ نے غم و فکر کو دور کرنے کے لیے فرمائی تھی اور اس کو راوی نے نزول سے تعبیر کر دیا جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے خطبہ میں صحابہ کرام کے استبعاد کو دفع کرنے اور ان کو تسلی دینے کے لیے و ما محمد الا رسول تلاوت فرمائی تھی چنانچہ ان سب کا تردد زائل ہو گیا اور کسی کہنے والے نے اس وقت کہا بھی تھا کہ ہم لوگوں نے ایسا محسوس کیا گویا یہ آیت ابھی آج ہی نازل ہوئی ہے غرض یہ راوی کے طرز بیان کا توسع ہے اور کچھ نہیں۔

سوال وجواب

ایک سوال یہ ہے کہ آیت میں تو ایمان والوں کے لیے امن و سلامتی کا وعدہ کیا گیا اور ان کو ہدایت یافتہ بھی کہا گیا بشرطیکہ وہ لوگ شرک نہ کریں تو پھر گنہگار مومنوں کو عذاب کیوں ہوگا یہ بظاہر ان کے مامون و سلامت اور ہدایت یافتہ ہونے کے خلاف ہے اس کا جواب حافظؒ نے فتح الباری ص ۱/۶۷ میں یہ دیا کہ وہ ہمیشہ کے عذاب جنم سے مامون ہوں گے اور بہر حال طریق جنت کی طرف تو ہدایت پاتے ہوئے ہیں۔

اعتراض وجواب

ایک اہم شبہ یہ ہوتا ہے کہ ایمان و شرک باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں تو ان کے تو ایک جگہ جمع ہونے کا جواز ہی نہیں نکلتا، پھر ولیم یلیسو الیمانہم بظلم ای بشرک کا کیا مفاد ہوا؟ اس کا جواب حضرت شیخ الہندؒ یہ دیتے تھے کہ آیت میں لبس کا لفظ ہے جس کے معنی ظاہری صورت میں رانا ایک دوسرے سے قریب ہونا ہے کہ اجتماع کا شبہ ہو خطا کا لفظ نہیں ہے جس کے معنی حقیقت دو چیزوں کا باہم ملنا یا متحد ہونا ہوتا ہے غرض جس طرح اردو محاورے میں رنلے اور ملنے میں فرق ہے اسی طرح لبس و خلط میں بھی فرق ہے۔ پس ایمان کے ساتھ شرک کا لبس قلب کے اندر ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت الاستاذ کا یہ جواب ذکر کر کے فرمایا کہ میرے نزدیک اگرچہ لبس یا اختلاط کے لیے اتحاد عمل ضروری ہے مگر اس کے لیے اتحاد و شخص کافی ہے لہذا اگر ایک شخص کے اندر ایمان کے ساتھ معاصی کا اختلاط ہو تو وہ بھی اتحاد عمل ہی کی صورت رہے گی اگرچہ ایمان کا مکمل قلب اور معاصی کا جوارح ہیں کیونکہ ایک شخص کے اندر تقابری عمل تجویز کرنا یہ منطقی طریق فکر ہے اہل عرف اس طرح نہیں سوچتے سمجھتے۔

دقیق علمی فائدہ

حافظ عینیؒ نے لکھا کہ اس حدیث سے علامہ مازری، امام نووی وغیرہ نے یہ استنباط کیا کہ کسی امر کی وضاحت و بیان ضرورت کے وقت تک موخر ہو سکتی ہے جس طرح ظلم کی وضاحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سوال پر فرمائی لیکن قاضی عیاض اس کے خلاف ہیں انہوں نے فرمایا کہ یہاں حق تعالیٰ نے کسی عمل کا مکلف نہیں بنایا تھا بلکہ صرف تصدیق اعتقاد ہی کا مکلف بنایا تھا جو ہر خبر الہی پر فوراً ضروری ہے لہذا یہاں بعد کو پیش آنے والی کسی ضرورت بیان کا وجود ہی نہ تھا جس پر استنباط مذکور کی بنیاد قائم ہو۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ صحابہ کرام کو ڈر ہوا تو آنحضرتؐ نے ان کو ظلم کی مراد سمجھا دی اس پر جو بعض (یعنی حافظ ابن حجر) نے کہا کہ ”بعض معتقدات میں بھی بیان و وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے لہذا فی ضرورت صحیح نہیں اور حق یہ ہے کہ اس قصہ میں تاخیر بیان صرف وقت خطاب کے لحاظ سے ہے کیونکہ جس وقت ان کو ضرورت پیش آئی بیان میں تاخیر نہیں ہوئی۔“ حافظ عینیؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے قاضی عیاض کا مطلب ہی نہیں سمجھا تو وہ براعتاً تصدیق کو نووری طور پر لازم کہہ رہے ہیں اس لیے ان کو فوائد اختلاف الجاہد سے کس طرح طرہ کر سکتے ہیں؟ اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہاں تاخیر بیان وقت خطاب سے ہے کیونکہ آیت میں خطاب ہی نہیں ہے (جو باب اثنا عشر ہے) بلکہ اخبار ہے دوسرے یہ کہ ایک جماعت علماء کے نزدیک تاخیر بیان وقت خطاب سے بھی ممکن ہے اور امام کرخی نے اس کا جواز صرف مجمل میں تسلیم کیا ہے (عمدة القاری ص ۲۵۲/۱)

باب علامۃ المنافق منافق کی علامتوں کا بیان

۳۲: حدثنا سليمان ابو الربيع قال حدثنا اسمعيل بن جعفر قال حدثنا نافع ابن مالك بن ابي عامر ابو سهيل عن ابيه عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان.

۳۳: حدثنا قبيصة بن عقبة قال حدثنا سفيان عن الاعمش عن عبدالله ابن مره عن مسروق عن عبدالله بن عمر وان النبي صلى الله عليه وسلم قال اربع من كن فيه كان منافقا خالصاً ومن كان فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها اذا اؤتمن خان واذا حدث كذب واذا عاهد عذر واذا خاصم فجر تابعه شعبة عن الاعمش.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۳) امانت میں خیانت کرے۔

دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت اس طرح ہے جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس سے باز آ جائے۔ (۱) امانت میں خیانت کرنے (۲) باتوں میں جھوٹ بولنے (۳) عہد کو پورا نہ کرنے (۴) کسی سے جھگڑا ہو تو آپ سے باہر ہو کر بے تہمتی پر اتر آئے۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیث میں نفاق کی علامات بتلائی ہیں مقصد یہ ہے کہ مومن کو ایسی باتوں سے سخت پرہیز کرنا چاہئے۔ (۱) جھوٹ یعنی خلاف واقعہ بات کہنا خدا کو نہایت ناپسند ہے وہ خود ہی ہے اور سچائی اس کو محبوب ہے جھوٹ کے ناپسند ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے فتنے پھیلتے ہیں دلوں میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں غلہ خجروں سے لوگ مغالطوں میں پڑتے ہیں اور ایک غلط بات سے بعض اوقات ہزار دوسری غلطیاں رونما ہو جاتی ہیں اسی لئے حدیث میں ہے جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ صرف اچھی بات زبان سے نکالے ورنہ خاموش رہے ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد جہنم میں اور ہندسے منہ صرف اس لئے ڈالی جائے گی کہ انہوں نے دنیا میں اپنی زبانوں پر کنٹرول نہیں کیا تھا جھوٹ، غیبت، تشدد، انگیزی، لعن طعن سب و شتم وغیرہ کرتے رہے تھے قرآن مجید میں ہے قل لعبادی یقولوا اللہی ہی احسن ان الشیطان ینرغ بینہم ان الشیطان کان للانس ان عدواً مبیناً (میرے بندوں کو سمجھا دیجئے کہ وہ اپنی زبان سے ہمیشہ اچھی باتیں کہیں کیونکہ شیطان گھات میں ہے) ہر وقت ان میں جھگڑے ڈالنے کی فکر و سعی کرتا رہتا ہے وہ انسانوں کا کھلا دشمن ہے (ان کو جین و سکون سے نہیں دیکھ سکتا)

غرض اکثر فتنے و فساد جھوٹی اور غلط خبروں سے پھیلتے ہیں اسی لئے حدیث میں ہے کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو (جسے تحقیق) بیان کر دے لہذا ہمیشہ سچی باتیں سنی اور تحقیق شدہ بات زبان سے نکالنی چاہئے بلکہ سچی بات بھی جو فتنہ و فساد کو آگاہی میں دس برائی کا باعث ہونہ کنی چاہئے کیونکہ لوگوں میں صلح و اصلاح کی باتیں کرنا اسلامی شریعت کا اہم فریضہ ہے اور فساد و اذیت امتین کی باتیں کرنا حرام و ناجائز ہیں اسی لئے اگر جھوٹ بولی کر لڑنے والوں کے قلوب میں صلح و صفائی کی صورت نکالی جاسکے تو ایسے وقت جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب بات کہے تو سچ کہے مگر یہ ضروری نہیں کہ کوئی بات سچ معلوم ہو تو اس کو ضرور وہی کہہ دے

کیونکہ بعض اوقات گنجی بات کہنا بھی فتنہ کا سبب بن جاتا ہے۔

جس وقت دارالعلوم دیوبند کے ارباب اہتمام کی بے چاروش سے آپ کو اختلاف ہوا تو پہلے آپ نے اصلاح کی سعی فرمائی ان سے کہا کہ مدرسہ کو وقف اور خدا کی چیز سمجھو اس کو ورثہ و ذاتی ملکیت مت بناؤ مگر ارباب اہتمام کم ایسی بات کا اثر لے سکتے تھے پالا خراب نے دارالعلوم سے احتجاجاً ترک تعلق فرمایا اور آپ کے ساتھ دوسرے اکابر بھی مستعفی ہو گئے۔

سارے ملک میں ان حضرات کی علیحدگی سے بے چینی پھیل گئی اور مختلف جگہوں سے رہنمایان قوم کے وفود تحقیق و اصلاح حال کے لئے دیوبند پہنچنے لگے یہاں خاص طور سے لکھنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت حضرت شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ ”میں کسی کی ذات سے متعلق یا مدرسہ خراہیوں کے بارے میں کوئی بیان نہیں دوں گا۔ البتہ کسی بات پر میری شہادت کی ضرورت ہوگی تو اس کو چھپاؤں گا بھی نہیں“۔ یہ بھی بڑوں کی احتیاط حالانکہ اس وقت لوگ بیانات ہی پر حق و باطل کا فیصلہ کر رہے تھے مگر حضرت نے اس امر کو گوارا نہیں فرمایا کہ آپ کی کسی بات سے ادنیٰ درجہ کا بھی تاخو غواری میں اضافہ ہو حالانکہ دارالعلوم کی اصلاح کا معاملہ بھی کسی طرح کم اہم نہیں تھا۔ لیکن لاراد لقصائہ

ایک مسئلہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ جھوٹ وہی قابل مؤاخذہ ہے کہ جان بوجھ کر کوئی خلاف واقعہ بات کہی جائے لہذا اگر ایک محتاط آدمی کسی غلطی کی وجہ سے خلاف واقعہ بات کہہ دے تو وہ مواخذہ سے بری ہوگا کیونکہ وہ اپنی معلومات کی حد تک اس کو صحیح ہی سمجھ کر کہہ رہا ہے۔

(۲) وعدہ کا اظہار نہ کرنا۔ یہ بھی ختم گناہ اور مومن کی شان سے بعید ہے اسی لئے علامات نفاق سے قرار پایا پھر اس کی دوسروں میں ہیں اگر وعدہ کرنے کے وقت ہی اس کو پورا کرنے کی نیت نہ تھی تو خلاف وعدہ کرنے سے مکروہ تحریمی کا گناہ ہوگا اور اگر نیت اس وقت پورا کرنے کی ہی تھی مگر کسی مانع و مجبوری سے پورا نہ کر سکا تو اس میں کوئی گناہ نہیں اسی طرح زید بن ارقم سے مرفوعہ البوداد و ترونی میں بھی وارد ہے نیز وعید کا خلاف کرنا بھی درست بلکہ مستحب ہے وعید یہ ہے کہ کسی مسلمان کو فصد یا مصلحت سے ڈرایا دھمکایا کہ تجھے فلاں نقصان پہنچاؤں گا تو ایسے وعدہ کا خلاف کرنا بہتر ہے۔

(۳) امانت میں خیانت کرنا۔ اس میں مال و متاع کی امانت بھی داخل ہے اور کسی نے راز کی بات کہی تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو دوسروں پر ظاہر کرنا خیانت کے حکم میں ہوگا۔ الحجاس بالا مائتہ یعنی مجلسوں کی بات بھی ان خاص مجلس والوں کے درمیان بطور امانت ہے مجلس سے باہر کے لوگوں پر ظاہر کرنا درست نہیں۔ (۴) جب کسی سے وعدہ کرے تو عذر کرے وعدہ اور معاہدہ میں فرق یہ ہے کہ وعدہ ایک طرف سے اور معاہدہ دونوں طرف سے ہوتا ہے معاہدوں کی پابندی اسلام و مسلمانوں کا وہ خصوص و امتیازی وصف ہے کہ دوسرے مذاہب و ملل میں اس کی نظیر نہیں ملتی اس لئے نقض عہد نفاق کی بڑی علامت قرار دیا گیا۔ (۵) کسی سے جھگڑایا اختلاف پیش آئے تو یہودہ گوئی ہے تہمتی پر آ جائے یہ بھی مومن کی شان سے بعید ہے۔ حدیث میں ہے کہ حاملین قرآن کو جہلوں کی طرح نہیں جھگڑنا چاہئے یعنی ان کا اخلاقی کردار بہت بلند ہونا چاہئے۔ یہ منافقوں جہلوں کی خصلت ہے کہ جھگڑے کے وقت اول قول بگنیں گیں۔

علامہ یعنی نے تحریر فرمایا کہ ایک جماعت علماء نے اس حدیث کو مشکل احادیث کو مشکل احادیث میں شمار کیا ہے کیونکہ جو خصلتیں اس میں منافقین کی بتلائی گئی ہیں وہ بعض مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں دل و زبان کی گہرائی و سچائی کے لحاظ سے یقیناً مسلمان ہیں اور یہ بھی اجماع ہے کہ ان امور کے ارتکاب سے بھی ان پر کفر و نفاق کا حکم نہیں لگ سکتا نہ ان کو جہنم کے درک اسفل کا شوق گردانا گیا ہے جو منافقوں کا مقام ہوگا پھر اس حدیث کا صحیح مصداق کیا ہے؟ علامہ نے لکھا کہ علماء محققین کے اس میں حسب ذیل متعدد اقوال ہیں۔

۱۔ امام نووی نے فرمایا کہ حدیث میں کوئی اشکال نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب خصال نفاق کی ہیں اور ایسی خصلتوں والا منافق سے مشابہ ہے کیونکہ نفاق کی باطن کے خلاف امر کو ظاہر کرنا ہے جو ان خصلتوں والے میں بھی موجود ہے پس ان خصلتوں والا دراصل اسلام کی خاص اصطلاح کا منافق نہیں ہے جو کفر کو چھپاتا ہے بلکہ اس کے نفاق کا تعلق خاص اس شخص سے ہے جس سے وہ جھوٹ بولتا ہے

جس سے وعدہ خلافی کرتا ہے جس سے معاہدہ کر کے توڑتا ہے یا جس کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ وغیرہ

۲۔ بعض نے کہا اس نفاق کے حکم میں وہ لوگ داخل ہیں جو اکثری طور ان خصال کے عادی ہیں لیکن جن سے شاذ و نادر کبھی ایسی خصلتوں کا ظہور ہو جاتا ہے وہ اس حدیث کا مصداق نہیں ہیں۔

۳۔ علامہ خطابی نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بری خصلتوں سے ڈرانے اور احتراز کرانے کی غرض سے ایسا فرمایا ہے تاکہ لوگ ایسی خصلتوں کے عادی نہ ہوں جن سے نفاق کی حد تک پہنچ سکتے ہیں باقی نادور و غیر اختیاری صورتیں مراد نہیں ہیں جس طرح حدیث میں ہے التاجر فاجروا کثرو منافقی ائمتی قراءہا (تجارت پیشہ نقش و فہر کے مرتکب ہیں اور میری امت کے اکثر منافی قاری ہیں)

اس میں بھی تاجر کو جھوٹ سے اور قاریوں کو ریاء سے ڈرانا بچانا ہے ورنہ سب تاجر و کذاب نہیں ہوتے اور نہ سب قاری غیر غلط و ریا کار ہوتے ہیں۔

۴۔ بعض نے کہا کہ یہ حدیث ایک مخصوص منافق کے بارے میں وارد ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو متعین کر کے اس کا عیب نہیں بتلایا کرتے تھے اس لئے عام الفاظ سے فرمایا۔

۵۔ بعض نے کہا کہ اس حدیث میں وہ زمانہ رسالت کے منافی مراد ہیں جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا مگر جھوٹے تھے وہ اپنے دین کے ائین بنائے گئے تھے مگر اس میں خیانت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت دین کا وعدہ کیا مگر اس کو پورا نہ کیا قاضی نے کہا کہ اسی مراد کو ہمارے اکثر ائمہ نے پسند کیا اور یہی قول عطاء بن ابی رباح کا اس حدیث کی تفسیر میں ہے اور اسی شرح کی طرف حسن بصری نے بھی رجوع کیا تھا یہی مذہب ابن عمر ابن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کا بھی ہے اور اس سلسلہ میں روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عطاء سے کہا میں نے حسن بصری سے سنا ہے جس میں تین خصلتیں ہوں گی، جسے اس کو منافق کہتے ہیں کوئی تامل نہ ہوگا، بولے تو جھوٹ کہے وعدہ کرے تو خلاف کرے، ائین بنایا جائے تو خیانت کرے، عطاء نے فرمایا جب تم حسن بصری کے پاس لوٹ کر جاؤ تو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ ”حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ یاد کریں اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں خیانت، خلف وعدہ وغیرہ خصلتیں پیدا نہیں فرمائیں“ یہ سب حصہ منافقوں کو دیا ہے۔ منافقوں کے بارے میں اس نے فرمایا ذلک بانہم آمنوا ثم کفروا کہ ایمان کے قریب آ کر کفر کی طرف لوٹ گئے لیکن ہمیں امید ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کبھی جدا نہ ہوگا۔ مقصد یہ تھا کہ اس حدیث کی وجہ سے کسی مسلمان میں ایسی خصلتیں دیکھ کر اس کو منافق کہنا درست نہیں ہے اس شخص نے حضرت عطاء کا یہ پیغام حضرت حسن بصری کو پہنچایا

۱۔ حضرت حسن بصری نہایت جلیل القدر تابعی تھے خلافت فاروقی کے دو سال بعد ولادت ہوئی اور ۱۱۰ھ میں وفات ہوئی۔ آپ نے بہ کثرت صحابہ و تابعین سے روایت حدیث کی اور آپ سے بھی جلیل القدر ائمہ حدیث نے روایت کی ہے آپ بواسطہ حضرت قتادہ ایوب، حمید القویل، بکر بن عبد اللہ مزنی و ساک بن حرب وغیرہ امام القسّم کے شیوخ حدیث میں ہیں حضرت انس بن مالک نے فرمایا جو بات پوچھی ہو حسن سے پوچھو کیونکہ ہم بحول تھکے۔

حضرت قتادہ کا قول ہے کہ میں جس نتیجہ کے پاس بھی پہنچا، اس سے زیادہ افضل حسن بصری کو پایا، حضرت ایوب نے فرمایا کہ میری آنکھوں نے حسن بصری سے زیادہ فضیلت نہیں دیکھا، حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی نے فرمایا ”جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ ہمارے زمانے کے سب سے بڑے عالم کو دیکھتے تو وہ حسن بصری کو دیکھے ہم ان سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔“

۲۔ اعمش نے فرمایا ”حسن بصری نے علم و حکمت کو خوب جمع کر کے دوسروں کو پہنچایا، حضرت ابو جعفر باقر کی مجلس میں حسن بصری کا ذکر آتا تو فرماتے تھے کہ ان کا کلام اتنا نبیاء و عہم السلام سے ملتا جلتا ہے۔“

۳۔ محدث ابو زرہ نے فرمایا جو کچھ بھی حسن بصری نے قابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر بیان کیا، اس میں کبھی اصل ثابت، کبھی کوئی گنج بجز چار حدیثوں کے محمد بن سعد نے فرمایا کہ حسن بصری جامع عالم، فہم القدر، فہم القسامون، عابد، ناسک، کثیر العلم، فصیح و بلیغ، جلیل و دہش تھے آپ نے ۳۴۰ھ میں گود لیکھا۔ (تہذیب ۲/۲۲۱)

۴۔ اسے بڑے علم، فضل و علم مرتب کے ساتھ اپنی کی غلطی سے رجوع کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا بلکہ سلاۃ و اصحاب کو تاکید کرتے رہے (بقیہ حاشیا اگلے صفحہ پر)

تو انہوں نے خوش ہو کر جاک اللہ خیر کہا (اور اپنی سابق رائے میں تبدیلی کر لی) پھر اپنے اصحاب سے فرمایا ”جب تم مجھ سے کوئی بات سنانو اور پھر اس کو علما و تک پہنچاؤ تو میری جو بات ناصواب و غیر صحیح ہو اس کا جواب بھی مجھ تک پہنچا دیا کرو۔“

مذکورہ توجیہ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر کو اس حدیث کے سبب پڑا فکر ہوا کہ یہ علامات نفاق کی ہیں اور بعض مسلمان بھی ان خصلتوں سے بے غفلت نہیں پاتے اس لئے انہوں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تمیں بھی یہی فکر و پریشانی لاحق ہوئی تھی تو ہم نے خود رسول اکرمؐ سے سوال کر لیا تھا اس پر آپؐ نے ہنس کر فرمایا تھا تمہیں ان خصلتوں سے کیا واسطہ؟ (یہ تو منافقین کی مخصوص صفات ہیں چنانچہ میں نے جو کہا ”جب بات کرے تو جھوٹ بولے“ یہ منافقوں کے اس واقعہ سے متعلق ہے جس کے بارے میں آیت افاجلہک المنافقون لآ یزید اتری ہے کیا تم اس طرح ہو؟ ہم نے عرض کیا ”نہیں“ آپؐ نے فرمایا پھر تمہیں کیا ڈر ہے؟ تم تو ان باتوں سے بری ہو۔

اور یہ جو میں نے کہا ”جب وعدہ کرے تو خلاف کرے“ تو اس کا مصداق وہ مضمون ہے جو آیت ومنہم من عاہد اللہ لئن اتانا من فضله الا یہ میں بیان ہوا ہے کیا تم ایسے ہو؟ ہم نے عرض کیا ”نہیں!“ آپؐ نے فرمایا پھر تمہیں کیا فکر ہے تم اس سے بھی الگ ہو پھر یہ جو میں نے بتلایا کہ ”جب ائمن بنایا جائے تو خیانت کرے“ تو اس سے اشارہ اس آیت کے مضمون کی طرف ہے جو مجھ پر اتری۔ انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال الا یہ پس ہر انسان کو اس کے دین کی امانت سونپی گئی ہے غسل جنابت کرے یا گناہ ہو کر نماز، روزہ (صحیح طور سے ادا کرے گا) اب یہ اس کے اپنے ظاہر و باطن کے اعمال ہیں (یعنی پاک یا ناپاک یا نمر زور و زہ کی صحیح ادائیگی کا حال عالم الغیب کے سوا کون جان سکتا ہے؟) منافق اس قسم کے سارے اعمال و دعو کی کٹی ہوئے ہیں تاکہ مسلمان ان کے ظاہری اعمال کے سبب ان کو اپنا جیسا قلمیں سمجھیں حالانکہ وہ اپنے دین میں خیانت کر رہا ہے تو کیا تمہارا حال بھی ایسا ہے؟ ہم نے عرض کیا بالکل نہیں! فرمایا ”پھر تمہیں کیا غم ہے؟“ تم ان خصلتوں سے عند اللہ پاک صاف ہو۔“

۶ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ نفاق اب نہیں رہا وہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا کہ وہ لوگ کفر پر پیدا ہوئے تھے اور وہ ان کے دلوں میں رہا ہوا تھا مسلمانوں کے ڈر اور مصیبت وقت سے مجبور ہو کر اسلام ظاہر کرتے اور سارے اعمال نماز روزہ وغیرہ بھی ادا کرتے تھے اب اسلام کی اشاعت پوری طرح ہو گئی لوگ اسلام (دین فطرت) ہی پر پیدا ہوتے ہیں اسی میں ہوش سنبھالتے ہیں لہذا اس کے بعد جو لوگ اسلام ظاہر کریں اور دل میں کفر ہو تو وہ منافق نہیں بلکہ مرتد کہلائیں گے۔

۷ قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب کا مقصد صرف ان ۵ خصلتوں کے اندر منافقین کے ساتھ تشبیہ دینا ہے پورے اسلام کے ساتھ نفاق کرنے والوں کے نفاق سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے اور ایسے خصائل والے مومن کو صرف اس شخص کے ہی لحاظ سے نفاق کی بات کرنے والا سمجھیں گے جس کے ساتھ وہ ایسا معاملہ کرے گا یہ تو جیہ اول توجیہ سے متقی جتنی ہے۔

۸ علامہ قرطبیؒ نے فرمایا: نفاق سے مراد عمل کا نفاق ہے عقیدہ کا نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا تھا کہ تم میرے اندر کچھ نفاق پاتے ہو؟ ظاہر ہے کہ اس سے مراد عمل ہی کا نفاق ہو سکتا تھا عملی نفاق سے مراد اخلاص و احسان کی کمی ہو سکتی ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص ۱۶۱ میں اس کو سب سے احسن جواب بتلایا ہے۔

(بقیہ حاشیہ مطبوعہ سابقہ) کہ میری باتیں علماء وقت پر پیش کر کے میری کوئی غلطی ہو تو اس سے مجھے مطلع کر دیا کرو چنانچہ متعدد مسائل میں اپنی آراء سے رجوع فرمایا اسی طرح دوسرے کا برسلف بلکہ ہر سامع سے اساتذہ کو درس تک میں یہی طریقہ رہا کہ اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں مجھے کسی تاہل نہیں کیا یہ سب ان کے غلوں و غلیبیت اور جنگی عمل کی دلیل تھی کہ اب ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ بات کیا اب ہونی چاہی ہے یا جو علم و مصلحت کم رہی کے تحقق و توجہ کہلانے کا شوق اور بڑے بڑے اقباب و خطبات پانے کی تنہ روز افزوں اگر کوئی غلطی ہوگی تو اس سے رجوع سخت دشوار کاوش ہم اپنی غلط روش پر مستحب ہوں اور طریق سلف سے دور نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

ان سب اقوال کے بعد علامہ محقق حافظ عینیؒ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ المناق میں الف لام اگر جنس کا ہے تو حدیث کا ختام صرف تشبیہ و تمثیل ہی ہے حقیقت کا اظہار ہرگز نہیں اور اگر عہد کا ہے تو اس سے مراد کوئی خاص متعین منافق ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافق ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی تحقیق

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر ایک حل دوسرا ارشاد فرمایا کہ حدیث میں نفاق کی علامات و نشانیاں بتلائی ہیں علامات و اسباب نہیں بتلائے علل و اسباب کے ساتھ معاطات و مسببات کا وجود بھی تحقیق ہو جاتا ہے لیکن کس چیز کی ابتدا کی علامات و نشانیاں کے وجود سے یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز بھی تحقیق ہو جائے جس کی یہ علامات ہیں جیسے علامات قیامت کہ بہت پہلے سے اس کے آثار و نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں اگر یہ سب اس کی علت ہوتیں تو قیامت کا وجود ضرور ہو جاتا۔

غرض علامت کے وجود سے صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ نفاق کی خصلت بطور علامت پائی گئی اور اس کی وجہ سے اس شخص کو منافق نہ کہیں گے۔

تحقیق بیضاوی پر تنقید

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نفاق کا عملی و اعتقادی دو قسم بتلا کر جواب دیا ہے مثلاً قاضی بیضاوی نے شرح مصابح السنہ میں وہ ٹھیک نہیں کیونکہ درحقیقت نفاق ایک ہی چیز ہے خواہ اس کا عمل خلاف اعتقاد ہو یا اعتقاد خلاف عمل۔

اول کا مصداق زمانہ رسالت کے منافقین تھے کہ وہ بظاہر سب اعمال مسلمانوں کی طرح انجام دیتے تھے اور ان کے دلوں میں کفر و شرک کی غلت بھری تھی اور دوسرے کا مصداق آج کل کے بہت سے مسلمان ہیں جو اعمال کے لحاظ سے صریح ہیں۔ والعصمة من عصمة اللہ۔

حتیٰ بدعھا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف رہنمائی فرمائی کہ اگر کسی مسلمان سے کسی خصلت نفاق کا صدور ہو جائے اور پھر وہ اس کو ترک کر دے تو اس پر سے نفاق کا حکم ہٹ جائے گا جس طرح زانی کے ایمان کی تشکیل سائبان سے دی گئی ہے کہ زنا کے وقت اس کا ایمان سائبان شمال باہر ہو جاتا ہے پھر جب وہ اس سے باز آ جاتا ہے تو وہ ایمان پھر اندر واپس ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کا مسلک

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث الباب میں جو کچھ اشکال ہے وہ جمہور کے مسلک پر ہے کہ یہ سب نشانیاں اگر نفاق کی ہیں تو ان کا وجود نفاق کے وجود پر ال ہے اور حکم نفاق ہوا تو حکم ایمان کو وہاں سے ہٹانا لازمی ہوگا خدین کا اجتماع نہیں ہو سکتا لیکن حافظ ابن تیمیہؒ کے مسلک پر کوئی اشکال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک مسلم میں کفر و نفاق کی باتیں بھی جمع ہو سکتی ہیں اور حدیث کے الفاظ ”من کانت فیہ خصلۃ منہن“ کانت فیہ خصلۃ من النفاق سے بظاہر ان کی تائید ہوتی ہے۔

ایک شبہ اور جواب

پہلی حدیث میں تین خصلتیں نفاق کی ذکر ہوئیں جن سے بظاہر ان تین کے اندر حصر معلوم ہوتا ہے پھر دوسری حدیث میں چار کا ذکر کیوں ہے؟ علامہ قرطبی نے جواب دیا کہ ممکن ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خصلتوں کا علم بعد کو ہوا ہو حافظ نے فتح الباری ۱/۶۷ میں کہا کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا کہ کچھ خصلتیں اصل نفاق کی ہوں اور دوسری زائد کمال نفاق کی دوسرے یہ کہ مسلم واسطہ طہرائی کی روایت میں لفظ من علامۃ المنافق ثلاث آیا ہے۔

جس سے خود ہی عدم حصر مفہوم ہوتا ہے پس ایک وقت میں چند خصلتیں ذکر کیں اور دوسرے وقت دوسری بتلائیں۔

علامہ نووی و قرطبی کی تحقیق

علامہ قرطبی و نووی نے یہ بھی لکھ کر دونوں روایتوں کے مجموعہ سے پانچ خصلتیں معلوم ہوئیں، جھوٹ اور خیانت کا ذکر تو دونوں میں ہے اول میں خف اور ثانی میں غدر اور فجر زیادہ ہے پھر ان پانچ کا مال کا رتن ہی خصلتیں ہیں کیونکہ غدر و خف و وعدہ دونوں ایک ہی خانے میں ہیں اور فجر کذب میں داخل ہے اور ان تین سے ان جیسی دوسری خصلتوں پر منہ ہو سکتا ہے۔

یعنی وحافظ کی تحقیق

علامہ یعنی اور حافظ ابن حجر نے لکھا کہ شریعت نے یہاں بطور اصل کلی قول، فعل اور نیت کے فساد پر متنبہ کر دیا ہے یعنی فساد قول پر جھوٹ سے، فساد فعل پر خیانت سے اور فساد نیت پر خلف سے پہلے گزر چکا کہ خلف و وعدہ کی صورت میں گنہہ جب ہی ہے کہ وعدہ کے وقت نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ ہو اگر نیت تھی اور کسی سبب سے پورا نہ کر سکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں واللہ اعلم۔

باب قیام لیلۃ القدر من الایمان

شب قدر کا قیام ایمان سے ہے

۳۴ حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعب قال حدثنا ابو الزنا عن الاعرج عن ابی ہریرۃ قال قال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقم لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شب قدر میں ایمان و نیت ثواب کے ساتھ عبادت کرے گا اس کے تمام گنہہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح شب قدر سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعین میں تقریباً پچاس اقوال ہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کے لئے کوئی ایک رات مقرر نہیں وہ منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ایک سال ایک رات ہوتی ہے اور دوسرے سال دوسری یہ قول بظاہر ان مختلف احادیث کے پیش نظر ہے جن میں مختلف اوقات ذکر ہوئے ہیں۔ امام مالک و احمد وغیرہ بھی منتقل مانتے ہیں مگر صرف رمضان کے آخر عشرے کی راتوں میں تمام سال میں نہیں۔ بعض نے کہا کہ پورے ماہ رمضان میں منتقل ہوتی رہتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ تمام سال میں اور ہمیشہ کے لئے ایک ہی رات متعین ہے۔ بعض نے کہا کہ ہر سال میں ایک رات ہوتی ہے۔ ایک قول ہے کہ پورے ماہ رمضان میں ہوتی ہے، یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے اور اس کو امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اختیار کیا ہے، بعض نے کہا کہ درمیان یا آخری عشرہ رمضان میں ہے۔ ایک قول ہے کہ صرف آخری عشرہ میں ہے پھر کسی نے اس کی طاق راتوں میں کہا اور کسی نے جفت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ۲۳ یا ۲۴ رمضان میں ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے کسی نے ۲۱ یا ۲۲ میں کہا کسی نے ۲۳ کسی نے ۲۴ یہ قول حضرت بلال اور ابن عباس سے بھی منقول ہے، ایک قول ۲۷ رمضان کا ہے جو ایک جماعت صحابہ سے بھی منقول ہے اور امام ابو یوسف و امام محمد نے اسی کو اختیار کیا ہے حضرت زید بن ارقم سے ۱۷

۱۷ حضرت امام صاحب کا قول رد المحتار شامی میں بھی لکھ ہے کہ لیلۃ القدر صرف رمضان میں ہوتی ہے مگر کسی عشرہ یا کسی تاریخ کے ساتھ خاص نہیں کسی رمضان میں کسی تاریخ کو اور کسی میں کسی دوسری تاریخ کو ہوتی ہے اور جن احادیث میں اس کا عشرہ یا خبرہ میں ہو معلوم ہوتا ہے ان کا جواب یہ ہے کہ وہ اس رمضان کا ہے جس میں وہ حدیث وارد ہوئی یا اکثر عشرہ یا خبرہ میں ہوتی ہے اس لئے زیادہ احادیث میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ تقریر در بنی شریف حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی (مرتبہ مولوی لکھنؤ احمد صاحب کے انویسٹ) ۱/۱۶۸ میں حضرت ابن عمر و امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ذکر ہوا ہے کہ لیلۃ القدر تمام سال میں دائرہ سائر ہے اس میں بظاہر مرتب سے غلطی ہوئی ہے حضرت نے اس طرح نہیں فرمایا ہوگا ہم نے ان دونوں حضرات کی رائے حافظ عثمانی اور علامہ دمشقی سے نقل کی ہے وہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

اور ایک قول ۱۹ کا بھی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ایک قول مہینہ کی آخری شب کا بھی ہے۔ امام شافعی کا رجحان ۲۳/۲۱ کی طرف ہے۔ یہ سب اقوال عمدۃ القاری ص ۲۹۲/۱ میں ذکر ہوئے ہیں۔

یہ سب تفصیل اور اقوال اس لئے بھی ذکر کر دیئے گئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ کی تلاش و جستجو جتنی بھی زیادہ راتوں میں ہو سکے۔ اچھا ہے اس کی یاد کے لحاظ جتنی زیادہ توجہ و خیال اور شوق و ذوق کے ساتھ گزریں وہ نہایت قیمتی دولت دوسرا یہ ہیں اور غفلت کے لحاظ سے زیادہ خسران و خسارہ کسی چیز میں نہیں اس لئے

غافل تو بیک لمحہ از اس شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

اور دوسرے عارف نے کہا

ادریں رہ سے قراش و سے خراش تادم آخر دے فارغ مہاش

تیسرے عارف نے شب قدر کی تلاش کرنے والوں کو کیا اچھا جواب دیا

اے خواہجہ چہ پرسی ز شب قدر نشانی! ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

یوں تو دن کے اوقات بھی خدا سے غفلت میں گزارنے کا کوئی عقلی و شرعی جواز ہرگز نہیں مگر شب کی سکون و تنہائی و یکسوئی و غمی میں چونکہ ہر احساس جاگ جاتا ہے اس لئے قلب مومن سے مزید جاگ کا مطالبہ بھی بڑھ جاتا ہے اور اگر خدا کی خصوصی رحمت اس طرح چھوڑ چھوڑ کر مومن کو بیدار نہ کرتی تو اس کی خواب غفلت بھی غیر مومن کی طرح ہوتی اور دنیا جس کا وجود و بقا محض خدا کی یاد والوں سے وابستہ ہے کیونکر قائم رہتی؟ پھر قیام شب قدر میں بحث ہوئی ہے کہ کیا اس کی موعودہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے پوری رات عبادت میں گزارنی ضروری ہے یا کم بھی کافی ہے؟ بعض ائمہ کی رائے ہے کہ کم بھی کافی ہے حتیٰ کہ صرف عشاء کی فرض نماز کا کر لینا بھی کافی ہے تو اس تحقیق پر اگر کوئی شخص تمام سال کی راتوں میں اہتمام و احتساب کے ساتھ عشاء کی نماز ہی باجماعت وقت پر ادا کرتا رہے تو امید ہے کہ وہ سال کے سال شب قدر کی فضیلت ضرور پا سکے گا و جب وہ شب قدر کی تلاش سال کی مذکورہ اقوال گزشتہ راتوں میں مزید اہتمام سے کرے گا تو رمضان کی راتوں میں پھر خصوصیت سے درمیانی و آخری عشرہ میں اور اخص الخصوص آخر عشرہ میں کیوں نہ کرے گا؟ اس طرح ایک بظہر شکل کام کے لئے کتنی آسانی نکل آتی۔

”رحمت حق بہاندی جوید“

لیلیۃ القدر کی وجہ تسمیہ: اس رات کا نام ”شب قدر“ اس لئے رکھا گیا کہ اس میں خدا کے علم و حکم سے ایک سال کی اقدار اوراق و آجال لکھے جاتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی عظمت و شرف کی وجہ سے یہ نام ہوا تیسرا قول یہ ہے کہ جو شخص اس رات میں طاعات بجالاتا ہے وہ قدر و منزلت والا بن جاتا ہے چوتھا قول یہ ہے کہ جو طاعات اس میں ادا کی جاتی ہیں ان کی قدر و عظمت زائد ہے۔

شب قدر کا وجود: بعض لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ایک روز آپ شب قدر کے تعیین کرنے لئے باہر تشریف لائے وہ شخص کوڑتے دیکھا تو ان کی لڑائی کی نحوست کے باعث وہ بات آپ کے ذہن سے نکل گئی اور آپ نے فرمایا کہ وہ (شب قدر) اٹھالی گئی۔ یہ رائے قائم کر لی کہ لیلیۃ القدر کا کوئی وجود تحقیق نہیں رہا لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ خود اسی حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ شاید یہی بات تمہارے لئے بہتر ہوئے تاریخ میں اس کو تلاش کرو، معلوم ہوا کہ رفع سے مراد رفع و جو نہیں بلکہ رفع غلظت ہے۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا تمام معتد اور مبرور سے علماء نے اجماع کیا ہے کہ اس ”شب قدر“ کا وجود دوام آخر زمانے تک رہے گا وہ موجود ہے دیکھی بھی جاسکتی ہے اور بنی آدم میں سے ہر شخص ہر سال رمضان میں اس کی تصدیق کر سکتا ہے اس کے علاوہ صلوات امت سے غیر محصور خبریں اس کے وجود و رویت کی منقول ہوئی ہیں اس لئے مہلب کا یہ قول غلط ہے کہ درحقیقت اس کو دیکھنا ممکن نہیں۔

وجہ اختفاء شب قدر: زمخشری نے کہا ”شاید اس کے اختفاء میں یہ حکمت و مصلحت ہے کہ اس کو تلاش کرنے والا سال کی اکثر راتوں میں اس کو طلب کرے تاکہ اس کو پالینے سے اس کی عبادت کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہو جائے دوسرے یہ کہ لوگ اس کے معلوم و متعین ہونے کی صورت میں صرف اسی رات میں عبادت کر کے بہت بڑا فضل و شرف حاصل کر لیا کرتے اور اس پر بھروسہ کر کے دوسری راتوں کی عبادت میں کوتاہی کیا کرتے اس لئے بھی اس کو مخفی کر دیا گیا (عمدة القاری ص ۲۶۳)

بحث و نظر: وجہ مناسبت باب کے سلسلہ میں علامہ حنفی حافظ بخاری نے عمدة القاری ص ۲۶۳ میں ارشاد فرمایا کہ امام بخاری نے سب سے پہلے بطور مقدمہ باب کیفیۃ بدء الوحی ”کا بیان کر کے کتاب الایمان لکھی جس میں مختلف ابواب لائے ان میں امور ایمان بیان کئے اور درمیان میں پانچ باب ایسے بھی ذکر کر دیئے جو امور ایمان کی ضد ہیں یعنی کفر و شرک یا ظلم و فساد وغیرہ سے تعلق رکھنے والی یا ان سے قریب کرنے والی باتوں سے احتراز کرانے کے لئے ان ابواب کو ذکر کر کے تنبیہ کی اور بتلایا کہ ایسی چیزوں سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے اس کے بعد اب پھر بقیہ ابواب متعلقہ امور ایمان کا ذکر شروع کر دیا مثلاً یہاں کہا کہ قیام لیلة القدر ایمان سے ہے آگے جہاد تطوع قیام رمضان صوم رمضان وغیرہ امور ایمان سے گنائیں گے لہذا درمیان کے بطور اسطر اود ذکر شد پانچ ابواب امور مضادہ ایمان سے اوپر دیکھا گیا تو ان سے پہلے باب السلام من الاسلام تھا اور اس سے زیر بحث باب لیلة القدر کی مناسبت یوں ہے کہ جس طرح افشاء اسلام امور ایمان سے ہے اسی طرح لیلة القدر کے اندر فرشتے بھی فشاء سلام کرتے ہیں حدیث میں ہے کہ شب قدر میں جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی کثیر تعداد کے ساتھ نزول کرتے ہیں اور جس مرد یا عورت کو نماز تلاوت ذکر و وعظ وغیرہ میں مصروف پاتے ہیں اس کو سلام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ساری رات صبح تک رہتا ہے علامہ زمخشری نے سلام ہی حتی مطلع الفجر کی تفسیر میں لکھا کہ وہ ساری رات سلام و سلامتی ہی کی ہے کیونکہ اس میں فرشتے بکثرت مومنوں کو سلام کرتے ہیں۔

ایمان و احتساب کی شرط

ایمان کی شرط ظاہر ہے کہ بغیر اس کے کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی قبول نہیں ہو سکتا لیکن احتساب کیا ہے؟ اور وہ کیوں ضروری ہے؟ اس کو سمجھ لیا جائے۔ اس کے معنی ہیں حصول ثواب کی نیت سے یا محض خدا کی مرضی حاصل کرنے کے لئے کوئی نیک عمل کرنا جس میں رہا نمائش یا کسی کے خوف و ڈر کا ثابنت ہو اس کا وجہ نیت سے آگے ہے کیونکہ یہ علم العلم کہ جب میں ہے لہذا اس کو احتضار نیت استعاضا قلب و عدم ذہول نیت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی تحقیق

فرمایا جس طرح پہلے بھی بتلایا چکا ہوں افعال اختیار یہ کے وقت جو دل کا ارادہ خود بخود ان کے کرنے کا موجود ہوتا ہے وہ تو نیت ہے جو صحیح عمل اور حصول اجر دونوں کے لیے کافی ہے اور اس کا زبان سے کہنا بھی ضروری نہیں گویا ہر اختیار فی فعل کے ساتھ نیت موجود ہوتی ہے اور اس فعل کی شرعی صحت کے لیے کسی اور نیت کی ضرورت نہیں البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ کوئی فاسد نیت موجود نہ ہو اب احتساب اس کے اوپر امر زائد ہے کہ اس نیت کا شعور حاصل ہو یعنی دل کی توجہ بھی اس نیت کی طرف ہو اور اس سے اجر و ثواب میں زیادتی ہو جاتی ہے۔

غرض نیت بمنزلہ علم کا اگر ایک حصہ تھا تو احتساب بمنزلہ علم العلم کا اگر مضاعف ہو جاتا ہے پھر چونکہ بعض مواقع میں یہ استعاضا قلب یا احتساب ضروری یا مفید نہیں سمجھا جاتا اس لیے احادیث میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی تاکہ انسان کے قیمتی محض ذہول کے سبب بے قیمت ٹھہریں مثلاً چند صورتیں لکھی جاتی ہیں۔

(۱) آفات سادی یا اچانک حادثات کے وقت عموماً اس طرف خیال نہیں ہوتا کہ اس میں نقصان جان و مال ہو تو اس پر اجر و ثواب ہے کیونکہ یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اسباب کے تحت ایسا خود بخود ہوتا ہی تھا ہم نے جان بوجھ کر کوئی تکلیف اللہ کے راستے میں برداشت نہیں کی کہ

اس کے ثواب کی توقع کریں مثلاً آگ لگ گئی گھر بچاؤ ہو گیا زلزلہ سے مکانات اور جائیں ضائع ہو گئیں عام وبا پھیل گئی جس سے دفعتاً اسوات ہونے لگیں تو اسی کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی ایک عورت کا بچہ مر گیا فرمایا اس کو چاہیے کہ صبر کرے اور احتساب بھی کرے یعنی اس کو صرف تقدیری و ناگہانی امر سمجھ کر اللہ کے اجر جزیل اور ثواب عظیم سے غفلت نہ رہے۔

(۲) بہت سے مشقت و محابہ کے اعمال خیر ایسے ہیں کہ خود ان کے اندر ثواب و مشقت اٹھانے پر آدمی ان کے طاعت و ثواب کو تو ضرور سمجھتا ہے مگر دوسری جہت سے یہ نہیں سوچ سکتا کہ ان میں اجر و ثواب کس قدر وہم و خیال کی حد سے بھی زیادہ مثلاً یہی قیام لیلة القدر کہ بظاہر ایک رات کی عبادت ہے اور کئی دوسری رات میں کوئی شخص اگر اتنی ہی عبادت کر کے مشقت و ثواب اٹھائے تو ظاہر ہے کہ اگر اس کا بھی بہت سے مگر یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر احتساب کرے گا تو اس میں ایک ہی رات کی عبادت سے اس کے سارے گزشتہ معاصی و محل جائیں گے، جس طرح حج مبرور سے پاک صاف ہو جاتا ہے، پھر اس رات کی عبادت کا ایک ہزار اتوں کی عبادت سے بھی زیادہ افضل ہوتا قرآن مجید سے ثابت و معلوم تھا اس کے لیے بھی قلب کو متوجہ کرے گا اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بھی حصہ لے لے کر نے کی تاکید آتی ہے کیونکہ اس کا اجر عظیم بھی اس کی مشقت، ثواب کے اعتبار سے کہیں زیادہ بلکہ انسانی وہم و خیال سے بھی بلند و برتر ہے۔ اس کے علاوہ مشقتوں و محابدوں کے اعمال میں اس لیے بھی احتساب ضروری ہے کہ اس سے دشوار کاموں کے لیے ہمت و حوصلہ بڑھتا ہے احتساب سے عزم و ارادہ جوان ہوتا ہے اور بوڑھے وہ کچھ کر گذرتے ہیں جو جوان نہیں کر سکتے وہ محض خلوص و ملتیت و احتساب ہی کی طاقت بھی کہ صحابہ کرام نے آدمی کو فتح کر لیا تھا۔

صوم رمضان کے لیے بھی احتساب کا لفظ حدیث میں آتا ہے کیونکہ اس میں بھی جہد و مشقت اور تعب نفس ہے مگر اس کی نیت پر تو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اور فوں کے روزوں پر ملتا ہے اور رمضان کے اندر روزہ اگر احتساب کے ساتھ رکھا تو اس کے لیے گزشتہ تمام معاصی کی مغفرت بھی موجود ہوئی۔

(۳) بعض نیک اعمال ایسے ہیں کہ ان کو انسان بظاہر اپنے نفس کے تقاضوں سے کرتا ہے اس لیے اس طرف خیال نہیں جاتا کہ ان پر بھی کوئی اجر و ثواب مل سکتا ہے تو اس پر بھی شارع علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی کہ احتساب کے ساتھ ان پر بھی بڑا اجر ہے مثلاً اپنے (۱) بیوی بچوں پر خرچ کرنا (۲) دور سے نماز کے لیے مسجد میں پہنچنا (۳) مسلمان کے جنازے کے ساتھ قبرستان جانا وغیرہ کہ اگر صرف اچھی نیت سے ان کاموں کو کیا ہے سمجھ کر کہ اللہ کا حکم ہے یا اللہ ان کاموں سے خوش ہوتا ہے تو نیک نیت سے ہی یہ اعمال خیر سے بن گئے پھر اگر احتساب بھی کیا یعنی اس نیت کا احتضار اور استعبار قلب بھی حاصل ہوا تو حریہ اجر و ثواب کا بھی مستحق ہو گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس تفصیل کے بعد فرمایا کہ میں نے احتساب کی یہ شرح مسید احمد کی اس حدیث سے لی ہے من ہم بحسنة كتب له عشر حسنات اذا شعر به قلبه و حوص الخ یا شاعر قلب و حرص ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے اور یہ نفس نیت پر امر زائد ہے نیت پر بھی ثواب ہے مگر احتساب پر اجر مضاعف ہو جاتا ہے اللهم ولفنا لكل ماتحب و تو ضری بمنک و کرمک و بجاء جبیک المرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب الجهاد من الايمان

(جہاد ایمان کا ایک شعبہ ہے)

۳۵..... حدثنا حرمی بن حفص قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا عمارہ قال حدثنا ابو ذرعة بن عمر و بن جریر قال سمعت اباهریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اندب الله لمن خرج فی سبیلہ لا ینخرجه الا ایمان ہی و تصدیق برسلی ان ارجعه بمانال من اجر او غنیمة او ادخله الجنة ولو لا ان اشق علی امتی ما

فعدت خلف سرية سرية ولو ددت انى اقل فى سبيل الله ثم احبى ثم اقل ثم احبى ثم اقل .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اپنے ذمہ لی کہ جو شخص میرے راستے میں جہاد کے لیے نکلے اور اس کے نظائے کا باعث مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے سوا کوئی دوسری چیز نہ ہو اس میں کو اجر و نعمت دے کر واپس لوٹا دے گا یا اس کو جنت میں داخل کر دوں گا (پھر آپ نے فرمایا) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت تعجب و شقت میں پڑ جائے تو میں کسی سر (معرکہ جہاد) میں جانے سے رکتا اور مجھے یہ امر نہایت ہی مرغوب ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید ہو جاؤں۔

تشریح: ارشاد ہے کہ جو شخص محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرے گا اس کے لیے حق تعالیٰ نے دو باتوں کا ذکر فرمایا ہے اگر زندہ رہا اور سماحتی کے ساتھ گھر واپس آ گیا تو اجر عظیم اور مال غنیمت کا مستحق ہوا اور اگر شہادت کے مصعب عظیم سے مشرف ہوا تو سیدھا جنت میں داخل ہو گیا کہ شہید حور کی گود میں کرتا ہے بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوتا ہے دن بھر اس کی سیر کرتا پھل میوے کھاتا ہے اور رات کے وقت عرش الہی کے ساتھ لٹکے ہوئے قندیلوں میں آرام کرتا ہے یعنی اپنے اصل مقام اور وطن اصلی کی طرف لوٹ جاتا ہے لوٹنا تو سب مومنوں کو ہے مگر شہید کے لیے یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کا دخول جنت یوم براء و آخرت تک موقوف و مؤخر نہیں ہوتا۔ مولا ناجی نے فرمایا۔

دلا! تاکے دریں کاخ مجازی
کئی مانند طفلان خاک بازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخی
کہ بودت آشیں بیروں ازیں کاخ
چرازاں آشیان بیگانه غسختی
چودوناں چھدایں دیرانہ غسختی
بغضان بال و پر آ میرخی خاک
چرتا کنگر ایوان الطاک

حسب تحقیق حضرت شاہ صاحب جنت کا علاقہ قساوتیں آسمان پر ہے اور عرش الہی اس کی چھت ہے ہذا جنتیوں کے ایوان و محلات کے کنگرے عرش الہی کے قندیلوں سے باتیں کریں گے اور مولا ناجی بھی اسی حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ و اللہ اعلم۔
آگے ارشاد فرمائی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر معرکہ جہاد میں ضرور شرکت کروں گا مگر غریب و نادار مجبور و لاچار لوگوں کے خیال سے رک جاتا ہوں کہ نہ ان کے پاس اسلحہ ہیں نہ اتنا مال کہ اس سے اسلحہ خرید سکیں نہ بیت المال میں ہی اس وقت اتنی رغبتاں کہ اس سے ان کی امداد اسلحہ سواری وغیرہ کے لیے ہو سکے کر میں نکلوں گا تو وہ کسی طرح گھروں میں نہ رہیں گے اور ہزار تکلیف اٹھا کر بھی میرے ساتھ ضرور شریک ہوں گے پھر مجھ سے ان کی غیر معمولی تکلیف و شقت نہ دیکھی جائے گی اس خیال سے سر آپا میں شرکت نہیں کرتا۔

بحث و نظر: جہاد پر جلد اول کی آخری حدیث اور اسی جلد کے شروع میں بھی لکھا جا چکا ہے یہاں ایک بحث یہ ہے کہ اس سے پہلے باب میں شب قدر کا بیان تھا اور اگلا باب قیام رمضان کا ہے درمیان میں جہاد کا باپ کیوں لائے؟ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں جہاد مع الکفار سے پہلے جہاد مع النفس کی ضرورت ہے۔

پہلے خود مکمل ہو لیں پھر دوسروں کی طرف بڑھیں گے اور اپنی پوری اصلاح کا کام ضروری ہے اپنے کو مکمل و مکمل طور سے تابع خداوندی نہ

لے کئی غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد حاصل کرنے کے لیے مجاہد کر رہے تھے اور وہاں جہاد کے وقت کہ سفر نہایت دور دراز کا تھا سخت گرمی پڑ رہی تھی کہ گھروں میں بھی آرام نہیں مل رہا تھا کھجور کی فصل تیار تھی جس پر سال بھر کے گزارہ کا دار و مدار تھا آلات حرب اور سواریاں بھی کتھیں مگر جو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر جہاد کا عزم و ارادہ فرمایا بڑی سرعت کے ساتھ تیس ہزار مسلمان ساتھ چلے کویتہ رہ گئے تھے کہ حضرت کعب ابنہ لک کے قول کے مطابق سارے مدینہ طیبہ میں مجبوراً حاضر رہیں کہ کوئی مسلمان باقی نہ رہا تھا جو جہاد پر نہ گیا ہو یا عی و وجہ سے آپ نے بعض معرکوں میں شرکت نہیں کی اور آپ نے لکس پر جبر فرمایا۔ اس لیے اپنے زمانے میں جتنے معرکے جہاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی وہ سب ”غزوات“ کہلاتے ہیں اور جن میں شرکت نہیں فرمائی وہ ”سرایا“ کہلاتے ہیں۔

لینا ہے ہر تکلیف و مشقت کو اس کی راہ میں ہی خوشی برداشت کرنے کی عادت کرنا ہے اقامتِ صلوة کے ذریعہ اللہ سے تعلق کو مستحکم بنانا اور اداءِ زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ حُبِ مال کو کم کرنا غریبوں ناداروں اور ضعیفوں کو اپنی جیسی فراغت کی زندگی کے لائق بنانا روزوں سے اللہ کی مرضی کے لیے بھوکے پیاسے رہنے کا خوگر ہونا ہے جہاد کا مطلب دنیا سے فتنہ و فساد کی باتوں کو ختم کرنا دین الہی کے قائم کرنے یا قائم رہنے میں جو بھی رکاوٹیں پیدا ہوں ان کو ہٹانا اور مٹانا ہے اللہ کے سچے دین اسلام کو غیر مسلموں پر پیش کرنا ہے اس کو اگر وہ قبول نہ کریں تو اس پر جبر نہیں لیکن اس کی برتری و سیادت کو ضرور ان سے تسلیم کرانا ہے تاکہ کفر و الحاد کی بیچارہ رز دستوں سے دینِ فطرت اور اس کے پیرو مغلوب و لاچار ہو کر نہ رہ جائیں۔

مکہ معظمہ کی زندگی میں صرف اقامتِ صلوة اور اتیانہ کوۃ وغیرہ کا پابند بنایا گیا جب یہ زندگی مکمل ہوگئی تو مدینہ طیبہ میں جہادِ مخرج الکفار کا دور شروع ہوا اس کا نتیجہ سب نے دیکھ لیا کہ پھر ہر قدم پر کافرانی و کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چوسے نہایت تھوڑے مدت میں وہ ساری دنیا پر چھا گئے اور اعلانِ کلمہ اللہ کا فریضہ اس خوبی سے ادا کیا کہ وہ بعد والوں کے لیے بہترین نمونہ بنا۔

یہ اسی لیے ہوا کہ پہلے ان کے نفوسِ مرتاض ہو چکے تھے ان کی نیت میں نہ خوریزی تھی نہ کوئی انتقامی آگ آگ ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی نہ وہاں عصیت تھی نہ مال و زر کی حرص و طمع نہ عورتوں کا لالچ تھا نہ حکومت کرنے کا سودا ان کے سامنے محض اللہ کی خوشنودی تھی اور خد سب خلق کا جذبہ پھر ہر معاملہ میں للہیت و خلوص مقصد زندگی وہ دن میں گھوڑوں کے شہسوار اور میدان کا رزار کے مردِ مجاہد تھے اور رات کے وقت اللہ کی بارگاہ میں سر بسجود اپنی غرضوں اور کوتاہیوں کی مغفرت کے لیے گڑ گڑاتے تھے دھیان باللیل و فوسان بالناہد اور حقیقت یہ وہ اوصاف تھے کہ ان پر اللہ کے فرشتے رشک کرتے تھے ان کے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے تھے۔ اتجعل لیہا من یفسد لیہا کہنے والے اپنی آنکھیں مل ل کر دیکھ رہے تھے کہ وہ جو دیکھ رہے ہیں خواب کا معاملہ ہے یا بیداری کا؟ غرض محی اسی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام نے چشم ملک و فلک کو وہ دیکھ دکھایا جو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وفعلم اللہ ما یشاء۔

شبِ قدر و جہاد میں مناسبت

دوسری وجہ مناسبت حافظہ فتح الباری ص ۱۹/۶۹ میں لکھی ہے وہ بہت عمدہ ہے کہ جس طرح محنت و مشقت اٹھا کر شبِ قدر کو تلاش کرتے ہیں پھر کبھی وہ میسر ہو جاتی ہے کبھی نہیں اسی طرح مردِ مجاہد بھی اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ شہادت کا طالب و متشی ہوتا ہے۔ پھر کبھی وہ اس کو حاصل ہو جاتی ہے کبھی نہیں پس دونوں باب میں قوی مناسبت مل گئی دونوں میں کامل مجاہد ہے اور دونوں میں مقصود اصلی کا حصول و عدم حصول مشتمل ہوتا ہے پھر شبِ قدر کو تلاش کرنے والا خواہ وہ نہ ملے ماجور ہے اور اگر مل جائے تب تو اس کا اجر بہت ہی بڑا ہے اسی طرح شہادت کا طالب بھی ماجور ہے اور بصورت حصول شہادت اس کا اجر بھی نہایت عظیم ہے جس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنائے شہادت سے ہو سکتا ہے پس امام بخاری نے مناسبت مذکورہ کے سبب یہاں درمیان میں اسطر ادا جب دکا باب بیان کر دیا ہے اور آگے پھر قیام رمضان کا باب لائے جس کی مناسبت لیلۃ القدر سے ظاہر ہے۔

ایک اہم شیعہ: حدیث مذکورہ میں ”من اجرو غنیمۃ“ وارد ہے جو کل اشکال ہے کیونکہ اجر و غنیمت میں کوئی منافات نہیں بلکہ مجاہد کو اجر تو ہر حالت میں ضرور ملتا ہے مال غنیمت ملے یا نہ ملے پھر تردد کیا موقع تھا؟

علامہ قرطبی کا جواب: علامہ قرطبی نے اس کا جواب یہ دیا کہ کلام اصل میں ”من اجرو فقط او اجر غنیمۃ“ تھا اس میں چونکہ سکر تھا اس لیے محظوف والا اجر حذف کر دیا گیا ایسے مواقع میں اختصار کے لیے حذف اکثر ہو جاتا ہے چونکہ حصولِ اجر سب کو معلوم و مفروض تھا اس کا ذکر بے ضرورت سمجھا گیا۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے

اوپر کے استعمال کے لیے خارج میں منافات یا دو چیزوں کا ایک جگہ جمع نہ ہو سکتا ضروری نہیں بلکہ اتنا بھی کافی ہے کہ ان دونوں کی صرف حقیقت و مصداق الگ الگ ہوں خواہ خارج میں جمع بھی ہو سکیں چنانچہ اوکا استعمال تابع و متبوع میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ غیبت اگر کے تابع ہے اور غیبت چونکہ اجر سے مخافہ ہے اوکا استعمال بھی صحیح ہو گیا۔

نبی مہدی کی آیت ”او کسبت فی ایماہا خیرا“ میں بھی ہے جس سے زخمی نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ ایمان بدوں اعمال کے موجب نجات نہ ہوگا اور یہی مذہب معتزلہ کا ہے انہوں نے تقدیر عبادت اس طرح نکالی: لا تنفع نفسا ایماہا لم تکن امنتم من قبل او امنتم ولم تکسب فی ایماہا خیرا تاکہ مقابلہ صحیح ہو سکے اس کا جواب ابن حاجب نے امالی میں ابوابتائے کلیات میں شیخ ناصر الدین وطیبی نے حاشیہ کشف میں اور ابن ہشام نے مغنی میں دیا ہے اگرچہ ان میں سے طیبی کا جواب سب سے اچھا ہے مگر میرا جواب وہی ہے کہ یہاں بھی او دو مقابل چیزوں میں بیان منافات کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف اس امر کے اظہار کے لیے ہے کہ ایمان اور کسب دو الگ الگ حقیقتیں ہیں اور مقصد کسب و ایمان دونوں کی نفی ہے یعنی اس شخص کا ایمان نفع بخش نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو اور نہ اس نے کسب خیر کیا ہو؟ لہذا انتفاء نجات کا حکم بسبب انتفاء کسب مع وجود ایمان نہیں ہے بلکہ سبب انتفاء ایمان و کسب خیر معا ہے جس میں ہمارا اور معتزلہ کا کوئی نزاع نہیں ہے اس لیے اس آیت سے ان کا استدلال بھی صحیح نہیں۔ علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا کہ یہاں اور کسبتی الفاظ بھی ہو سکتا ہے اور ایو او دو کی روایت میں واحد ہی وارد ہوا ہے۔ (شرح بخاری ص ۲۱۱)

درجہ نبوت اور تمنائے شہادت

یہاں یہ بحث بھی ہوئی ہے کہ نبوت کا درجہ سب سے اوپر ہے اس کے بعد صدیقیت کا مرتبہ ہے اور تیسرے درجے پر شہادت ہے اور گو شہادت کا درجہ بھی اپنے ماتحت درجات سے بہت عالی ہے تاہم بظاہر صاحب نبوت کو اس کی تمنا مناسب نہیں معلوم ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جہاد کی رغبت اور شہادت کا شوق دلانے کے لیے ایسے حکمت ارشاد فرمائے ہیں دوسرے یہ کہ نبوت کے مدارج عالیہ کتنے ہی بلکہ سنی شہادت کی شان اس قدر پیاری اور اللہ محبوب ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی تمنا کرنی پڑی جس طرح قیامت کے روز انبیاء علیہم السلام کو ذلوف کوئی کر سبوں پر دیکھ کر غیظ کریں گے تو اس قسم کی چیزوں کو محض مراتب کی اونٹنی بچ کے پٹانوں سے تاپنا مناسب نہیں۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام و احکم۔

مراتب جہاد

بطور تکمیل بحث یہاں جہاد کے مراتب و مدارج بھی لکھے جاتے ہیں۔ جہاد کی بڑی اقسام چار ہیں۔ (۱) جہاد نفس (۲) جہاد شیطان (۳) جہاد کفار (۴) جہاد منافقین اور جہاد نفس کے بھی چار مراتب ہیں۔

(۱) علم دین و ہدایت حاصل کرنے میں نفس کشی کرنا، تکالیف و مشقتیں اور ہر قسم کے مصائب و پریشانیوں کو عزم و حوصلہ سے برداشت کرنا کیونکہ لكل شیء آفة وللعلم آفات (ہر چیز کے حاصل کرنے میں کچھ دشواری ہوتی ہے مگر علم کے لیے بہت سی آفات پیش آتی ہیں علم دین حاصل کئے بغیر کوئی بھی معاش و معاد یا دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح حاصل نہیں ہو سکتی اور جو شخص علم دین سے محروم ہوتا ہے اس کی شقاوت دارین و بد بختی میں شہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) ... علم دین حاصل کرنے کے بعد مجاہدہ کا دوسرا درجہ اس کے مطابق عمل کرنے کا ہے ورنہ بچے بھی محض بے سود بلکہ مزید وبال ہے۔
 (۳) ... خود علم و عمل کے مجاہدہ کے بعد تیسرا درجہ دوسروں کو تعلیم و تلقین کا ہے۔ یہ بھی ضروری، اہم اور سخت مجاہدہ ہے اس میں وقت و مال کی قربانی کے ساتھ انتہیاء علیہم السلام کی نیابت کا حق ان ہی کے طور طریق کی روشنی میں ادا کرتا ہے۔
 (۴) ... جو کچھ تکالیف و مشقتیں اور خلاف طبع امور و دعوت و تبلیغ دین کی راہ میں پیش آئیں ان کو صبر و استقامت اور اولوالعزمی کے ساتھ برداشت کرنا اور کسی وقت بھی پاپوسی و کم حوصلگی کا شکار نہ ہونا۔

ان چار مراتب کی تکمیل کے بعد ایک مسلمان ”ربانی“ لقب پانے کا مستحق ہو جاتا ہے ایسے لوگ صحیح معنی میں ”نامپ رسول“ ہیں اور وہی امت کی صلاح و فلاح کے ذمہ دار ہیں پھر جہادِ شیطان کے دو مراتب ہیں۔

(۱) جس قسم کے بھی شکوک و شبہات ایمان و یقین کو مجروح کرنے والے شیطان کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں ان کو دفع کرنے کی پوری سعی و مجاہدہ کرنا۔

(۲) جس قسم کے بھی برے ارادے، شہوانی جذبات اور خلاف دین و اخلاق وغیرہ خیالات شیطان کی طرف سے دلوں میں آئیں ان کو لمبی زندگی سے دور رکھنا اس کے لیے بھی پورے مجاہدے کی ضرورت ہے۔

ان میں سے قسم اول کو یقین کی قوت سے اور قسم دوم کو صبر کی طاقت سے شکست دیتا رہے خوب سمجھ لو کہ شیطان اپنے مشن سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہے وہ ہر وقت تاک میں رہتا ہے کہ جب کسروں کی طرح آپ کی ادنیٰ ترین غفلت سے بھی فائدہ اٹھا لے اس لیے یقین و صبر کے ہتھیاروں سے ہر وقت مسلح اور اپنے نہایت سخت جان، بے حیاء و بے ایمان دشمن شیطان سے ہوشیار رہیں آپ کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ اس میں کوتاہی نہیں کی تو مخلص بندوں میں آپ کا شمار ہو چکا جن کی امداد و نصرت اور شیطان سے پوری حفاظت کا وعدہ اللہ کی طرف سے ہو چکا ہے۔ وکان وعد اللہ مفعولا۔

پھر جہادِ کفار و منافقین کے بھی چار درجے ہیں اول سے، زبان سے، مال سے اور جان سے لیکن کفار سے جہاد میں قوت بازو سے جہاد کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور منافقین سے جہاد میں لسان و قلم کے ذریعے جہاد کا خاص مرتبہ ہے اس کے بعد ظالموں اہل منکرات اور اہل بدعت سے جہاد کا نمبر ہے جس کے تین درجے ہیں سب سے پہلے تو بشریٰ قدرت ہاتھ سے روکنا ہے پھر زبان سے روکنا اور آخر درجہ یہ ہے کہ دل سے برا جانے اصلاح کی دعا کرے جب تک اصلاح نہ ہو دل پر بوجھ سمجھے کم از کم اپنے دل سے برا جانے اور اس کی تکلیف ہی کو خود ان کو یا ان لوگوں سے اتصال رکھنے والوں کو بخوش کرائے وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ بھی نہیں تو ایمان کا جو دو محکوک و مدموم ہے۔

غرض ان تینوں صورتوں میں ہاتھ، زبان اور قلب سے جہاد کے درجے کی ممکن کوشش کر ڈالے، مگر نہ کر کے یہ سب مراتب و مدارج اس جہادِ اسلامی کے ہیں جن کو حدیث میں اسلام کے کوہان اور قہر کی سب سے اوپر کی چوٹی فرمایا گیا ہے اس پر عمل کرنے والوں کے ایوان و مکانات جنت میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہوں گے وہ لوگ دیتا میں بھی سر بلند رہتے ہیں اور آخرت میں بھی بڑی عزت پائیں گے اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو اس طرح مرجائے کہ نہ کبھی اس نے جہاد کیا اور نہ دل میں اس کا ارادہ کیا تو اس کی موت نفاق کے ایک شعبہ پر ہوگی۔

ہجرت و جہاد

پھر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاد بغیر ہجرت سے مکمل نہیں ہوتا اور جہاد و ہجرت بغیر ایمان کے سودمند نہیں اللہ کی رحمت و رافت کے صحیح مستحق وہی ہیں جو ان تینوں سعادتوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ قال تعالیٰ ”ان الذین امنوا والذین ہاجرنا جہادوا فی سبیل اللہ اولئک یرحمہ اللہ واللہ غفور رحیم۔“

باب تطوع قیام رمضان من الایمان (تطوع قیام رمضان بھی ایمان کا شعبہ ہے)

۳۲ . . حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن حمید بن عبد الرحمن عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام رمضان ایمانا واحتسا باغفرلہ ما تقدم من ذنبہ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ قیام کرتا ہے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

تشریح: تطوع قیام رمضان سے مراد تراویح کی نماز ہے جو رمضان المبارک کی راتوں کا مخصوص عمل ہے اس کے علاوہ دوسرے نوافل تہجد وغیرہ کی نماز بھی جو رمضان میں ادا ہوں قیام مذکورہ کی فضیلت میں داخل ہیں یا نہیں؟ محدثین کا اس میں اختلاف ہے علامہ نووی اور کرمائی کا رائے ہے کہ اس حدیث میں فضیلت صرف تراویح کی بیان ہوئی جو رمضان کی راتوں کا مخصوص عمل ہے تہجد وغیرہ نوافل جو رمضان کے ساتھ خاص نہیں اس سے مراد نہیں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی حنفی کا خیال ہے کہ رمضان میں ادا کئے ہوئے تمام نوافل اس میں داخل ہیں اور قیام رمضان کی فضیلت سب کو حاصل ہوگی۔

بحث و نظر: یہ اختلاف تو شرح حدیث کے سلسلہ کا تھا جس میں دو طیل القدر شافعی المذہب شارحین بخاری نے ایک شرح اختیار کی اور حافظ ابن حجر شافعی و حافظ عینی حنفی نے بالائے اتفاق دوسری شرح کی دوسرا مسئلہ شوافع و احناف کا اختلافی ہے۔
کہ نوافل کو جہت سے ادا کرنا کیسا ہے؟

امام شافعی نے فرض پر قیاس کر کے نوافل جماعت کو بلا کر اہمیت جانز کہا ہے اور ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر بھی کفر شافعی میں فقہی مسائل میں وہ امام شافعی کی حمایت حد سے زیادہ کرتے ہیں دوسری طرف حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو صاحب حنفی ہیں اور امام صاحب جماعت نوافل کو مکروہ فرماتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین سے جماعت نوافل کا ثبوت نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی عادت مبارکہ ”نوافل و سنن گھروں میں ادا کرنے کی تھی“ مسجد میں وہ صرف فرض پڑھتے تھے چنانچہ اسی سے علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ نماز کی ادا نیکی مسجد میں افضل ہے خواہ منفرد ادا ہو اور جماعت کے ساتھ ۲۵ گنا یا ۲ گنا ثواب ملے گا اس کے برعکس نوافل و سنن کی ادا نیکی گھروں میں افضل اور مسجد میں مضلول ہے اور یہ نسبت مسجد کے ان لوگوں میں پڑھنے کا ثواب ۲۵ گنا زیادہ ہے (کتاب التہجد لابن ابی حنیہ ہامانی فی القامیۃ لا نور)
پھر احناف نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر نفل کی جماعت دو تین آدمی بھی مل کر لیں (جو حدیث کرامت میں نہیں ہے) تب بھی ان کو جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ احناف کا یہ فیصلہ شدت لیے ہوئے ہے مگر ذرا وقت نظر سے کام لیا جائے تو ایک اسی مسئلہ سے امام اعظم اور حنفیہ کی دقیق نظر اور ان کے مذہب کے احتیاط و انضباط بھی واضح ہوتی ہے کیونکہ ”اہل حدیث“ شوافع جو ہمیشہ احناف کو عدم اتباع سنت اور قیاس پسندی وغیرہ کے طعنے دیا کرتے ہیں۔

انہوں نے محض جماعت فرض پر قیاس کر کے جماعت نوافل کو مستحب تک کہہ دیا ہے ان کے مقابلہ میں ”اصحاب الرائے“ احناف کا اتباع سنت ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے یہاں کوئی قیاس نہیں کیا نہ عقلی گھوڑے دوڑائے بلکہ اوّل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر نظر کی اس کے لیے کوئی قول نہیں ملا تو عمل کو دیکھا تو وہ بھی نہیں اور جہاں کہیں کچھ ملاحی تو صرف اتنا کہ مثلاً حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں مشغول تھے میں آپ کے بائیں جانب پہلو میں کھڑا ہوا کہ مقتدی بن گیا حضور نے میرا کان پکڑ کر گھمایا اور اپنے دائیں پہلو پر کھڑا کر دیا غرض ایسی ایک دو روایت اگر قطعی ہیں تو ان میں فرضوں کی طرح اہتمام یا زیادہ جماعت کا ثبوت نہیں ملتا۔ اسی لیے اختلاف نے دو یا تین مقتدی تک بلا کر اہم جماعت لٹل کو جائز مان لیا اور آگے رک گئے کہ اس سے آگے نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک کی روشنی ملی اور نہ صحابہ و تابعین کے عمل سے ثبوت ہوا۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بجز تحیۃ المسجد نماز کسوف، نماز احرام، نماز طواف، نماز واپسی سفر کی دو نفلوں کے تمام سنن و نوافل اپنے حجرۂ مبارک میں ادا کرتے تھے اور کسی حدیث سے یہ ثبوت نہیں ملتا کہ آپ کی اقتداء تہجد و نوافل میں مردوں میں کسی نے یا ازواج مطہرات نے کی ہو پھر رمضان شریف کے عشرہ آخر میں اعتکاف کا برابر معمول رہا ظاہر ہے کہ پورے عشرہ میں رات دن مسجد میں ہوتے اور اس زمانے میں پورے نوافل و سنن مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے کہیں ثابت نہیں کہ مردوں میں کسی نے یا ازواج مطہرات ہی نے آپ کی اقتداء تہجد وغیرہ میں کی ہو البتہ تراویح کی صرف دو تین روز جماعت ہوئی ہے پھر خود راوی حدیث (امام مالک سے استاذہ ابن شہاب زہری ہی کے قول کے مطابق) حضور کے زمانے میں خلافت صدیقی کے زمانے میں اور شروع زمانہ خلافت فاروقی میں بھی تراویح کی جماعت موقوف رہی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ زمانہ رسالت دور خلافت صدیقی اور ابتداء دور خلافت فاروقی تک تراویح کی جماعت نہ تھی تہجد وغیرہ نوافل کی جماعت تو نہ پہلے ثابت ہے نہ بعد کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح جماعت کے ساتھ جاری کیں ایک زمانے کے بعد چونکہ مکہ معظمہ میں ہر دور ویر کے درمیان زیادہ ثواب کے لیے طواف کرنے لگے تو مدینہ طیبہ کے لوگوں نے اس کا یہ بدل کیا کہ ہر طواف کی جگہ چار رکعت درمیان میں بڑھا لیں اس طرح وہ تراویح کی ۳۶ رکعات پڑھنے لگے ایک قول چالیس رکعات بھی ہے مگر اس کے بارے میں کوئی موقر روایت نہیں ہے کہ مالکیہ جو ۳۶ یا ۴۰ رکعت پڑھتے تھے وہ سب جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے یا ۲۰ رکعت جماعت سے اور باقی انفرادی طور پر اگر پہلی صورت ہے تو یہ عمل محققین حنفیہ شیخ ابن امام، حافظ عینی وغیرہ کے نزدیک قابل اعتراض اور صحیح صحابہ کے خلاف ہے اور اہل مکہ جو ہر دور ویر پر طواف کرتے تھے اور در رکعت طواف پڑھتے تھے وہ اکیلے اکیلے پڑھتے تھے نہ کہ جماعت سے۔

حافظ ابن حجر کی عبارت فتح الباری ص ۴/۸۷ سے تراویح کی وجہ تسمیہ کے ذیل میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک آٹھویں صدی ہجری تک نماز تراویح کے علاوہ رمضان میں کوئی دوسری نفل نماز جماعت سے نہ ہوتی تھی اور حافظ عینی حنفی نے بنیاء شرح ہدایہ ص ۱/۸۶ میں لکھا کہ اگر کوئی شخص امام مالک کے مسلک پر ۳۶ رکعات پڑھتی چاہے تو اس کو چاہیے کہ امام اعظمؒ کے قول کے موافق ۲۰ رکعات جماعت کے ساتھ پڑھے اور باقی ۱۶ رکعات بلا جماعت پڑھے کیونکہ وہ تراویح نہیں ہیں الگ سے مستقل نوافل ہیں جن کی جماعت مکروہ ہے معلوم ہوا کہ شرح حدیث قیام رمضان کے سلسلے میں جو تحقیق ان دونوں حضرات حافظ ابن حجرؒ اور حافظ عینیؒ کی منقول ہے اس کا تعلق نوافل کی جماعت کے مسئلہ سے کچھ بھی نہیں ہے اسی طرح موطا امام محمدؒ میں جو لکھا ہے کہ ماہ رمضان میں تلوع کی جماعت جائز ہے کیونکہ اس کے بہتر ہونے پر اجماع مسلمین ہو چکا ہے وہاں بھی مراۃ تلوع سے تراویح ہی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤ نے حاشیہ میں لکھا اور دلیل بھی خود بتلا رہی ہے کہ اجماع کس پر ہوا ہے امام محمدؒ کا مقصد یہ ہے کہ جماعت تراویح کو نفل ہونے کے باعث مکروہ نہ کہیں گے کیونکہ اس کا مستطاف ثبوت گوشار علیہ السلام کے قول و عمل سے نہیں ہوا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اجماع مسلمین سے ہو چکا ہے۔

اسی طرح صحابہ بدائع نے امام محمدؒ کا قول باب الکسوف میں کتاب الاصل سے نقل کیا ہے کہ کوئی نماز نفل جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے۔ حضرت لکھنؤ نے تحریر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے کسی بتدائی جماعت نہیں فرمائی اگر کوئی شخص آکر ادا ہوا تو مضائقہ نہیں بخلاف تراویح کے اس کو چند بار تدائی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۰۷)

بجز قیام رمضان اور صلوٰۃ کسوف کے پھر آگے چل کر صاحب بدائع نے لکھا کہ امام محمد نے صلوٰۃ کسوف کا قیام رمضان یعنی تراویح کے ساتھ ملا کر یہ بتلایا ہے کہ وہ بھی سبب مکروہ ہے واجب نہیں ہے (ص/ ۲۸۰) صاحب بدائع ایسے جلیل القدر محقق حنفی کا یعنی تراویح کہنا معمولی بات نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ فقہا حنفی قیام رمضان سے تراویح ہی مراد لیتے تھے اور شیخ القدر میں جو امام محمد کا قول حاکم کی کافی باب صلوٰۃ الکسوف سے نقل ہوا ہے ”وہیکہ صلوٰۃ التطوع ماعلا قیام رمضان و صلوٰۃ الکسوف وہاں بھی حسب تصریح صاحب بدائع قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہی ہے کیونکہ حاکم کی کافی امام محمد کی کتاب الاصل ہی کا مختصر ہے اور مرضی کی بمسوطی کافی ہے کی شرح ہے۔

صاحب بدائع ملک العلماء کا سانی نے لکھا ہے کہ ”جماعت تطوع سنت نہیں ہے بجز قیام رمضان کے“ یہاں بھی قیام رمضان سے علامہ موصوف کی مراد عام نوافل نہیں ہے بلکہ صرف تراویح کی جماعت ہے چنانچہ اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا جماعت شاعر اسلام سے ہے اور فرض و واجبات کے ساتھ خاص ہے نوافل کے ساتھ نہیں اور تراویح میں جو ہم نے جماعت کو اختیار کیا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے سبب کیا ہے۔

امام سرخسی نے فرمایا: امام شافعی کے نزدیک نوافل کی جماعت مستحب ہے اور ہمارے یہاں مکروہ ہے ہمارا حق پر ہونا اس بات سے ظاہر ہے کہ اگر (تراویح کے علاوہ) دوسرے نوافل کی رمضان وغیر رمضان میں جماعت مستحب ہوتی تو ہمارے اسلاف جو عبادت میں نہایت ہی جفا کشی اور غیر معمولی مشقتیں برداشت کرنے والے تھے وہ ضرور ان نوافل کو جماعت سے ادا کرتے اس لیے کہ جو نماز اکیلے اور جماعت کے ساتھ دونوں جائز ہے اس میں جماعت افضل ہے مگر عصر نبوی یا عہد صحابہ یا زمانہ تابعین کسی میں بھی ان نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنا منقول نہیں ہوا لہذا تراویح کے علاوہ کسی بھی نفل کی جماعت کو کراہت سے خالی یا مستحب کہنا ساری امت کے خلاف ہے اور یہ امر باطل ہے (بموسوس ۱۴۳)

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ نوافل کی جماعت کے مسئلہ میں محدثانہ حیثیت سے احناف ہی کا مذہب قوی و محکم ہے اس لیے اگر شوافع کو اہل الرائے اور احناف کو اصحاب الحدیث کہا جائے تو نہایت موزوں ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جن حضرات نے یہ سمجھا کہ احناف کے اس بارے میں دونوں رائج و مرجوح ہیں ان کو کسی وجہ سے مغلطہ ہوا ہے احناف میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے اور جو کچھ خلاف ہے وہ احناف و شوافع کا ہے پس نماز تہجد کی جماعت اور وہ بھی حاصل طور سے مساجد میں رائج کرنا نسبت نبوی و تعامل صحابہ و تابعین کی روشنی میں درست نہیں اسی لیے اگر کسی غلط فہمی سے پہلے بھی اس کا رواج ہوا تو اس کو ہمارے اکابر و مفسر نے رکعت کی سعی فرمائی ہے چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد صاحب الف ثانی قدس سرہ کے زمانے میں بھی اس کا رواج ہو گیا تھا اور یہ عجیب بات تھی کہ وہ بھی دوسرے سلاسل طیبہ میں نہیں بلکہ سلسلہ علیہ نقشبندیہ ہی کے کچھ حضرات نے اختیار کیا تھا جس پر حضرت مجدد صاحب نے اپنے مکاتیب ص ۱۲۸ اور ۱۳۱ میں اشراف فرمایا: ”افسوس! ہزار افسوس کہ بعض وہ بدعتیں جو دوسرے سلاسل میں قطعاً نہیں ہیں ہمارے طریقہ طیبہ میں پیدا ہو گئی ہیں نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اطراف و جوانب سے اس وقت لوگ جمع ہوتے ہیں اور بڑی جمعیت خاطر کے ساتھ نماز تہجد اس طرح ادا کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل مکروہ ہے کراہت تحریمہ ہے۔

دوسرے لوگ اگر اس طریقہ کو التزام بدعت اور اجتہاد سنت بھی کہیں تو ان کو حق پہنچتا ہے کیونکہ اس بدعت کو سنت تراویح کے رنگ میں رونق دے کر مردوں کی جا پار ہا ہے اس عمل کو نیک سمجھا جاتا ہے اور دوسروں کو اس کی طرف ترغیب دی جاتی ہے حالانکہ نوافل کی جماعت کو فقہا نے مکروہ اور شدید انکار کیا ہے اور جن فقہانے تداعی کو شرط کراہت قرار دیا ہے انہوں نے نفل نماز کے جواز کو مسجد سے الگ حصہ کے ساتھ مقید کیا ہے اور تین مخصوص سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔“

۱۔ حضرت امام اعظم خود حافظ تھے اور رمضان میں ایک قرآن مجید نوافل شب کو اور ایک دن میں غم فرماتے تھے اور عید کی رات میں دو قرآن مجید غم کرنے کا معمول تھا مگر کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ کے پیچھے کسی نے اقتداء کی ہو اسی طرح دوسرے اکابر و ائمہ مجتہدین کے بارے میں بھی ایسا منقول نہیں ہوا۔

جماعتِ نوافل اور اکابرِ دیوبند

اس سلسلہ میں اکابرِ علماء دیوبند میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جو اس جماعت میں حدیث و فقہ دونوں کے مسلم امام تھے ارشاد ہے۔

”نوافل کی جماعت، بجز ان مواقع کے جو حدیث سے ثابت ہیں اگر تداعی کے ساتھ ہو تو فقہ میں مکروہ تحریمی ہے اور تداعی سے مراد چار مقتدی کا ہونا ہے لہذا اصولاً کسوف، تراویح، واستسقاء درست ہیں باقی سب مکروہ (کذا فی کتب الفقہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۸۸/۱) دوسری جگہ فرمایا ”نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح و کسوف واستسقاء کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنیفہ کے نزدیک مکروہ تحریمیہ ہے خواہ خود جمع ہوں یا پلانے سے آئیں اور تین کی صورت میں اختلاف ہے البتہ دو میں کراہت نہیں ہے کذا فی کتب الفقہ (ص ۶۶/۲) حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کو رمضان المبارک میں احیاء لیلالی اور قرآن مجید سننے کا نہایت شغف تھا اس لیے پہلے یہ معمول رہا کہ بلاتداعی تہجد سننے مخصوص مہمان شرکت کرتے تھے جو دو چار سے زائد نہ ہوتے تھے اور باہر کا دروازہ مکان کا بند کر دیا تھا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند و ام کلیم نے تحریر فرمایا۔

میرے نزدیک مسئلہ زیر بحث میں فتویٰ یہی ہے کہ علاوہ تراویح کے رمضان میں کسی کی دوسری نفل کی نماز درست نہیں جمہور فقہاء و محدثین اسی پر ہیں اور اسی پر اکابرِ علماء دیوبند کا عمل رہا ہے سیدی وسندی حضرت شیخ الہند قدس سرہ جن کا معمول پورے رمضان کی شب بیداری اور نفلوں میں سابع قرآن مجید کا تھا جب لوگوں نے اس کی جماعت میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس کی اجازت نہیں دی مگر کاروازہ بند کر کے اندر حافظ کفایت اللہ صاحب کی اقتداء میں قرآن مجید سننے تھے پھر جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو معمول یہ بنالیا کہ فرض نماز سہر میں یہ جماعت پڑھ کر وہ باہر تشریف لے آتے تھے کچھ دیر آرام فرمانے کے بعد تراویح میں پوری رات قرآن مجید سننے تھے مکان پر جماعت ہوتی تھی جس میں چالیس پچاس آدمی شریک ہوتے تھے یہ احقر خود بھی حضرت کی اسارتِ مالئ سے پہلے وصال اس جماعت میں شریک رہا ہے جو تراویح کی جماعت تھی نفل تہجد کی جماعت کو حضرت نے کبھی گوارا نہیں فرمایا حضرت مدنیؒ کی جلالتِ شان اور علمی پایہ بلند اپنی جگہ ہے لیکن جب جمہور حنیفہ نے متفق الامن امام کے تفرقات کو قابلِ عمل نہیں سمجھا حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے تفرقات کو معمول نہیں بنایا تو بعد کے علماء کا معاملہ انہوں نے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مندرجہ بالا عبارت مطبوعہ ”توتلی نے متعلقہ جماعت تہجد و رمضان“ سے نقل کی گئی ہے جو ادارۃ المعارف لیبیلہ چوک کراچی سے شائع ہوا ہے اس میں مولانا مفتی محمد سہول صاحب مثالی سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی بابت کراہت جماعت تہجد درج ہے جس میں تفصیلی دلائل پیش کئے ہیں۔

حکیم الامت حضرت علامہ تھانویؒ نے جو حدیث و فقہ کے تبحرِ عالم تھے امداد الفتاویٰ جلد اول میں نوافل کی جماعت کو علاوہ تراویح کے مکروہ قرار دیا ہے الایہ کہ صرف دو مقتدی ہوں اور تین میں اختلاف لکھا ہے نیز دوسری جگہ شبیہ رمضان کے سلسلہ میں لکھا کہ اگر وہ تراویح کے بعد نوافل میں ہو تو بوجہ جماعت کثیر کے مکروہ ہے۔“

حضرت مولانا ظلیل احمد صاحب سہارن پوری مہاجر مدنی قدس سرہ حافظ تھے اور تہجد میں قرآن مجید تلاوت فرماتے اور دو حافظ مقتدی ہو کر سننے تھے مولانا اسحاق اللہ صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں بھی مقتدی بن گیا تو حضرت نے نماز کے بعد میرا کان پکڑ کر گالگ کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے علم و تحریک کیا کہنا! درج بخاری شریف میں ”باب طول السجود فی قیام اللیل“ پر عجیب

تحقیق فرمائی جو یہاں قابل ذکر ہے۔ فرمایا کہ یہاں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طول بخود کا اندازہ بتلایا گیا ہے جتنی دیر میں کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے اسی لیے آپ نے صحابہ کو اپنے ساتھ تہجد کی نماز میں اقتدار کرنے سے روک دیا تھا کہ اس میں فرض نماز کی طرح ضعف و مریضوں کی رعایت نہیں فرما سکتے تھے پھر فرمایا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز تنہا بغیر جماعت کے ہی پڑھنے کی چیز ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید میں بھی اشارہ موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ”نافلہ لک“ فرمایا کہ پانچ فرض نمازوں سے الگ کر دیا جن کو اقامہ الصلوٰۃ لد لوک الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر سے بیان فرمایا تھا۔

ان پانچوں نمازوں کے لیے اقامت کا حکم فرمایا جس کا خشاء یہ ہے کہ علی الاعلان مساجد مساجد میں نداء و اقامت کے ساتھ ادا کی جائیں پھر تہجد کا ذکر فرمایا تو من اللیل فہجد بہ نافلہ لک میں اس کو نافلہ سے تعبیر فرمایا کیونکہ اس میں جماعت کی شرکت نہیں ہے اور پانچ فرض نمازوں میں دوسرے سب آپ کے ساتھ شریک ہیں جس طرح مال غنیمت میں تمام مجاہدین کے حصے لگتے ہیں اور نفل (خصوصی علیہ میں) سب کا کچھ حق نہیں ہوتا اسی طرح تہجد کی نماز آپ کے لیے نفلہ ہے لہذا دوسرے لوگ آپ کے ساتھ داخل نماز نہوں گے پس وہ آپ کی ایک الگ حالت اور آپ کا انفرادی وظیفہ ہے درحقیقت ان ہی امور پر نظر فرما کر ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کے نوافل میں تدائی مکروہ ہے اور میرے نزدیک یہ تدائی سے مراد وہی معنی ہے جو عرف عام میں سمجھا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کے لیے بلایا جائے اور جو کچھ مفتیان کرام نے دویا تین مقتدی لکے ہیں وہ بغرض تجدید عمل لکھا ہے اس لیے نہیں کہ وہ صاحب مذہب سے منقول ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے ”باب صلوٰۃ النفل“ کے درس میں فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں نوافل کی جماعت نہیں ہے اسی لیے اس کے واسطے لوگوں کو بلانا بھی مکروہ ہے پھر فرمایا کہ فقہاء حنفیہ کی اس عمارت سے کہ ”نوافل کی جماعت مکروہ ہے بجز رمضان کے“ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ رمضان میں نفل کی جماعت جائز ہے حالانکہ فقہاء کی مراد اس سے صرف تراویح کے نوافل تھے دوسرا کچھ نہیں تھا پھر فرمایا اس کو اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ علم بہت ہی تحقیق و دیدہ ریزی کاوش و تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

مکمل بحث: اور دیگر تفصیلات سے حدیث الباب اور مسئلہ طوع و مضان پر کافی روشنی پڑ چکی ہے اب باقی چند اہم امور کا ذکر مناسب ہے جن سے مزید علمی فائدہ ہو گا یہ اچھی طرح سے واضح کیا جا چکا کہ حنفی مسلک و مسلک خیال کی رو سے نوافل کی جماعت روح شریعت سے میل نہیں کھاتی اور نوافل میں پوری طرح اخفاء و عدم اشتہار ہی شریعت کو پسند ہے برعکس فرائض و واجبات کے کہ ان میں پوری طرح اعلان و اظہار، اذان و اقامت، اہتمام و مظاہرہ کو نہ صرف بہتر بلکہ ضروری قرار دیا ہے یہاں تک کہ اذان کو شعاع سب ہی مانتے ہیں اور جماعت فرض کو بھی ائمہ نے واجب و شرط و صحت تک قرار دیا ہے اور سنت مکروہ سے کم درجہ و اختلاف کے یہاں بھی نہیں ہے جو جماعت نفل کو بالافتاق مکروہ ترمیم و بدعت کہتے ہیں البتہ روح شریعت کو اس طرح سمجھنے سے شوافع قاصر رہے اور انہوں نے جماعت فرض پر قیاس کر کے جماعت نفل کو بھی جائز و مستحب کہہ دیا۔

اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک اس قدر واضح تھا کہ اس کو پوری طرح سمجھنے کے بعد کوئی دوسری رائے قائم ہوئی نہیں کتنی وجہ یہ کہ حنفیہ نے اس امر تک اہتمام کیا ہے کہ جہاں نوافل کی جماعت کا زیادہ اہتمام عام لوگ کر سکتے تھے یا کرتے تھے اس موقع پر اور بھی زیادہ سختی سے اس کو روکنے کی کوشش کی ہے چنانچہ لیلۃ القدر کے خیال سے یا زیادہ فضیلت کی راتیں ہونے کی وجہ سے رمضان کے آخر عشرہ کی راتوں میں شبینہ یا نوافل کی جماعت کا اہتمام ہو سکتا تھا مگر فقہاء حنفیہ کا فیصلہ پڑ گیا۔ ویکوہ الاجتماع علی احياء ليلة من هذه الليالي في المسجد وصرح بکونه ذلک فی الحائض القلمی وقال ماروی عن الصلوٰۃ فی هذه الاوقات یصلی فرادی غیر الترویج (شامی/اعاء) (رمضان کے آخر عشرہ کی راتوں میں عبادت کے لیے مساجد میں اجتماع کرنا مکروہ ہے اور وہی تقدی میں بھی اس کی کراہت پر تصریح ہے اس میں ہے کہ ان اوقات (لیالی عید، لیلۃ النصف من شعبان، لیالی عشرہ اخیرہ رمضان، لیالی عشرہ اولی ذی الحجہ) میں احادیث سے بیداری

و عبادت کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے تو ان میں نوافل تمنا تہا پڑھنا چاہیے، بجز تراویح کے کہ وہ اخیر عشرہ رمضان کی اس سے متعلق ہیں) یہاں علامہ شامی نے حادی قدسی کا حوالہ دیا ہے جس کا مصنف حدود ۱۰۰۰ھ میں گزرا ہے یعنی بہت مستقدم اور لائق استناد فقہیہ و محدث ہیں جو علامہ شامی کی نظر میں بھی بہت معظّم ہیں۔

یہاں ذرا توقف سے گزرئیے اور شریعت غراء کے مزاج کو سمجھ کر آگے بڑھیے! تاکہ غفلت میں آپ فقہاء کے بارے میں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں یہ بات تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ثابت ہے کہ کسی بدعت کے رواج کی یہ نحوست لازمی ہے کہ اس کی وجہ سے بدعت میں مبتلا ہونے والے کسی محبوب سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہو جاتے ہیں۔

یا خدا کی طرف سے بطور سزا محروم کر دینے جاتے ہیں اس لیے شریعت کی نظر میں بدعت سے زیادہ قبیح و قابل نفرت سے دوسری چیز نہیں ہے جو بظاہر ہم رنگ احکام شرعی ہے اور حقیقت میں اس کو شریعت کی روح سے کچھ بھی تعلق نہیں لیکن اس کے بعد اسی نظر سے دیکھئے کہ جو لوگ جس درجہ میں بھی خود اپنے غیر شرعی عتیاس و نظریے فیصلہ کر کے اہم کو غیر اہم یا برعکس کر لیتے ہیں وہ بھی جادہ حق و اعتدال سے بہت دور پڑ جاتے ہیں ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ جمعۃ الوداع اور عیدین کی نماز کا ہمیشہ کی نماز پڑھنے والوں سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں ان کے دل میں دوسری فرض نمازوں کی بہت کم اہمیت ہوتی ہے اسی طرح بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ نوافل کا اہتمام زیادہ اور فرض نمازوں میں کوتاہی کرتے ہیں دہلی کے زمانہ قیام میں دیکھا کہ سترائیسویں شب رمضان میں اردو بازار کی ایک مسجد میں شب کو بڑا اجتماع ہوتا تھا اس وقت حضرت مولانا محمد سعید بھی حیات تھے موصوف و عطا فرماتے تھے اور ان کے وعظ کی تاثیر کا کیا کہنا؟ آخر میں بجلی گل کر کے مکمل اندھیرا کر کے ہر شخص کو موقع دیا جاتا تھا کہ اس اندھیری میں اپنے اپنے دلوں کی اندھیری کو کھریوں کا چاڑھ لے اور اپنی سیاہ کاریوں کو یاد کر کے خوب رونے لگے گڑا لے اور توبہ البصوح کرے یقیناً یہ نہایت مفید طریقہ تھا مگر جہاں ایسے لوگوں کے لیے اکسیر تھا جو پہلے ہی پابند شریعت تھے وہاں آزاد قسم کے ناپابند شروع لوگوں میں یہ غلط پنداری پیدا کرتا تھا کہ شیعہ برادران کی طرح سال میں ایک دفعہ ماتم حسینؑ اور گریہ و زاری یا صحابہ کرام پر تہرا کر لینے سے سال کے سال گناہ دھل جاتے ہیں غرض بدعت و سنت میں ایک بہت بڑا فرق اس لحاظ سے بھی ہے کہ ایک ایک بدعت کرنے سے دوسری بہت سی غیر شرعی باتوں کی طرف رغبت بڑھتی ہے اور اتباع سنت سے شریعت کے دائرہ میں پابند ہو کر طاعات عبادات کی توفیق ملتی ہے اس لیے اصول یہی ہے کہ شریعت کے تمام احکام کی رعایت و درجہ بدرجہ کی جائے اور اس کے دائرہ سے نکلنے کو کسی طرح جائز نہ سمجھے کہ وہ اپنی غلطی کی طرف پہلا قدم ہے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے تقریر فرمایا ہے کہ اگر فرضوں میں دل کم لگے اور نوافل و سبقت میں زیادہ توجہ کو دل میں غیر شرعی رجحان کی بنیاد پڑ گئی تو عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں جن کی عبادت اور ان کو بیدار ہو کر ذکر اللہ میں گزارنا شریعت کا نہایت ہی محبوب عمل ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اہتمام فرما کر اپنے گھر والوں کو بیدار فرماتے اور پوری پوری رات جاگ کر عبادت میں گزارتے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فقہاء کی نظر شریعت غراء کے مزاج و مقصد کو پہچاننے میں کس قدر تیز اور خرد بین ہے کہ ایسی راتوں میں بھی بطور اہل بدعت اجتماع و ہنگامہ کرنے کو کدوہ فرما دیا صرف اس لئے کہ زمانہ رسالت اور عہد صحابہ و تابعین میں اس قسم کے اجتماع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا غیر مقلدین زمانہ حب سنت و تبع حدیث ہونے کا بڑا ڈھونگ رچاتے ہیں اور احناف کو بدعات و رسوم غیر شرعی کا مرکب بتلا کر کرتے ہیں کیا فقہاء احناف کی مندرجہ بالا قسم کی ہدایات پر ان کی نظر نہیں ہے؟ کیا سنت کے اتباع کا اس سے بھی زیادہ کوئی درجہ نکل سکتا ہے کہ بجز تراویح یا صلوة کسوف وغیرہ کے (جن میں جماعت کا ثبوت خود شارع عیسا السلام سے مل گیا) انہوں نے ہر نفل کی جماعت کو بدعت و کدوہ تحریم قرار دے دیا جبکہ شوافع تک نے اس کو محض قیاس کے ذریعے جائز و مستحب کہہ دیا پھر غیر مقلدین کا مزید ظلم دیکھئے کہ وہ اپنی تصانیف میں احناف کے مقابلہ میں شوافع کو اہل حدیث کہتے ہیں اور احناف کو اہل الرائے اور اہل قیاس ہونے کا طعن دیتے

ہیں۔ اس کے علاوہ فقہا حنفیہ ہی کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ اگر ایک بار تراتونچ پڑھنے کے بعد دوبارہ تراتونچ ہی کی نیت سے نوافل پڑھنا چاہیں تو اس میں بھی جماعت نہیں کر سکتے بلکہ تنہا تنہا پڑھیں گے (کذا فی عالمگیری، فصل التراتونچ ص ۱۱۶) (مطبوعہ مصر و نقلہ عن التتاریخ فی)

پھر علامہ شامی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ جو بات صدر اول (یعنی عہد رسالت و صحابہ) میں نہیں ہوئی، اس کو یہ تکلف لازم کر لینا جیسے نوافل کی ادائیگی جماعت کے ساتھ بطریق ہدائی (لوگوں کو بلا کر اور ترغیب دے کر مناسب نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص ۷۲ ویں شب رمضان کی نفل نمازوں کو اس خیال سے ترک بھی کر دے گا تو اچھا کرے گا کہ عام لوگ یہ بات سمجھ لیں کہ یہ کوئی شعار اسلام کے دور ہے کی چیز نہیں ہے (شامی جلد اول قبل ادراک الفریض ص ۴۲) اور اسی موقع پر یہ بھی لکھا کہ نفل کی جماعت اگر ایک دو آدمی کے ساتھ ہو رہی ہے جو بلا کر اہت ہے پھر دوسرے لوگ آ کر شامل ہو جائیں تو کراہت کا گناہ صرف ان لوگوں پر ہوگا جو بعد کو آ کر شریک ہوئے ہیں پہلے لوگوں پر نہیں ہے۔

غرض فقہ حنفی کی کسی معتبر کتاب سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ رمضان شریف میں تہجد کی نماز جماعت اگر تین اشخاص سے زائد مقتدی ہوں بلا کراہت جائز ہے بلکہ ایسی جماعت مذہب حنفی میں بدعت و مکروہ تحریمیہ ہے اور تمام ائمہ احناف و فقہاء اس بارے میں متفق ہیں اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ شوافع کے ساتھ ہے اور اوپر کی تفصیل سے واضح ہو چکا کہ احناف کا مذہب اس بارے میں کس قدر قوی اور مؤید بالسنّت ہے دوسرے یہ کہ جن محدثین احناف علامہ عینی وغیرہ نے شرح حدیث قیام رمضان کے ذیل میں یہ تحقیق کی ہے کہ قیام رمضان کی فضیلت تہجد و دیگر نوافل کے بارے میں بھی ہے صرف تراتونچ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس کا تعلق جماعت نوافل کی کراہت و عدم کراہت کے مسئلہ سے کچھ نہیں ہے۔

اکابر دیوبند میں سے استاذنا الطام حضرت الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کا جو کچھ معمول اس بارے میں تھا ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق تربیت و اصلاح سالکین سے تھا، بعض حضرات کے عرض کرنے پر کہ آپ کے اس عمل کو لوگ سند بنائیں گے۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے میں خود ہی تو کرتا ہوں دوسروں کو تو نہیں کہتا۔

اس سے بھی ہمارے خیال مذکور کی تائید ہوتی ہے دوسرے یہ کہ بالفرض اگر حضرت کی یہی تحقیق بھی تھی تو اس کا نشاء کوئی غلط فہمی ہو سکتی ہے اور غلطی سے بجز انبیاء علیہم السلام کے کس کو معصوم کہا جاسکتا ہے جس شخص کے علمی تجربہ پر سینکڑوں مسائل مشککہ کی گرفتہ تحقیقات شاہد ہوں وہاں ایک دو مسائل میں تفرق کی کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن حضرت کے علاوہ و متولین کو چاہئے کہ وہ مسئلہ کی صحیح نوعیت کو سمجھیں، جماعت تہجد کو خصوصاً مساجد میں اور ہدائی کے ساتھ روانہ دینے سے احتراز کریں ہمارے اسلاف اور اکابر دیوبند کا یہی طرہ امتیاز ہے کہ ہمیشہ صحیح بات کی پیروی کی ہے اور ہر شرعی مسئلہ کو ہر وقت قرآن و سنت تعالٰیٰ صحابہ ائمہ احناف اور محققین امت کے فیصلوں پر پیش کیا ہے اور اسی حق ان تتبع پر عمل کیا ہے ما علینا الا البلاغ۔

افادہ مزید بآداب تلوع قیام رمضان کے ذیل میں ذکر ہو چکا ہے کہ شارحین بخاری کے اقوال نفس شرح حدیث کے بارے میں مختلف ہیں اور اس کا ذکر مطبوعہ فتویٰ وغیرہ میں بھی آیا ہے مگر اس کے بیان میں کچھ تسامع ہوا ہے چونکہ ہماری کتاب انوار الیاری کا موضوع محدثین کے اقوال کو بھی پوری صحت و وضاحت کے ساتھ پیش کرنا ہے اس لئے شرح بخاری شریف سے ان کو نفل کرتے ہیں۔

(۱) علامہ محقق حافظ عینی نے لکھا حدیث کے جملہ نام رمضان سے مراد یہ ہے کہ جو شخص لیالیٰ رمضان میں طاعات و عبادات کرے گا رات؎ کہا گیا ہے کہ شارح علیہ السلام کی اس سے مراد نہ تراتونچ ہے اور بعض نے کہا کہ یہ نماز تراتونچ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جس وقت بھی جو نفل پڑھے گا اس حدیث کی بیان کردہ فضیلت حاصل کر لے گا پھر اس امر پر سب علما کا اتفاق ہے کہ نماز تراتونچ مستحب ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ ادا تراتونچ کی افضل صورت کیا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، جمہور اصحاب شافعیؒ اور اصحاب امام مالکؒ میں سے ابن عبدالحکم نے فیصلہ کیا کہ تراتونچ کو جماعت کے ساتھ مساجد میں ادا کرنا افضل ہے جس طرح کہ حضرت عمرو اور دوسرے صحابہ نے اس کو قائم کیا اور ان کے بعد مسلمانوں نے برابر اس پر عمل کیا۔

بعض کبار ائمہ حدیث تراویح کو بھی مساجد میں غیر افضل کہتے ہیں

امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمدی، بعض اصحاب شافعی وغیرہم کا فیصلہ یہ ہے کہ نماز تراویح کو بھی (دوسرے نوافل و مستحبات کی طرح) مکہروں میں تھا، تنہا بغیر جماعت کے پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سب سے بہتر و افضل نماز وہی ہے جو اپنے گھر میں ادا کی جائے“ (عمدة القاری ص ۱/۲۷۱)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمایا جب تک تیسرے یا چوتھے روز بڑی کثرت سے صحابہ تراویح ہی کی جماعت کے واسطے مسجد نبوی میں جمع ہو گئے تھے بلکہ حدیث میں یہ بھی آتا ہے ہر روز جمع ہو جاتے تھے اور تیسرے یا چوتھے روز اتنے ہو گئے کہ مسجد نبوی میں جگہ نہ رہی اس وقت آپ نے دو باتوں پر خاص طور سے زور دیا، ایک تو وہی مشہور بات کہ میں اس نماز تراویح کو اب اس لئے قائم نہیں کرتا کہ کہیں اس کی فرضیت نازل نہ ہو جائے اور پھر بعد کے لوگوں سے سنجالے نہ جائے دوسرے آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے بہتر نماز وہی ہے جو تم اپنے گھروں میں ادا کرو۔ سوائے فرض نمازوں کے۔

یہاں آپ نے دیکھا کہ خود علامہ عینی کی ہی تصریح سے کتنے بڑے بڑے محدثین و فقہانے نماز تراویح کو بھی مسجد میں اور جماعت سے افضل نہیں سمجھا اور گھروں میں تنہا پڑھنے کو افضل قرار دیا پھر تجدید وغیرہ نوافل کو مسجدوں میں اور جماعت و اجتماع سے ادا کرنے کا کیا موقع رہا؟ نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ جن حضرات نے تراویح کی جماعت کو مساجد میں افضل کہا وہ سنت فاروقی، تعامل صحابہ اور استمرار عمل مسلمین و ملتقی امت کے سبب کہا ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مذکور کے بعد وہ بھی اس کو افضل قرار دینے کی جرات نہ کرتے۔

لہذا تجدید رمضان کی جماعت کا اجراء کرنے کی جرات بھی اسی وقت ہوئی چاہئے کہ اس درجہ کا تعامل صحابہ و سلف ثابت ہو حالانکہ ہم خود شوافع کو اسی امر کے عدم ثبوت کے باعث ملزم بنا رہے ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں ظاہر ہے کہ شوافع کا فیصلہ کرنا کہ ہر نفل کی جماعت جائز یا مستحب کے درجہ میں آسکتی ہے ایسا قیاس ہے کہ ان کی محدثانہ شان کے لائق نہیں اور ہم باوجود اختلاف و شوافع کے اختلافات کے بھی ان کی محدثانہ رفعت شان اور بلندی مرتبت کے پوری وسعت حوصلہ کے ساتھ معترف و معتقد ہیں اس لئے یہاں پہلے کر جو کچھ ہم نے لکھا اس سے نہ صرف ہمیں ندامت ہے بلکہ ایک قسم کا غلبان بھی ہے اور درست جو کچھ تاویل ان کے اس فیصلہ کے بارے میں ہم سوچ سکے وہ یہ ہے کہ ان کے یہاں جماعت کی وہ حیثیت ہی نہیں ہے جو ہونی چاہئے یا جو اختلاف کے یہاں ہے ان کے یہاں صرف ظاہری طور سے ادا کی گئی ارکان یا تعداد رکعات وغیرہ میں توافق ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کے یہاں امام کی نماز کا سد بھی ہو جائے تو مقتدی کی صحیح رہ سکتی ہے یعنی اگر نماز کے بعد معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے امام صاحب کی نماز درست نہیں ہوئی، مثلاً وہ بے وضو تھا یا جنبی تھا تو وہ امام تو اعداد کرے گا مگر مقتدی پر اس نماز کا اعادہ نہیں اس کی درست ہوگئی بلکہ فتح الباری میں یہ بھی ہے کہ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی نے دیکھا یا کرامانہ بعض ارکان صلوات کو ترک کر دیا اور مقتدی نے ان کو پورا کر لیا تب بھی مقتدی کی نماز صحیح ہوگی (العرف الاذی ص ۱۰۲)

اسی طرح شوافع کے یہاں فرض نماز پڑھنے والا مقتدی، نفل نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے اور امام کو کسی فرض نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے مقتدی دوسرے کسی فرض کی نیت سے اقتداء کر سکتا ہے وغیرہ۔ غرض شوافع کے یہاں جماعت و انفرادی نماز میں زیادہ فرق نہیں ہے اور خفیہ کے یہاں حدیث نبوی ”الامام ضامن“ کی وجہ سے تمام احکام ہی دوسرے ہیں جن کو احتاف اچھی طرح جانتے ہیں، دوسرے یہ کہ مساجد میں فرضوں کی طرح اجتماع کر کے علاوہ تراویح کے دوسرے نوافل کی جماعت ممکن ہے شوافع کے یہاں بھی مستحب نہ ہوا کہ چاہیے تصریح ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گزری اور امتراحتاف و فقہا کی طرح ان سے ایسی دقت نظر کی توقع بھی زیادہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم و علمہ الہم

(۲) فتح الباری ص ۲/۸۷ میں حافظ ابن حجر نے کتاب صلوٰۃ التراويح کے تحت باب فضل من قام رمضان میں لکھا ہے کہ ”اس سے مراد رمضان کی راتوں میں نماز کے لئے کھڑا ہونا ہے“ (جس میں تہجد وغیرہ شامل ہے) امام نووی نے ذکر کیا کہ مراد قیام رمضان سے نماز تراویح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے قیام مطلوب کا تحقق ہو چکا ہے یہ مطلب نہیں کہ قیام رمضان کی اس کے بغیر اور صورت ہی نہیں اور علماء مکرماتی نے عجب بات ذکر کی ہے کہ تمام علماء نے اس امر پر اتفاق کیا کہ حدیث میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔“

(۳) امام نووی نے خود شرح بخاری میں حدیث الباب پر اس طرح لکھا۔ ہمارے صاحب اور دوسرے علماء نے قیام رمضان کو نماز تراویح پر محمول کیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ نماز تراویح سے قیام رمضان کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے لیکن وہ فضیلت صرف اس کے اندر منحصر نہیں ہے اور نہ حدیث کے مراد اس کے ساتھ خاص ہے بلکہ حدیث کے جس وقت میں بھی نماز پڑھے گا اس کو یہ فضیلت مل جائے گی (شروع البخاری ص ۲۰۲/۱) تلوع قیام رمضان کی ایک اور حیثیت سابقہ صورتوں سے الگ بھی ہے جب اتنی طویل بحث اسی سلسلہ کی ہو چکی تو اس کو بھی ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ جو شخص خود حافظ قرآن ہو اس کے لیے ایک جماعت علماء حنفیہ نے افضل اس امر کو قرار دیا ہے کہ گھر میں ادا کرے (مسجد میں نہیں) بلکہ اس صورت میں امام شافعی کا مکتبہ مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص تنہا بغیر جماعت کے پڑھے ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس کا ذکر ہے وہاں دیکھ لیا جائے امام غماوی بھی تراویح کی نماز گھر میں افضل فرماتے تھے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے باب فضل من قام رمضان کے درجہ میں فرمایا تھا کہ راجح بھی یہی قول معلوم ہوتا ہے کیونکہ بڑے بڑے صحابہ سے یہی ثابت ہے کہ وہ گھروں میں تراویح پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جنہوں نے جماعت تراویح کا حکم کی ہے وہ بھی خود جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے حالانکہ اس وقت تک دستور کے مطابق امیر المؤمنین اور غلیظہ وقت کی حیثیت سے بھی وہی امام مسجد تھے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مسند تحقیق اگرچہ اسی طرح ہے مگر اس زمانہ میں علماء کو اس کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے خطرہ ہے کہ جماعت میں آنے والے سرے سے نماز تراویح ہی ترک کر دیں جس طرح سنن کی ادائیگی گھروں میں افضل ہے مگر اس زمانے میں بہتر یہی ہے کہ مسجد میں ادا کریں تاکہ قسائل و مسائل لوگ سنتوں کو چھوڑے گا بہانہ نہ بنالیں۔

حدیث الباب کا اولیٰ مصداق

تفصیل بالا سے یہ بات منجھ ہوتی کہ اس بارے میں سب ہی متفق ہیں کہ حدیث کا اولیٰ مصداق تو نماز تراویح ہے اور ضمناً دوسرے نوافل و دعائیں بھی اس کا مصداق بنتے ہیں صرف علامہ مکرماتی کا رجحان ادھر معلوم ہوتا ہے کہ صرف نماز تراویح مراد ہو اور اس کے لیے انہوں نے اتفاق بھی نقل کیا ہے جس پر حافظ نے تعجب کا اظہار کیا ہے۔

بات بہت طویل ہوئی مگر ناظرین کو اس سے اندازہ ہوگا کہ بغیر مریضیت اصول اور بغیر حوالوں کی صحیح کے جوابات چل جاتی ہیں اس میں بڑے بڑوں سے بھی مسکت ہو جاتی ہے اور مزید بحث مسائل کی صحیح نوعیت کل کر سامنے نہیں آتی جس کی وجہ سے تحقیق ناقص و نامکمل رہ جاتی ہے۔ ناظرین واقف ہیں کہ ہم کسی بحث کو تشہد نہیں چھوڑنا چاہتے اور علم نبوت کی ایضاً وہیان کے لیے جتنی تحقیقات بھی ائمہ مفسرین، محدثین و فقہاء وغیرہم کی ہمارے سامنے ہے اس کو موقع بہ موقع پیش کرنے کی کوشش کریں گے خواہ اس میں کتنا ہی وقت صرف ہو یا کتاب کا حجم بڑھ جائے۔ امید ہے کہ ہمارے محترم ناظرین اس طرز کو پسند کریں گے اور اگر اس سلسلے میں کوئی مفید اصلاحی مشورہ ملے گا تو اس کی رعایت بھی آئندہ حصوں میں کی جاتی رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب صوم رمضان احتساباً من الایمان (حبیب اللہ رمضان کے روزے رکھنا ایمان کا شعبہ ہے)

۳۷ حدثنا ابن سلام قال انا محمد بن فضیل قال حدثنا یحییٰ بن سعید عن ابی سلمة عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص ایمان کے ساتھ صوم اللہ سے اس کی خوشنودی و ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے گا اس کے پچھلے سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔ تشریح:- حدیث مذکور اور دوسری اس قسم کی احادیث سے جن میں کسی عمل خیر کے لیے ایمان و احتساب کی شرط لگائی گئی ہے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہر عمل طاعت کے لیے ایک مبادا اور ایک نہایت و غایت ہونی چاہیے ہر عمل کی صحت کے لیے ایمان تو شرط اول ہے بغیر اس کے تو کوئی بڑی بڑی طاقت و قربت بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں یعنی آخرت کے اجر و ثواب کے لحاظ سے ورنہ یوں تو کفار و شرکین کو بھی ان کی بھلائیوں اور نیکیوں پر دنیا کی ہی کوئی خیر و فلاح دے کر معاملہ چکا دیا جاتا ہے یعنی آخرت میں کافر و شرک کی کسی بھلائی و نیکی پر کوئی ادنیٰ حصہ خیر و فلاح کا نہیں ملے گا یہ فیصلہ شدہ چیز ہے۔

دوسری چیز مومن کے سامنے ہر عمل کے لیے اس کی غرض و غایت ہونی چاہیے اور وہ اللہ کی مرضی و ثواب آخرت ہے جس کو احتساب سے تعبیر کیا گیا ہے ہر عمل خیر کے لیے مبادا و مصدر باعث و داعیہ تو خالص ایمان باللہ ہو کہ نہ اس کو بطور عادت کرے نہ خواہش نفس سے نہ دامیہ طلب جاہ و ستائش سے نہ ریاکاری و دکھاوے کے لیے پھر اس مبادا کی غرض و غایت مذکورہ بالا ہو تو وہ عمل عند اللہ ضرور مقبول ہوگا۔ بحث و نظر:- حدیث مذکورہ میں (۱) رمضان کے روزوں پر گزشتہ گناہوں کی مغفرت کا وعدہ ہے اور اس سے پہلے قیام رمضان (۲) پر بھی ایسا ہی وعدہ تھا ایک حدیث صحیح میں عرفہ کے روزہ (۳) کو دو سال کے گناہوں کا کفارہ بتلایا ہے ایک میں (۴) عاشوراء کے روزے کو ایک سال کے گناہوں کا کفارہ فرمایا ایک میں رمضان (۵) سے رمضان تک کے گناہوں کا کفارہ فرمایا اسی طرح عمرہ (۶) سے عمرہ تک بھی کفارہ ہے اور (۷) جمعہ سے جمعہ تک بھی ایک حدیث میں وضو (۸) سے سب گناہوں کے واصل جانے کا ذکر ہے دوسری میں پانچ (۹) وقت کی نمازوں کو نہر سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ جس طرح پانچ وقت کے غسل سے بدن کا میل پچھل صاف ہو جاتا ہے پانچ وقت کی نمازوں سے بھی گناہوں کے میل صاف ہو جاتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ نماز میں الحمد (۱۰) شریف کے فقرہ پر جو آئین کہہ کر اللہ سے قبولیت کی درخواست کرتے ہو اگر وہ فرشتوں کی آئین سے موافقت کر گئی تو سب پچھلے گناہ بخش گئے لایزالہ القدر کی عبادت سے بھی گزشتہ معاصی کی مغفرت گزر چکی ہے اور اسی طرح اور احادیث بھی اس قسم کی ہیں تو سوال یہ ہو سکتا ہے کہ فرض کیجئے اگر ایک موضوع سے سارے گناہ واصل گئے تو باقی اعمال مذکورہ سے کون سے گناہوں کی مغفرت یا ان کا کفارہ ہوگا؟

علامہ نووی علامہ قسطلانی و حافظ عینی نے شرح بخاری شریف میں اس کا یہ جواب دیا کہ جب اس کے پہلے گناہ کسی ایک عمل یا تو بہ وغیرہ سے واصل ہو چکے تو دوسرے اعمال مذکورہ سے بجائے مغفرت و ثواب کے اس کے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے درجات بلند کئے جائیں گے بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ امید ہے کہ اس کے کبیرہ گناہ ہوں گے تو ان میں بھی تخفیف ہوگی اور اللہ کے وسیع فضل و انعام سے ایسی امید بجا ہے (شرح البخاری ص/۲۰۳-۲۰۴ حۃ القاری ص/۲۷۱)

یہاں دوسری قابل ذکر بحث یہ ہے کہ جن احادیث میں مغفرت و ثواب کا وعدہ ہے وہاں کون سے گناہ مراد ہیں؟ صغیرہ یا کبیرہ بھی؟ عامہ و نونی نے لکھا کہ علماء کا مشہور مذہب تو یہی ہے کہ صرف صغیرہ گناہ مراد ہیں کیونکہ وضو والی حدیث میں عالم یوت کبیرہ (جب تک بڑے گناہ نہ کرے اور ما اجتنب الکبائر) (جب کہ بڑے گناہوں سے پرہیز کرے) قید و شرط لگھی ہوئی ہے دوسرے اس امر پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر تو بہ یا حد شرعی کے ساتھ نہیں ہوتا! تاہم (حولہ بالا احادیث میں سے اکثر کے اطلاقات و عموم پر نظر کرتے ہوئے) تخصیص کا حکم لگا دینا عمل نظر ہے (شرح البخاری ص/۲۰۳)

علامہ قسطلانی نے لکھا کہ اگرچہ بعض احادیث کی تقلید سے صغائر کی تخصیص مفہوم ہوتی ہے لیکن اللہ کے فضل و وسعت کرم سے دوسری احادیث کے اطلاقات پر نظر کرتے ہوئے کہاں کی مغفرت بھی متوقع ہے (شرح البخاری ص ۸۳/۱)

اس کے بعد گزارش ہے کہ بہت سی احادیث کے اطلاقات و عموم اور اللہ کی رحمت واسعہ پر نظر کرتے ہوئے تو واقعی تخصیص صغائر مرجوح معلوم ہوتی ہے دوسرے یہ کہ بعض احادیث سے سقوطِ کہاں کا ثبوت بغیر توبہ کے بھی وارد ہے مثلاً قتل و شہادت فی سبیل اللہ کے بارے میں مسلم شریف کی حدیث ہے کہ وہ سواء دین و قرص کے ہر گناہ کا کفارہ ہے ظاہر ہے کہ یکھو کلی شیعہ والا الدین میں صغائر کی تخصیص بے محل ہے اسی لیے محدثین نے لکھا کہ شہداء کا دخول جنت بغیر حساب و بلا عذاب ہوگا اور ان سے گناہوں پر بھی کوئی مواخذہ نہیں ہوگا (دیکھو عمدۃ القاری ص ۲۶۹/۱) تو جو حدیثیں کفارہ و نوب و سینات اور مغفرت کے بارے میں مطلق وارد ہیں ان کو اطلاق ہی پر رکھنا بہتر ہوگا تاہم احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ بڑے گناہوں پر توبہ و استغفار کی طرف سے غفلت نہ کی جائے اس کے بعد حقوق العباد (دین و قرص و اعلا مال غیر حق نسبت ایذاً و غیرہ) کا معاملہ ہے ان کی ادائیگی و ادائیگی کی استطاعت نہ ہو تو صاحب حق سے معاف کرانے کا نہایت اہتمام ہونا چاہیے۔

کیونکہ بغیر اسے اخروی نجات و ثواب ہوگی یا اگر اپنے قیمتی اعمال دے کر اصحاب حقوق کو راضی کرنا پڑا تو اس میں بھی خسارہ ہی کی صورت ہے اول تو اعمال ہی کہاں بھران میں سے مقبول ہی کتنے اور رہے ہیں میں بھی دوسرے حقدار ہو جائیں گے تو اس سے زیادہ تکلیف وہ بات آخرت کی زندگی میں کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کے معاملات مطابق شریعت کرے تمام معاصی خصوصاً حقوق العباد کے ختم و زائل کرنے سے محفوظ رکھے اور کم از کم بقدر نجات اخروی ہمیں اعمال صالحہ مقبول کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ایک سوال یہ ہے کہ قیام رمضان سنت ہے اور صیام رمضان فرض، امام بخاری نے فرض کا بیان مؤخر کیوں کیا جب کہ اس کا مرتبہ تقدم کا متفق تھا؟ اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ رمضان کا چاند نیکہ کر سب سے پہلا شرعی مطالبہ خواہ وہ نفل و سنت ہی کے درجہ کا کسی تراویح کا ہے جو رات میں ادا ہوگا۔ پھر دن کو مطالبہ روزے کا متوجہ ہوگا اور اسی طرح ہر روز قیام رمضان مقدم اور صوم رمضان مؤخر ہوتا رہے گا اس لیے امام بخاری نے زمانہ کی تقدم و تاخیر کی رعایت فرمائی ہے۔

یہاں سے یہ بات ثابت کرنا کہ چونکہ امام بخاری نے فرض پر سنت کے ذکر کو مقدم کیا تو یہ ایک اصول بن گیا ”فریضہ میں سنت کے راستے سے داخل ہوا جانے کے سببی راستہ مقبولیت کا ہے“ صحیح نہیں اول تو خود امام کا مقصد متعین کرنا ہی غلطی سے یقینی نہیں اکثر تو ایسی توجہات نکات بعد النوع کا درجہ رکھتی ہیں پھر اگر واقعی امام بخاری کے نزدیک یہ کوئی اصول بھی ہو تو وہ دوسروں پر خصوصاً باب مسائل میں حجت نہیں ہو سکتا اس لیے اس کی وجہ سے یہ مسئلہ کیسے صاف ہو گیا کہ حاجی اول مکہ منظرہ حاضر ہو یا مدینہ طیبہ؟ اور امام بخاری کی صرف مذکورہ بالا ذکر کی تلمذ ہم تاخیر سے یہ ثابت کرنا کہ اول مدینہ طیبہ کی حاضری اولی و افضل ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے خصوصاً جب کہ اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل موجود ہے کہ ”اگر حج فرض کر رہا ہو تو بہتر یہ ہے کہ پہلے حج کر کے پھر زیارت مدینہ طیبہ کے لیے مدینہ مکرمہ حاضر ہو البتہ جائز یہ بھی ہے کہ پہلے زیارت کے لیے حاضری دے“ حضرت ملا علی قاری حنفی نے بھی اس کو اختیار کیا اور لکھا کہ پہلے حج فرض کرے پھر زیارت کے لیے حاضر ہو اس کے بعد لکھا کہ نقلی حج ہو تو حج کرنے والے کے لیے دونوں صورتیں برابر ہیں جس کو چاہے مقدم کرے۔

(ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری ص ۳۳۳ مطبوعہ مصطفیٰ محمد مصر۔)

باب الدین یسر۔ و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ

(دین آسان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کسب سے زیادہ وہ دین پسندے جو جہل ہو اور اس میں خالص تعلق مع اللہ کی تعلیم ہو)

۳۸۔ حدثنا عبدالسلام بن مطہر قال حدثنا عمر بن علی عن معن بن محمد الغفاری عن سعید بن ابی

سعيد بن المقبري عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان الدين يسر ولن يشاد الدين احدا الا غلبه ففسدوا وقاربوا وابشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک دین آسان ہے اور جو شخص دین کے کاموں میں شدت اختیار کرے گا، دین اس پر غالب ہی رہے گا، پس دین کے اعمال میں مایہ ناز روی اختیار کرو، اور قریب قریب رہو، خوشخبری حاصل کرو، اور صبح و شام، و آخر شب کے اوقات نشاط سے (اپنی طاعت و عبادت کیلئے) مدد و توجہ حاصل کرو۔

تشریح:- دین فطرت (اسلام) کی بنیاد سہولت و آسانی پر ہے، دوسرے مذاہب میں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ابتداء سختی نہ تھی مگر اہل مذاہب کے غلط طریقوں یا ان کی بدکرداریوں نے سخت احکام عائد کرائے، یا بہت سی سختیاں انہوں نے خود بغیر حکم خداوندی اختیار کر لیں، جیسے ”رہبانیت“ کس کس کو خود گھڑ کر دین کی بجائے، حالانکہ اس کو خدا نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، بہر حال، دوسرے تمام ادیان یا عالم (خود وہ حریف شدہ ہوں یا دوسرے اسلام کی وجہ سے منسوخ شدہ) کے مقابلہ میں یہ دین اسلام بہت ہی آسان و سہل ہے، چونکہ یہ دین مع اس کے احکام کے قرآن مجید حدیث رسول اور ائمہ مجتہدین کے ذریعہ بدن و محفوظ صورت میں موجود ہے، اور قیام قیامت تک اپنی اصل صحیح حالت میں محفوظ رہے گا۔ (کیونکہ ایک جماعت اہل حق علماء ربانین کی حسب پیش گوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حفاظت برائے برکتی رہے گی، اور دین کے اندر غلط چیزیں ملانے والوں کا پردہ فاش کرتی رہے گی وغیرہ) اس لیے یہ دین اور اس کے احکام حق تعالیٰ کی رضا و پسندیدگی کا صحیح ترین نمونہ ہیں۔

اب چونکہ اس دین پر عمل کا سب سے اعلیٰ نمونہ خود سید المرسلین علیہم السلام کی زندگی ہے جس کا ہر لمحہ اللہ کی طاعت عبادت و یاد سے معمور تھا حتیٰ کہ سونے کی حالت میں بھی صرف آنکھیں سوتی اور دل بیدار رہ کر اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا تھا اور انھوں نے بھی عالم غیب، عالم ارواح، عالم اجساد و عالم مثال وغیرہ کے وہ سب امور پر مشاہدہ فرمائے جو آپ سے قبل و بعد کسی پر تکلف نہیں ہوئے۔

آپ کے اعمال کو دیکھ کر پھر شریعت میں اعمالی صالحہ کے ہزار بافضائل و ترغیبات پر نظر کر کے کون مسلمان نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ایسا ہوگا جس کے دل میں زیادہ سے زیادہ اعمال شادہ اور عبادت و ریاضت میں انہماک کا جذبہ و شوق پیدا ہوگا پھر کسی عمل خیر پر پہنچ کر دوام ہو سکے یا نہ ہو سکے عبادت و ریاضت میں زیادہ انہماک سے خود اس کی صحت اہل و عیال کی نگہداشت اور دنیا کے دوسرے مشاغل پر کیسا ہی برا اثر پڑے مگر دل کے ایمانی تقاضوں سے مجبور ہو کر وہ سب کچھ بچ دینے کو تیار ہوگا۔

یہ جو کچھ لکھا گیا کوئی خیال آرائی یا قیاس و حسن ظن کی بات نہیں دور صحابہ کے بیسیوں واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سونے وصال رکھتے دیکھا تو صحابہ نے بھی شروع کر دیے آپ نے ان کو روکا کہ تم اس کو برداشت نہ کر سکو گے کسی نے شب و روز عبادت شروع کر دی آپ نے فرمایا ایسا تم کو تم پر تہمارے جسم و بدن کا بھی حق ہے اب انھوں کا بھی حق ہے بیوی کا بھی حق ہے اتنی زیادہ عبادت کے ساتھ تم ان سب حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتے پہلے گزر چکا کہ صحابہ نے یہ خیال کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تو سب اگلے پچھلے گناہ بخشے گئے پھر بھی اس قدر عبادت فرماتے ہیں ہمیں تو آپ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے تو آپ نے ان کو بھی سمجھایا عرض اس قسم کے غیر معقول جذبات کی روک تھام کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر و افضل وہ عمل ہے جس پر پہنچ کر وداومت ہو سکے اگر چہ وہ تھوڑا ہی ہو اور فرمایا کہ اتنے ہی اعمال کا شوق کرو جن کو ہمیشہ کرنے کی طاقت ہو (ایسا نہ ہو کہ چند روز کر دو پھر تھک کر بیٹھ جاؤ) حضرت علقمہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا یا ام المومنین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کس طرح تھا؟ کیا خاص دنوں میں کوئی خاص اعمال کرتے تھے؟ فرمایا: نہیں! آپ ایک اعمال پر مداومت فرماتے تھے اور آپ کی استطاعت جیسی تم میں سے کسی کی استطاعت ہو سکتی ہے؟

یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مایہ ناز روی اختیار کرو اس سے دور نہ ہو (تھوڑے عمل خیر پر بھی خوش رہو کیونکہ صرف اپنے عمل

کے محروسہ پر کوئی بھی جنت میں نہ جائے گا صحابہؓ نے عرض کیا کیا آپ بھی یا رسول اللہ!؟ فرمایا ”ہاں میں بھی نہیں جاسکوں گا بجز اس کے کہ اللہ مجھ کو اپنی مغفرت و رحمت سے بڑھا پالے“

نیز فرمایا درمیانی پرکار و تمہارے عمل بھی موجب بشارت و خوشخبری ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ کلمات مروی ہیں: ”میانہ روی کہ در قریب اس سے رہو صبح و شام اور آخر حصہ شب کے نشاط میں اپنا سفر کرو اور درمیانی رفتار سے چلو متوسط قدم اٹھاؤ! اسی طرح منزل مقصود پہنچ جاؤ گے“ یہ سب احادیث امام بخاری نے باب القصد والمداومة علی العمل کے تحت ص ۹۵ میں ذکر فرمائی ہیں چونکہ ان سب سے حدیث الباب پر روشنی پڑتی ہے اس لیے یہاں ان کا ترجمہ پیش کر دیا گیا یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث الباب کو احکام صحاح ستہ میں سے صرف امام بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

شارع علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ دین میں تشدد برتنا عبادت و نوافل میں حد سے بڑھ جانا جو برداشت سے باہر یا دوسرے ضروری کاموں میں خلل ہو اللہ کو پسند نہیں ہر شخص اپنی استطاعت اور احوال و ظروف کی رعایت سے جتنا عمل خیر عبادت سے کر سکے وہ نہ صرف محبوب و پسندیدہ ہے بلکہ اسے تحوّل کے عمل پر بھی بڑے ثواب کی بشارت اور منزل مقصود اللہ کے قرب خاص تک رسائی کی یقین دہانی ہے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے!؟

حدیث الباب میں پانچ جملے ہیں۔ علامہ محقق حافظ بیہقیؒ نے فرمایا کہ ان الدین یسور جملہ مؤکدہ ہے کہ بیشک دین اسلام سراپا سہولت و آسانی ہے نہ بشارت الدین کہ دین کے معاملہ میں جو بھی تعقی یا کلاں کاری کرے گا کہ میں زیادہ سے زیادہ اعمال انجام دے کر دین پر غالب آ جاؤں گا تو اگر اس میں کامیابی نہ ہوگی بلکہ دین ہی اس کا غالب ہوگا اور وہ تھک کر عاجز ہو کر بیٹھ رہے گا۔ فسد دو اوقار ہوا کہ امر صواب اور درمیانی قول و عمل کو اختیار کرو اگر تم میں اکمل پر عمل کی طاقت نہ ہو تو اس سے کم اس سے قریب پر قناعت کر دیا عبادت کے معاملہ میں بہت دور تک ہاتھ پاؤں مت پھیلاؤ اس طرح تم منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو گے یا امور خیر میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ البشر و اتہمار سے لیے تحوّل کے عمل پر بھی بشارت ہے و استعینوا یعنی اعمال خیر کیلئے ان اوقات نشاط سے مدد طلب کرو (کیونکہ دوامی طور پر ہمہ وقت تو عمل خیر میں لگا رہنا تمہاری استطاعت سے باہر ہے اس لیے اللہ کو پسند بھی نہیں)

لہذا جس طرح دنیا کے سفر کو ان ہی اوقات نشاط میں آسانی سے طے کرنے کے عادی ہو آ آخرت کے سفر کو بھی (جس کی منزل مقصود قریب خداوندی ہے) ان ہی اوقات نشاط میں عبادت بجالا کر پورا کرو۔

علامہ خطابیؒ نے فرمایا کہ مقصد شارع علیہ السلام یہ ہے کہ دن و رات کے سارے اوقات عبادت میں مشغول نہ کر دو، بلکہ سہولت عبادت کے لیے رات کے ایک حصہ کو دن کے ایک حصہ کے ساتھ ملا دو اور ان دونوں کے درمیان میں بھی کچھ حصہ و مجموعی سے عبادت کرنے کا نکال لو (یعنی دن کے اوّل حصہ میں فجر کی نماز شب کے اوّل حصہ میں مغرب و عشاء ہوئی اور دونوں کے درمیان میں ظہر و عصر اس طرح کرنے سے جتنی عبادت ہوگی اس میں نشاط رہے گا۔

حضرت محقق محدث ابن ابی جرّہؒ نے بیہد المغوس شرح مختصر البخاری میں اس حدیث الباب پر نہایت تفصیلی کلام کیا ہے اور حدیث کے پانچوں جملوں میں سے ہر ایک جملہ کی توضیح و تشریح ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲

آزاد کرو کیونکہ ایمان والی ہے معلوم ہوا کہ ایمان و تہدیت کے لیے بعض صفات خداوندی کا علم بھی کافی ہے جس طرح اس باندی نے آسان کی طرف اشارہ کر کے اللہ کی عظمت و جبروت کا اقرار کیا اسی لیے بعض علماء اہل سنت نے کہا کہ بعض صفات سے جاہل کو کافر نہ کہیں گے ورنہ بہت عوام جاہل مسلمانوں کی تکفیر کرنی پڑے گی حالانکہ صحابہ و سلف کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ تھے اور ان سب کو مومن سمجھا گیا البتہ جو لوگ اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں غلط باتوں کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ مومن نہیں ہیں۔

اسلام کے آسان و کھل ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ضحاک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنا عرض کیا ان کے علاوہ بھی کچھ نماز ہے؟ فرمایا نہیں ہاں نفل پڑھو تو اختیار ہے پھر آپ نے فرمایا رمضان کے روزے عرض کیا اس کے علاوہ بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں ہاں! نفل روزے رکھو تو اختیار ہے پھر آپ نے زکوٰۃ کا فریضہ سمجھایا عرض کیا اس کے سوا بھی کچھ دینا فرض ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں ہاں! نفل صدقہ دو تو اختیار ہے یہ سن کر حضرت ضحاک یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ واللہ! نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ اس سے کم کروں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ شخص صلاح پانے والا ہے اگر سچا ہے۔

جب اسلام کا صرف اس قدر حصہ بھی صلاح و نجات کا آخرت کے لیے کافی ہو گیا تو اسلام کے آسان ہونے میں کیا شک و شبہ رہا۔
(۲) دین اسلام یہ نسبت دیگر ادیان عالم کے آسان اور کھل اصولوں سے پہلی امتوں کے سخت احکام اس امت سے اٹھا دیے گئے ہیں مثلاً پہلے کسی کبیرہ گناہ کی معافی تھی کہ ہوتی تھی اس امت میں توبہ سے ہو جاتی ہے جو اقلاع دند و عزم علی التوکل کا نام ہے پہلے نجاست کاٹ چھانٹ سے پاک ہوتی تھی اب دھوئے سے ہو جاتی ہے پہلے یحیٰ بنیام باللہ سے نکلنے کی کوئی صورت تھی اب کفارہ یحیٰ بنیام کی صورت چتر قرار پائی پہلے حالب اضطراب میں بھی اکل میتہ کے ذریعہ زندگی نہیں بچائی جاسکتی تھی اب جائز ہے وغیرہ۔

اسلام میں کسی کو قدر استطاعت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دی گئی یہ بھی سیر و سہولت ہی کی شان ہے خطا و نسیان اور دل کے خطرات و وساوس پر اسلام میں کوئی مواخذہ نہیں۔
نماز جیسے ہمہ اہم باتشان فرض کی ادائیگی میں یہ سہولت دی گئی کہ کسی بیماری و معذوری کے سبب قیام نہ ہو سکے تو بیٹھ کر وہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر پڑھ لے اور زیادہ حرکت نہ کر سکے تو سر کے اشارے ہی سے پڑھ لے پانی نہ ملے تو بجائے وضو کے تیمم کر لے! حالت سفر نماز میں قصر اور روزہ کا اظہار شروع ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کو جس طرح عزیضوں پر عمل کرنا پسند ہے یہ بھی اس کو محبوب ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں اور سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۳۔ دین کا علم رکھنے والے اس کی سہولتوں سے واقف و مستفید ہوتے ہیں! جاہل ناواقف محروم رہ کر تنگی و سختی محسوس کرتے ہیں لہذا علم و دین حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

۴۔ اس جملہ سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ تم جن اعمال دین کے پہ نص صریح ہے تاویل متکلف کئے گئے ہو وہ سب کھل ہیں اور ان کی تعداد بھی کم ہے اور اکثر اعمال وہ ہیں جن میں تاویل کا احتمال ہے لہذا یہ بھی خدا کی طرف سے تسہیر و تسہیل ہی ہے! اس کی مثال مشہور حدیث بنی قریظہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم سب جاؤ اور عصر کی نماز بنی قریظہ ہی پہنچ کر پڑھنا پھر ان لوگوں کو نماز عصر کا وقت راسنہ ہی میں ہو گیا کچھ نہ کہا! تم راستہ میں نماز عصر نہیں پڑھیں گے بعض نے کہا ہم پڑھیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد تھا جو تم سمجھے ہو وہاں پہنچو کہ سارا واقعہ آپ کی خدمت میں عرض کیا! آپ نے کسی کو غلطی پر نہیں بتایا! کیونکہ ہر ایک جماعت نے قابل تاویل حکم سے ایک ایک بات سمجھ کر اس پر عمل کر لیا تھا! غرض بہت سی آیات و احادیث پر عمل میں بہت توسع ہے! کیونکہ ان میں احتمال

تاویل موجود ہے اور ایسے ہی مواقع میں اختلاف امت رحمت ہے۔ (اس قسم کے مسائل نیز قیاس و اجتہاد کے ذریعہ ثابت شدہ مسائل ائمہ مجتہدین کی فقہ میں مدون ہو چکے ہیں جس فقہ پر بھی کسی کا عمل ہوگا وہ قرآن و سنت ہی پر عمل سمجھا جائے گا لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی شخص اپنی نفسانی خواہشات کے تحت کچھ مسائل ایک فقہ کے اختیار کر لے اور کچھ دوسری کے)۔

۵۔۔۔ دین سے مراد اذعان و استسلام ہے یعنی ایمان و یقین محکم اور اپنے کو کلی طور پر خدا کے سپرد کر دینا اس میں کوئی دشواری نہیں ہے نہ یہ کوئی جوارح کا دشوار و شاق عمل ہے نہ صرف عمل قلب ہے۔

۶۔۔۔ دین آسان ہے اس حیثیت سے کہ آدمی اس کے مقتضیات پر عمل کرے اور دنیا کے کاموں کی حرص اور بڑی لمبی امیدیں نہ باندھے جن کی وجہ سے دین پر عمل میں بھی دشواریاں آتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب صبح کرو تو شام کی فکر مت کرو تو صبح کی فکر میں مت پڑو یعنی خواہ مخواہ لمبی امیدیں مت باندھو مختصر عطاء حق زندگی کے ساتھ زبرد و تدوین کا حصول آسان ہوتا ہے اسامہ رضی اللہ عنہ نے کوئی چیز ایک ماہ کے ادھار پر خریدی یا بیچی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسامہ تو بڑی لمبی امیدیں باندھنے والا ہے۔

۷۔۔۔ دین آسان ہے اس حیثیت سے کہ وہ خدا کی رضا جوئی کا نام ہے جس سے ایک مسلمان اعلیٰ مقامات و درجات سے سزا لکھیں تک پہنچ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ سے فرمایا اگر تم اپنے اعمال خیر محض خدا کی رضا مندی کے یقین پر کر سکو تو بہت اچھا ہے ورنہ تکالیف و خلاف فتنابا توں پر صبر کرنا ہی تمہارے لئے خیر کثیر ہے۔

۸۔۔۔ دین سے مراد صرف قوت یقین ہے کہ اس سے بھی اعلیٰ درجات قرب و مقامات قبول خداوندی حاصل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کے متعلق فرمایا کہ وہ تم سب سے بڑھ کر کثرت صلوٰۃ و صوم افضل نہیں ہے بلکہ اس چیز کے باعث جو ان کے دل میں مضبوط پینہ لگی ہے اور وہ چیز قوت یقین ہی تھی اس کی وجہ سے دین پر عمل کرنا بڑا آسان ہو جاتا ہے یقین کی قوت آیات و انفس میں غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے۔

۹۔۔۔ دین پر عمل اگر خالصاً لعلیہ اللہ ہو تو اس کی وجہ سے طاعت و عبادت میں حلاوت حاصل ہوتی ہے اور اس حلاوت کی وجہ سے دین پر عمل کرنا بڑا آسان ہو جاتا ہے بعض عارفین کا قول ہے کہ مسکین اہل دنیا یوں ہی دنیا سے چلے گئے اور اصل نعمتوں کے ذائقہ سے محروم رہے پوچھا گیا وہ نعمتیں کیا ہیں؟ فرمایا کہ وہ اخلاص کے ساتھ طاعات و عبادات خداوندی ہیں جن کی حلاوت سے محروم رہے۔

اسی لئے حق تعالیٰ نے اس کی تزیین دی ہے اور نماز کی ہر رکعت میں ”ایہاک بعدو ایہاک نستعین“ پڑھنے کو لازمی قرار دیا ہے تاکہ خالص اسی کی عبادت اور اسی سے استعانت ان کا حال و قال بن جائے۔

غرض مندرجہ بالا تمام وجوہ سے دین کے آسان ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

(۲)۔۔۔ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ”ولن یشاد الدین احد الا غلبہ“

۱۔۔۔ یعنی اشیائے شہوات اختیار کرنا کہ مقصود دین پر غالب آ جانا ہو تو اس میں کامیابی نہ ہو اور نتیجہ میں دین سے مغلوب ہی ہوتا پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ جو شدت اس درجہ کی نہ ہو تو وہ اس نبی میں داخل نہیں بلکہ اس کا محمود ہونا بھی ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مومن قوی بہتر ہے مومن ضعیف سے اور یوں خیر و بھلائی دونوں میں ہے“ معلوم ہوا کہ ضعیف کا مرتبہ قوی سے گھٹا ہوا ہے کیونکہ اس کے دین میں قوت اور ہمت میں بلندی ہوتی ہے تاہم ضعیف بھی اگر بقدر استطاعت اخلاص نیت کے ساتھ دین کے ضروری احکام بجالائے گا تو وہ بھی خیر و فضیلت سے خالی نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعاً مطلوب یہی ہے کہ یقین و عمل کا کمال حاصل کیا جائے مگر شدت و سختی کیساتھ نہیں بلکہ قوت و نرمی کے ساتھ عاجزی و فروتنی کے ساتھ مثلاً یقین کا کمال تقلید سلف اور آیات و انفس میں تدبر کے راستہ سے نہیں بلکہ استدلال و

استقامت عقلیہ کے اندر قوت کے ذریعہ حاصل کرنا چاہئے تو صحیح نہ ہوگا یا عمل کا کمال فرض و مستحب کو اپنے مرتبہ میں رکھ کر اپنی استطاعت کے موافق حاصل نہ کرے بلکہ ادا مندوبات و مستحبات میں غلو و مغالیہ کی حد تک پہنچ جائے اس سے بھی حدیث کے جملہ مذکورہ میں روکا گیا ہے۔

۲۔ مندوبات میں اس قدر تو غل و ادا کیا جائے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں غفلت پڑے درست نہیں کیونکہ سب سے بڑا اور اصلی درجہ کا تقرب الی اللہ فرائض و واجبات ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ ساری رات عبادت کروں (اور صبح کی نماز رہ جائے)

۳۔ صرف غریبوں پر عمل کرنا اور شرعی رخصتوں سے قانکہ نہ اٹھانا بھی شدت و مشادہ ہے۔

۴۔ جو شخص دین کے بغیر کتاب و سنت کے دوسرے علوم عقلیہ کے ذریعہ حاصل کرے وہ بھی مشادہ میں داخل ہے کیونکہ اس طرح حق کا پوری طرح اس پر انکشاف نہ ہو سکے گا اور دین کا حصول اس پر دشوار ہو جائے گا۔

۵۔ جو شخص دین کے تمام مسائل پر عمل اس شرط پر کرنا چاہے کہ سب صحیح علیہ ہوں تو وہ بھی ناکام ہوگا دین پر عمل دشوار ہو جائے گا کیونکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر اجماع نہیں ہو سکا۔

۶۔ جو شخص مقدورات الہیہ اور فرائض خداوندی سے دل تنگ ہو کر تسلیم و انقیاد و مبرور رضا اختیار نہ کرے گا۔ اس پر بھی دین غالب آ جائے گا کیونکہ وہ ان کو ناقابل برداشت مشقت اور دین میں شدت سمجھے گا اور ہمت ہار دے گا۔ جس کی وجہ سے مزید سخت احکام دین اس پر عائد ہوں گے جیسے بنی اسرائیل کو جہاد کا حکم ہوا تو ان پر گمراہی گزرا اپنے نبی سے کہا کہ آپ اور آپ کا رب چاکر کافروں سے لڑیں ہم یہاں بیٹھیں گے تو اس کی سزا میں چالیس سال وادی تیار میں بیٹھنے پھرے حتیٰ کہ بہت سے بوڑھے و بچے مر گئے اور بچے جوان ہوئے اور جولوگ مصائب و شدائد پر صبر کرتے ہیں اور ہر حال میں اذعان و تسلیم کا تیرہ اختیار کرتے ہیں ان پر خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

غرض مقدر و مقدر تو بدل نہیں سکتے اس لئے دین میں شدت سمجھنا یا دین کے کاموں میں شدت اختیار کرنا سخت غلطی ہے اہل سلوک کا قول ہے ”مجرى المقادير“ فان وضعت جوت و انت ماجور و انت مسخطة جوت و انت مازور یعنی تقدیری امور تو ضرور ہی پیش آ کر رہیں گے اگر تم ان سے راضی ہوئے تب بھی جاری ہوں گے اور اس صورت میں تمہیں ثواب و اجر ملے گا اور اگر تم ناخوش ہوئے تب بھی جاری ہوں گے مگر اس صورت میں تم گنہگار و مزیایاب ہو گے۔

(۳)..... قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ”فسددوا و افلاوا“

۱۔ سدا و مقاربت کبھی معنی بھی بولے جاتے ہیں مراد درمیانی حالت ہوگی کیونکہ اس کے معنی اعلیٰ سے قریب اور ادنیٰ سے اوپر کے ہوتے ہیں یا سدا سے مراد ٹھیک درمیانی حالت اختیار کرنا اور مقاربت سے مراد سدا سے قریب رہنا ہے اول مرتبہ تسدید کا ہے دوسرا تقریب کا۔

۲۔ سدا سے مراد اصلاح حال ہے کہ نفس کو تسلیم و انقیاد کا خوگر کیا جائے اور مقاربت اس سے قریبی حالت اختیار کرنا جب کہ سدا کا مقام حاصل نہ کر سکے۔

۳۔ سدا سے مراد یہ ہے کہ اپنے نفس کے اصلاح اتباع سنت سے کی جائے مقاربت سے مراد اس سے قریب رہنا جبکہ سدا دشوار ہو اگر مقاربت بھی نہ ہو سکے تو اس کو اصلاح کرنے کے لئے نفس کا عیادہ کرو۔

۴۔ تسدید سے مراد نفس کو لمبی امیدیں باندھنے سے روکنا ہے امیدوں کو مختصر کرنا خیر سدا ہے مقاربت کے معنی یہ ہیں کہ اگر سدا کا اعلیٰ مرتبہ حاصل نہ ہو سکے تو اس سے قریب تو رہو ایسا نہ ہو کہ اس اعلیٰ مرتبہ سے دور ہو کر پیچھے رہ جاؤ بڑی محرومی ہے۔

۵۔ تسدید سے مراد حقیقت رضا کی تحصیل ہے اور مقاربت سے مراد صبر علی اللہ الہ ہے۔

۶۔ ترک حظوظ ولذات نفسانی کے عمل خیر میں لگدہا ہوا گرنہ ہو سکے تو ریاضات و عبادات کے ذریعہ اس درجہ کا قرب حاصل کر دو وغیرہ۔
(۴)..... قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ”واپشروا“

۱۔ بشارت کا تعلق عمل تسدید و تقریب سابق سے ہے اور بشارت دو قسم کی آتی ہیں ایک معلوم و محدود کہ ایک نیکی پر دس گنا ثواب ستر گنا، سو گنا، سات سو تک اس کے بعد واللہ یضاعف لمن یشاء (جس کو خدا چاہے اس سے زیادہ دے سکتے ہیں) یا فرمایا ویزید ہم من فضلہ (اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہے جتنا زیادہ دے دیں یہ تو ایک طرح کی تعین کی صورتیں ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس کی تعین و تحدید کچھ بھی نہیں کی گئی، مثلاً فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون (ان لوگوں کے نیک اعمال پر جو کچھ اجر و ثواب اور آنکھوں کو نہ دیکھ سکا پہچانے والی عجیب و غریب نعمتیں ہم نے چھپا رکھی ہیں ان کو ہمارے سوا کوئی نہیں جانتا یہاں دونوں قسم کی بشارت مراد ہو سکتی ہے۔ واللہ ذو الفضل العظیم

۲۔ یہاں بشارت نوافل و مستحبات اعمال پر ہے کیونکہ کمال فیض و واجبات پر تو کتاب و سنت میں بہ کثرت وعدہ اجر و ثواب وارد ہے اسی کو یہاں سے مراد لینا تحصیل حاصل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر فرض کے بعد اگر تھوڑا بھی نوافل کا اہتمام مداومت و پابندی کے ساتھ ہوگا تو وہ بھی زیادہ ثواب و فضل خصوصی کی بشارت کا مستحق ہے۔

۳۔ مراد یہ ہے کہ تھوڑے عمل پر بھی استقامت کر کے بشارت ناممکن ہے وہی خدا کی خاص رضا کا مستحق بنائے اخلاق و انابت الی اللہ بہت بڑی چیز ہے حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ بعض گناہ بھی دخول جنت کا سبب ہوں گے جس کی شرح علماء نے یہ کی کہ بعض دفعہ گناہ کے بعد ندامت و توبہ نصوح اس درجہ کی ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کو وہ عاجزی و انابت پسند آ جاتی ہے اور جنت کا مستحق بنا دیتا ہے ایک بزرگ سالک کو الہام ربانی ہوا کہ ”ہم جس بندہ کو اپنا بنانا چاہتے ہیں اس کو (گناہوں پر) اپنا خوف و شہید دیتے ہیں اور ساتھ ہی اپنی رحمت کا اس کو امید و ابھاری بناتے ہیں اس طرح وہ ہم سے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے اور جس بندہ کو ہم پسند نہیں کرتے اس کو غافل رہنے دیتے ہیں اور وہ ہم سے دور ہی رہتا ہے۔

۵..... قولہ علیہ السلام ”واستعینوا بالغلدة والروحة و شیء من الدلجة“.

۱۔ استعانت یہاں دو قسم کی ہے ایک زمانے سے دوسری عمل سے زمانے سے اس طرح کہ صبح و شام اور آخر شب کے اوقات اعتدال ہو و نشاط کے ہیں اور نشاط و رغبت کے وقت عبادت میں حضور قلب و دل جمعی بھی زیادہ ہوگی جو عند اللہ بھی زیادہ قبولیت کا باعث ہوگی اسی لئے صبح و شام کے اوقات میں خدا کے پکارنے والوں کی مدح قرآن مجید میں آئی ہے۔ واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشیٰ یریدون وجہہ اور آخر شب میں ذکر توبہ و استغفار کرنے والوں کے لئے نزول رحمت و مغفرت کا خاص وعدہ حدیث میں وارد ہے۔ استعانت بالاعمال کا ثبوت قرآن مجید کی آیت واستعینوا بالصبر والصلوة وغیرہ سے ہے غرض ان خاص اوقات کو اگر انواع عبادات سے معمور کیا جائے گا خواہ وہ اعمال مقدار و وقت کے لحاظ سے کم ہی ہوں موجب بشارت ہوں گے۔ نماز کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ وہ افضل عبادات دین کا ستون اور دین میں اس کی حیثیت بمنزلہ راس المن الجسد ہے تو افضل طاعات پر بشارت بھی عظیم القدر ہوگی۔

۲۔ ایک قول یہ ہے کہ غدرہ سے چاشت کی نماز زور و جہد سے ظہر و عصر کے درمیان کی نماز اور دلچسپی سے آخر شب کی نماز مراد ہے۔ ان اوقات کے نوافل سے چونکہ اصلاح حال اور تقرب خداوندی میں استعانت ہوتی ہے اس لئے ان کے اہتمام کے لئے ترغیب دی گئی۔

۳۔ استعانت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان اوقات میں طاعات کا اہتمام کرے گا اس کے لئے دوسرے اوقات میں باقی امور دین کی ادائیگی آسان کر دی جائے گی اور اس کے ایمان و یقین میں قوت عطا ہوگی بلحاظ قتل کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے دین کی تکمیل کے لئے ایسے امور سے مدد لے جن کی طرف رہنمائی کی گئی ہے اور اپنے نفس کے محاسبہ سے غافل بھی نہ ہو اور دین کے کاموں میں شدت بھی اختیار نہ کرے۔

۴- استقامت کا یہاں مقصد یہ ہے کہ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی خصوصی توجہات و نجات کی امید لگائی جائے، حدیث میں ہے ”الا ان لوبکم فی ایام دھرہ نجات الا نضر ضوالہا“ (دیکھو تمہارے رب کی طرف سے خاص خاص اوقات میں خصوصی رحمت و کرم کی ہوا میں چلتی ہیں ان سے تمہیں بہرہ اندوز ہونا چاہئے)۔

۵- ایک مطلب یہ ہے کہ جس پر دینی اعمال میں دشواری ہو اس کو چاہئے کہ رب جلیل کے دروازے پر ان خاص اوقات نزول رحمت میں حاضری دے، اس سے اس کو نفس و شیطان اور دوسرے موانع خیر کے مقابلہ میں مدد ملے گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو آنے والے فتنوں کی خبر دی تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے نجات کی صورت کیا ہوگی؟ تو آپؐ نے فرمایا ”النجاء الی الایمان و الاعمال الصالحات“ (ایمان و اعمال صالحہ کی پناہ لیما لہذا اس زمانے میں کہ فتنوں کی کثرت ہو گئی ہے اس لئے نجات سے قاعدہ اٹھانا چاہئے)۔

۶- مقصد ترغیب و تحریض ہے کہ ان اوقات میں حق تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق و رابطہ قائم کیا جائے تاکہ مشکلات و پریشانیوں کے وقت اس کی مدد تمہارے شامل حال ہو۔ حدیث میں ہے کہ جس کو دعا کی توفیق مل گئی اس کے لئے تمام نیکیوں کے دروازے کھل گئے اور حدیث قدسی میں ہے کہ ”جس کو میری یاد یا خداوندی بات کے سوال سے مشغول کر دے اس کو میں سوال کرنے والوں کی نسبت سے زیادہ اور اچھا دیتا ہوں“۔ اوپر علامہ محدث ابن ابی جریرہ کی طویل شرح کا خلاصہ درج کر دیا گیا کیونکہ حدیث الباب کا مضمون نہایت اہم تھا اور عربی شرح میں بھی اس پر بہت کم لکھا گیا تھا پھر اردو میں تو کہیں اس کی تشریحات نظر سے گزری ہی نہ تھیں۔

افادات انور

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے خصوصی افادات پیش کئے جاتے ہیں فرمایا قرآن مجید میں یہودیت و نصرانیت کو حقیقت کے مقابل ذکر فرمایا۔ قالو اکونہوہا او نصاریٰ یتہندو ا قل بل ملۃ ابراہیم حنیفا۔ پس یہودیت و نصرانیت کی مذمت فرمائی اور حقیقت کی مدح فرمائی حالانکہ وہ دونوں بھی ادیان سناویہ میں سے تھے اس اشکال کا حل میرے نزدیک یہ ہے یہودیت و نصرانیت دراصل اتباع توریت و انجیل کا مرادف ہے اور چونکہ ان دونوں کتب سماویہ کی ان کے متبعین نے تحریف کر دی تو اب یہ دونوں القاب بھی اس تحریف شدہ تورات و انجیل کے اتباع ہی پر بولے گئے لہذا ان کی مذمت اور حقیقت سے ان کا مقابلہ بھی صحیح ہو گیا۔

سب سے پہلے حنیف حضرت ابراہیم کا لقب ہوا ہے کیونکہ وہ کفار کی طرف مبغوث ہوئے تھے بخلاف حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرف مبغوث ہوئے جو نہا مسلمان تھے اسی لئے اگرچہ وہ بھی یقیناً حنیف تھے مگر یہ لقب ان کو نہیں ملا۔ حق تعالیٰ نے سب لوگوں کو حنیف ہی کی دعوت دی ہے ”وما امر و الا لیعبدا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے الملل و النحل میں دیکھا کہ حنیف صابی کا مقابل ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حنیف معترف و مقربوت ہوتا ہے اور صابی منکر نبوت ہوتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی غلطی

حافظ ابن تیمیہؒ کے سامنے صابی کی بحث کئی جگہ آئی مگر انہوں نے کسی جگہ شخصی بحث یا نہیں لکھی ایک جگہ لکھا کہ قوم سرور صابی تھے ان میں فلسفہ تھا اور ان ہی سے فارابی نے فلسفہ سیکھا ہے پھر آیت ان الذین آمنوا والذین ہادوا والنصارى والصابین من امن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلہم اجر ہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (آیت نمبر ۶۲ بقرہ) پر گزرے اور

چونکہ صائبین کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی اس لئے اس کی تفسیر صائبین کو مؤئین قرار دیا وہ سمجھے ہیں کہ جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی یہودیت و نصرانیت کے باوجود اپنے زمانہ میں مومن تھے ایسے ہی صائبین بھی باوجود اپنی صائبیت کے اپنے زمانے میں مومن تھے حالانکہ صائبین کی وقت بھی ایمان نہیں لائے کیونکہ ان میں سے ایک فرقہ کا عقیدہ تو فلاسفہ کے طریقہ پر اول مادی پر تھا دوسرا فرقہ نجوم کی پرستش کرتا تھا تیسرا فرقہ بت تراش کر ان کی عبادت کرتا تھا (کمافی روح المعانی و احکام القرآن للخصاص)

غرض علماء نے صائبین کے حالات پر تفصیل سے بحث کی ہے ان کے احوال و عقائد کتب میں نہیں رہے اور سب میں سے اچھی محققانہ اور کافی ثانی بحث امام ابو بکر خاص نے تین جگہ اپنی تفسیر میں کی ہے اور ابن ندیم نے فہرست میں بھی خوب لکھا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ صائبین اپنی مختصر عبادت اور شیطانی توہیات پر عقیدہ کرتے تھے اور اگر چہ ان کے یہاں کچھ باتیں نبوت کی بھی تھیں مگر وہ کسی خاص نبی کا اتباع نہیں کرتے تھے۔

تو جب کہ حسب تحقیق علماء متعین صائبین منکر نبوت اور غیر اللہ کے پرستار رہے ہیں تو ان کو حافظ ابن تیمیہ کا مؤئین قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ علماء نے من امن باللہ میں مراؤں یؤمن لیا ہے۔ یعنی ان میں سے جو مستقبل میں اس طرح ایمان لائے گا ان تک بظاہر ان الدین امنوا سابق سے نکرانہ لازم آئے۔

میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ دوسرے جملہ ”من آمن باللہ“ کو بطور استئناف مانا جائے جس طرح نحو میں لفظ اما کے ذریعے استئناف ہوا کرتا ہے (مثلاً اما علما فلکذا و اما عملا فلکذا وغیرہ)

فرمایا کہ صابی کے معنی ہیں ”ہنا ہوا اور پھر ہوا راہ سے“ (اس کا مقابلہ حنیف ہے سیدھا ایک جانب دین حق کی طرف چلنے والا کہ دوسرے جوانب و اطراف کی طرف رخ نہ پھیرے) حافظ ابن تیمیہ کی چونکہ عربیت ناقص ہے اس لئے انہوں نے صابی کے معنی و حقیقت کو

سہ صاحب ”ترجمان القرآن“ کے مطابق ”صدت ادیان“ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے آیت مذکورہ کے ترجمہ مندرجہ صفحہ ۱/۳۳۷ میں بھی انہوں نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ صائبین کو ملت حقمان کر لکھا کہ ”ان میں سے کوئی ہوادری گروہ بندی میں سے ہو لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان اور عمل صالح کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا اس کے لئے تو کسی طرح کا کھٹا ہوگا نہ کسی طرح کی غلطی“ ممکن ہے مودانا کو صائبین کے بارے میں یہ مغالطہ حافظ ابن تیمیہ کی ہے۔ یہ بھی ہوا ہو کیونکہ وہ ان کے غالی معتقد تھے ہم لوگ بھی حافظ ابن تیمیہ کے مغلطہ اور جملات قدر کے بڑے متصرف ہیں مگر ان کے تفرواٹ پر نہیں جاتے اور ”الحق حق“ پر عمل کرتے ہیں حضرت شیخ الہند نے فائدہ شجر پر فرمایا صائبین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کر لیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زیور پہنتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں“ غرض آیات میں صائبین کا ذکر بطور ملت حقہ نہیں ہوا کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ یہود و نصاریٰ کی طرح گروہ بھی اپنے اصل دین کی صداقت پر قائم ہو جائیں تو ناجی ہوں گے اگرچہ خود یہ اصول بھی کچھ نہیں کیونکہ اسلام نے تمام ادیان و مذہب حق و غیر حق کو منسوخ کر دیا ہے نہ کسی سابق دین کی اصل صورت و حقیقت اب باقی رہی ہے۔ سہ راہم الحرف غرض کرتا ہے کہ صاحب ترجمان القرآن کی بھی چونکہ عربیت قاصر ہے اس لئے ہم نے فہم فساد کا ترجمہ حال کردہ دربر ہیں کہ جب کہ عربی زبان میں فاعل نہیں ہوتی اسی طرح یہ کلمہ عین ساق کی تفسیر کرتے ہوئے شافعی ساق سے مراد لکھ دہشکین کی سیاسی ذلت و نا کامی فتح مکہ کے موقع کی لی ہے اور شافعی ساق کا محاورہ جنگ کی شدت سے لیے ہو حال لکھا اس آیت میں نہ کشف حزب عن الساقی وائے محاورہ سے کچھ تعلق ہے نہ کسی منفر نے اس طرح تفسیر کی اور کہا ہر شین نے بھی اس کو حق امت کے دن کا حال بتلایا ہے نہ فتح مکہ کا اسی طرح آیت فقہت قبضہ من الہ الرسول الخ کا ترجمہ کہ ”میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اور اور نے نہیں دیکھی اس لئے (اللہ کے) رسول کی پیروی میں میں نے بھی کچھ دیکھا یا پھر چھوڑ دیا اور شروع اس طرح کی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا تو دین حق سے کیوں ہل گیا؟ تو اس نے کہا میں نے اللہ کے رسول کی (یعنی آپ کی) ایک حد تک پیروی کی کیونکہ جو بات میری قوم کے دوسرے آدمی نہ پاسکتے تھے میں نے پائی تھی مگر پھر میں نے آپ کا طریقہ چھوڑ دیا“۔ ترجمان القرآن صفحہ ۲۵۶/۲

اس میں ایک تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بحالت خطب ثانیہ پر قرآن دوسرے فقہت قبضہ کا ترجمہ رسول کی پیروی میں کچھ دیکھا تھا عربی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے صحیح ہے نہ کسی منفر نے ایسی تفسیر کی ہے تفسیر ابن کثیر روح المعانی وغیرہ میں پورا واقعہ مستند طریقہ سے بہ تفصیل نقل ہوا ہے وہاں دیکھا جائے۔ واللہ اعلم۔

صحیح طور سے نہیں سمجھا اور فلسفی سے اس کو دین سادہ کا ایک فرقہ اور مومن قرار دیا ہے۔

حدیث الباب کی اہمیت

حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث الباب نہایت اہم اور طویل القدر حدیث ہے پھر ہر جملہ کاردار و زبان میں اس طرح ترجمہ و مطلب بتلایا "لن یسجد اللہین" کوئی شخص سخت نہیں پکڑے گا دین کو مگر کہ دین اس پر غالب آنے کا مثلاً احتیاط ہی پر عمل کرے یا پڑے یا چند جیسا بننے کا زم رکھتا ہو یا نہ چاہئے بلکہ کبھی رخصت پر کبھی جواز پر اور کبھی عزیمت پر بھی عمل کرنا چاہئے۔ "سجدوا" سداً بالفتح سے مشتق ہے "میانہ روی اختیار کرو سداً بالکسر سے نہیں ہے جس کے معنی ڈاٹ کے ہیں۔ "قاروا" بلند پروازی مت کرو پاس پاس اور نزدیک آ جاؤ اور جس قدر ہو سکے عمل کرو "واجرؤا" یعنی جس قدر عمل ہو سکے اسی کے مطابق خدا سے توقع رکھو۔ سنا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بیعت کرنے کے وقت سنایا کرتے تھے اور بالغہ وۃ والروحہ سے مراد صبح و شام و آخر خلیل کے اوقات میں ذکر الہی کرنا بتلاتے تھے اگرچہ حدیث کار و رد جہاد کے بارے میں ہوا ہے اسی طرح غزوہ کے معنی اگر چہ جنگ کے وقت چلنے کے ہیں مگر یہاں نماز صبح سے قبل و بعد ذکر کرنا ہے اور روحہ کے معنی اگرچہ بعد زوال چلنے کے ہیں یہاں مراد عصر کے بعد کچھ ذکر کرنا ہے اور شیء من اللہ لہجہ مراد آخر شرب میں تہجد ذکر اذکار اور رحیمین صمیمین وغیرہ کا ورد ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حدیث الباب کی شرح میں ایک جگہ نظر سے گذرا کہ میاں دودی و استقامت چونکہ بہت دشوار ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "شہینی ہود" فرمایا تھا کہ اس سورت میں فلاسظم کچھ امور کا حکم نازل ہوا ہے مگر یہ طریق استدلال کمزور ہے عامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بھی جگہ اس پر بحث کی ہے۔

آپ نے ابتداً سورہ میں تحریر فرمایا کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ پر پڑنا ہے آپ کے آثار بہت جلد ظاہر ہو گئے؟ اس پر آپ نے فرمایا "مجھے سورہ ہود واقعہ، مرسلات، م، ہذا لون اور اذ الفس کورت نے بوڑھا کر دیا حضرت عمرؓ کے عرض کرنے پر سورہ ہود کے ساتھ صرف م، واقعہ اور اذ الفس کورت کا ذکر فرمایا ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ قبل از وقت بوڑھا کرنے والے اسباب وہ ہیں جن کا ذکر ان سب سورتوں میں ہوا ہے اور استقامت کا حکم چونکہ صرف سورہ ہود میں ہے۔ اس لیے اس کو خاص کرنا صحیح نہیں،

لہذا وہ مشترک ذکر شدہ امور اہوال یوم قیامت اور اخبار بلا کلام و غیرہ ہو سکتے ہیں اور اسی کی تائید دوسرے آثار سے بھی ہوتی ہے، پھر علامہ آلوسی نے یہ بھی لکھا کہ بعض سادات صوفیہ نے ابوعلی شتری کی ایک منائی روایت پر مبنی کہ اسے استقامت والی بات کو خاص سمجھا لیا ہے، جو اس طرح ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں عرض کیا کہ آپ سے جو "شہینی ہود" والی روایت ہے

سنے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ایک حکایت منقول ہے کہ غلیظہ مامون نے ایک حدیث پڑھی جس میں سداً عن بعض بکسر سین تھا مگر اس نے سداً عن سین پڑھا حضرت حماد نے فرمایا کہ اس کا کچھ لفظ یہاں سداً ہے مامون نے کہا کہ تودہ لاؤ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اصحابونی و ای فی اصحابوا یوم کربہ و سداً شہر

مامون اس اصلاح سے بہت خوش ہوا اور حضرت حماد کو پاس بزار دیا یہ کار تھ لکھ کر ایک عامل (گورنر) کے پاس بھیجا اس عامل نے خط پڑھ کر دریافت کیا کہ آپ کو یہ انعام کس بات کا ملا ہے؟ آپ نے قصہ بتلایا تو اس نے نہیں بزار دیا کہ اس کا اضافہ کر کے ان کی خدمت میں اسی بزار دے چکے ہیں یہی اس اور غیر مصلاح میں علم و حکم کی دھت و قدر و کرد و عطاء آج کی طرح دست و پا دوا کر کے علم و حکم کو بکلی نہیں کرتے تھے۔

کیا وہ صحیح ہے، فرمایا۔ صحیح ہے، میں نے عرض کیا آپ کو اس سورت میں سے کس امر نے بوڑھا کیا قصص انبیاء سابقین اور ہدایت ام نے؟ فرمایا۔ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم فلاستقم کما امرت نے۔ (تہذیب فی شعب الایمان)

علامہ نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ جن چیزوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بوڑھا کیا وہ جنس استقامت نہیں، بلکہ دوسرے امور بھی ہیں جو سورہ ہود اور دوسری سورتوں میں مذکور ہیں، جو آپ کے منصب رفیع اور مرتبہ عظیم کے لحاظ سے آپ کے قلب مبارک کو متاثر کرنے والے تھے اور جن کو صحابہ خود ہی سمجھتے تھے، اسی لیے کسی نے آپ سے سوال نہیں کیا۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ استقامت والی بات ہی سب صحابہ سمجھتے ہوئے تھے، اس لیے کسی نے سوال نہیں کیا اور صرف ابوعلی کو شک وترد تھا، انہوں نے سوال کر لیا تو اس کو تسلیم کر لینے پر بھی یہ اشکال باقی رہے گا کہ صحابہ نے دوسری سورتوں کے بارے میں کیوں سوال نہیں فرمایا جب کہ ان میں استقامت کا ذکر نہیں تھا، بلکہ صرف اہوال قیامت و ہلاک ام کا ذکر تھا؟ اگر کہا جائے کہ صحابہ کو یہ معلوم تھا کہ سورہ ہود میں تو بوڑھا کرنے والا سبب امر استقامت ہے اور دوسری سورتوں میں ذکر قیامت و ہلاک ام ہے، تو صحیح اہل علی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب مکمل نفی والا اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک سورت سے جو بڑھاپے کا سبب مفہوم ہوتا تھا، اس کو بیان فرما دیا دوسری سورتوں والے اسباب سے تعرض نہیں فرمایا تو یہ تو جہ بھی جس درجے کی ہے ظاہر ہے۔

بہر حال مذکورہ منافی روایت پر اگرچہ ابوعلی سے اس کی روایت درست بھی ہو اعتماد کرنا مناسب نہیں اور خواب دیکھنے والے پوری طرح بات یاد نہ رکھنے یا دیکھی ہوئی بات کو زیادہ تحقیق طور پر مضبوط نہ کر سکنے کی تاویل کر لینا، اس سے بہتر ہے کہ روایت منافی کو صحیح مان کر اس کے معانی و مطالب میں تاویل و توجیہ کا تکلف کیا جائے۔ (روح المعانی ص ۱۱۰، ۱۱۱)

علامہ آلوسیؒ سے آگے آیت ”فلاستقم کما امرت“ پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کلمہ جامعہ ہے، جس کے تحت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ایسی صورتیں نظر آتی ہیں جو ہر معاملہ میں استقامت اور افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی خط پر چلنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، خواہ وہ امور علم و عمل سے متعلق ہوں یا عقائد و اعمال سے امور علم امت سے متعلق ہوں یا خاص آپ کے ذاتی معاملات سے مثلاً تبلیغ احکام، قیام بوظاہر نبوت، ادراج رسالت میں تحمل، شاق و مشکلات وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ اس قدر اہم اور عظیم القدر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا حق تعالیٰ ہی کی توفیق و نصرت سے ممکن تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت متفکر، دائم الحزن اور ذمہ داریوں کے بوجھ میں دبے رہتے تھے اور یہ امر بھی آپ کو بوڑھا کر دیتے والا ضرور تھا، اسی لیے جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا ہشمو و ہشمو (مستعد ہو جاؤ کمر بستہ ہو جاؤ) کیونکہ آپ کے بعد ان سب ذمہ داریوں کا بوجھ آپ کے صحیح چاشنیوں پر پڑنے والا تھا، یہی بھی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ کو کبھی ہشتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت اس استقامت والی آیت سے زیادہ بھاری اور آپ کو فکر و مشقت میں ڈالنے والی نہیں اتری۔

یہ سب صحیح ہے مگر جن مفسرین نے استقامت کی دشواری پر حدیث مشہور ”شیعتی ہود“ سے استدلال کیا ہے وہ ظاہر و قوی نہیں، کیونکہ دوسری بہ کثرت احادیث میں دوسری سورتوں کا بھی ذکر موجود ہے، اسی لیے صاحب کشف نے کہا کہ (تہذیب کے لیے) آیت استقامت کی وجہ سے سورہ صود کی تفسیریں بظاہر درست نہیں کیونکہ دوسری احادیث مرویہ میں استقامت کا ذکر نہیں ہے اور قوت القلوب میں ہے کہ زیادہ ظاہر اور کھلی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر اہوال قیامت نے بوڑھا کر دیا تھا اور گویا آپ نے اس ذکر ہی کے ضمن میں

اس روز قیامت کے پورے اہوال و مصائب کا مشاہدہ فرمایا تھا جو سب ارشاد باری تعالیٰ بچوں کو بوزھا کر دے گا۔ (روح المعانی ص ۱۵۲) مذکورہ بالا قسم کے حدیثی انبیاٹ کو شاید کوئی صاحب طوالت کا نام دیں مگر امید ہے کہ اکثر ناظرین اور مشائخ علم نبوت ان سے محفوظ و مستفید ہوں گے اور اندازہ لگائیں گے کہ علم حدیث کی خدمت میں کسی کیسی موشگافیاں اور دیدہ ریزیاں علماء امت نے کی ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ کسی ایک آیت یا حدیث پر بھی اگر سیر حاصل بحث ہو سکے اور اس کے متعلق پورے مباحث ہم پیش کر سکیں تو ایسی کاوش کو ناظرین یقیناً قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ و ما توفیقنا الا باللہ۔

باب الصلوٰۃ من الایمان و قول اللہ تعالیٰ و ما کان اللہ لیضع ایمانکم یعنی صلواتکم عند البیت (نماز ایمان کا ایک شعبہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تمہارے ایمان کو سناخ کرنے والا نہیں یعنی تمہاری ان نمازوں کو جو تم نے بیت اللہ کے پاس بیت المقدس کی طرف منکر کے پڑھی ہیں)

۳۹ حدثنا عمرو بن خالد قال ناظر ہیر قال ناظر اسحاق عن البراء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اول ما قدم المینۃ نزل علیٰ اجداده اوقال اخوالہ من الانصار وانه صلی قبل بیت المقدس ستۃ عشر شهراً او سبعة عشر شهراً وکان یعجبہ ان تكون قبلتہ قبل البیت وانه صلی اول صلوٰۃ صلاھا صلوٰۃ العصر و صلی معہ قوم فخرج رجل ممن صلی فمر علی اهل مسجد وھم را کھون فقال اشھد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مکۃ قد را کھما ہم قبل البیت وکانت اليهود قد اعجبھم اذ کان یصلی قبل بیت المقدس و اهل الکعب فلما ولی وجھہ قبل البیت انکرو وذلک قال زھیر حدثنا ابو اسحاق عن البراء فی حدیثہ هذا انه مات علی القبلۃ قبل ان تحول رجال و قتلوا فلم ندر ما نقول فیھم فانزل اللہ تعالیٰ و ما کان اللہ لیضع ایمانکم۔

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے اپنے ناہال میں اترے جو انصار تھے اور وہاں آپ نے ۱۶ یا ۱۷ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منکر کے نماز پڑھی اور آپ کی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو (جب بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا) سب سے پہلی نماز جو آپ نے بیت اللہ کی طرف پڑھی عصر کی تھی آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی پڑھی پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک آدمی نکلا اور اس کا گزر رائل مسجد (یعنی حارثہ جس کو مسجد قبلیس کہتے ہیں) کی طرف سے ہوا تو وہ کروغ میں تھے وہ بولا کہ میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف منکر کے نماز پڑھی ہے (یہ سن کر وہ لوگ اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف گھوم گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے یہود اور یہودیائی خوش ہوتے تھے پھر جب بیت اللہ کی طرف من پھیر لیا تو انہیں یہ امر ناگوار ہوا۔

زہیر (ایک راوی) کہتے ہیں کہ ہم سے ابو اسحاق نے براء سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ قبلہ کی تبدیلی سے پہلے کچھ مسلمان انتقال کر چکے تھے تو ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کی نمازوں کے بارے میں کیا کہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

تشریح: پہلے باب میں بتلایا تھا کہ دین آسان ہے یہاں دین کے ستون کا ذکر فرمایا جو سب سے بڑا ترقی ایمان و اسلام کا سبب ہونے کے باوجود آسان و سہل بھی ہے کیونکہ دن و رات میں گھنٹہ سوا گھنٹہ کا عمل ہے اور اس میں کوئی خاص مشقت جسمانی بھی نہیں پھر اس میں سفر و بیماری وغیرہ حالات میں سہولتیں بھی دی گئی ہیں۔

دوسرا مقصد امام بخاری کا یہ بھی ہے کہ تمام اعمال اسلام کی طرح نماز کو بھی ایمان کا ایک جزو سمجھتے ہیں اور اس کے لیے استدلال

اختلاف ہے کہ وہ بھی وحی الہی کے ذریعہ قبلہ بناتھایا یوں ہی بنواسرائیل نے اپنی رائے سے قبلہ بنالیا تھا۔

بعض حضرات کا یہی خیال ہے کہ بیت المقدس میں کبھی قبلہ نہیں رہا۔ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ اپنی نمازوں میں مابوئٹ کا استقبال کریں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر کرائی تو اس میں بیتابوت رکھ دیا تھا اور وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ہی لیے پڑھتے تھے کہ تابوت مذکور اس میں رکھا تھا یعنی قبلہ ہونے کی وجہ سے اس کا رخ نہیں کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے اپنے اجتہاد سے قبلہ بنالیا تھا۔

حافظ ابن قیم کی رائے

حافظ ابن قیم نے بھی ہدایہ النبیاری میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے مگر یہ رائے قلط ہے اور خود حافظ ابن قیم بھی اس کو تمام نہیں سکے وجہ یہ کہ روایت میں تصریح ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت اقصیٰ کی جگہ ایک کھوکھا کا ڈر دیا تھا اور اپنی اولاد کو وصیت فرمائی تھی کہ جب ملک شام فتح ہو تو اسی کو قبلہ بنائیں پھر کئی فرقوں کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہاں تعمیر کرائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ذبح دو ہیں حضرت اسحاق علیہ السلام جن کی قربانی بیت المقدس میں ادا کی گئی اور وہ بنی اسرائیل کا قبلہ قرار پایا، دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کی قربانی مکہ معظمہ میں بیت کے جوار میں ادا کرائی گئی، اس لیے بنی اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ قرار پایا، اس طرح انبیاء علیہ السلام کے قبضین نے بلاد کی تقسیم اپنے عمل سے کر کے الگ الگ دو قبلے بنائے اور شام کی طرف کے سب شہروں کے بسنے والوں نے بیت المقدس کو قبلہ بنالیا اور مدینہ منورہ کے ساکنین بھی اسی کو قبلہ سمجھتے تھے۔

حافظ ابن قیم کی طرف جس رائے کی نسبت راقم الحروف نے حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے لکھی ہے وہی درست ہے اور صاحب روح المعانی نے بھی آیت وما انت بتابع قبلہم کے تحت حافظ موصوف کی طرف وہی رائے منسوب کی ہے:- وذهب ابن القيم الى ان قبله الطائفتين الآن لم تكن قبله بوحى وتوقيف من الله تعالى بل بمشورة واجتماع منهم الخ (روح المعانی ص ۱۱/۲) چونکہ فیض الباری ص ۱۳۲/۱ میں اس کے خلاف رائے حافظ ابن قیم کی طرف منسوب ہو گئی ہے جب کہ میری منیہ کہ وہ تقریر درج بخاری میں دوسری بات (مع تنقید حضرت شاہ صاحبؒ) موجود ہے اور اسی کی تائید بعد کوروح المعانی کے مذکورہ بالا حوالہ سے بھی ہو گئی لہذا رافع الشبہاء کے لیے یہاں ان چند طور کا اضافہ کر رہا ہوں، واللہ اعلم۔

قبلہ کی تقسیم حسب تقسیم بلاد

اس دستور کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے بھی اور آپ کے صحابہ نے بھی ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵،

گیا ہو، جو تھے اس لیے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنی اسرائیل میں تھے اور فطریاً آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے قبلہ بیت اللہ سے قلبی علاقہ زیادہ تھا۔ (غیرہ وجوہ کو امام رازی نے بسط و تفصیل سے لکھا ہے)۔

دونوں قبلہ اصالتہ برابر تھے

غرض بخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دونوں قبلہ اصل کے لحاظ سے یکساں درجہ کے تھے، جن کی طرف حسب تقسیم بلاد قوموں نے نمازوں کے وقت رخ کیا تھا اور آپ نے بھی مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اسی تقسیم کے موافق عمل فرمایا تھا، اس لیے حافظ ابن قیمؒ کی یہ رائے صحیح نہیں کہ بیت اقصیٰ قبلہ تھا ہی نہیں اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، بیت اللہ سے چالیس سال بعد بیت اقصیٰ (مسجد اقصیٰ) کی تعمیر کا جوت بھی اس کے خلاف ہے وغیرہ۔ اسی طرح بعض لوگوں کی یہ رائے بھی صحیح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر اتنی مدت تک تالیفِ قلوب یہود کے لیے بیت اقصیٰ کی طرف نمازیں پڑھی تھیں۔

اہم علمی نکات

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال قبلہ کا حال آپ کی معراج مبارک کے حال سے مشابہ ہے، جس طرح آپ کو بیت اقصیٰ سے معراج کی ابتداء کرائی گئی اور بیت اللہ سے ابتداء نہیں کرائی گئی، اسی طرح آپ کو پہلے استقبال بیت المقدس کا حکم ہوا، پھر استقبال بیت اللہ کا ہوا، کیونکہ جائے استقرار اور معتجائے سفر بیت اللہ ہی ہے اور اس طرح سمجھنے میں رخ کے مکرر ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ایک نکتہ دوسرا ہے جو اس سے بھی زیادہ وقتی ہے کہ بیت اللہ بطور دیوان خاص ہے جو اصلی مشرق ہوتا ہے اور بیت المقدس بطور دیوان عام ہے جو بوقت ضرورت منعقد کیا جاتا ہے، اس نقطہ نظر سے سوچا جائے تو اولاً بیت اللہ کا مکہ معظمہ میں قبلہ ہونا، پھر بیت المقدس کا مدینہ منورہ میں ایک مدت ضرورت کے لیے قبلہ ہونا، اس کے بعد پھر بیت اللہ کا ہمیشہ کے لیے قبلہ قرار پانا چھٹی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، واللہ اعلم۔

تائیل قبلہ والی پہلی نماز

یہ امر زیر بحث رہا ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد سب سے پہلے کون سی نماز پڑھی گئی، امام بخاریؒ نے یہاں صراحت کے ساتھ لکھا کہ سب سے پہلی نماز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف کو پڑھی وہ نماز عصرؒ ہی اور سیر کی کتابوں میں یہ تصریح ملتی ہے کہ وہ نماز ظہرؒ تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں صورتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلی نماز تو وقت ظہرؒ ہی کی تھی لیکن شیخ دو رکعتوں کے بعد وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد قبلتین میں تھے یعنی مسجد نبیؐ میں جو مدینہ طیبہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ (یہ بھی روایت ہے کہ آپ وہاں بشر بن البراءؓ کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہیں ظہر کا وقت ہو گیا اس لیے نماز مسجد نبیؐ میں ہی ادا فرمائی اور دو رکعت کے بعد آپ مع صحابہ کے بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف گھوم گئے اور مردوں، عورتوں کی مٹیں بھی بدل گئیں) اس کے بعد پھر پوری نماز آپ نے عصر کے وقت مسجد نبویؐ میں بیت اللہ کی طرف پڑھائی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ سمبودی (تلمیذ ابن حجر) کی ”وقفاً للوقایا خبردار المصطفیٰ“ ثابت ہوتا ہے کہ آیت تحویل کا نزول مسجد نبویؐ میں ہوا تھا نہ کہ مسجد قبلتین میں اور اس نزول کے واقعہ سے حافظ ابن حجرؒ کو ہوا ہے (ورنہ اس طرح نہ فرماتے کہ تحقیق یہ ہے تحویل قبلہ کے بعد بنو سلمہ کی مسجد میں (بشر کی نماز جنازہ کے سبب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھی ہے اور مسجد نبویؐ میں عصر پڑھی ہے (فحس ۱۷۶) ابن سعد نے ترد کے ساتھ لکھا کہ تحویل قبلہ نماز ظہر یا عصر میں ہوئی ہے، (فتح الباری ص ۱۷۶) علامہ سیوطیؒ نے اہل سیر کی رائے کو امام

بخاری کی رائے پر ترجیح دی ہے اور علامہ آلوسی نے لکھا کہ بعض لوگوں نے قاضی عیاض کی ذکر کردہ روایت (اور نمازِ ظہر ہی مسلمہ مذکور) سے استدلال کیا ہے لیکن یہ بقول علامہ سیوطی کے حدیث نبوی کی تحریف ہے کیونکہ بسوسلمہ میں جو نماز تحویل قبلہ کے بعد سب سے پہلے پڑھی گئی۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امام بنیں تھے اور نہ آپ نے نماز کے اندر عملاً تحویل قبلہ فرمائی چنانچہ نساہی کی مذکورہ ذیل روایت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔

ابوسعید بن ابیخنی کا بیان ہے کہ ہم دو پہر کے وقت مسجد کی طرف جایا کرتے تھے ایک دن ادھر گزرے تو دیکھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے ہیں میں نے دیکھا کہ آج کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے اور بیشک گمانی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ قد نبی قلب وجہک فی السماء تلاوت فرمائی میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ حضور کے منبر پر سے اترنے کے قبل ہی دو رکعت پڑھ لیں تاکہ ہم سب پہلے نماز پڑھنے والے ہو جائیں (یعنی بیت اللہ کی طرف چنانچہ ہم دونوں نے دو رکعت پڑھیں۔

پھر آپ منبر سے اترے اور نمازِ ظہر پڑھائی علامہ یعنی نے فہر علی اہل مسجد کے ذیل میں لکھا کہ یہ لوگ اہل مسجد قبلین تھے جن پر وہ گزرنے والا نماز عصر کے وقت گزرا ہے اور ان لوگوں نے کچھ نماز بیت المقدس کی طرف پڑھی تھی پھر باقی بیت اللہ کی طرف پڑھی ہے اور اہل قبا کو اسی طرح صبح کی نماز میں خبر دیئے والے نے خبر دی ہے اور انہوں نے بھی آدھی نماز بیت المقدس کی طرف اور آدھی بیت اللہ کی طرف ادا کی ہے۔

حافظ و علامہ سیوطیؒ

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ سیوطیؒ بڑے محدث تھے بلکہ وہ تاجر میں حافظ سے زیادہ ہیں البتہ فن حافظ کے یہاں زیادہ ہے میں علامہ سیوطیؒ کے نماز عصر کے بارے میں اصرار اور علامہ آلوسی کی ترجیح و دلالت سیر کے باعث متردد ہو گیا ہوں یہ بھی فرمایا کہ حافظ سیوطی نے بیضاوی کی تخریج کی ہے جو مراجعت کے قابل ہے۔

مدینہ میں استقبال بیت المقدس کی مدت

اقوال مختلف ہیں ۱۶ ماہ یا ۱۸۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ۱۲ رجب الاول کو داخلہ مدینہ طیبہ ثابت ہوتا ہے اور اس پر بھی اکثر حضرات کا اتفاق ہے کہ اگلے سال نصف رجب پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔

امام ترمذی و مسلم نے ۱۶ ماہ قرار دیئے اس طرح کہ ۱۶ ماہ کامل ہوئے اور از اند تین روز کا لحاظ نہیں کیا۔ امام نووی نے شرح مسلم میں اسی قول کو راجع قرار دیا ہے اور شرح بخاری میں لکھا کہ یہاں اگرچہ شک کا کلمہ ہے مگر امام مسلم وغیرہ نے براء سے ۱۶ ماہ کی روایت بلا شک کی ہے لہذا اسی پر اصرار دینا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

امام بزار و طبرانی وغیرہ نے ۱۷ ماہ قرار دیئے کہ رجب الاول اور رجب (اول و آخر ماہ) کو پورا مگر لیا، محدث ابن حبان نے ۱۷ ماہ اور تین دن بتلائے اس طرح کہ ابن حبیب کا قول شجران میں تحویل قبلہ کا ہے (جس کو امام نووی نے بھی روضہ میں ذکر کیا ہے اور اس پر کچھ نقد نہیں کیا۔ ابن ماجہ کی روایت سے ۱۸ ماہ معلوم ہوتے ہیں وہ بھی غالباً شعبان کو ملا کر اور کسر کو پورا قرار دیئے کر ہے امام بخاری نے شک کے ساتھ ۱۶ ماہ قرار دیئے ہیں۔ (شرح بخاری ص ۱/۳۸۱)

یہود و اہل کتاب کی مسرت و نافرنگی

روایت میں ہے کہ یہود و اہل کتاب کو اس امر کی خوشی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان بیت المقدس کے طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں پھر جب تحویل قبلہ ہوئی تو ان کو یہ بات نا پسند ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ یہود کو تو اس لیے خوشی ہوگی کہ بیت المقدس ان کا قبلہ تھا مگر اہل کتاب سے اگر نصاریٰ مراد ہیں تو ان کا قبلہ بیت اللحم (مقام ولادت عیسیٰ علیہ السلام تھا جو بیت المقدس سے سبب مشرق میں تھا ان کے لیے تو کوئی وجہ خوشی کی اور بیت اللہ کی طرف قبلہ ہو جانے پر ناراضگی کی بھی نہ تھی ان کے واسطے دونوں برابر تھے جواب یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد نصاریٰ ہیں اور مدینہ طیبہ کے زمانے میں جب استقبال بیت المقدس ہوتا تھا تو اس کے ساتھ ہی بیت اللحم کا بھی ہو جاتا تھا کیونکہ وہ دونوں اس کے لحاظ سے ایک ہی سمت تھیں تھے دوسرے یہ کہ دین موسوی کو وہ بھی مانتے تھے اس لیے بیت المقدس کی بھی پوری عظمت کرتے تھے علامہ قسطلانی نے یہ وجہ قرار دی کہ بیت المقدس اگرچہ نصاریٰ کا قبلہ نہ تھا مگر جعالمسعود وہ بھی خوش ہوئے اور تحویل قبلہ پر بھی ان کے اتجار میں ناخوش ہوئے۔

تحویل قبلہ سے قبل کے مقتولین

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ مجھے زہیر کی روایت کے سوا کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس میں تحویل سے قبل کسی کے مقتول ہونے کا ذکر ہو کیونکہ اس وقت کوئی فزود و جہاد بھی نہیں ہوا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس طرح قتل تحویل مطلقاً محلی قتل صحیح نہیں معلوم ہوتی اور ممکن ہے کہ روایت زہیر میں مکہ معظمہ کے زمانے کے مقتولین مراد ہوں، مدینہ منورہ کے نہ ہوں جس کا ذکر خود حافظ نے بھی آخر میں کیا ہے اور لکھا کہ اگر زہیر سے لفظ قتلوا کی روایت قطعی سمجھ لی جائے تو اس سے مراد وہ بعض مشرک غیر مسلمان ہو سکتے ہیں جو اس مدت کے اندر بغیر جہاد کے قتل ہوئے اور ان کے نام اس لیے نہ مل سکے کہ اس وقت تاریخ منضبط کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہ ہوئی تھی۔

اس کے بعد حافظ نے لکھا کہ پھر میں نے مغازی میں ایک شخص کا ذکر دیکھا جس کے اسلام میں اختلاف ہے سوید بن صامت کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ حقیقہ میں انصار بھی نہ آئے تھے حضور نے ان پر اسلام پیش کیا انہوں نے کہا کہ یہ بات تو اچھی ہے پھر وہ مدینہ پہنچے اور بغاث کے واقعہ میں قتل ہوئے جو جہرت سے پہلے کا ہے اس کے بعد ان کی قوم کے آدمی کہا کرتے تھے کہ وہ بحالت اسلام قتل ہوئے حافظ نے کہا کہ ممکن ہے وہی مراد ہو۔ پھر حافظ نے بعض فضلاء کے حوالے سے یہ توجیہ بھی نقل کی کہ مکہ معظمہ میں جو ضعیف کمزور مظلوم مسلمان کفار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے وہ اس سے مراد ہیں جیسے عمار کے والدین، حافظ نے اس رائے پر یہ تنقید کی کہ اس توجیہ کی محنت اس پر موقوف ہے کہ ان دونوں قاتل اسراء کے بعد ثابت ہو جائے (فتح الباری ص ۱۳۷)

ہمارے علامہ محقق حافظ عسکریؒ نے حافظ ابن حجرؒ کی یہ پوری عبارت نقل کر کے اس پر نقیب و نقد کیا ہے جس سے حافظ عسکری کی دقیق نظر اور شان تحقیق نمایاں ہے فرمایا۔ مجھے اس میں کئی وجوہ سے کلام ہے۔

(۱) اس کی بنیاد ایک احتمالی دیکھی بات پر ہے (جو مقام تحقیق کے مناسب نہیں۔)

(۲) اس زمانہ میں تاریخ کا اختتام تھا کسی طرح درست نہیں دوسرے جن لوگوں نے قبل تحویل کے دس (۱۰) انتقال کرنے والے اشخاص کے نام منضبط کئے کیا وہ قتل ہونے والے حضرات کے نام نہ لکھتے حالانکہ ان کی زیادہ فضیلت و شرف کے باعث ان کے ناموں کا منضبط و نقل زیادہ اہم بھی تھا، یہ نسبت اپنی موت سے مرنے والوں کے۔

(۳) ... جس شخص کا ذکر مغازی سے کیا گیا ہے وہ قابل استناد نہیں کیونکہ اس کے اسلام میں اختلاف ہے دوسرے وہ ایک ہے اور روایت میں نقلوا جمع کا صیغہ ہے جس سے جماعت مراد ہوتی ہے اور اس کا کم سے کم درجہ تین ہے۔

(۴) ... بغاث کا واقعہ دور جاہلیت میں اوس و خزرج کے درمیان پیش آیا ہے اس وقت اسلام کی دعوت کہاں تھی؟ غرض بغاث کا

واقعہ کہاں اور اس سے استدلال کی محض کے بہت المقدس سے قبلہ ہونے کے وقت مقتول ہونے پر کہاں؟ بڑا سبب محل استدلال ہے۔
 پھر حافظ یعنی نے صفائی کا حوالہ بھی پیش کیا کہ بھٹا مدینہ طیبہ سے دورات کی مسافت پر ایک مقام ہے اور یوم بھٹا سے مراد وہ
 دن ہوتا ہے جس میں اوس و خزرج کا ہم لڑے تھے (مجموعہ تاریخی ص ۲۹۰)

نسخ احکام کی بحث

حافظ جی نے اس موقع پر نسخ احکام کی نہایت مفید بحث لکھی ہے جو قابل ذکر ہے۔

(۱)..... حکم تحمل قبلہ سے ثابت ہوا کہ نسخ احکام درست ہے اور یہ مسئلہ مجمع علیہا ہے سب کا اس پر اتفاق ہے بجز ایک ناقابل اعتنا
 جماعت کے پھر مجمع احکام شرح میں مقلد بھی نسخ درست ہے۔ یہود میں سے بعض لوگ نسخ کو مطلقاً باطل کہتے ہیں یعنی جو احکام تورات میں
 آچکے ہیں وہ ان کے نزدیک ناقابل نسخ ہیں اس دعویٰ پر دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ تورات میں ہے تمسکوا بالسنن ما دامت
 السننات والادھن اور اس کی نقل متواتر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا "ان
 کی شریعت منسوخ نہ ہوگی" اور ان میں سے کچھ لوگ نسخ کو مطلقاً باطل کہتے ہیں۔

نسخ کو جائز کہنے والوں کی نقلی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں یہودوں سے نکاح جائز تھا اور اس سے تولد و تناسل
 بھی ہوا جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور تورات میں بھی ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس امر کا حکم ملا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی
 بیٹیوں سے کر دیں اس کے بعد وہ حکم منسوخ ہو گیا اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آزاد کو غلام بنانے کا بھی جواز تھا حتیٰ کہ
 یہ بھی نقل ہوا کہ انہوں نے زمانہ قبلہ میں سب اہل مصر کو غلام بنالیا تھا اس طرح کہ ان سب کی جانوں کو غلام و طعام کے بدلے میں خرید لیا تھا
 پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے قبل سینچر کے دن عمل مباح تھا موسوی شریعت میں وہ منسوخ ہو گیا اور
 یہود کا یہ دعویٰ کہ تورات میں سبت کا حکم ہمیشہ کے لیے دیا گیا تھا غلط ہے انہوں نے تحریف کر کے ایسا باتیں اس میں بڑھادی ہیں اسی لیے
 موجودہ تورات پر یقین کرنا اور اس پر ایمان لانا اسلامی شریعت کی رو سے درست نہیں ہے پھر تورات کا تو اثر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بخت نصر
 کے زمانے میں بہت تھوڑے یہودی رہ گئے تھے۔ اہل تاریخ نے بالاتفاق لکھا ہے کہ بخت نصر کا جب بنی اسرائیل پر تسلط و غلبہ ہوا تو اس نے
 ان کے سب مردوں کو قتل کر دیا تھا اور ان کی ذرچوں کو غلام بنالیا تھا تورات کے سب نئے جلا دیے تھے حتیٰ کہ اس وقت ان کا کوئی شخص تورات
 کا حافظ باقی نہ رہا تھا۔ خود یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ حق تعالیٰ کے حضرت عزیر علیہ السلام کو تورات کا الہام فرمایا تھا اور انہوں نے اس کو اپنی یاد
 سے پڑھا تھا ان سے پہلے اور بعد کو کسی نے بھی اس کو حفظ نہیں کیا اور اسی لیے یہودیوں نے ان کو ابن اللہ کہا اور ان کی عبادت کی یہ بھی کہتے
 ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے ایک شاگرد کو تورات دی تھی تاکہ بنی اسرائیل کو پہنچ جائے اور پھر سب نے اسی سے
 اس کو حاصل کیا لہذا تورات کا دعویٰ کسی طرح درست ہو سکتا ہے؟

پھر بعض یہود کا خیال ہے کہ حضرت عزیر نے اس میں کچھ حذف و الحاق بھی کیا ہے ایسی صورت میں اس پر وثوق کرنا اور بھی دشوار ہے۔

(۲)..... دوسرے معلوم ہوا کہ سنت کا نسخ قرآن مجید کے ذریعہ جائز ہے اور یہ جمہور شاعر و معتمد کا مذہب ہے امام شافعی کے اس
 میں رد قول ہیں ایک یہ کہ جائز نہیں جیسا کہ ان کے نزدیک قرآن مجید کا نسخ سنت سے بے زنجیر قاضی عیاض نے فرمایا کہ اکثر علماء نے اس کو
 مقلداً و سماعاً جائز سمجھا ہے اور بعض نے مقلداً درست اور سماعاً ممنوع کہا۔

امام رازی نے فرمایا:۔ امام شافعی اور ہمارے اکثر اصحاب نے، نیز اہل ظاہر اور امام احمد نے (ایک قول میں) کتاب اللہ کا نسخ صحیح

متواترہ سے قطعاً منسوخ قرار دیا اور جمہور علماء، نیز امام ابوحنیفہ و مالک نے اس کو جائز قرار دیا۔ اس کے بعد ہر ایک کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں یہ بحث چونکہ نہایت اہم ہے اس لیے باذوق ناظرین اور اہل علم کے لیے بطور ضیافت علیہ پیش کی جا رہی ہے۔

دلیل جواز نسخ سنت بہ قرآن مجید

یہ ہے کہ توجہ بیت المقدس کی طرف کتاب اللہ سے ثابت نہیں تھی اور وہ آیت وحیث ما کنتم فلولو او جو حکم شطرہ سے منسوخ ہوگئی، امام شافعی کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں نسخ قرآن بہ قرآن ہے کیونکہ پہلے حکم امتیازی قرآن مجید ہی سے ثابت تھا لہذا تو لولوا الفم وجہ اللہ، پھر وہ حکم استقبالی قبلہ سے منسوخ ہوا بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اقیمو الصلوٰۃ میں اجمال تھا جس کی تفسیر چھ امور سے کی گئی ان ہی میں سے توجہ بیت المقدس بھی تھی اس طرح کو یادہ بھی بحکم مامور بہ لفظ ہوگئی پس توجہ بیت المقدس کا حکم قرآن ہی سے ثابت ہو گیا تھا جس کا نسخ بھی قرآن سے ہوا بعض نے کہا کہ نسخ تو سنت سے ہی ہوا قرآن مجید نے اس کی موافقت کی ہے لہذا نسخ سنت بہ سنت ہوا۔ حافظہ صحتی نے لکھا کہ پہلے دونوں جواب اس لیے مقبول نہیں کہ اگر اس طرح توجیہ کر لینی درست ہو تو پھر کوئی ناخ، منسوخ سے ممتاز نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ دونوں جواب ہر ناخ و منسوخ میں چل سکتے ہیں اور تیسرا جواب ادعاء محض ہے اس لیے وہ بھی قابل قبول نہیں۔

(۳) .. خبر واحد سے بھی جواز نسخ ثابت ہوا قاضی عیاض نے فرمایا کہ اسی کو قاضی ابوبکر بن العربی وغیرہ محققین نے اختیار کیا ہے جبکہ یہ کہ جس طرح قرآن مجید و سب متواتر پر عمل قطعی ہے اسی طرح خبر واحد پر بھی ہے اور اسی کو امام غزالی اور مالک نے بھی سے جاتی ہے اختیار کیا اور یہی قول اہل ظاہر کا بھی ہے۔

(۴) معلوم ہوا کہ دوسری احادیث کی طرح خبر واحد بھی مقبول ہے اور معلوم ہوا کہ اس کو صحابہ کرام بھی قبول کرتے تھے اور سلف سے اس کے قبول پر اجماع ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و عادت سے بھی یہ تو اس کا ثبوت ہے کہ آپ نے ولایۃ حکام اور اپنے قاصد تنہا آثار و اطراف کو رد و انفرمائے تھے تا کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں اور ان کو آپ کے طریق و سنت سے باخبر کریں۔

(۵) پھر حافظہ صحتی نے لکھا کہ حدیث الباب سے اس امر کا احتیاب معلوم ہوا کہ جب کسی اشرے میں جائے جہاں اس کے آثار ب داغ و آہنگی ہوں تو اس کو ان ہی کے یہاں اترنا چاہیے دوسروں کے یہاں نہیں۔ جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا۔

(۶) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خود احکام الہیہ کو بدلوانے کی تمنا کرنا بھی جائز ہے جب کہ اس میں دینی مصالح ہوں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل قبلہ کی تمنا فرمائی وغیرہ۔

حافظہ صحتی نے ”استنباط احکام سے“ تحت حدیث الباب سے ۱۶ احکام و عملی فوائد ذکر فرمائے ہیں جن میں سے ہم چند ہی ذکر کر سکے۔ ”فلن ندر ما نقول فہم“ پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ مشہور تو یہ ہے کہ ان کو شبہ نمازوں کے قبول و عدم قبول میں تھا لیکن اس صورت میں تخصیص موتی کی کوئی خاص وجہ ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ نماز اگر ضائع ہوتی ہے تو اس میں مردے زندہ سب برابر ہیں اس لیے میرے نزدیک دوسرا بہتر احتمال یہ ہے کہ ان کو دفن موتی کے بارے میں شبہ تھا کیونکہ وہ اپنے وقت کے قبلہ کی طرف دفن کئے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد بھی اسی پر باقی رہے حالانکہ قبلہ بدل گیا۔

علمی افادہ

حافظہ صحتی تحریر فرماتے ہیں:- امام طحاویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا جو شخص فرائض خداوندی سے واقف نہ ہو اور اس کو دعوت نہ پہنچی اور نہ دوسروں سے وہ احکام معلوم کرنے کا موقع ملا ہو تو اس پر وہ فرائض لازم نہیں ہوتے اور نہ اس پر کوئی حجت قائم ہوئی قاضی نے اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالنے ہوئے فرمایا کہ علماء اسلام اس بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں کہ جو شخص دار الحرب یا اطراف بلاد اسلام

میں اسلام لایا جہاں ایسے علماء اسلام موجود نہ ہوں جن سے شریع اسلام کا علم حاصل کر سکے اور نہ اس کو یہ بات کسی دوسرے طریقہ سے معلوم ہو سکی کہ حق تعالیٰ نے اس پر کیا فرائض عائد کئے ہیں پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو ان کا علم ہوا تو اس پر اس ناواہلی کے زمانے کے فرائض، نماز، روزہ وغیرہ کی قضا ہو گئی یا نہیں؟ امام مالک و شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ قضا لازم ہے کیونکہ اس کو قدرت تہی جانے کی کوشش کرتا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے باہر جاتا امام اعظمؒ نے فرمایا کہ قضا اس وقت لازم ہے کہ جب کوئی صورت ممکن تھی اور اس نے کوتاہی کی ہو اور اگر اس کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ آسکا جس سے معلوم کرتا تو اس پر قضا نہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرض اس شخص پر کیسے عائد ہو سکتا ہے جس کو اس کی فریضت نہیں پہنچی (عمدة القاری ص ۲۸۸)

آخر میں گزارش ہے کہ خبر واحد سے نسخ قاطع کی بحث بہت اہم ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی اور اس کے بارے میں حضرت شاہ قدس سرہ کے بھی افادات خصوصی پیش کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب حسن اسلام المرء انسان کے اسلام کی خوبی

۳۰... قال مالک اخبرني زيد بن اسلم ان عطاء بن يسار اخبره ان اباسعيد الخدري اخبره انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا اسلم العبد فحسن اسلامه يكثر الله عند كل سنة كان ذلفها وكان بعد ذلك القصاص الحسنة بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف والسنة بعثلها الا ان يتجاوز الله عنها.

۳۱... حدثنا اسحاق بن منصور قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن هشام عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا احسن احدكم اسلامه فكل حسنة يعلمها تكتب له بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف وكل سيئة يعلمها تكتب له بعثلها.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے۔ جب کوئی شخص اسلام اختیار کرے اور اس کا اسلام اچھا بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی کچھلی کی ہوئی ہر برائی کو معاف فرمادیتے ہیں اور اس کے بعد بدلہ کا اصول جاری ہو جاتا ہے کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنے سے لے کر سات سو گنا تک دیا جاتا ہے اور برائی کا بدلہ صرف اس کے برابر سرائے مگر اللہ تعالیٰ چاہیں (تو اپنی رحمت خاصہ سے) اس کو بھی معاف فرمادیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے اسلام کو اچھا کر لے تو یعنی نیکی کرے گا ہر ایک کا بدلہ دس گنے سے سات سو گنے تک حاصل کرے گا اور ہر برائی کا بدلہ صرف اس کو برابر ملے گا۔

تشریح: اوپر کی دونوں احادیث میں اسلام اختیار کرنے اور اس کے بعد نیکیوں کی راہ چلنے کی نہایت بڑی فضیلت بتلائی گئی ہے ذرا سوچئے کہ اسلام کے بغیر کوئی بڑی سے بڑی عبادت بھی مقبول نہیں اور اسلام کے بعد ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی حتیٰ کہ راستے سے کسی تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا، کسی انسان کو اچھی خیر خواہی کی بات بتلا دینا یا کسی جو ٹور کو معمولی درجہ کا آرام پہنچا دینا یا ایسی نیکی بن جاتی ہے کہ اس کا اجر و ثواب صرف اس کے برابر نہیں بلکہ سات سو گنا تک ملتا ہے بلکہ اس پر حد نہیں قرآن مجید میں ہے واللہ یضاعف لمن يشاء (اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیں اور بھی بڑھا دیتے ہیں) صحیح بخاری، باب الرقاق میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے۔ کتب اللہ عشر حسنات الی سبعمائة ضعف الی اضعاف كثيرة (اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو صرف دس گنا سے سات سو گنے بلکہ اضعاف کثیرہ تک بڑھا دیتے ہیں)

اور حافظ حسینؒ نے کتاب العلم لابی بکر احمد بن عمر بن ابی عاصم النبیل سے روایت الی ہریرۃ حدیث نقل کی۔ ان اللہ تعالیٰ يعطی بالحسنۃ الف حسنۃ“ (اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر بیس لاکھ نیکیوں کا اجر عطا فرماتے ہیں) فعلی صدقہ کے باب میں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے آتی ہے کہ حلال کمائی سے اگر ایک مجبور بھی صدقہ کی جائے تو اس کو حق تعالیٰ اپنے دانے ہاتھ میں قبول فرماتے ہیں اور وہ ان کی جہنمی میں بھیڑتی رہتی ہے حتیٰ کہ پھاڑے بھی بڑی ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پال کر بڑا کرتے ہیں جس طرح تم لوگ اپنے بچھیرے یا بچھڑے کو پال پس کر بڑا کرتے ہو۔

ضعف کے معنی عربی میں مثل مع زیادت کے ہوتے ہیں اسی لیے اکثر اس سے مراد وشل اور تین شل بھی ہوتی ہے کیونکہ اس کے اصلی معنی غیر محصور و غیر مخصوص زیادتی کے ہیں (قاموس وغیرہ) لہذا انصاف کثیرہ اور فعلی صدقہ والی نیز دوسری اسی قسم کی احادیث کا مفاد یکساں ہے۔

اجر عظیم کے اسباب و وجوہ

بظاہر اعمال جوارح پر اس قدر اجر عظیم کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی اس لیے کچھ اشارات کئے جاتے ہیں۔ انسان کا سب سے بڑا کمال علم و معرفت ہے جو عمل قلب ہے پھر علم و معرفت میں سب سے بڑا درجہ ایمان باللہ یا معرفت خداوندی کا ہے کافر کی عبادت اسی لیے قبول نہیں کہ وہ اللہ کی صحیح معرفت کے بغیر اور بے روح ہے پھر جب اللہ کی صحیح معرفت کے ساتھ دوسرے عقائد کا علم و یقین حاصل ہو گیا تو اسلام کی لازوال دولت مل گئی جس کے صدقے میں زندگی کے لمحات نہایت قیمتی اور قابل قدر ہو گئے تھوڑے عمل پر اجر زیادہ کا قلعہ بھی اسی میں مضمر ہے۔ وعدہ اللہ الذین امنوا و عملوا الصالحات لهم مغفرة و اجر عظیم (مائدہ) فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاء بما كانوا يعملون۔ (الم مسجدہ) گویا ایمان و اسلام کے بعد آپ اللہ کی بارگاہ الوہیت کے مقربین میں داخل ہو چکے اب اسلام کی زیادہ سے زیادہ خوبی و اچھائی کے مطالبات پر توجہ دینی ہے اور کوئی لمحہ بھی غفلت یا لاپرواہی کا مومن میں گزرانا آپ کے اسلام پر بدنامی داغ ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنہ۔ شاہان دنیا کے مقربین خاص بھی تھوڑے عمل پر زیادہ اجر اور خاص اعمال پر یا خاص اوقات میں غیر معمولی انعامات کے مستحق ہو کر رہتے ہیں تو ملک الملوک کے خدام و مقربین کے اجر و انعامات پر تعجب کیوں ہو، ہاں! ایک بات باقی ہے کہ شاہان دنیا کے مقربین کو تا فرمائیں پر سزا بھی اوروں سے زیادہ ملتی ہے، پھر مسلمانوں کو معاشی پر سزا کیوں کہ ہے کہ برائی و معصیت کی سزا انصاف نہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفیٰ عدل و زیادتی کی روادار نہ ہوئی، دوسرے اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لیے ہوئے ہے جتنی رحمت و شفقت دنیا میں کسی کو دوسرے پر زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے اس کی رحمت اس سے بھی کہیں زیادہ ہے کفر و شرک کی وجہ سے چونکہ انسان معرفت خداوندی کی انجھ سے بھی نا بلداور جاہل ضمیر اور اسی لیے حق تعالیٰ نے ان کو شل چو پاؤں کے بلکان سے بھی زیادہ ہزاروں شل پر مشورہ تھایا، اس لیے رحمت خداوندی سے پوری طرح محروم اور اس کے قہر و غضب کا ہر طرح مستحق بن گیا۔

دوسری وجہ یہ نیکیوں پر اجر عظیم کی یہ بھی ہے کہ مومن کا قلب، شرف ایمان کے سبب حق تعالیٰ کے خصوصی انوار و برکات کا مرکز بن جاتا ہے اور اس کے قلبی ارادوں کی بھی بڑی قیمت لگ جاتی ہے لہذا المومن خیر من عمله۔ (نہیت مومن کی قدر و قیمت اس کے عمل سے بھی زیادہ ہے) اس لیے کسی ایک عمل پر اگر مختلف قسم کی بہت سی اچھی نیتیں شامل ہو جائیں تو ان سب کی وجہ سے بھی اجر بڑھ جاتا ہے۔

صدقہ و امداد کا اجر عظیم

جیسے صدقہ یا کسی غریب ضرورت مند کی امداد کا بظاہر ایک عمل ہے مگر اس کی امداد کے ضمن میں بہت سی نیکیاں شامل ہو سکتی ہیں مثلاً آپ کی مدد سے وہ سودی قرض یا سخت فاقہ و تنگی سے بچ جائے جو بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے آپ کی امداد کے سبب اس نے نہ صرف

اپنے آپ کو بلکد اپنے اہل و عیال کو بھی منبھال لیا جس کے نتائج اس کی نسلوں تک خوشگوار ہوتے چلے گئے اگر خود آپ کی نیت میں بھی امداد کے وقت وہ سب باتیں تھیں تب تو ان کی وجہ سے بھی ورنہ اللہ کے ظلم میں ضرور وہ سب باتیں ہیں، لہذا وہ آپ کی امداد و مدد کو ان ہی امور آئندہ کی وجہ سے بڑھاتے رہیں گے۔ جس کو اوپر کی حدیث میں پچھیر پالنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

نماز کی غیر معمولی فضیلت

اسی طرح نماز بظاہر ایک عمل ہے مگر اس میں عجیبہ تحریر، قیام، قرأت، رکوع، سجود، تسبیحات، تہجد، درود شریف وغیرہ مستقل طور سے بڑی بڑی عبادات ہیں، حدیث میں ہے کہ کچھ فرشتے صرف رکوع کی عبادت میں، کچھ صرف سجدہ میں، کچھ تسبیح میں مشغول ہیں اور آسمانوں میں ”اطلیع“ ہے یعنی فرشتوں سے کوئی انچ بھر جگہ بھی خالی نہیں ہے وہ سب اللہ کی عبادت میں ہمیشہ سے ہمیشہ کے لیے مصروف ہیں اور ان کے بوجھ سے آسمانوں سے پھول کادہ کی طرح آواز نکلتی ہے۔

اب مسئلہ نماز کے صرف ایک رکن قرأت کو لیجئے:۔ ابن عدی اور بیہقی کی حدیث میں ہے کہ ”نماز میں کھڑے ہو کر قرآن مجید کا ایک حرف پڑھنے پر ایک سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ایک سو گناہ معاف ہوتے ہیں اور ایک سو درجہ بلند کئے جاتے ہیں، اگر ایک روز کی فرض و مسنون رکعات میں فاتحہ اور چھوٹی سورت اخلاص کے حروف کا ثواب شمار کیا جائے اور فرض جماعت کے ساتھ ادا ہوں جس سے ثواب ۲۷ گنا ہو جاتا ہے تو ایک دن کی باجماعت نمازوں میں صرف قرآن مجید کی نیکیاں (۶۶۹۵۷۰۰) ہو جاتی ہیں، دوسرے ارکان نماز کا اجراء کے علاوہ رہا اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ جماعت کی نماز میں ۲۷ گنے ثواب کا مطلب یہ ہے کہ ہر عدد کو ۲۷ تک ڈیل کرتے جاؤ، اس طرح صرف ایک نماز باجماعت کا ثواب (۱۳۳۹۸۰۷۰۴۶۲۳) یعنی تقریباً ساڑھے چودہ ارب ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اسلام کی اچھائی یا برائی کے اثرات

مذکورہ بالا تفصیل سے ایمان و اسلام کی قدر و قیمت کا کچھ اندازہ آپ نے فرمایا اب آگے بڑھیں، بعض صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر کسی کا اسلام اچھا ہو تو اس نے جو نیکیاں اور نیکیاں کام زمانہ کفر و شرک میں کئے تھے اور کفر و شرک کے سبب وہ ثواب سے خالی تھے وہ بھی اب معتبر و صحیح بن جائیں گے اور حقیقت اتنا حصہ حدیث کا خود حدیث الباب کا بھی حصہ ہے جو اگرچہ یہاں امام بخاری نے ذکر نہیں کیا مگر دارقطنی نے غریب حدیث مالک میں ۹ طریقوں سے روایت کیا ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو ذکر کیا اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حکیم بن حزام سے مسلم شریف میں مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام سے پہلے جو طاعات میں نے کی تھیں ان سے کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا اسلمت علی ما اسلمت من خیر“ (تم اپنے سابق اعمال خیر کے ساتھ ہی تو مسلمان ہوئے ہو) یعنی اسلام کی برکت سے تمہارے وہ پہلے اعمال خیر بھی قائم رہے اور اس وقت کی طاعات بھی اب نیکیاں بن گئیں۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے

حدیث مذکور کا یہی ترجمہ و مطلب مذکورہ بالا ہمارے شاہ صاحب نے پسند فرمایا اور دوسرا ترجمہ کہ تمہیں سابق اعمال خیر ہی پر توفیق اسلام ہوئی ہے پھر اس کی جو تاویلات امام نووی نے ذکر کی ہیں حضرت کو پسند نہیں تھیں۔

طاعات و عبادات کا فرق

بلکہ یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے بات پر یقین حاصل ہو گیا ہے کہ کفار کی طاعات و قربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ ان میں نیت اور معرفت خداوندی

ضروری نہیں البتہ عبادت کفار کسی قسم کی بھی مستحب نہیں کیونکہ ان میں نیت اور عہد خداوندی ضروری ہے، جن کی صحت اسلام و ایمان پر موقوف ہے۔
راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ طاعات و قربات سے مراد علم، صلہ رحم، عظام آزاد کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، عدل و انصاف و رحم و کرم، غنو وغیرہ اوصاف ہیں اور ان کا نفع کفار کو دنیا ہی میں پہنچتا ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ایلاء میں حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا اھی شک انت با اہل الخطاب؟ اولئک قوم عجلت لہم طیباتہم، یہ طیبات ان کے اعمال خیر کا بدلہ بھی ہو سکتی ہیں کہ دنیا ہی میں ان کا معاملہ چکا دیا گیا ہے اور آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ و ما لہم فی الآخرۃ من خلاق صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اولئک لہم نصیب مما کسبوا میں اشارہ کفار و مشنیں دونوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور جب کفار کے لیے آخرت میں طیبات سے کچھ حصہ نہیں تو دنیا ہی میں ان کی دعا عمل کا قائدہ ملنا مستحکم ہو گیا گو اس کی حیثیت آخرت کی ابدی نعمتوں اور راحتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ ہو۔ رہا آخرت کا قائدہ تو اس کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کفار کے اعمال خیر بغیر اسلام کے نجات آخرت کا سبب تو بن ہی نہیں سکتے نہ وہاں کے ثواب و نعمت کا مستحق بنائیں گے البتہ جس کے لیے حق تعالیٰ چاہیں گے اس کے لیے وہ کسی قدر تخفیف عذاب کا سبب بن سکیں گے اس لیے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا ہے کہ

عذاب ہائے کفار کا باہم فرق

عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت ظالم کافر کے تخفیف ہوگی اور شریعت سے کفار کے لیے درکاست عذاب میں بھی تفاوت کا ثبوت ملتا ہے جو کسی درجہ میں نفع طاعات ہی کی ایک صورت ہے چنانچہ ابوطالب نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں جاں نثا نہ خدمات انجام دی تھیں آپ نے فرمایا کہ اگر ان کے وہ اعمال نہ ہوتے تو ان کو وسط جہنم رکھا جاتا اب اس کے کنارے پر رکھا گیا اور ان کے صرف پیر کے جوتے کے تھے آگ کے ہیں جن سے ان کا دماغ کھولتا رہتا ہے (اعاذ اللہ عن سخطہ)

اسلام کی اچھائی و برائی کا مطلب

اس کے بعد تشریح حدیث کے سلسلہ میں نہایت اہم بات یہ رہ جاتی ہے کہ اسلام کی اچھائی کا مطلب کیا ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام فضائل کو موقوف فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں ایک حدیث اور بھی سامنے رکھئے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم سے اعمال جاہلیت کا بھی مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔ جو اسلام لانے کے بعد اس میں اچھائی اختیار کرے گا اس سے ان اعمال کا مواخذہ نہ ہوگا اور جو برائی اختیار کرے گا تو اس سے اول و آخر کا مواخذہ ہوگا۔

امام نوویؒ کی رائے

اس کی شرح میں امام نوویؒ نے فرمایا کہ احسان فی الاسلام سے مراد یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ سے اسلام میں داخل ہو جائے اور اس آقاؐ اسلام سے مراد یہ ہے کہ ظاہر میں تو احکام اسلام کی اطاعت کرے شہادتین بھی زبان سے ادا کرے لیکن دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو ایسا شخص بالا جماع منافق اور اپنے کفر پر باقی ہے اس لیے اس سے اسلام ظاہر کرنے سے قبل و بعد کے سب اعمال کا مواخذہ ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک احسان اسلام یہ ہے کہ دل سے اسلام لانے اور زمانہ کفر کے تمام برے اعمال سے توبہ بھی کرے اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزم معصوم کرے، ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے اور اس آقاؐ اسلام یہ ہے کہ اسلام لانے مگر زمانہ کفر

کے معامی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب برابر کرتا رہے ایسا شخص اگرچہ اسلام میں داخل ہو گیا مگر اس سے تمام اگلے پچھلے معامی کا مواخذہ ہوگا لہذا جس حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ اسلام پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس سے مراد ہی صورت ہے کہ اس کے اسلام میں توبہ بھی شامل ہوئی ہو۔

علامہ قسطلانی کی رائے

علامہ قسطلانی نے لکھا کہ حسن اسلام سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کے خلوک و شبہات دل سے نکال کر اسلام پر قائم ہو یا مراد اس سے اخلاص میں مبالغہ ہے کہ اچھی طرح دل کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے دین اسلام کو اختیار کرے۔

ضروری تبصرہ

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ احادیث مذکورہ سے ہمیں بڑی روشنی ملتی ہے اور ہر مسلمان مرد و عورت کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہمارا اسلام اچھا ہے یا برا؟

قدیم الاسلام مسلمانوں کے لیے لمحہ فکر

اگر ہم اہی، دینی یا نسلی مسلمان ہیں تو کیا ہمارے لیے ضروری نہیں کہ اسلام کے تمام مقتضیات کو پورا کریں اس کے تمام احکام کے سامنے ہمدونیت بلا چون و چرا تسلیم فرم کریں ”یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ“ کچھ احکام پر عمل کیا، کچھ پر نہ کیا، کچھ احکام و عقائد کو خلوک و شبہات کی نذر کیا، کچھ میں تاویل باطلی نکالی، کچھ کو خواہش نفسانی کے تحت نظر انداز کر دیا کیا ان چیزوں کو حسن اسلام کے تحت لایا جائے یا ان پر اساقۃ اسلام کا ٹیبل لگانا پڑے گا۔

افسوس کہ آج یورپ و امریکہ کے خوش قسمت لوگ نئے مسلمان ہو کر احکام اسلام کی خوبیوں کے قائل اور ان پر عامل ہوتے جا رہے ہیں اور ہم میں سے بہت پرانے مسلمان ان سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں ”وان تتولوا یمستبدل قوم غیرکم ثم لا یمکنوا امتثالکم“۔ (اگر تم احکام اسلام سے روگردانی کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری جگہ دوسروں کو نصیب اسلام سے سرفراز کر دے گا اور وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔)

نماز اور پردہ کی اہمیت

ہم سب قدیم الاسلام مسلمانوں خصوصاً مسلمان عورتوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کو یہ تازہ واقعہ کافی ہے کہ حالی ہی میں ایک نو مسلمہ حسن خاتون فاطمہ ہیرن نے (جو اپنے نو مسلم شوہر کے ساتھ ترک وطن کر کے مستقل طور پر ڈھاکہ (شرقی پاکستان) کو اپنا وطن بنائی بنا چکی ہیں) ایک مکتوب اپوا کی صدر رجبہ رحمان لیاقت علی خان مرحوم کے نام انگریزی اخبار میں شائع کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

”میں نے پاکستان کو اسلامی ملک سمجھ کر نئے وطن کے طور پر اپنا یا ہے اور میری بڑی خواہش ہے کہ پاکستانی مسلم خواتین کی سماجی بیداری کے لیے کچھ خدمت کر سکوں، اس لیے میں اپوا کی سرگرمیوں کا بغور مطالعہ کرتی رہی ہوں آپ نے ڈھاکہ کی اپوا کانفرنس میں خواتین کو تلقین کی تھی کہ ”مغربی ثقافت کی اندھا دھند پیروی سے اجتناب کیا جائے کیونکہ خاندانی زندگی اور ثقافت کے دائرے میں دینی آداب اور مشرقی اقدار کا مہذب پڑ جانا انتہائی خطرناک ثابت ہوگا۔“ مگر افسوس کہ اپوا کی اس کانفرنس میں نہ پردے کا کوئی انتظام تھا نہ نماز کا کوئی اہتمام تھا اپوا کی لیڈر خواتین اسلام، مشرقی روایات اور اخلاقی اقدار کا زبانی ذکر کرتی رہیں مگر نہ ان میں سے کوئی پردہ میں تھا۔ نہ کسی نے اذان سن کر نماز کی ادائیگی پر توجہ دی، حالانکہ اسلام میں نماز اور پردے کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔“

”میں ہوئی کافر تو وہ کافر مسلمان ہوگی“ کی مثال اس سے زیادہ واضح کہاں ملے گی یورپ کے آزاد اور فیشن زدہ معاشرے میں پلی

ہوئی خاتون اسلام لانے کے بعد اس کی ہر پابندی کو بطیب خاطر گوارہ کرتی ہے پردہ کرتی ہے نماز کی شریعت محسوس کرتی ہے اس کے متعلقہ میں ہماری قدیم الاسلام مسلم خواتین ہی کیا مرد بھی دینی احکام و شعائر کی تعظیم و توقیر بجالانے والے کتنے رہ گئے ہیں۔

ہمارا اسلام اور شیر کی تصویر!

ہمیں سنجیدگی کے ساتھ سوچنا ہے کہ کہیں ہمارا اسلام اس شخص کی طرح تو نہیں ہو گیا ہے جس نے ایک گونے والے سے اپنے بازو پر شیر کی تصویر بنوائی چاہی تھی اور جب اس نے بازو پر سوئی چھوئی تو تکلیف محسوس کر کے اس کو روک دیا اور پوچھا کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ شیر کے پیر بنا رہا ہوں اس شخص نے کہا کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ شیر لنگڑا بھی ہوتا ہے پیر مت بناؤ گونے والے پھر سوئی چلائی تو پوچھا اب کیا بناتے ہو؟ کہا ہاتھ بنا ہوا ہوں اس نے کہا ہرے دو، بشیر ہاتھ کے بھی تو شیر ہو سکتا ہے پھر کان بنانے چاہے تو روک دیا کہ شیر کان کتنا بھی تو ہو سکتا ہے ناک بنانے لگا تو روک دیا کہ شیر کھانا بھی ہو سکتا ہے آگھ بنائی چاہی تو کہا ہرے دو شیر کا نا بھی ہو سکتا ہے غرض اسی طرح اکثر اعضاء بنانے سے روک دیا اور صرف چند معمولی نشانات اور ٹیکے نقشہ پر انکشافی ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے شیر کو دیکھا ہے وہ اس ناقص تصویر کو شیر نہیں کہہ سکتے اسی طرح جو لوگ ناقص و نامتام اسلام کے قائل و عامل ہیں ان کے بارے میں سوچنا پڑے گا اور ان کو خود بھی اپنی غلطی کا احساس کر کے اپنے ناقص کو دور کرنا چاہیے۔ واللہ العوفا۔

بحث و نظر: حدیث الباب میں اذا اسلم العبد آیا ہے اس لیے لفظ اذا پر بھی بحث ہوئی ہے کہ اس کا مفاد کیا ہے حافظ یعنی جو حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، تاریخ و رجال کے ساتھ علوم عربیت میں بھی امامت کا درجہ رکھتے ہیں اس لیے وہ ہر حدیث کی تحقیق فرماتے ہوئے، بیان اعراب، بیان معانی وغیرہ مستقل عنوانات بھی قائم کرتے ہیں ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے ان کی اس بحث کو ترک کیا ہے مگر یہاں بطور نمونہ اذا کی بحث نقل کرتے ہیں جو علی قانہ وودھچی سے خالی نہیں۔

حافظ اور عینی کا مقابلہ

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص ۱/۴۱ میں لکھا کہ ”یکفو بضم الواو ہے اس لیے کہ اذا اگرچہ حروف شرط میں سے ہے لیکن وہ جزم نہیں دیتا۔ حافظ عینیؒ نے عمرہ ص ۲۹۲/۱ میں اس طرح لکھا: یکفو اللہ جزاء شرط ہے یعنی قول اذا الخ کی اور اس میں جب کہ فعلی شرط ماضی اور جواب مضارع ہو تو رفع اور جزم دونوں جائز ہیں، جیسے قولی شاعر میں۔

اذا اتاه خلیل یوم مسغبة یقول لا غلب مالی ولا حرم

(میرا ممدوح اتنا کریم ہے کہ جب بھوک و قحط کے دنوں میں اس کے پاس کوئی دوست پہنچ جاتا ہے تو وہ اس سے کہہ دیتا ہے کہ تمہارے لیے مال اور گھر یا ر سب حاضر ہے)

یہاں یکفر میں اگر جزم ہو تا تو قاعدہ عربیت سے یکفو اللہ کا زیر ہوتا مگر یہاں روایت میں بکفوء بضم الواو ہی منقول ہے بعض لوگوں نے لکھا کہ ”یکفو اللہ بضم الواو اس لیے ہے کہ اذا ادواء شرط میں ضرور ہے مگر وہ جزم نہیں دیتا میں کہتا ہوں کہ ایسی بات تو وہ کہہ سکتا ہے جس نے عربیت کی بوجہ نہ سونگھی ہو کیونکہ عربی شاعر کہتا ہے

استغن ما اغناک ربک بالغنی واذا تصبک خصاصة فاحمل

(جب تک تجھ کو اللہ اچھے حال میں رکھے استغنا کے ساتھ گزار اور جب تنگی کا وقت آئے تو صبر و تحمل کر)

آپ نے دیکھا کہ اذا نے تھک کو جزم دیدیا، مشہور نحوی فراء نے کہا کہ ”اذا شرط کے لیے استعمال ہوتا ہے پھر یہی شعر اشتہاد میں پیش کیا اور کہا کہ اذا شرط کے لیے ہے اسی لیے یہاں اس نے جزم دیا ہے۔“

علامہ قسطلانی کی رائے

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا کہ یہاں یکفر میں روایت بارفج ہے اور جزم بھی جائز ہے کیونکہ فعل شرط ماضی اور جواب مضارع ہے پھر حافظ کی عبارت مذکور نقل کر کے علامہ عینی کا نقد مذکور بھی نقل کیا ہے اور ابن ہشام درمی کے اقوال نقل کئے جن سے ضرورت شرعی وغیرہ کے وقت اذا کا جزم دینا ثابت ہوا۔

نواب صاحب کی تنقید

اس کے بعد محترم جناب نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے موقع پا کر عون الباری میں حافظ عینی کو اڑے ہاتھوں لیا اور لکھا کہ ”یعنی کا نقد بے محل ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے (یعنی بجائے حافظ کے عینی عربیت سے بے بہرہ ہیں) کیونکہ علم شوکی چھوٹی کتابوں میں بھی جن کو سنیے پڑھتے ہیں یہ لکھا ہوا ہے کہ اذا بغیر ضرورت شعر کے جزم نہیں دیتا اور حدیث میں ضرورت نہیں تھی پھر عینی نے جو شعر پیش کیا ہے وہ بھی بے محل ہے کیونکہ حافظ نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اذا کسی حالت میں بھی جزم نہیں دیتا حتیٰ کہ شعر میں بھی نہیں دیتا اگر ایسا کہتے تو اعتراض درست بھی ہوتا لیکن خود بڑا بننے اور حافظ کی بات گرانے کے جذبے نے عینی کو اس بے سود اور غلط بحث میں الجھا دیا۔ اللہم غفر!۔“

تنقیح و تبصرہ

ہم نے پہلے حافظ ابن جریر کی پوری عبارت کا ترجمہ اور پھر حافظ عینی قسطلانی کی عبارت کو نقل کر دیا ہے سب کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ حافظ عینی خود بھی یہاں روایت میں یکفر بلا جزم کے مان رہے ہیں اور علامہ قسطلانی عینی دونوں جواز جزم پر متفق ہیں۔ ابن ہشام اور رضی بھی ضرورت کے وقت جزم کے قائل ہیں فراہم شرط ہونے کی وجہ سے اذا کا جزم مانتے ہیں اور اس کے حرف شرط ہونے سے تو حافظ کو بھی انکار نہیں اب جو بات قائل تھے تھی اور جس بات پر عینی نے نقد کیا وہ یہ ہے کہ حافظ نے مطلقاً ایک عام بات لکھ دی کہ اذا حرف شرط ہونے کے باوجود جزم نہیں دیتا اور حافظ نے اس کے ساتھ کوئی استثناء ضرورت شعر وغیرہ کا بھی نہیں کیا جس کو سب ٹھوکی تسلیم کر رہے ہیں حافظ عینی صرف اس اطلاقی اور عام قاعدہ کلیہ کی صورت ہی پر نقد کر رہے ہیں کہ ایک عالم عربیت کے لیے شایان نہیں کہ وہ اس طرح بغیر استثناء بات کہہ دے۔

حافظ کی فروگزاشت

حافظ سے یقیناً یہاں فروگزاشت ہوئی ہے اور غلطی کے لیے یہ کسی طرح موزوں نہیں کہ وہ حق کی صراحت نہ کریں بیانات کو چھپائیں ایک دوسرے پر صیغہ طور سے نقد ضرور ہوتا چاہیے کہ عینی کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا تو وہ اول تو عربیت کے ایک قاعدہ کی حفاظت کے جذبہ کے تحت ایسا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ عربیت کی حفاظت، شخصیات کی رعایت سے بہت بلند ہے دوسرے یہ کہ حافظ عینی حافظ ابن حجر سے کئی سال عمر میں بڑے ہیں بلکہ استاد بھی ہیں جیسا کہ ہم نے ان کے حالات میں حوالوں کے ساتھ لکھا ہے پھر علم و فضل میں بھی حافظ عینی کا پایہ بہت بلند ہے اس کو بھی ہم ثابت کر چکے ہیں اور ہر شخص عمدۃ القاری و جامع الباری کا مقابلہ کر کے دونوں کے مراتب کا اندازہ کر سکتا ہے جہاں حافظ ابن جریر ایک صغیہ تھے جہاں حافظ عینی وہاں ۸۰ صفحات میں تحقیقات کے دریا بہا رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ حافظ ابن حجر جن حدیث میں پہاڑ جیسے ہیں مگر قدم میں درک نہیں رکھتے، قیام ملاد کو قومو السید کم کی وجہ سے مستحب کہہ گئے وغیرہ دوسری طرف حافظ عینی فقہ و اصول فقہ کے بہت بڑے امام ہیں وغیرہ۔

بڑا بننے کا طعنہ

نواب صاحب کا یہ کہنا کہ حافظ عینی کو حافظ ابن حجر کے مقابلہ میں بڑا بننے کا شوق ہے بالکل بے محل بات ہے جو شخص عمر میں بڑا ہو استاد بھی ہو علم و فضل میں ہر طرح فائق ہو اس کو اپنے شاگرد اور مغفول کے مقابلہ میں بڑا بننے کا کیا شوق ہو سکتا ہے؟!

نواب صاحب کی دوسری غلطی

پھر نواب صاحب کے یہ الفاظ کہ ”واقعہ فی ماوقعہ“ بھی بے محل اور خلاف واقعہ ہیں کیونکہ حافظ عینی کی بات سچی تھی اپنی جگہ بالکل صحیح ہے اور انہوں نے صرف بیانِ جواز کے لیے وہ بھی شریک نہیں شریک نہیں کیا اور یہی بات سب نحوویں کو بھی تسلیم ہے غرض حافظ کی فرو گذاشت ضرورتاً ندی کی مستحق تھی اور اس موقع پر حافظ عینی کو مطعون کرنا خلاف حق و انصاف ہے واللہ اعلم۔

اساتہ اسلام والی حدیث پر بحث

یہاں امام بخاری نے صرف احسانِ اسلام والی حدیث ذکر کی ہے دوسری حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اور اس کو امام مسلم نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اس کو امام بخاری نے آخر کتاب میں باب استیۃ العائدین والمرتدین ص ۱۰۲۲ میں ذکر کیا ہے۔ من احسن فی الاسلام لم ینواخذ بما عمل فی الجاہلیۃ ومن اہاء فی الاسلام اخذ بالاول والاخر (جس نے ایمان لانے کے بعد اچھے کام کئے اس سے اعمالِ جاہلیت کی کوئی باز پرس نہ ہوگی اور جس نے برے کام کئے اس سے اول و آخر کا مواخذہ ہوگا) مسلم میں اخذ یعلمہ فی الجاہلیۃ والاسلام ہے یعنی برائی اختیار کرنے پر اس سے جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں کے برے اعمال کا مواخذہ ہوگا۔

امام بخاری کی رائے

امام بخاری نے چونکہ امام مسلم کی طرح اس حدیث کو کتاب الایمان میں ذکر نہیں کیا بلکہ مرتدین کے باب میں حدیث اکبر الکبائر الشریک (سب بڑے گناہوں سے بھی زیادہ بڑا شرک ہے) کے بعد اس کو لائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اساتہ اسلام سے مراد کفر کو سمجھے ہیں جو سب سے بڑا اور بڑی کاپے اور علامہ قرطبی و ابو عبد اللہ لک بونی سے بھی یہی منقول ہے کہ یہاں نفاق والا اسلام سے مراد ہے اسی طرح دوسرے علماء کی بھی رائے ہے جنہوں نے احسانِ اسلام سے مراد قبولِ اسلام کے وقت اغلاں پھر آخر وقت (موت) تک اس پر وہام و قیام لیا ہے اور اس کی ضد کو اساتہ قرار دیا ہے۔

علامہ خطابی کا ارشاد

علامہ خطابی نے فرمایا کہ بظاہر اساتہ اسلام والی حدیث ”الاسلام ینہدم ما قبلہ (اسلام بچھلے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) اور آیت قرآنی ”قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف“ کے خلاف معلوم ہوتی ہے اور اجماع امت بھی اسی پر ہو چکا ہے کہ اسلام سے سارے بچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

لہذا یہاں مواخذہ سے مراد یہ ہے کہ اسلام سے قبل کے گناہوں پر تو اس کو زبانی تنبیہ و سرزنش ہوگی۔ (ان کو جتلا کر کہا جائے گا تم ایسے ایسے اعمال بدکار کا رکاب کفر کے زمانے میں کیا کرتے تھے اور اسلام کے بعد بھی ان کو نہ چھوڑا) پھر بعد کے اعمال پر عذاب بھی ہوگا، اس تفصیل کے بعد اصل بحث کی طرف آئیے! حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں امام احمد کا ایک قول پیش کر کے مذکورہ بالا اجماع کے دعویٰ کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس میں چونکہ امام اعظم رحمہ اللہ پر بھی ضمناً تقریض ہوئی ہے اس لیے یہاں کچھ مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن حجر کی تنقیح

حافظ نے لکھا کہ میں نے عبد العزیز بن جعفر کی (جو اکابر حنابلہ میں سے ہیں کتاب المسند میں ایسا قول دیکھا جس سے خطابی و ابن بطال کے دعویٰ اجماع کی نفی ہوتی ہے) مبنی کے واسطے سے امام احمد کا یہ قول نقل ہوا کہ ”مجھے یہ بات پہنچی کہ ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ اسلام لانے

کے بعد اعمال چاہیے کہ مؤاخذہ نہ ہوگا، حالانکہ یہ بات حدیث عبداللہ بن مسعود کے خلاف ہے، (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اگر زمانہ کفر کے گناہوں پر اصرار کرے گا تو پہلے گناہوں کا بھی اس سے مؤاخذہ ہوگا) اور شافیہ میں سے طلحی کی بھی یہی رائے ہے۔

اختلاف کی اصل بنیاد

پھر حافظ نے کہا کہ درحقیقت اس اختلاف کی بنیاد اس مسئلہ پر ہے کہ توبہ کا مطلب گناہ پر عداوت ہے نیز گناہ کو چھوڑ دینا اور آئندہ کے لیے عزم ترک کہ کسی اس گناہ کی طرف نہ لوئے گا اگر کافر نے کفر سے توبہ کی اور گناہوں سے باز آنے کا عزم نہ کیا تو ان گناہوں سے توبہ واجب نہ ہوا لہذا ان گناہوں سے توبہ کرنے کا مطالبہ اس سے باقی رہا (اور اس کو پورا نہ کرنے کے باعث ان پر مؤاخذہ بھی ہونا چاہیے)

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور علماء کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ توبہ کا مفہوم مذکور صرف مسلم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کافر کا حکم یہ ہے کہ وہ اسلام لانے کیساتھ ہی سارے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو گیا جیسے نوحی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور احادیث بھی اسی بات کو واضح کرتی ہیں مثلاً حدیث اسامہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کو قتل کر دینے پر ان کو سخت تہذیب فرمائی جس سے ان کو سخت عداوت ہوئی اور یہاں تک کہا کہ مجھے اس دن یتیمنا ہوئی کہ آج ہی اسلام لایا ہوتا تاکہ جہاں اور پہلے گناہ اسلام کی برکت سے وصل کئے تھے یہ گناہ بھی بخشا جاتا۔ (طلمح مس ۱/۱۷۱)

حافظ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگرچہ اجتماع دلی بات ان کے نزدیک محل نظر ہے مگر خود ان کا رجحان مسلک جمہوری کی طرف ہے۔

قابل توجہ

ایک بات یہاں قابل توجہ یہ بھی ہے کہ جو رائے جمہور کی ہے اس کو صرف امام ابوحنیفہ پر رکھ کر اس پر تکبر کرنا انصاف سے بعید ہے؟ اور یہ ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ بیشتر اہم مسائل میں ایسا ہی ہوا ہے کہ صرف امام صاحب کی رائے نہیں ہوتی اور اگر ہلکا اکثر حنفیین و متاخرین علماء محققین کی بھی وہی رائے ہوتی ہے مگر امام صاحب کو ہدف بنایا جاتا ہے یا احتساب سے بدظن کرنے کے لیے یہ چلتا ہوا آسان نسخہ اختیار کر لیا جاتا ہے ابھی آپ نے دیکھا کہ خود حافظ ابن حجر ہی کے حوالے سے امام احمدائے عظیم القدر مقتدا کا اعتراض بھی صرف امام صاحب پر ہوا حالانکہ امام مالک، امام شافعی اور اس دور کے بھی سینکڑوں ہزاروں علماء و ائمہ کی وہی گئی جو امام صاحب کی تھی اور حافظ ابن حجر اجماع کے خلاف صرف امام احمد اور طحطاوی کو لائے ہیں؟

امام احمد کے جوابات

امام احمد کے اعتراض کا جواب ایک تو وہی ہے جو حافظ نے جمہور کی طرف سے ذکر کیا، دوسرے یہ کہ اسامۃ اسلام سے مراد کفر ہے، جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا، تیسرا جواب علامہ خطابی کا بھی ذکر ہو چکا اور اس سے قبل ہم تشریح حدیث کے ذیل میں حضرت شاہ صاحب کی رائے بھی ذکر کر آئے ہیں کہ اس کا اسلام توبہ پر المعاصی پر مشتمل نہ ہو، دل میں چور ہو کہ اسلامی عقائد اور بعض اعمال ظاہری کو اختیار کر لیا اور دوسرے کبار معاصی سے بچنے کا عزم نہیں کیا، نہ اسلام کے بعد ان سے اعتقاد کیا تو اس قسم کے جتنے معاصی پہلے کئے ہوں گے یا اب کئے ان سب پر یکساں عذاب مستوجب ہو گیا، کیونکہ یہ بات تحقیق ہو گئی کہ ان خاص معاصی کو نہ ان سے اسلام لانے کے وقت برا سمجھا (ورنہ کفر و شرک اور دوسرے کبار نیک طرح ان سے بھی تائب ہوتا) اور نہ بعد کو برا سمجھا ایسے لیے ان پر اصرار کرتا رہا۔

غرض اس خاص صہرت میں تو حضرت شاہ صاحب کی رائے بھی تقریباً وہی ہے جو امام احمد کی ہے، لیکن اگر اسلام کے وقت توبہ کفر و کبار معاصی کے ساتھ ان گناہوں سے بھی توبہ معنی دل سے کر چکا تھا تو اس کے زمانہ کفر کے سارے گناہ واصل چکے اور اس کے بعد ان گناہوں کا ارتکاب با

تھکے بشریت ہوگا تو صرف ان ہی پر عذاب ہوگا۔ سابق گناہوں پر نہ ہوگا جس طرح دوسرے مسلمانوں کے لیے معافی اور مغفرت کا قاعدہ ہے۔

امام اعظم کا عمل بالجہد

اس طرح امام صاحب اور جمہور کے نزدیک امام اہلحدیث پوری طرح معمول بہا بنے تکلف بن جاتی ہیں۔ ندان میں باہم کوئی تعارض باقی رہتا ہے اور نہ کسی کا ترک لازم آتا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث: آخر میں ہم ایک حدیث مسلم شریف کا ترجمہ کرتے ہیں، جس سے مسئلہ کی مزید توضیح و تقویت ہو جائے گی۔ نیز حدیث کا مضمون بھی کئی لحاظ سے بہت نافع اور فصیح آموز ہے، یہ حدیث امام مسلم نے باب کون الاسلام یصلہم ما قبلہ و کذا الحج و الهجرة کے تحت ذکر کی ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ امام مسلم کی بھی وہی رائے ہے جو اور سب جمہور علماء اور بقول امام احمد امام اعظم ابوحنیفہ کی رائے ہے۔

حضرت عمر و کاسفر آخرت

ابن شامہ مہری سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمرؓ بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے ان کی وفات کا وقت قریب تھا اور میرے دیوار کی طرف رخ کئے ہوئے زار و زار دروہے تھے ان کے صاحبزادے نے عرض کیا: ابا جان! آپ کو یاد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایسی ایسی بڑی بشارتیں دی ہیں؟ یہ سن کہ حضرت عمروؓ دیوار کی طرف سے رخ ہٹا کر ہماری طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا دیکھو بس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بغض رکھنے والا مجھ سے زیادہ کوئی دوسرا شخص نہ تھا اور اس وقت میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح آپ پر میرا قابو چل جائے تو میں آپ کو راڈالوں، اگر (خدا نخواستہ) اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً دروزنی ہوتا۔

اس کے بعد جب حق تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرما کر میرے دل میں اسلام کی حقانیت ڈال دی تو میں آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائیے! میں دست نبوت پر بیعت کرنا چاہتا ہوں آپ نے ہاتھ بڑھا دیا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا آپ نے ارشاد فرمایا: عمرؓ! یہ کیا بات؟ میں نے عرض کیا! حضرت میں کچھ شرائط لگانا چاہتا ہوں! فرمایا: کیا شرط ہے؟ میں نے کہا یہ کہ

۱۔ مشہور صحابی علیؓ: میں اسلام لائے تقریباً ایک سو سال کی عمر پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیش ذات السلاسل کا سردار بنا کر جھنڈا دیا اور حضرت ابوبکرؓ کو آپ کی کمان میں دے کر روانہ کیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ عمرو بن العاص صاحبین قریش میں سے ہیں، حضرت قبیصہ بن جابر نے فرمایا کہ میں حضرت عمرو بن العاص کی صحبت میں رہا، ان سے بہتر رائے والے، ان سے زیادہ جود و کریم والا ہم نہیں اور ان سے زیادہ ظاہر و باطن کو یکساں رکھنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

مجاہدؓ سے نقل کیا کہ عرب کے نہایت ذہین و فہم چار تھے، حضرت معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ اور زیادؓ پھر حضرت معاویہؓ علم و دیواری میں ضرب المثل ہوئے، حضرت عمرو بن العاصؓ سخت سے سخت مشکل اور دشوار معاملات کی کتنی سلجھائی میں ملحق تھے، حضرت مغیرہؓ واری کے لیے نہایت موزوں تھے اور زیادؓ ہر چھوٹے بڑے کی ضرورت پوری کرنے میں ممتاز تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ان کا گورنر بنا دیا تھا، وہ حالت شام میں لشکروں کی سرداری کی، حضرت عمرؓ کے زمانے میں مصرؓ گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں چار سال، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں چار سال اور حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں سو دو سال مصر کے گورنر رہے، بہت زیادہ مال و دولت چھوڑی، وفات کے وقت مال کی طرف دیکھ کر فرمایا: کاش تو مجھے مال و دولت کے انت کی جگہیں ہوتا اور میں غزوہ ذات السلاسل ہی میں مر گیا ہوتا (اس کے بعد) میں ایسے کام میں پڑا کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ خدا کی بارگاہ میں ان معاملات کا کیا جواب دوں گا، میں نے معاویہؓ کی دنیا سنواری اور اپنی آخرت بگاڑی۔ پھر کہہ بنا! ایک کپڑے سے میرے ہاتھوں کی میری گردن سے باندھ دو! جس طرح ایک بجر کو باندھا جاتا ہے۔ نیل کی گئی تو آسان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا! بارگاہ! آپ کے ادا کروا دی کی قیامت مجھ سے نہ ہوگی، میری کوئی عزت و شوکت نہیں کہ کسی سے مددوں، میں جرموں سے بری بھی نہیں کہ میرا مدد حاصل قبول ہو، البتہ یہ یقین و آخر اور دروہے کہ آپ کے سوا کوئی حیر و معبود و معبود نہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بندے اور رسول ہیں، اتنا کہہ کر ایک لکھ مرند نام کی طرح اپنی آنکھیں منہ میں دبی، حتیٰ کہ بارگاہ بے نیاز میں پہنچ گئے رحمہ اللہ رضی عنہ وارضاه۔ (تہذیب و فہم ص ۱۷۴/۱)

میرے سارے گناہوں کی بخشش ہو جائے۔ آپ نے فرمایا:۔ عموماً کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام تو کفر کی زندگی کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے تمام گناہوں کو صاف کر دیتی ہے اور حج بھی سارے گناہوں کا قصہ پاک کر دیتا ہے یہ دوسرا دور تھا اس وقت آپ سے زیادہ محبوب آپ سے زیادہ بزرگ و برتر میری نظر میں کوئی اور باقی نہ تھا آپ کی عظمت اور رعب جلال و جمال سے میرے دل و نگاہ اس درجہ متاثر ہو چکے تھے کہ میری اتنی تاب نہ تھی کہ چہرہ انور کو نظر بھر کر دیکھ سکوں اور اگر مجھ سے آپ کی صورت مبارک پوچھی جائے تو میں کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے بھی جی بھر کر آپ کو دیکھا ہی نہیں کاش! میں اسی حال میں مرجا تا تو امید ہے کہ اہل جنت میں شمار ہو جاؤ اس کے بعد تیسرا دور شروع ہوا اور ہم نے ولایت و حکومت کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں اور ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے لیے اس امتحان میں کیا کچھ مقدار ہوا؟! (گویا حضرت عموماً آخر وقت میں اسی آخری دور کی باتوں کو یاد کر کے نالاں و پریشان تھے کہ نہ معلوم کس بات پر رب العزت کی بارگاہ بے نیاز میں کپڑ ہو جائے اور درمیانی دور کی ساری سعادتیں ایک طرف رکھی رہ جائیں الا یمن بین الخوف والرجاء کا کیسا بہترین مرقع حضرت عموماً رضی اللہ عنہ نے پیش کیا ہے۔ اللھم عاقبتنا کلنا واعف عنا)

پھر فرمایا:۔ جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوکر کرنے والی عورت نہ جائے پائے اور نہ زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق آگ میرے جنازہ کے ساتھ ہو اور دیکھو جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر اچھی طرح سے مٹی ڈالنا اور فارغ ہو کر بھی اتنی دیر تک ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم ہوتا ہے تاکہ تمہاری موجودگی کی وجہ سے میری وحشت کم ہو اور اتنے میں یہ بھی دیکھ لوں کہ اپنے رب کے پیچھے ہوئے فرشتوں کے سوالات کا جواب مجھ سے کیا نہ پڑتا ہے۔

بحث زیادة نقص ایمان

حافظ ابن جریرؒ نے لکھا حدیث الباب کے اوّل حصہ میں سترین زیادة نقص ایمان کا رد ہے کیونکہ حسن کے درجات متفاوت ہوتے ہیں اور آخر حصہ میں معتزلہ و خوارج کا رد ہے۔ حافظ یعنی رحمہ اللہ نے اس پر تعقب کیا اور لکھا کہ حسن اوصاف ایمان سے ہے وصف کی قابلیت زیادة نقص سے ذات کی قابلیت کیسے ثابت ہوگی؟ اور ذات ایمان من حیث ہی ہی کے عدم قبول پر ہم کافی بحث کر چکے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے پہلے اسلام کی تقسیم عمر و سریر بیان کی اب حسن وغیرہ کی تقسیم کر رہے ہیں اور حسن کا تعلق ایمان سے ایسا ہی ہے جیسا کہ چہرے کی خوبصورتی کا تعلق چہرہ سے ہوتا ہے گویا حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی حافظ یعنیؒ کی تائید فرمائی اور وصف و ذات کی طرف اشارہ فرمایا لیکن نواب صاحبؒ نے یہاں بھی لکھا کہ حافظ یعنیؒ کا اعتراض محض عقلی ہے اور ظاہر حدیث کو اپنے مذہب کی مدد کے لیے رائے کے ذریعہ رد کر دیا ہے اور امام بخاری وغیرہ نے جس مسلک کو رائج قرار دیا ہے وہی سلف سے بھی منقول ہے اور حسب روایت لا لکائی امام بخاری نے فرمایا کہ میں ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا سب نے یہی کہا کہ ایمان قول و عمل کا مجموعہ ہے جو زیادہ و کم ہوتا ہے مگر آگے خود ہی نواب صاحب نے لکھا کہ ”اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایمان تو تصدیق باللہ والرسول ہے اور تصدیق نشی واحد ہے اس کے اجزاء نہیں ہو سکتے لہذا اس کا کبھی کامل اور کبھی ناقص ہونا متصور نہیں تو جواب یہ ہے کہ ایمان کے اندر قول و فعل کو داخل ماننے کے بعد اس

لے نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کا تذکرہ مقدمہ انوار الہادی جلد دوم میں: چنانچہ ان کی علمی خدمات بالخصوص اہتمام اشاعت کتب حدیث کے احسان سے کس کا انکار ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اجر جلیل عطا فرمائے تو نواب صاحب مرحوم کی طرف بھی بہت سی منفی علمی تصانیف کی نسبت ہے اگرچہ شریعت اس امر کی بھی ہے کہ نواب صاحب کی تصانیف میں بیشتر حصہ دوسرے علماء کی کاوش و محنت کا ہے واللہ اعلم مگر اس وقت جس امر کا اہتمام اہل الحروف کو اپنے تازہ تجربہ کی بنا پر کرنا ہے وہ یہ کہ شروح البخاری کا مجموعہ یکجا شدہ سامنے ہے جس کو شرح کے وقت اکثر دیکھتا ہوں اور یہ علامہ نوویؒ کی شرح ہے اس کے نیچے علامہ قسطلانیؒ کی اور سب سے نیچے نواب صاحب کی عون الہادی جس میں اور بھی کئی ردوں شرح کی عبارتیں کی تجسسہ لفظ بہ لفظ ہوئی ہیں مگر بغیر حوالے کے گویا وہ سب خود نواب صاحب کی اپنی تحقیقات ہیں البتہ جہاں کچھ حافظ یعنیؒ یا حنفیہ کے خلاف ضرورت سمجھتے ہیں تو اپنے انادات سے بھی نوازتے ہیں جن کی ایک دو مثالیں اوپر پیش کی گئیں ہیں ظاہر ہے کہ اس طرح کو نہ تعینف کہہ سکتے ہیں نہ تالیف۔ واللہ بحال ماہدا

کا زیادتی و کمی کو قبول کرنا ظاہر ہے تو اس جواب میں بھی ہمارا جواب ہے کہ ہماری بحث ایمان محض میں ہے نہ کہ دوسری چیزیں اس میں دخل کرنے کے بعد اور لاکھائی ہی کے حوالے سے پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ سلف کا قول و عمل یزید بالطااعت و بتقیض بالعاصی تھا جس کو امام بخاری نے مختصر کر کے نقل بالمقصود کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے نیز حضرت نے وسط الیدین کے ص ۳۷ لکھا کہ جس نے یہ کہا ”میں ایک ہزار شیوخ سے طاسب بھی کہتے تھے کہ ایمان قول و عمل ہے“ اس قول سے مسئلہ مذکورہ کا ضعف زیادہ معلوم ہوتا ہے یہ نسبت قوت کے کیونکہ ضروریات دین کے بارے میں اس طرح سوال نہیں ہوا کرتا (وہ تو سب ہی کو معلوم ہوتی ہیں) دوسرے یہ کہ جنہوں نے ایسی خبر دی ہے تو انہوں نے اپنا اختیار کردہ مسلک بتلادیا یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے اسی طرح صحابہ سے اس کو حاصل کیا ہے تو اس میں محض اپنے مسک کے شیوخ کی رائے کا اظہار و اتباع ہو سکتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں جس طرح کہ انہوں نے جزء رفع یدین میں رفع یدین کرنے والوں کی تعدد بھی اپنے شیوخ ہی کے اتباع میں لکھی ہے جس میں امر واقعی سے تعرض نہیں کہ ھذیبہ دکتے تھے آخر میں اس امر کا اعادہ بھی مفید ہے کہ خود امام صاحب نے نزدیک بھی ایمان کا چونکہ ایک محفوظ و معین درجہ ہے جس سے کسی کی نہیں مگر اضافہ اور ترقی اعمال صالحہ سے ان کے یہاں بھی ممکن ہے اس لیے اس کے اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے اور غلو ہر سے زیادہ حقائق پر توجہ کی جائے تو اچھا ہے۔

علامہ نوویؒ کی غلطی کا ازالہ

حدیث الباب کی بحث و نظر کا ایک مختصر گوشہ باقی ہے وہ بھی پیش ہے۔ امام نووی نے لکھا ”فتہا نے جو یہ لکھا ہے کہ ”کافر کی کوئی عبادت صحیح نہیں اور اگر اسلام لے آئے تب بھی اس کا اعتبار نہ ہوگا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی احکام میں اس کا اعتبار نہ ہوگا نہ آخرت کے ثواب سے اس میں تعرض نہیں ہے“ اس پر بھی اگر کوئی جرأت کر کے یہ دعویٰ کرنے لگے کہ اسلام لانے کے بعد اس کو عبادت و زمانہ کفر کا آخرت میں ثواب نہ ملے گا تو یہ محض انگلی کی اور بے دلیل بات ہے دوسرے اسی مذکورہ حدیث صحیح کے وجہ سے بھی یہ دعویٰ قابل رد ہے جس میں اچھا اسلام ہونے کی صورت کا فروعی سابقہ اعمال خیر پر بھی ثواب کی بشارت دی گئی ہے نیز حدیث حکیم بن حزام بھی یہی بتلاتی ہے اور سب علماء محققین کی بھی یہی رائے ہے بلکہ اس امر پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا گیا ہے۔“ (شرح ابن خاری ص ۱/۲۱۷)

حضرت شاہ صاحبؒ نے امام نووی کی مذکورہ بالا عبارت اور تاویل قول فقہاء پر فرمایا کہ امام نووی سے غلطی ہوئی فقہانے عبادت کفر کے بارے میں جو فیصلہ کیا وہ بغیر تاویل صحیح کے کیونکہ کفار کی عبادت نہ احکام دینا میں معتبر ہیں نہ احکام آخرت میں اور حدیث حکیم بن حزام میں بجز حق، صدقہ وغیرہ کے (جو طاعات ہیں) کسی عبادت کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا صحیح صاف بات یہی ہے کہ کافروں کی طاعات و قربات تو سب نافع ہیں لیکن عبادت قطعاً غیر معتبر ہیں کیونکہ ان کا مادیات پر ہے جو صحیح معرفت خداوندی پر موقوف ہے اور وہ کسی غیر مسلم کو حاصل نہیں ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت اہم غلطی کی اصلاح فرمائی ہے امام نووی کی عبارت مذکورہ بالا کو سب ہی شراح بخاری نے نقل کیا ہے مگر اس پر کسی نے حسیہ نہیں کی کہ امام نووی کو مغلطہ ہوا ہے یعنی ان کو یہاں طاعات و عبادت کے فرق سے ذہول ہو گیا ہے۔

قاضی عیاض وغیرہ کا اختلاف

دوسرے یہ کہ شیخ عبد اللہ مازری اور قاضی عیاض وغیرہ کا اس مسئلہ میں اختلاف بھی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا اسلامی اصول و قواعد کی رو سے کافر کا تقرب بھی نہیں لہذا اس کو کسی طاعت پر ثواب بھی نہیں ملے گا پھر فرمایا کہ ایک شخص مطہج اور غیر مطہج دونوں ہو سکتا ہے طہج تو اس لیے کہ اوامر الہیہ کے مطابق کام کر رہا ہے طاعت موافقت امر الہی کا نام ہے اور مطہج اس لیے نہیں کہ تقرب کی شرط مطہج الہی کی معرفت ہے جو بغیر ایمان کے حاصل نہیں ہو سکتی لہذا حدیث حکیم کا مطلب صرف اتنا ہے کہ تم نے زمانہ کفر میں اچھے اخلاق و ملکات جمع کر لیے تھے لہذا ان سے تمہیں اسلام

کے دور میں بھی نفع پہنچے گا یا ان سے تم نے قابلِ مدح و تعریف حالت حاصل کر لی یا ان کی وجہ سے حسرتِ اسلام میں زیادتی حاصل ہوگی وغیرہ۔

تنقیح مسئلہ

لہذا اب بات اس طرح منجھ ہوئی کہ قاضی عیاض وغیرہ کو بھی مغالطہ پیش آیا ہے کہ انہوں نے بھی طاعات و عبادات میں فرق نہیں کیا اس لیے ایک اجتماعی مسئلہ اور حدیث صحیح سے ثابت شدہ امر کا خلاف کیا اور ان کی دلیل خود بتلا رہی ہے کہ کس طرح مغالطہ ہوا۔
الحمد للہ حضرت شاہ صاحب کے ارشادِ گرامی سے پوری بات کھل کر سامنے آگئی اور اب بظاہر اصل مسئلہ میں کسی کا اختلاف بھی باقی نہیں رہا۔

کفار کی دنیوی راحتیں

کفار و مشرکین کو دنیا کی راحتیں، نعمتیں، رزق وغیرہ سب ان کی طاعات و قربات کے صلہ میں دیئے گئے اور ان کا سارا معاملہ دنیا ہی میں چکا دیا گیا البتہ کسی کسی کافر کو آخرت میں تخفیفِ عذاب کی صورت سے نوازا دیا جائے گا۔

مومنین کا معاملہ

اور مومنین کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے خرید کردہ غلام ہیں (ان اللہ الشترى الایۃ) ان کی کڑی نگرانی ہے بات بات پر محاسبہ ہے بغیر اپنے آقا و مولیٰ کی مرضی کے ایک قدم ادھر سے ادھر کرنے کی اجازت نہیں دل و زبان پر پہرہ ہے اخلاقِ اعمال معاملات و معاشرت وغیرہ کا کوئی گوشہ نہیں جس میں بغیر ہدایتِ خداوندی کچھ کر سکیں عبادات کا بھی ایک خاص نظام عمل ہے جس پر عمل درآمد شد ضروری ہے اگر ایسا نہیں تو اسلام نام کا ہے۔

نومسلموں کے لیے اصول

نومسلموں کے لیے ایک جدا اصول ہے کہ سارے غیر اسلامی عقائد و اعمال سے خالص توبہ کر کے اسلام اختیار کریں تو پچھلی زندگی کے سارے مطالبات و مؤاخذات قلم زد بلکہ اسلام اچھا ہو تو گذشتہ طاعات (غیر عبادات) پر بھی اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے اور اگر اسلام میں کمی ہوئی تو جس قسم کی کمی ہوگی اسی کا وبال بھی بھگتیں گے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم سبحانک اللہم و بحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک۔

باب احب الدین الی اللہ عزوجل اذومہ

(حق تعالیٰ عزوجل کو دین کا وہ عمل سب سے زیادہ محبوب ہے جس پر مدامت کی جائے)

۳۲۔ حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحییٰ عن هشام قال اخبرنی ابی عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا و عندہا امرأۃ قال من ہذہ قالت فلانة تلذکر من صلاحہا قال مہ علیکم بما تطیعون فواللہ لا یعمل اللہ حتی تملوا و کان احب الدین الیہ ما داوم علیہ صاحبہ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) ان کے پاس تشریف لائے اس وقت ایک عورت بھی ان کے پاس بیٹھی تھی آپ نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا فلاں عورت ہے پھر اس کے بیشتر نماز پڑھنے کا ذکر کرنے لگیں آپ نے فرمایا ٹھیر جاؤ (سن لو) کہ تم پر اتنا ہی عمل واجب ہے جتنے عمل کی تمہارے اندر سکت ہے اللہ کی قسم (ثواب دینے سے) انہیں اتنا تاگر تم (عمل کرتے کرتے) اتنا جاؤ گے اور اللہ کو دین (کا) وہی (عمل) زیادہ پسند ہے جس کی ہمیشہ پابندی کی جائے۔

تشریح:- معلوم ہوا کہ عبادت کی زیادتی اتنی مطلوب نہیں جتنی اس کی پابندی اور پیکلی پسند ہے کہ تھوڑے عمل میں انبساط و فرحت بھی رہتی ہے اور آدمی اس کو دیر تک بٹھا بھی سکتا ہے اور زندگی کی گونا گوں ذمہ داریوں کے ساتھ ایسی ہی عبادت اختیار بھی کی جاسکتی ہے جو انسان میں اس کی عبادت کے احساس کو ہمیشہ اور ہر دم پر قرار رکھ سکے اور اسے عام انسانی فرائض کی بجائے آوری سے بھی نہ روکے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عموماً نے حدیث الباب وغیرہ کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے کہ تھوڑا عمل جس پر عبادت کی جائے۔ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس کو ہمیشہ نہ کیا جاسکے امام غزالیؒ نے اس کی مثال دی کہ ایک پتھر پر پانی کا قطرہ قطرہ پکارتا رہے تو اس میں کچھ عرصے کے بعد سوراخ ہو جائے گا لیکن اگر پانی بڑی مقدار میں بھی اس پر بہا دیا جائے تو اس میں کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

لا یصل (انہیں اکتانے کا) پر فرمایا کہ اکتانے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف مناسب نہیں مگر یہ نقطہ بطریق مشکلت بولا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینا ترک نہیں فرمائیں گے جب تک کہ تم ہی عبادت کو نہ چھوڑ دو۔

یہ تو اس کا مشہور عام جواب ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں اس کو اسی طرح سمجھتا ہوں جس طرح حق تعالیٰ کے لیے یہ، اصالح، وجہ وغیرہ کا اطلاق آیا ہے، یعنی یہ تمام چیزیں اس کے لیے ثابت ہیں مگر ایسی ہی جیسی کہ اس کے شان کے مناسب ہیں ہم اس کے اور اک و اظہار سے قاصر ہیں۔

بحث و نظر:- اس میں بحث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (رک جاؤ) کیوں فرمایا اور کس سے فرمایا؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ حضرت عائشہؓ سے فرمایا اس لیے کہ کسی کی تعریف اس کے منہ پر پسندیدہ نہیں یا اس لیے فرمایا کہ میں بات کو سمجھ گیا زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں! طاقت سے زیادہ عبادت نہیں کرنی چاہئے پھر بہت زیادہ انتہا کہ عبادت نہجہ بھی نہیں سکتا اسی لیے تھوڑا عمل کرو و عبادت و انشاء کے ساتھ جس سے خدا زادہ خوش ہوتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خود خواہ سے ہی فرمایا (جو ہوا بیٹھی تھیں اور جن کی نماز وغیرہ عبادت کا تذکرہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا) کہ اس طرح عبادت میں خلوت کرو اس سے رک جاؤ پھر عبادت کا بہتر اور زیادہ پسندیدہ طریقہ تعلیم فرمایا۔

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے منہ پر تعریف کرنا جائز ہے ورنہ حضرت عائشہؓ ایسا کیوں کرتیں؟ اول تو ان کا مقصد تعریف کرنا بظاہر تھا ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا حال عرض کر کے ہدایت حاصل کرنی تھی اور اس غرض کے لئے ساری بات اور سامنے ہی کہنے کی ضرورت تھی تاکہ کوئی کمی بیشی بھی نہ ہو اور ہوا تو اس کی صحیح ہو جائے دوسرے یہ کہ احتمال اس کا بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا مقصد تعریف ہی کرنا ہوا اور ان کو اس وقت تک سامنے تعریف کرنے کی ممانعت معلوم نہ ہوئی ہو اس لیے ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس پانپنیدہ عمل سے روکا تاکہ وہ مسئلہ سمجھ لیں دوسری طرف معاملہ مروجہ میں رہنے کی بھی فرامادی تیسرے یہ کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواہ کی تعریف اس وقت کی، جب وہ انھار کا چٹکی تھیں، اور علیکم بما تطیعون وغیرہ ہدایت حضرت عائشہؓ کی وساطت سے ان کو پہنچی یا دوسرے وقت خواہ سامنے ہوئیں تو ان کو براہ راست ہدایت فرمائی۔

ابن التین کی رائے یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خواہ کے منہ پر تعریف اس اطمینان پر کی کہ ان کے غرور و تکبر وغیرہ کسی فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں تھا اور ایسی صورت میں تعریف جائز بھی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- باب سابق میں امام بخاریؒ نے حسن اسلام کا بیان کیا تھا کہ احسن وغیرہ ہوتا ہے یہاں دین کی تقیم احب وغیرہ احب کی طرف بتلائی اور باپ سابق میں یہ ظاہر ہوا تھا کہ اسلام کا حسن مطلوب ہے یہاں حسن کی ایک صورت دوام عمل بتلائی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ باب سابق میں اس طرف اشارہ تھا کہ ایمان و اسلام میں حسن اعمال صالحہ سے آتا ہے مگر اس سے کوئی

یہ نہ سمجھے کہ عمل صالح ہی میں لگے ہو اور سب کام دنیا کے چھوڑ دو تو اس حد بندی یہاں دوسرے باب سے کر دی کہ عمل صرف اسی حد تک مطلوب ہے جب تک دوام و نشاط سے کر سکو اللہ اعلم۔

باب زیادة الايمان و نقصانه و قول الله تعالى و زدناهم هدى و یزداد الذین امنوا ایمانا و قال الیوم اکملت لکم دینکم فاذا ترککم شیئا من الکمال فهو ناقص

(ایمان کی زیادتی و کمی کا بیان اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تفسیر ”ہم نے اصحاب کو مزید ہدایت دے دی“ اور ”تا کہ ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے“ آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا“ پس اگر کمال کے درجہ میں سے کوئی چیز چھوڑ دی تو نقص آگیا۔

۳۳ حدیثنا مسلم بن ابراہیم قال حدیثنا هشام قال حدیثنا قتادة عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ینخرج من النار من خیر و ینخرج من النار من قال لا اله الا الله و فی قلبه وزن شعيرة من خیر و ینخرج من النار من قال لا اله الا الله و فی قلبه وزن برة من خیر و ینخرج من النار من قال لا اله الا الله و فی قلبه وزن ذرة من خیر قال ابو عبد الله قال ابان حدیثنا قتادة حدیثنا انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الايمان مکان من خیر:

ترجمہ: حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اور اس کے دل میں جو برابر نیکی (ایمان) ہے تو وہ دوزخ سے نکلے گا اور دوزخ سے وہ شخص (بھی) نکلے گا جس نے کلمہ پڑھا اور اس کے دل میں گہروں کے برابر ایمان ہے اور دوزخ سے وہ (بھی) نکلے گا جس نے کلمہ پڑھا اور اس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر ایمان ہے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ انہاں نے بروایت قتادہ بواسطہ حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر کی کہ ایمان کا لفظ نقل کیا ہے۔ تشریح: محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں جب تک دل میں اس کلمہ کی حقیقت کا گڑبگڑ نہ ہو ایمان اگر ہے تو سراپا بنتے کے بعد پھر بخشا جاتا یعنی ہے اس حدیث میں متعدد چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے مطلب یہی ہے کہ کم سے کم مقدار میں بھی اگر ایمان قلب میں موجود ہے تو آخرت میں اس کا فائدہ ضرور حاصل ہوگا حدیث میں خبر سے ایمان مراد ہے پھر آخر میں امام بخاری نے خود ایک روایت کے حوالے سے نقل فرمایا کہ اس میں ایمان کا لفظ بھی آیا ہے۔

ایمان میں زیادتی و کمی ہوتی ہے یا نہیں یہ بحث ابتداء کتاب الايمان میں پھر کچھ درمیان میں بھی ہو چکی ہے امام بخاری نے جو آیات یہاں پیش کیا ہیں ان میں سے پہلی دو گزرجہ کی ہیں اور ان کا مقصد بھی واضح کیا جا چکا ہے جہاں تک اعمال کی اہمیت و افادیت کا تعلق ہے استئناف یا دوسرے مقام ہی اہل حق اس کے قائل ہیں البتہ فرقہ مرجعہ اور معتزلہ دونوں تقریبا و افراط کا شکار ہوئے جن کے خلاف سب ہی علماء حق نے لکھا اور بہت کچھ لکھا امام بخاری نے بھی ان فرقوں کی تردید کے لیے پوری توجہ دی ہے مگر ایک اہم نقطہ اختلاف جو باہم اہل حق کا ہے کہ اعمال ایمان کا جز و بھی ہیں یا نہیں ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے اور گواس کے بیشتر حصہ کو نزاع لفظی بھی کہہ سکتے ہیں۔ تاہم اختلاف کے صحیح خفا و بنیاد سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ہم یہاں فتح المہم صفحہ ۱۵۸ سے کچھ مفید اشارات نقل کرتے ہیں۔

شوافع و احناف کا اختلاف

اور اسی اختلاف پر ایمان کی زیادتی و کمی کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے معتزلہ اشاعرہ امام شافعی اور بہت سے علماء کی رائے ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے امام اعظم ابوحنیفہ آپ کے اصحاب اور بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ نہیں ہوتی۔

امام الحرمین

امام الحرمین شافعی بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ ایمان اس تصدیق کا نام ہے جو حد یقین و اذعان پر پہنچی ہو اور اس میں کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی

پھر اگر وہ تصدیق کرنے والا طاعت بجالاتا ہے یا ارتکاب معاصی کرتا ہے۔ تب بھی اس کی تصدیق بحال موجود ہے اس میں کوئی تغیر و فرق نہیں آیا وہ فرق جب ہی آسکتا ہے کہ ایمان کو طاعات کا مجموعہ قرار دیں جو کم و بیش ہوتی ہیں۔

امام رازی

اور اسی وجہ سے امام رازی شافعی وغیرہ نے لکھا کہ یہ اختلاف تفسیر ایمان پر مبنی ہے اگر اس کو صرف تصدیق کہیں تو اس میں کمی و بیشی کے درجات نکلنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور اگر اعمال پر اس کا اطلاق کریں تو پھر متفاوت درجات نہ نکلنے کی کوئی وجہ نہیں پھر امام رازی نے دونوں راویوں میں اس طرح توفیق دی کہ عدم تفاوت والوں کی نظر اصل ایمان پر ہے اور تفاوت والوں کی کامل ایمان پر۔

شارح حاشیہ

شارح حاشیہ نے فرمایا کہ کبھی ایمان کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو اصل مدار نجات ہے اور کبھی کامل درجہ پر جو خلاف نجات کا باعث ہے علامہ شمس محمد الحکمری کا قول نقل ہوا کہ "ہمارے اصحاب نے جہاں علی الاطلاق یہ کہا کہ ایمان میں زیادتی کی کمی نہیں ہوتی وہاں مراد ہی مرتبہ ہے جو اصل مدار نجات ہے اور جس نے زیادتی و نقصان کو مانا تو اس سے مراد کامل درجہ لیا ہے لیکن کامل کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس کے مقابل کو ناقص کہیں اور یہ تعبیر زیادہ اچھی نہیں البتہ اس کی جگہ ایمان شرعی کہیں تو زیادہ مناسب ہے جیسا کہ بعض محققین نے کہا بھی ہے۔

ایمان میں قوت و ضعف مسلم

اس کے علاوہ ایمان کا اعتبار قوت و ضعف اجزا و تفصیل اور پہلے تعداد بعد تعداد مومن بہ (یعنی ایمانیات کا کم و بیش ہونا) تو یہ بھی محققین اشاعرہ کا عقار قول ہے۔ امام نووی کا بھی یہی قول ہے اسی قول کو سعد نے شرح عقائد میں بعض محققین کی طرف منسوب کیا ہے اور موافق میں بھی اسی کو قنقر قرار دیا۔ (کذا فی شرح الایام)

شیخ اکبر کی رائے

شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا کہ ایمان اصلی جو زیادہ کم نہیں ہوتا وہ فطرت ہے جس پر خدا نے سب لوگوں کو پیدا کیا یعنی ان لوگوں نے اخذ یشاق کے وقت جو خدا کی وحدانیت کی شہادت دی تھی پس ہر بچہ اسی یشاق پر پیدا ہوتا ہے مگر جب وہ جسم خاکی کی قید میں آتا ہے جو عمل نسیان ہے تو اس حالت کو بھول جاتا ہے جو اس کو اپنے رب کے حضور میں حاصل ہوتی تھی اور پھر سے خدا کی وحدانیت کا علم و یقین حاصل کرنے کے لیے دلائل و براہین کا محتاج ہو جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مسافر جنگل میں ہے آسمان صاف ہے سمت قبلہ کو اچھی طرح پہچان رہا ہے اپنی منزل کا رخ بھی صحیح سمجھ رہا ہے کچھ دیر کے بعد فضا ابر و غبار سے گھر جاتی ہے اب وہ مسافر نہ سمت قبلہ کو پہچانتا ہے نہ اپنی منزل کے رخ کو اور اس حالت میں اجتہاد و عقل سے فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

علامہ شعرانی کا فیصلہ

علامہ شعرانی شافعی نے تحریر فرمایا کہ اس تقریر سے تم پر "ایمان فطرت" کا حال واضح ہو گیا جس پر بندہ کو موت آتی ہے اور اس میں کمی ہوتی ہے نہ زیادتی اور یہ جو تم نے سن رکھا ہے کہا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اس سے مراد درمیانی زندگی کے نشیب و فراز ہیں واللہ اعلم۔ علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب الفصل میں لکھا کہ کسی چیز کی تصدیق میں یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ زیادتی کی ہوا رکھ بالکل اسی

طرح توحید و نبوت کی تصدیق میں بھی زیادتی و کمی ناممکن ہے الخ

حضرت شاہ صاحب کی رائے

علامہ عثمانی قدس سرہ نے اس کے بعد استاذنا العظام شاہ صاحب قدس سرہ کے کلمات ذیل بھی نقل فرمائے :- ایمان شرعی کے معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر چیز میں اپنے اوپر لازم کر لینا ہے، یعنی جو کچھ آپ کے ذریعہ تک پہنچا ہے اس سب کو بے چون و چرا قبول کر لینا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو باعتبار مومن بہ کے پوری اسلامی شریعت پر حاوی ہے نہ اس میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی اسی لئے ایمان شرعی کا اطلاق و تصور اس طرح ہونی نہیں سکتا کہ کچھ چیزوں کو تسلیم کر لیا جائے اور کچھ کو رد کر دیا جائے۔ قال تعالیٰ :-

الْفُتُوْنُ مِنْهُنَّ الْبَعْضُ الْكَتَابُ وَ الْكُفُوْنُ مِنْهُنَّ الْبَعْضُ (کیا بعض چیزوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا کفر کرتے ہو)
وَيَقُولُونَ لَوْ مَنَّا لِمَا بَغَيْنَا مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّ لَنَا كُوْنًا مِّنْ شَيْءٍ (کہتے ہیں کہ ہم تو کچھ چیزوں کو مانیں گے اور کچھ کو نہیں مان سکتے)

ایمان میں اجمال و تفصیل

البتہ اجمال و تفصیل کا تفاوت قائل تسلیم ہے اور یہی امام اعظمؒ کے اس قول کا مطلب ہے ”امو بالجملة ثم بالتفصيل“ پہلے ایمان اجمالی اختیار کرو پھر تفصیلی اس کو کوری نے مناقب میں نقل کیا ہے معلوم ہوا کہ امام صاحب کائنی زیادہ تفصیل کا قول اسی وجہ مذکور سے بہار و جودہ نہیں۔

حافظ عینی کی محققانہ بحث

فتح الملہم شرح صحیح مسلم سے اوپر کے اقوال کرنے کے بعد ہم حافظ عینیؒ کا وہ اہم علمی فائدہ بھی نقل کرتے ہیں جو انہوں نے آیت اکملت لکم دینکم کے بارے میں لکھا، کیونکہ امام بخاری نے یہی آیت یہاں استدلال میں بڑھائی ہے جو پہلے باب ذکر ایمان میں نہیں لائے تھے ابن بطلان نے کہا کہ یہ آیت زیادہ نقصان و ایمان کی دلیل ہے کیونکہ وہ اس روز نام نازل ہوئی جس روز تمام فرض و سنن کامل ہو گئے اور دین کا استقرار و استحکام ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے واپس بلا لیں لہذا اس آیت سے بتلایا کہ کمال دین پوری شریعت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور اسی کے ساتھ نقصان دین والی صورت بھی کچھ میں آجاتی ہے پھر دین سے یہاں توحید کو اس لیے مراد نہیں لے سکتے کہ وہ تو آیت مذکورہ کے نزول سے پہلے بھی تھی پس اعمال ہی مراد ہوں گے اگر ان کی پوری پابندی کرے گا تو اس کا ایمان بہ نسبت اس شخص کے زیادہ کامل ہوگا جو کوتاہی کرے گا۔ حافظ عینیؒ نے ابن بطلان کا پورا استدلال کر کے لکھا کہ اس آیت سے دین کی زیادتی و کمی پر استدلال درست نہیں کیونکہ اس سے تو مراد یہ ہے کہ میں نے تمہارے دین کی شرائع (احکام شرعیہ) کو مکمل کر دیا کیونکہ شریعت کے احکام رفتہ رفتہ اتر رہے تھے تا آنکہ اس دن مکمل ہو گئے یہ کہاں ہے کہ دین و ایمان کو مکمل کیا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ پہلے دین و ایمان ناقص تھا جو صرف اس دن مکمل ہوا پس شرعی احکام یا شرائع الہیہ کی تکمیل ضرور اس روز ہوئی ہے جن کا تحقق اعمال سے ہے لہذا اس آیت سے تو ابن بطلان کا مدعا نہیں بلکہ خلاف مدعا بات نقل رہی ہے اور خود ابن بطلان نے بھی اقرار کیا کہ یہاں دین سے مراد توحید نہیں ہو سکتی جو اسل دین و ایمان ہے (عمد القاری ص ۳۰۰)

حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے

آخر میں حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے بھی پیش کی جاتی ہے جو اس بحث کی تکمیل ہے موصوف نے ارجاء سنت و ارجاء بدعت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی لیے ارجاء فقہاء میں ایسے حضرات بھی سفر فرست نظر آتے ہیں جو اندر دین کی نظر میں اہل علم و دین ہیں اور سطح میں سے کسی ایک نے بھی آج تک فقہاء عربین کی تحفیر نہیں کیا البتہ صرف اتنا کہا کہ یہ اقوال و افعال کی بدعت ہے عقائد کی بدعت کسی نے نہیں کہا کیونکہ

اس سلسلہ کا نزاع اکثر لفظی ہے، البتہ جو الفاظ کتب وسنت کے مطابق تھے وہی زیادہ بہت تھے۔

غرض یہ معمولی سی لفظی خطہٴ دوسروں کے لیے عقائد و اعمال میں بڑی خطاء کا پیش خیمہ بن گیا اور اسی لیے بعد کے دلوں نے ارجاء کی مذمت میں بڑی بڑی باتیں کہہ ڈالیں۔“

حافظ ابن تیمیہ کا مقصد

حافظ ابن تیمیہ کا مقصد یہ ہے کہ مرجع اہل بدعت اور فساق کو اہل سنت فقہاء و مرجئین کے اقوال سے اپنے فسق و فجور وغیرہ کے لیے سہارا مل گیا اور یہی بات بہت سے محدثین (امام بخاری وغیرہ) پر زیادہ گراں گزری، جس کی وجہ سے انہوں نے بڑے بڑے ائمہ زین وفقہ پر طعن ارجاء کیا۔

علامہ عثمانی کا ارشاد

حضرت علامہ عثمانی نے حافظ ابن تیمیہ کی رائے مذکور نقل کرنے کے بعد لکھا کہ موصوف نے یہاں پہنچ کر اس امر کا خیال نہیں فرمایا کہ خوارج (ومعتزلہ) کا فتنہ بھی تو مرجع کے فتنہ سے کم نہیں تھا جو ایک گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر ایمان سے خارج ہونے کا حکم لگا رہے تھے۔ (فتح الملہم صفحہ ۵)

امام اعظم کی گرانقدر رہنمائی

ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو تو فرقہٴ قدریہ مرجع اہل بدعت خوارج و معتزلہ وغیرہ تمام ہی اس وقت کے گمراہ فرقوں کا مقابلہ کرنا پڑا، اس لیے اگر وہ اس وقت کھل کر صاف طریقہ سے رہنمائی نہ کرتے تو اتحاق حق ہرگز نہ ہو سکتا، فطرت اہل ذبیحہ نے تو قرآن وسنت سے بھی اپنے لیے گمراہی کے راستے نکال لیے ہیں، اگر امام اعظم، ان کے صاحب فقہ و محدثین اور دوسرے مرجع اہل سنت کے اقوال سے انہوں نے اپنی گمراہی کے لیے سہارا ڈھونڈ لیا تو یہ بات ان کا بڑا پر جواز طعن کی چیز نہیں بن سکتی دوسری طرف خوارج و معتزلہ نے اس وقت انتہائی زور پکڑ رکھا تھا بقول حضرت عثمانیؒ ان کے فتنوں کی بھی تو روک تھام ضروری تھی واللہ اعلم۔

طعن ارجاء درست نہیں

حافظ ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بالا فیصلہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ائمہ حنفیہ وغیرہ کے لئے جو بطور طعن کتب رجال و حدیث میں مرجئی یا زہرہ رجاہ وغیرہ لکھا گیا ہے اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔

تکمیل بحث

ایمان کی حقیقت اعمال کا مرتبہ اور دوسرے ضروری امور روشنی میں آچکے اور بعض باتیں خصوصی اہمیت مستلزامان کے سبب بہ نظر آ رہی ہیں یہاں پہنچ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ چند طور کا اضافہ اور کیا جائے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے مستلزامان پر مستقل کتاب الایمان لکھ کر جو کچھ واضح و تحقیق دی تھی اس کا خلاصہ اوپر عرض کر دیا گیا اس میں ائمہ حنفیہ وغیرہم کی طرف سے جو دفاع کیا گیا وہ بھی قابل قدر علمی افادہ ہے مگر ایک چیز کھٹکی، جس کا اہتمام و ازالہ ضروری ہے۔ انہوں نے لکھا کہ جو لفظ کتب وسنت کے مطابق تھا وہی صواب تھا کسی کو اس کے خلاف کرنا خصوصاً جبکہ وہ اہل کلام و مرجع اہل بدعت کے غلط و خلاف سنت طریقہ کے لئے سہارا بن گیا مناسب نہ تھا۔ (فتح الملہم صفحہ ۱۵۸)

اسی طرح نواب صاحب نے موقع پا کر حدیث الباب کے تحت اپنی شرح ”عون ابادری“ میں بھی لکھا کہ سلف سے ایمان کا مفہوم قول و عمل پر یہ و بنفص منقول ہوا تھا جس طرح کہ لا لکائی نے کتاب السنۃ میں نقل کیا اور انہوں نے حضرات صحابہ و تابعین کا بھی یہی قول لکھا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کے قول پر نظر

تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بالا الفاظ سے کچھ غلط فہمی ہو سکتی ہے اور نواب صاحب نے تو پورا مغالطہ دیا ہے، ہم جلد اول صفحہ ۸۹ میں عمدۃ القاری کے حوالے سے علامہ لاکائی کی تحقیق نقل کر آئے ہیں اور یہ بھی بتلادیا تھا کہ بقول حضرت شاہ صاحب امام بخاریؒ نے سلف کی طرف پورا قول منسوب نہیں کیا، لاکائی نے جو سلف کا قول نقل کیا تھا، اس میں قول و عمل بزرگ بلا طاعت و بنقص بالمعصیۃ تھا (ایمان قول و عمل ہے جو طاعت سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا ہے اور لاکائی نے اسی کے بعد یہ لکھا تھا کہ صحابہ و تابعین کا بھی یہی قول تھا۔

نواب صاحب کا مغالطہ

نواب صاحب نے مختصر بات کو نقل کر کے اسی کو لاکائی کے حوالہ سے سلف کی طرف منسوب کر دیا اور پھر اسی کو صحابہ و تابعین کا قول بنا دیا، حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ ائمہ حنفیہؒ نے کوئی لفظ خلاف کتاب و سنت استعمال کیا، حالانکہ یہ بھی غلط ہے درحقیقت جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بعد الیہدین کے صفحہ ۴ پر فرمایا، سلف کے جس قول کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ خود ان کا مختار ہے سلف نے یہ کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ ہم نے یہ قول صحابہ سے لیا ہے دوسرے یہ کہ سلف کے قول میں بھی حسب روایت علامہ لاکائی تفصیل تھی، وہ اجمال نہیں تھا جو امام بخاریؒ یا اب نواب صاحب مرحوم نے نقل کیا ہے۔

اجمال و تفصیل کا فرق

اس کے بعد گزارش ہے کہ اجمال سے تو ہمیں انکار نہیں کہ وہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے جو امام بخاریؒ وغیرہ نے لیا، مگر تفصیل سے صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ یا معاصی سے ایمان کی کیفیت نور یا ظلمت میں کی زیادتی ہوتی رہی ہے یعنی فرما کر اندر داری اور طاعات سے ایمان کی کیفیات بڑھتی ہیں اور تا فرما کر معاصی سے اس کی روحانی کیفیات میں کمزوری آتی ہے، تو اس تفصیلی جملہ کو اعمال کی جزئیت کی دلیل بنانا صحیح نہیں ظاہر ہے ایمان (تصدیق قلبی از غان) کی جنس اور ہے اعمال کی جنس اور۔ اعمال کی وجہ سے ایمانی کیفیت میں کمی و بیشی کا ضرر ہے کچھ میں آتی ہے اس کی وجہ سے خود ایمان کی کیت و مقدار میں کمی و بیشی متصور نہیں ہے جس کی تائید دوسرے اکابر امت کے اقوال سے یہاں اور پہلے بھی پیش کی گئی۔

بدع الالفاظ کی بات

ربی بدع الالفاظ والی تنقید تو وہ اس لئے صحیح نہیں کہ کتاب و سنت یا صحابہ و تابعین سے ایمان کی حد و تعریف خاص الفاظ سے ماخوذ نہیں ہے کہ اس کے خلاف کو بدع الالفاظ کہا جائے، بلکہ اس قسم کی تعریحات و توضیحات کی جب ضرورت پیش آئی تو سب سے پہلے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب و تلامذہ ہی کو یہ خدمت انجام دینی پڑی، ان کے بعد آپ کے تلامذہ کے طبقہ میں امام بخاریؒ اور دوسرے شیوخ صحاح ستہ وغیرہم کے اساتذہ آئے ہیں اس لئے جو بات امام بخاریؒ وغیرہ نے اپنے اساتذہ و شیوخ سے نقل کی ہے اس سے زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ ان شیوخ کے شیوخ سے لیتے، کہ وہ ان کے بھی سلف تھے اور انہوں نے براہ راست تابعین سے علم و فیض حاصل کیا تھا، پھر اگر انصاف کیا جائے تو بزرگوں و بنفص والا قول بھی صحیح ہے کہ مراد کیفیات کی کمی بیشی ہے اور لازمی و لایقہص بھی صحیح کہ اصل ایمان ایک محفوظ درجہ ہے جو خدا رب تعالیٰ سے غرض، ائمہ حنفیہؒ بھی پہلے معنی کے الفاظ سے زیادتی و نقصان ایمان کو تسلیم کرتے ہیں اور دوسرے معنی سے جو وہ انکار کرتے ہیں اس میں ان کے ساتھ دوسرے ائمہ و اکابر امت ہیں۔ اس سلسلہ میں مغالطہ جو کچھ بھی اور جس کو بھی ہوئے وہ دوسرے کے اندازوں کے سبب ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

افادہ النور

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے۔ الایمان یزید ولا ینقص (ایمان بڑھ کر رہے گا، گھٹ کر نہیں رہے گا) یہ میرے نزدیک حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قول سے ماخوذ ہے جو انہوں نے مسلم کو کافر کے مال کا وارث قرار دے کر اور کافر کو مسلم کے مال کا وارث قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا "الاسلام یزید ولا ینقص" (ایوداؤد کتاب الفرائض) اس کی شرح میں محدثین نے لکھا ہے ای یعلو ولا یعلیٰ، یعنی اسلام بلند ہوتا ہے نیچا نہیں ہوتا۔

۴۴۔ حدثنا الحسن بن الصباح سمع جعفر بن عون حدثنا ابو العباس اخبرنا قیس بن مسلم عن طارق ابن شهاب عن عمر بن الخطاب ان رجلا من اليهود قال له یا امیر المؤمنین ایدہ فی کتاب حکم تقرؤنہا ونہا لو علینا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلک الیوم عیداً قال ای ایدہ قال الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا قال عمر قد عرفنا ذلک الیوم والمکان الذی نزلت فیہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو قائم بعرفۃ یوم جمعة۔

ترجمہ:- حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ان سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب (قرآن) میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس (کے نزول کے) دن کو یوم عید بنا لیتے آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے جواب دیا (یہ آیت کہ) "آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ہم اس دن اور اس مقام کو خوب جانتے ہیں جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی (اس وقت) آپ عرفات میں جمعہ کے دن کھڑے ہوئے تھے۔

تشریح:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن ہمارے یہاں عید ہی شمار ہوتا ہے اس لئے ہم بھی ان آیتوں پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں پھر عرفہ سے اگلا دن عید الاضحیٰ کا ہوتا ہے اس لئے معنی خوشی اور مسرت ہمیں ہوتی ہے تم تو مکمل تمناؤں اور بولچسب کے سوا اتنی خوشی منانا بھی نہیں سکتے۔

بظاہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کے جواب میں یہاں صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں وہ دن اور وہ جگہ معلوم ہے جہاں یہ آیت اتری ہے، لیکن یہاں حدیث میں اختصار ہوا ہے احق بن قیسؓ کی روایت میں اس طرح ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت جمعہ و عرفہ کے دن اتری ہے اور یہ دونوں دن بحدہ ہماری عید کے دن ہیں۔

ترجمہ میں ہے کہ یہودی کے سوال پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ آیت تو اس دن اتری ہے کہ ہماری ایک چھوڑ دو عیدیں تھیں جمعہ بھی تھا اور عرفہ بھی غرض جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہماری تو اس دن میں عیدیں ہی ہوتی ہیں۔ یعنی جمعہ کو اور عرفہ کے دن کو اس لئے عید کہہ سکتے ہیں کہ اس سے علاوہ ان عید کا یہاں سے لے کر آیت مذکورہ بعد عصر نازل ہوئی گویا عید کی رات میں اتری رات شریعت میں دن سے پہلے ہوتی ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا کہ اس دن میں دو شرط اور دو فضیلت جمع ہوئیں جمعہ کی اور عرفہ کی اس لئے ہم اس دن کی ذیل تعظیم کرتے ہیں اور ہم نے نہ صرف اس دن کی عظمت کی بلکہ اس مقام کی بھی جہاں اتری ہے کہ عرفات کا مقام ہمارے یہاں نہایت عظمت و رفعت کا مقام ہے اسی

۱۔ ابن جریر طبری نے تہذیب آباء میں روایت نقل کی ہے کہ یوم جمعہ یوم عید الاضحیٰ سے بھی افضل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اشہر (مہینوں) میں سے ماہ رمضان افضل ہے، انہر سال کے دنوں (میں) سے عرفہ کا دن افضل ہے، ہفتہ کے دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے، عاشورہ میں سے ذوالحجہ کا ابتدائی ماہ اشرا (دس دن) افضل ہیں (کنز الدقائق للشیخ الانوری)

لئے حضرت عمرؓ نے نہ صرف زمانہ کے شرف کی طرف اشارہ فرمایا بلکہ مقام کے شرف و عظمت کو بھی ظاہر کیا اور جس حالت میں وہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتی تھی اس کو بھی ذکر فرمایا مطلب یہ کہ اس آیت کے نزول کے وقت دن مقام اور حالت کو حضور انجمنی پر سوار تھے سب ہی ہماری نظروں میں ہیں ان سب چیزوں کی عظمت و وسعت جو کچھ ہمارے دلوں میں ہونی چاہئے ظاہر ہے۔

مسلمانوں کی عید کیا ہے

دوسرے اہل مذہب و مل کے مقابلہ میں ہماری عید کی شان بالکل الگ ہے وہ لوگ اس دن میں کھیل تماشہ، تفریحی مشاغل وغیرہ سے دل بہلاتے ہیں ہماری عید کے دن وہ ہیں جن میں حق تعالیٰ کے روحانی انعامات کی بارش ہوتی ہے ہر نیک عمل کا اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے خدا کی مغفرت اور عافیت کی قبولیت کے دروازے کھل جاتے ہیں عبادت کی پابندی میں اضافہ ہو جاتا ہے شہداء و شہداء کی اور نمازوں کو اگر ہر جگہ اور بغیر جماعت کے بھی ادا کر سکتے تھے تو جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے اور بجز شہر کی جامع مسجدوں کے دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جمعہ مسلمانوں کی ہفتہ واری عید کا دن ہے پھر سال واری دونوں عیدوں میں تو مستقل ایک نماز ہی کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کو شہر سے باہر میدان میں نکل کر پورے اہتمام و مظاہرہ کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے اور ایک سے پہلے صدقہ فطر دوسری کے بعد قربانی کے حکم نے بھی یہی بتلایا کہ دنیا میں تمہاری عیدیں اسی شان سے سب غیروں کی عیدوں سے الگ طریقہ پر ہوں گی اور ان کے ساتھ جو ہمیشہ ہمیش کی خوشی والی اور دل کی امنگیں پوری آزادی کے ساتھ پوری کرنے کی عیدیں آنے والی ہیں وہ سب جنت میں حاصل ہوں گی جہاں عیدین کے دن دربار عام میں حق تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا کرے گا۔

عید گاہ ماغریباں کوئے تو انبساط عید دیدن روئے تو

افادات انور

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں محدث الحسن بن الصباح رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ان کے لکھا جاتا ہے مگر پڑھنے میں اندیشہ پڑھنا چاہئے۔ ”فرمایا: یہودیوں کو آیت اکملت لکم دینکم پر اس لئے خیال ہوا کہ تواریخ و تاجیل میں کوئی آیت اس قسم کی نہیں ہے اس لئے کہ اس میں پورا اطمینان دلایا گیا ہے اور اسلام کے مکمل ترین ادیان ہونے کا یقین دلایا ہے اور رضیت لکم الاسلام سے سب سے بڑی اور آخری نعمت بھی دینے جانے کا اظہار ہے کیونکہ رضائی انتہا سفر ہے جس کو عارفین مقام رضہ کہتے ہیں اور جنت میں سب سے آخر کی نعمت حاصل ہوگی۔

دوسرے اس آیت کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ وہ بطور فذ لکھ قرآن ہے جس طرح حساب کے آخر میں ٹوٹل و میزبان ہوتی ہے کہ اس میں سب کا خلاصہ آ جاتا ہے۔

رد بدعت:۔ ”راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم سے بدعات و محدثات فی الدین کا بھی رد ہو جاتا ہے کیونکہ دین کی سب باتیں مکمل ہو چکیں اب دین کے نام پر کوئی بات جاری کرنا ہی بدعت و گمراہی ہے جو وعید کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار کا مستحق بنا دیتی ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا اباکم و محدثات الامور (یعنی دین کے اندر نئی باتیں نکالنے سے بچتے رہنا۔ یہی باتیں دین و طریق سنت سے دور کرنے والی ہیں غرض رد بدعت کے لئے اس آیت مبارکہ کو پیش کر سکتے ہیں۔

نواب صاحب اور عدم تقلید

مگر نواب صدیق حسن خان صاحب نے عون الہاری میں لکھا کہ ”اس آیت سے معلوم ہوا دین کا کمال قرآن و حدیث کے ذریعہ حاصل ہو چکا اور اب کوئی ضرورت ان دونوں کے سوا کسی امر کی ایمان کے راستہ پر چلنے کے لئے باقی نہیں رہی لہذا ان دونوں سے کھلا ہوا رد اہل تقلید و اصحاب الرائے کا ہو گیا۔“

کون نہیں جانتا کہ زندگی کے لاکھوں مسائل ایسے ہیں جن کے لئے جواز و عدم جواز کا کھل ہوا فیصلہ قرآن و حدیث میں درج نہیں ہے اور ایسے ہی غیر مخصوص مسائل میں قرآن و حدیث کے اصول و قواعد کے تحت اجتہاد و تفقہ فی الدین کے ذریعے فیصلے کئے گئے اور یہ طریقہ حضرات صحابہ و تابعین اور زمانہ خیر القرون ہی سے شروع ہو گیا تھا اور اس سلسلہ میں بعد کے لوگوں نے اپنے سلف کے علم و دیانت پر اعتماد کیا، یہ اعتماد اس مرے پورے اطمینان کر لینے کے بعد کیا جاتا رہا ہے کہ سلف نے استنباط مسائل میں قرآن و سنت کی حدود سے باہر قدم نہیں رکھا، اور جس مسئلہ میں بھی اس کے خلاف کوئی بات کسی وقت بھی ظاہر ہوئی یا ہوگی تو اس پر اعتماد کا سوال باقی نہیں رہتا، تقلید اس کے سوا اور کیا ہے؟ رہا اصحاب الرائے کا طعن اس کے بارے میں مقدمہ میں کافی لکھا جا چکا ہے واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

باب الزکوۃ من الاسلام و قوله تعالى و ما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء و يقیموا الصلوة و يؤتوا الزکوۃ و ذلك دين القيمة۔

(زکوۃ ارکان اسلام میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان) (اہل کتاب) کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ کیسویں و اخلاص کے ساتھ صرف خدا کی عبادت کریں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ ادا کریں یہی مستحکم دین ہے۔

۳۵۔ حدثنا اسمعيل قال حدثني مالك بن انس عن عمه ابي سهيل بن مالك عن ابيه انه سمع طلحة بن عبيد الله يقول جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد ثائر الراس نسمع دوى صوته ولا نفقه ما يقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات في اليوم والليلة فقال هل على غيرها قال لا الا ان تطوع قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وصيام رمضان قال هل على غيره قال لا الا ان تطوع قال وذكر له رسول الله صلى الله عليه وسلم الزکوۃ قال هل على غيرها قال لا الا ان تطوع قال فادبر الرجل وهو يقول والله لا ازيد على هذا ولا انقص قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الفلح ان صدق۔

ترجمہ: طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ ایک پرانگندہ بال نجدی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کی آواز کی گنگناہٹ تو ہم سنتے تھے مگر اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی جب وہ قریب آ گیا تو (معلوم ہوا کہ) وہ اسلام کے بارے میں کچھ آپ سے دریافت کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن اور رات (کے سب اوقات) میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں اس پر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی (اور نمازیں) مجھ پر فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، لیکن اگر تم نفل پڑھنا چاہو (تو پڑھ سکتے ہو) اور رمضان کے روزے فرض ہیں اس نے کہا ان کے علاوہ (اور روزے مجھ پر فرض ہیں؟) آپ نے فرمایا نہیں، مگر نفل روزے رکھنا چاہو (تو رکھ سکتے ہو) طلحہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) اس سے زکوۃ (کے فرض ہونے) کو بیان کیا (تو) اس نے کہا کیا اس کے علاوہ (کوئی صدقہ) مجھ پر فرض ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، مگر جو (خیرات) تم اپنی طرف سے کرنا چاہو طلحہ کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا خدا کی قسم! اس پر (کوئی چیز) گھٹناؤں گا اور نہ بڑھاؤں گا۔ (یعنی کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ شخص (اپنی بات میں) سچا رہا تو کامیاب ہے۔

تشریح: کامیاب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی سرفرازی اسے نصیب ہوگی، آپؐ نے سائل کو اسلام کے وہ بنیادی احکام بتلا دیے کہ جن پر اسلامی زندگی کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے اور یہی بنیادی احکام اپنی جگہ اسلامی اخلاق کی نشوونما کے لیے سرچشمہ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر تہقید کی جتنی اور صحیح اسلامی مزاج کے ساتھ اسلام کی ان بنیادی حقیقتوں کو اپنالیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آدمی کی سیرت کا کوئی گوشہ ناقص رہ جائے جس کی بدولت کسی ناکامی سے دوچار ہونا پڑے۔

اور یہ سائل کی سادگی اور اخلاص کی بات ہے کہ اس نے احکام میں کسی کی بیشی کو گوارا نہیں کیا اگرچہ بخاری نے باب الصیام میں اس روایت میں یہ اضافہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان احکام کے بعد رسول اللہ نے اسے اسلام کے تفصیلی احکامات بھی بتلائے ہر صورت حدیث کے مقبوم و مطلب میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بحث و نظر: آنحضرت اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں مختلف مقامات سے وفد پہنچتے ہیں۔ جنہوں نے اسلام و ایمان کے بارے میں سوالات کر کے آپ سے جوابات حاصل کئے ہیں ان ہی میں سے ضمام بن ثعلبہ کی بھی یہ ضری ہوئی ہے حضرت انسؓ سے جو روایات صحیحین ابو داؤد اور مسند احمد مروی ہیں ان میں اس طرح ہے کہ اہل ہادیہ میں سے ایک شخص حاضر ہوا اور آپ کی رسالت خالق سموات وارض وغیرہ کے بارے میں سوالات کئے پھر فرمائش و شرائط اسلام کے بارے میں دریافت کیا اس نے سن کر کہا کہ میں اپنی قوم کا فرستادہ ہوں اور میں ضمام بن ثعلبہ بنو بنی سعد بن بکر ہوں پھر یہ بھی کہا ”لا ازید علیہن شیئا ولا انقص منہن بشیاء“ حضورؐ نے فرمایا:۔ اگر یہ چاہے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ضمام کا سال حاضری

پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت ضمام کی آمد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کس سال ہوئی ہے ابن اثیرؒ و ابو یحیہ وغیرہ کی رائے ہے کہ ۹ھ میں پہنچے ہیں اور اوتوی ۵ھ میں فرماتے ہیں ہمارے حضرت شاہ صاحب نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے علامہ قرطبیؒ کی رائے ہے کہ اسی وقت جب کہ یہ سوال فرما رہے ہیں اس وقت اسلام بھی لائے ہیں مگر امام بخاریؒ وغیرہ کا رجحان اس طرف ہے کہ اسلام تو وہ اسی وقت لے آئے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصدان کے پاس پہنچا تھا اور جس وقت یہ اپنی قوم کی طرف سے آئے ہیں تو آپ کے ارشادات سن کر اپنے سابق اسلام و ایمان کی حرید توثیق و اظہار کیا ہے۔

دوسری حدیث اسی طرز کی اور آتی ہے جو حضرت طلحہؓ سے مروی ہے اس میں بھی ایک بدوی کا آنا آپ سے سوالات کرنا اور جوابات سن کر اسی طرح و لا ازید علیہن ولا انقص منہن کہنا پھر حضرت کا قد اطلع ان صدق فرما تا منقول ہے یہ بھی صحیحین ابو داؤد و مسند احمد وغیرہ میں مروی ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر یہی طلحہ والی حدیث الباب ہے اور یہاں یہ بحث ہوئی ہے کہ اس میں جس بدوی کا ذکر ہے یہ بھی وہی ضمام ہیں یا کوئی دوسرے شخص ہیں۔

حافظ عینی کی رائے

حافظ عینیؒ نے لکھا کہ قاضی (عمیاض) کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی ضمام ہی کا واقعہ ہے، اور استدلال کیا کہ امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ کی روایت باب القرآن والعرض علی المحدث میں آنے والے اور سوال کرنے والے کا نام ضمام ہی لکھا ہے اس طرح گویا حضرت طلحہؓ اور حضرت انسؓ دونوں کی روایات کا تعلق ایک ہی قصہ سے ہو گیا، پھر قاضی ہی کا اتباع ابن بطلال وغیرہ نے بھی کیا، لیکن اس میں گنجائش کلام ہے، کیونکہ دونوں حدیث کے الفاظ میں فرق و تباہی ہے، جیسا کہ اس پر علامہ قرطبیؒ نے بھی تنبیہ کی ہے، دوسرے یہ کہ ابن اسحاقؒ اور بعد کے حضرات ابن سعد اور ابن عبد البر نے ضمام کیلئے حضرت انسؓ والی حدیث کے علاوہ دوسری ذکر نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصداً نہیں دو ہیں، (عمدة القاری ص ۳۱۰)

حافظ ابن حجر کی رائے

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا کہ جس شخص کا یہاں ذکر ہے ابن بطلال وغیرہ نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ یہ ضمام ہی ہیں کیونکہ امام مسلم نے ان کا قصہ حدیث طلحہؓ کے بعد حصلاً ذکر کیا ہے اور دونوں میں بدوی کا آنا اور آخر میں لا ازید علی هذا ولا نقص منہن کہنا منقول ہے، لیکن علامہ قرطبیؒ نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ دونوں حدیث کا سیاق الگ الگ ہے اور دونوں کے سوالات بھی مختلف ہیں پھر یہ

دعویٰ کرنا کہ قصہ ایک ہی ہے، محض دعویٰ اور بے ضرورت تکلف ہے، واللہ اعلم
بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں ابن سعد وابن عبد البر وغیرہ کے حضرت ضیاء کے لیے صرف حدیث انسؓ کے ذکر سے بھی استدلال کیا
ہے مگر وہ ایسی لازمی بات نہیں جس سے کوئی قوت دلیل مل سکے۔ (فتح الباری صفحہ ۷۹)

اوپر کی دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حافظ یحییٰ اور حافظ ابن جریر دونوں کے نزدیک ترجیح بجائے ایک قصہ بنانے کے دو الگ قصوں کو ہی
ہے مگر فرق صرف اتنا ہے کہ ابن سعد وغیرہ کے عدم ذکر سے حافظ یحییٰ کے نزدیک ان کے نظریہ بقوت ملتی ہے اور حافظ اس کو اس طرح نہیں سمجھتے۔
اس لیے ایضاً البخاری میں جو رائے حافظ ابن حجر کی طرف منسوب ہوئی ہے اس کو ہم نہیں سمجھ سکتے، واللہ اعلم وعلمہ واحکم۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ دونوں قصے الگ ہیں البتہ دونوں میں کئی وجوہ سے مشابہت ضرور ہے۔

اتمام وقضاء نوافل

حدیث الباب کے تحت ایک بحث یہ ہے کہ نفل شروع کرنے سے ان کو پورا کرنا اور کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس کی قصا کرنا ضروری ہے
یا نہیں؟ احناف اس کی قضا کو لازمہ واجب قرار دیتے ہیں شوافع اور دوسرے حضرات حج کے علاوہ اور تمام نفل عبادت کی قضا ضروری نہیں سمجھتے۔

شوافع کا استدلال

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض بیان فرمائے کے بعد فرمایا کہ اب کوئی اور فریضہ نہیں رہا، اس کے بعد تم نفل
عبادت کر سکتے ہو، گویا استثناء منقطع ہوا جس میں مستثنیٰ منہ سے خارج ہوتا ہے، مستثنیٰ منہ میں فرائض و واجبات تھے اور مستثنیٰ میں نوافل و مستحبات
ہیں اور چونکہ استثناء میں اصل اتصال ہے، انقطاع نہیں اس لیے شوافع کو ایسے قرآن و دلائل کی بھی ضرورت ہوئی جن سے اصل کو چھوڑنے کا
جواز مل سکے چنانچہ انہوں نے نسائی کتاب الصوم سے ایک روایت پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نفل کی روزے کی نیت فرماتے تھے
اور پھر اظہار فرمایا کرتے تھے، اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ نیت حارث کو جمعہ کے دن روزہ شروع
کرنے کے بعد اظہار کا حکم دیا تھا حافظ نے فتح الباری صفحہ ۹۷ میں اسی طرح استدلال کیا ہے۔

حافظ کا تسامح اور عینی کی گرفت

حافظ عینی نے عمدۃ القاری صفحہ ۳۱۱ میں حافظ پر گرفت کی کہ یہ انصاف کی بات نہیں ہوئی کہ حافظ نے اپنے مسک کے موافق احادیث تو لکھیں
اور دوسری احادیث نہ لکھیں، جن سے ثابت ہے کہ نفل عبادت شروع کرنے پر اس کا اتمام ضروری ہو جاتا ہے اور بصورت افساد قضاء واجب ہے۔

حنفیہ کے دلائل

چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت درج کی ہے، میرا اور حصہ کا ایک دن روزہ تھا، کہیں سے
بکرے کا گوشت آگیا، ہم دونوں نے کھا لیا اور روزہ ختم کر دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریف لائے تو ہم نے یہ واقعہ ذکر کیا، آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا، ”اس کی جگہ ایک روزہ دوسرے دن رکھنا ہوگا“ دوسری روایت میں ہے کہ اس کے بدلہ میں دوسرے دن روزہ رکھنا۔ اس
حدیث میں آپ نے قضاء کا حکم فرمایا، اور امر و وجوب کے لیے وجوب کے لیے ہوا کرتا ہے، معلوم ہوا کہ اس کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا

ضروری ہے ورنہ قضاء واجب ہوگی نیز واقفنی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ نفل روزہ رکھا پھر توڑ دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھیں۔ حدیث سنائی ہے جو معلوم ہوا کہ آپ روزہ رکھتے تھے پھر توڑ دیتے تھے تو اس میں یہ تو ذکر نہیں ہے کہ آپ اس کی قضاء بھی نہیں کرتے تھے دوسرے یہ کہ آپ کا افطار کسی عذر سے ہوتا تھا اس طرح آپ نے حضرت جویرہؓ کو بھی کسی عذر رضیافت وغیرہ کے وقت افطار کی اجازت دی تھی اور اگر روایات میں تعارض بھی مان لیا جائے تو تین وجہ سے حنفیہ کے مسلک کو ترجیح حاصل ہے اول صحابہ کا اجماع دوسرے ہماری تائید میں احادیث شہدہ ہیں اور شوافع کے پاس احادیث نفل والی ہیں اور قاعدہ سے مثبت کو نافی پر ترجیح ہے تیسرے یہ کہ عبادات میں احتیاط کا پہلو بھی یہی ہے کہ قضاء ضروری ہو۔

مالکیہ حنفیہ کے ساتھ

”الا ان نطوع“ سے صرف حنفیہ نے استدلال نہیں کیا بلکہ مالکیہ نے بھی کیا ہے امام مالک نے کسی نفل کو شروع کرنے کے بعد بلا وجہ سدا بطل کرنے پر قضا کو واجب کہا ہے اور افسانہ ج کی صورت میں تو سب ائمہ نے بالاتفاق قضا کو واجب قرار دیا ہے حنفیہ نے تمام عبادات کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے۔

سب سے عمدہ دلیل حنفیہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے لیے سب سے بہتر دھندہ استدلال وہ ہے جس کو صاحب بدائع نے اختیار کیا اور کہا کہ بذکر قسم کی ہیں قول جو مشہور ہے افضلی بھی ہے کہ کوئی نفل عبادت شروع کی تو گویا اپنے عمل و فعل سے اس کو پورا کرنے کی بذکر کر لی لہذا اس کو بھی پورا کرنا واجب ہے۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ آیت لا تبطلوا اعمالکم سے استدلال زیادہ اچھا نہیں کیونکہ آیت کا بطلان ثواب ہے بطلان فقیہی نہیں ہے لہذا وہ لا تبطلوا صدقا تکم باليمن والا ذی کی طرح ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا فیصلہ

پھر فرمایا کہ میں نے اس بحث کا فیصلہ دوسرے طریقہ سے کیا ہے وہ یہ کہ حدیث الباب کو بھی موضوع نزاع سے غیر متعلق کہا کیونکہ اس میں تو اس ایجاب سے بحث ہے جو وحی الہی کے ذریعہ ہوا اور مسئلہ لزوم نفل کا تعلق شرع کرنے نہ کرنے سے ہے جو خود بندہ کے اختیار و ارادہ سے شروع کر کے اپنے اوپر لازم کر لینے کا معاملہ ہے۔

بحث وجوب وتر

حدیث الباب میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہوا کہ دن و رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں باقی سب نمازیں نفل ہیں تو وتر کو واجب کہنا کس طرح صحیح ہوگا؟ حنفیہ کی طرف سے اس کے وجہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ان الله امدکم بصلوة هی خیر لکم من حمور النعم (ابوداؤد) اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے جو تمہارے لیے سرخ آونٹوں سے بہتر ہے اس حدیث سے اس امر کا بھی اشارہ ملا کہ پہلے پانچ نمازیں ہی فرض تھیں پھر ایک نماز وتر کا اضافہ ہوا جس کا درجہ فرض سے کم سنت سے اوپر واجب کا قرار پایا۔

(۲) من نسی الوتر وانام علیہا فلیصلها اذا ذکرها (مسند احمد) جو وتر کی نماز بھول گیا یا اس کے وقت سو گیا تو اسے یاد آنے پر پڑھ لینا چاہئے۔

(۳) لو ترحق فمن لم یوتر فلیس منہ الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منہ (ابوداؤد) نماز وتر حق (واجب) ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں اترحق ہے جس نے اس کو ادا نہ کیا وہ ہماری جماعت سے خارج ہے وترحق ہے ہاں جو بھی اس کو ادا نہ کرے گا وہ ہم میں

سے نہیں اسی طرح بکثرت احادیث میں ذکر کیا نہایت تاکید ہے جس سے وجوب کا درجہ مفہوم ہوتا ہے ان کا ذکر اپنے مواقع پر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں وتر کے وجوب کے لیے یہ طریق استدلال صحیح نہیں کہ حدیث الباب میں وتر کا ذکر ہی تو نہیں ہے اور عدم ذکر ذکر عدم کو لازم نہیں چنانچہ یہاں توجہ کا بھی ذکر نہیں ہے اور صدقہ فطر کا بھی نہیں جو امام بخاری کے نزدیک فرض ہے اس لیے امام بخاری نے اسی حدیث کا ایک کلمہ اور دوسری جگہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دوسرے شرائع اسلام بھی بتلائے تھے تو اس میں حج وغیرہ کا ذکر ضرور ہوا ہوگا غرض صرف اس حدیث کی وجہ سے انکار وجوب وتر صحیح نہیں۔

عدم زیادة و نقص

سائنس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر کہا کہ ”واللہ میں اس پر نہ زیادتی کروں گا نہ کمی کروں گا“ اس کی مطلب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ شخص اپنی قوم کا نمائندہ تھا یا خود نبی اس کا ارادہ تھا کہ دوسروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ہدایات پہنچاؤں گا اس لیے کہا کہ میں دوسروں تک یہ پیغام بلائی و بیشی کے پہنچاؤں گا۔ اور حضور نے بطور تصویب و اظہار مسرت فرمایا کہ یہ شخص اپنے ارادہ میں سچا ہے تو آخرت کے اعتبار سے بھی کامیاب ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام فرائض و شرائع کے بارے میں تو ہدایت فرمادی تھی ان کے بعد سنن و موکدات وغیرہ وہ جانتی ہیں جن کا تقریر و تعین آپ کی زندگی کے آخری لمحات تک ہوا ہے ان ہی کے بارے میں آپ نے اس کو مستثنیٰ فرمادیا اور یہ شارع علیہ السلام کا منصب تھا اس کے ثبوت میں بہت سے واقعات ملتے ہیں جیسے آپ نے ایک شخص کے لیے قربانی میں ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی اجازت دی اور فرمایا تمہارے بعد اور کسی کے لیے اجازت نہ ہوگی (مسند احمد ۲/۲۹۸) ایک شخص نے روزہ رمضان کو جماع کے بغیر توڑ دیا آپ نے غصام آزاد کرنے پھر ساٹھ روزہ دے کئے پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا مگر وہ عذر دے کر تاراج کر دیا آپ نے کفارہ کی بھگوریں دیں کہ ان کو صدقہ کرنا تو اس نے کہا حضور! مجھ سے زیادہ مسکین مدینہ طیبہ میں نہیں ہے آپ نے فرمایا تم ہی صرف کر لینا مگر اس طرح کسی دوسرے کے لیے جائز نہ ہوگا وغیرہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

غرض ان واقعات کے تحت یہاں بھی ممکن ہے کہ حضور نے اس شخص کو سنن سے مستثنیٰ فرمادیا ہو اس توجہ کو حضرت شاہ صاحب نے اختیار فرمایا ہے اور علامہ طیبی کے کلام سے بھی اس کی طرف کچھ اشارہ ملتا ہے اور یہ توجہ اس لیے زیادہ بہتر ہے کہ بعض روایات میں بجائے لا ازید ولا انقص کے لا تطوع کہا منقول ہے کہ ان فرائض کے علاوہ قطوعات کی ادائیگی نہیں کروں گا۔

علامہ سیوطیؒ کے قول پر تنقید

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا:۔ اس توجہ کے تحت یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرائض و واجبات سے کبھی کسی کو مستثنیٰ فرما سکتے تھے جیسا کہ علامہ سیوطی نے سمجھا کہ عبد اللہ بن فضالہ کی حدیث ابی داؤد صفحہ ۱۶ ”باب المحافظة علی الصلوة“ پر ”مرقاۃ المصعود“

۱۔ عبد اللہ بن فضالہ نے اپنے والدہ جد سے روایت کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیم دی اسی میں یہ بھی فرمایا کہ بچے کم زوں کی حفاظت کرنا میں نے عرض کیا کہ نماز کے اوقات میں مجھے مصروفیت رتی ہیں آپ مجھے ایسی کئی ہدایت دیں کہ اس کی رعایت کے ساتھ دین پر قائم رہ سکوں آپ نے فرمایا کہ عصر (صبح و عصر) کی نمازوں کا تو خاص اہتمام کرنا ہی ہوگا۔ (کیونکہ فجر کو تہنہ و غفلت کا ہے اور عصر کا وقت کار بار و غمروں کی زیادہ مصروفیت کا ذرا سی غفلت میں یہ دنوں نمازیں قضاء ہو سکتی ہیں اسی لیے دوسری روایات میں بھی ان دونوں کے لیے خاص تاکیدات مروی ہیں اس کے علاوہ ایک وجہ تخصیص و اہتمام کی یہ بھی ہے کہ یہ دونوں نمازیں شب معراج سے فجر تک میں شب معراج میں باقی تین نمازوں کا حکم لے کر پانچ ہوئیں (کما اشارہ الیہ الشیخ الانور)

میں فرمایا کہ شاید سائل کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین فرض نمازیں معاف فرمادی تھیں۔ اور عام حکم سے مستثنیٰ فرمادیا تھا یہ بات درست نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خصوصی امتیاز کے سبب یہ تو کر سکتے تھے کہ کسی کے لیے مدارجات و فلاح صرف اداء فرض کو بتا دیں اور یہی حدیث عبداللہ بن فضالہ کا محمل ہے مگر فرض سے بھی مستثنیٰ فرمانے کا اختیار ثابت کرنا دشوار ہے۔

اہل حدیث کا غلط استدلال

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض اہل حدیث اس حدیث سے استدلال کر کے سنن کے اہتمام میں تساہل برتتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف فرض کی اہمیت ہے کیونکہ فلاح کے لیے صرف ان ہی کو کافی بتلایا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سنن واجبات کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور تاکید احکام سے ہوتا ہے چنانچہ آپ سے اگر کسی عمل پر مواظبت کلیہ و یحییٰ اس طرح ثابت ہو کر کسی بھی اس کو ترک نہ فرمایا ہو مگر ترک پر وعید نہ فرمائی ہو تو محقق ابن نجیم صاحب بحر وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے سنت کا درجہ ثابت ہوتا ہے شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ فرماتے ہیں کہ مواظبت مذکورہ سے وجوب کا حکم کر دیں گے۔

اس موقع پر ایضاً البخاری میں بیان مذہب میں تسامح ہوا ہے جو مسلک ابن نجیم کا تھا وہ ابن ہمام کا ظاہر کیا گیا ہے فلیتنبہ لہ پھر اگر کسی کام کا حکم فرمایا اور ترک پر وعید بھی فرمائی تو اس سے ابن ہمام و ابن نجیم دونوں کے نزدیک وجوب کا حکم ہوگا اور اگر مواظبت کے ساتھ چند بار ترک بھی ثابت ہو تو اس سے دونوں کے یہاں سنت کا درجہ ثابت ہوتا ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے الا ان قطع فرمایا تھا اس وقت مذکورہ قاعدہ سے نہ کسی عمل پر وجوب کا حکم ہو سکتا تھا نہ سنت کا اس بارے میں صحیح آپ کے بعد آپ کے عمل مبارک کی نوعیت کا تعین کرنے کے بعد ہی ہو سکتا تھا لہذا سنن میں تساہل کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی اور اسی لئے صحابہ کرام سے بھی سنن کا اہتمام مقول ہے (کنز الدقائق لاوار)

ترک سنت کا حکم: اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے اس مسئلہ کی بھی تحقیق فرمائی کہ ترک سنت کا حکم کیا ہے؟ فرمایا کہ شیخ ابن ہمام کی رائے ہے کہ ترک سنت پر عقاب ہوگا ابن نجیم کہتے ہیں کہ عذاب و عقاب ہوگا میرے نزدیک یہ نزاع لفظی جیسا ہے کیونکہ جس سنت کے ترک پر ابن نجیم عقاب فرما رہے ہیں وہ ابن ہمام کے یہاں واجب کے درجہ میں ہے (جیسا کہ اوپر واضح ہوا اور ظاہر ہے کہ ترک واجب بالاتفاق اثم ہے لہذا اس صورت میں شیخ ابن ہمام کے نزدیک ترک واجب کے سبب عقاب ہوگا اور ابن نجیم کے نزدیک ترک سنت مؤکدہ کی وجہ سے فرق اتنا ہوگا کہ ابن نجیم کے نزدیک ترک واجب کا گناہ نسبت ترک مؤکدہ کے زیادہ ہوگا اور میری رائے اس مسئلہ میں ابن نجیم کے ساتھ ہے۔

پھر فرمایا کہ میری رائے ابن نجیم کے ساتھ جب ہی ہے کہ سنت سے مراد وہی ہو جس کا ذکر ہوا کہ وہ ابن ہمام کے وجوب والی سنت کے درجہ میں ہو یعنی بجز ایک دو بار کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ترک ثابت نہ ہو اور اس میں میری رائے یہ بھی ہے کہ جس قدر ترک حضور سے ثابت ہے صرف اسی قدر ترک میں گناہ نہیں ہے باقی زیادہ ترک کرے گا تو گناہ ہوگا۔

سنت پر دوسری نظر: اس نقطہ نظر سے ہٹ کر اگر مطلق سنت پر نظر کریں تو میری رائے اتنی سخت نہیں ہے کیونکہ اس سے تمام امت کو گنہگار کہنا پڑے گا جو مناسب نہیں ہے اور اس کی دلیل بھی میرے پاس ہے کہ امام محمد نے موطا صفحہ ۳۸ میں فرمایا:-

سَلِّ اِلَیَّ اِمَامٌ یُؤَدِّیْ عَنْ شَرِّ بَخَّارٍ مِّنْ لِّکُمْ لَا اَطْعَمُ کُلَّ شَیْءٍ جَوَابٌ یَّہُیْہُہُ کُلَّ کُلِّ غَیْرِیْ مَعْنٰی عَلَیْہِ جَعَلَ جَمِیْعُ کُلِّ کُلِّ قَاعِدَیْہِیْ تَقْدِیْرُ نَاسِلٍ اِذَا کَرَّسَ کُلَّ (یعنی سنن و سحتات) بلکہ صرف فرض کی مخالفت کرے گا اور وہ ہر شک فلاح یافتہ تھا اگرچہ ترک نواہل (سنن و سحتات) پر مواظبت شرعاً مذموم ضرور ہے اور اس کی وجہ سے آدمی مردود و فسادات بھی ہو جائے تاہم وہ ایسا گنہگار نہیں ہوتا کہ اس کی نجات و فلاح میں تردد کیا جائے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص نواہل کا پابند ہوگا وہ اس کے لحاظ سے فلاح میں زیادہ کمال ہوگا واللہ اعلم (شرح البخاری صفحہ ۲۳۳)

لیس من الامر الواجب الذی ان تو کہ نازک النہ (یہ ایسا مرد واجب نہیں ہے جس کے نازک کو گناہ گار کہہ سکیں)۔ معلوم ہوا کہ کبھی ترک سنت پر گناہ نہیں ہوگا، جس طرح وضو میں تین بار دھونا سنت ہے، مگر اس سے کم میں بھی گناہ نہیں ہے۔ غرض میرے نزدیک ترک مذکور کو احیاناً یا بقدر ثبوت کے ساتھ عقیدہ کرنا چاہئے اور محقق ابن امیر الحاج (تلمیذ ابن ہمام) کا عقار بھی یہی ہے مطلقاً ترک کو گناہ نہ سمجھنا صحیح نہیں موصوف نے اسی لیے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جب ترک سنت کی عادت ڈال لے گا تو گنہ گار ہوگا۔

درجہ وجوب کا ثبوت

پھر فرمایا کہ امام محمدؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے یہاں معبود مرتبہ واجب کا ثبوت ہے اسی لیے تو انہوں نے واجب کی تقسیم کی اس مرتبہ کے جمہور قائل نہیں ہیں وہ امام شافعیؒ کے یہاں صرف رجب میں ہے اور ہمارے یہاں تمام عبادت مقصودہ میں ہے مبسوط میں بھی یہ درجہ موجود ہے چونکہ امام طحاویؒ کی کتاب میں اس کا نام نہیں ہے حالانکہ وہ حنفیہ میں سے ہیں اسی لیے میں نے امام محمدؒ کے الفاظ کو زیادہ اہمیت دی، میں نے مبسوط جوڑ جانی کا قلمی نسخہ سالم و مکمل دیکھا ہے

مراعات واستثناء

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث الباب میں سائل کا واللہ لا تطوع شینا کہنا اسی لیے ہے کہ اس کو حضورؐ نے عام قانون سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا، لیکن دوسرے افراد امت کو یہ مراعات حاصل نہیں ہے جب کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مواظبت ثابت ہو جائے اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض طلباء خاص حالات و ضرورت کے تحت شعبان کے مقررہ وقت امتحان تحریری سے قبل ہی منہم مدرسہ سے مل کر اجازت حاصل کر لیں اور تقریری امتحان کر لیں تو یہ ان کے لیے استثنائی صورت ہوگی اس کی وجہ سے وہ عام قانون امتحان عام مخصوص عن بعض یا غنی نہ بن جائے گا اسی طرح ہم پر ساری شریعت عائد ہے کسی طرح مراعات نہیں ہے کہ سنن و مستحبات میں تساہل کریں علامہ قرطبی (شارح مسلم) نے بھی یہ لکھ کر کہ ”یہ شخص مخصوص ہے“ اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

حلف غیر اللہ کی بحث

”الفلح ان صدق دوسری جگہ بخاری میں اور مسلم و ابوداؤد میں بھی الفلح و ابیہ ان صدق اور ایک روایت میں الفلح و ابیہ ان صدق او دخل الجنة و ابیہ ان صدق وارد ہوا ہے اس میں غیر اللہ کی قسم ہے جو ممنوع ہے اور باپ کی قسم کھانے کا چنگر رواج پر گیا تھا اس لیے اس سے خاص طور پر بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قسم کھیں کھائی؟ اس پر علماء نے کلام کیا ہے علامہ شوکانیؒ نے تو بے سوچے سمجھے حکم کر دیا کہ (العیاذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت لسانی ہوگی (نیل الاوطار)

حضرت شاہ صاحب اور علامہ شوکانی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شوکانیؒ غیر مقلدوں کے بڑے مانے جاتے ہیں اور وہ خود بھی اپنی تقلید کو سب پر لازم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر جیسے وہ ہیں ہمیں معلوم ہے میں نے ایک مرتبہ بڑے جلسہ میں جس میں ہزاروں غیر مقلد بھی تھے اور مولانا صاحب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا

سید عالمؒ الحرف عرض کرتے کہ اہل حدیث کا مذہب ہشام بن اسحاقؒ سے ہے کہ وہ ہولنا و فحاشا کو کفر نام لگتے ہیں اور خانہ غائبیہ کو موجود وقت کے کفریہ و گناہی مہملیہ و رجسٹریٹ مہملیہ کے خلاف مقلد کی طرف زیادہ مائل ہیں اختیار رکھے ہوئے ہیں کہ معظم میں دیکھا کہ حد کے روز زوال کے فوراً ہی بعد از ان جس ہوتی ہے اور مشکل و درکعت پر بھی جاسکتا ہے کہ ان میں خلیفہ پروردگار خلیفہ شروع کر دیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ سنن تقلید کا اہتمام نہ خود کرتے ہیں نہ دوسروں کو اس کا موقع دیتے ہیں یہ سنن کے ساتھ تساہل نہیں تو اور کیا ہے۔

مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہ بھی وہاں موجود تھے کہہ دیا تھا کہ کوئی مسئلہ لاؤ جس کا جواب میں بھی بغیر مراجعت کتب لکھوں اور شوکانی بھی لکھیں۔

علامہ شوکانی پر تنقید

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شوکانی کا جواب مذکور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بڑی بے جا جسارت ہے کہ آپ سے ایسی سبقت سانی ہوگئی جس میں شائبہ شرک تھا اس لیے بھی غلط ہے کہ آپ سے یہ کلمہ دوسرے چار پانچ مواضع میں بھی ثابت ہے۔ پھر سبقت سانی کی بات کیسے چل سکتی ہے؟

علامہ زرقانی نے شرح موطا میں جواب دیا کہ حلف بالآباء سے ممانعت بسبب خوف تعظیم غیر اللہ تبارک و تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں متہم نہیں ہو سکتے اس لیے آپ کے واپس فرمانے پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ ان کلمات کی طرح ادو ہوا جو بشرطین عادت بلا قصد حلف زبان پر جاری ہو جایا کرتے ہیں اور ممانعت اس حلف کی ہے جو قصد اور تعظیم غیر اللہ کے لیے ہو بعض نے کہا کہ پیسے ایسا کہنا جائز تھا پھر منسوخ ہوا لیکن یہ جواب مبہمل ہے۔ حافظ فضل اللہ توریشی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا کہ:-

بعض علماء نے یہاں نسخ کا دعویٰ کیا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صبیحہ سے جو اس قسم کے الفاظ منقول ہیں ان میں اور ممانعت حلف بغیر اللہ میں قطعی ہو جائے مگر یہ علماء کی لغزش ہے کیونکہ نسخ ایسی چیزوں میں ہوا کرتا ہے جو حد جواز میں ہوں اور روایت میں حلف غیر اللہ کو شرک قرار دیا گیا ہے شرک ہر حالت میں اور ہمیشہ سے حرام ہے اور جو پرتیں دین میں اخلاص پیدا کرنے والی اور توحید کو شواہب شرک حلی و خفی سے دور کرنے والی ہیں وہ تمام ادیان و ازمان میں ضروری و واجب رہی ہیں لہذا نسخ والا جواب کسی طرح صحیح نہیں۔ بلکہ بہتر جواب یہ ہے کہ حد حدیث طحطا بن عبید اللہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الفلح الرجل و ابیہ ان صدق۔ وارد ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ حلف نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرک سے بری تھے۔ لہذا آپ نے کلمہ واپس محض پہنچنے کلام کے لیے فرمایا تھا حلف مقصود نہ تھا رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں کی نسبت اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی کہ ایسے کلمہ کا تشویش نہ فرمائے پھر بھی آپ نے چند بار ایسے کلمات ارشاد فرمائے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمات آپ نے ممانعت سے قبل فرمائے ہوں گے اور اس کے بعد بالکل یہ ان سے بھی احتراز فرمایا ہوگا تاکہ دوسرے ناواقف لوگ ان سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں و اناشاء اللہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سب سے بہتر جواب ایک خفی عالم نے دیا ہے یعنی حسن چلپی نے حاشیہ مطول میں جس کو شامی نے بھی در الحقائق میں نقل کیا ہے اس کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

قسم لغوی و شرعی

حدیث الباب میں واپس قسم لغوی ہے شرعی نہیں اول سے مقصود صرف کلام کو مزین کرنا ہوتا ہے اور دوسری سے تاکید کلام مع تعظیم مخلوق پر ہوتی ہے ممانعت اسی دوسری قسم کی ہے اول کی نہیں اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس قسم لغوی ہے۔ یہی اس لیے رکھنے کی ضرورت ہے کہ لوگ اس معاملہ میں تباہی نہ برتیں اس امر کی وضاحت و ثبوت یہ قسم لغوی سے محض ترمین کلام یا پہنچنے معاملہ کی یہ ان ہوتا ہے اور تعظیم والی بات بالکل غلط نہیں ہوتی یہ ہے کہ بہت سے شعراء کے کلام میں دشمنوں خرد گیروں اور مذموم لوگوں کے لیے بھی ان

طرح زمانہ نبوت میں بعض لوگ اپنے آپ کی قسم ان کی تعظیم کے لئے کھاتے تھے بعض عادت کے طور پر بعض عصیت کے سبب اور بعض پہنچنے کلام کے لیے ان سب سے ممانعت کر دیتی تھی مگر چنان میں سے کسی کا گناہ کہ اگر کسی کا زیادہ تھا۔ سب سے محض کے معنی ردی زبان میں مولانا کے ہیں یہ مولانا حسن مطول کے محشی ہیں دوسرے اسی محشی شرعی حاشیہ پر جو بعد کو بولے ہیں (کذا ان شاء اللہ الشیخ لا نوید)

کے آباء کے ساتھ حلف کا طریقہ مستعمل رہا ہے ظاہر ہے کہ جن کی جو مقصود ہو یا ان کی برائیاں ذکر ہوں تو اس کے ساتھ واپس واپس وغیرہ کلمات سے ان کی تعظیم ہرگز مقصود نہیں ہو سکتی ہاں! تین کلام وغیرہ ہو سکتی ہے۔

شعراء کے کلام میں قسم لغوی

مشہور شاعر ابن میادہ کا قول ہے

اظلت سفاهاً من سفاهة راہبا لا هجرها لما هجنتی محارب
فلا وایہا النبی بعشیرتی ونفسی عن ذلک المقام الراغب
بعمرابی الواشین ایام فلفتی لما لا تلاقها من الدهر اکثر
بعدون یوم واحدان القیتها ونیسون ما کانت علی النالی تہجر

نواب صاحب کی تحقیق

مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے حدیث الباب کے ذیل میں تطوع شروع کرنے پر اس کے لازم نہ ہونے کے دلائل پھر لازم ہونے کے حنفیہ کے دلائل ذکر کر کے بلکہ بعینہ قسطنطینی کی عبارت بغیر حوالے کے نقل کر دی اور اپنی طرف سے صرف اتنی داغ دہی کر دی کہ اولیٰ ہے اور اس کی کوئی وجہ و دلیل نہیں لکھی مگر نواب صاحب کا ارشاد بے دلیل مان لیا جائے۔

قاضی بیضاوی کا جواب

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے جتنی قسمیں ذکر کر چکی ہیں ظاہر ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کو ان کی تعظیم مقصود نہیں ہے بلکہ وہاں مقصد ان چیزوں کو بطور شہادت پیش کرنا ہے تاکہ بعد کو ذکر ہونے والی چیز کا ثبوت و وضاحت ان کی روشنی میں ہو جائے فقہی حلف و قسم کی صورت مقصود نہیں ہے اس کی مزید تفصیل حافظ ابن قیم کے رسالہ ”اقسام القرآن“ میں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب مذکور نقل فرما کر اپنی رائے کا اظہار فرمایا کہ قرآن مجید کی قسموں کے بارے میں یہ تحقیق بھی اچھی ہے اور اس صورت میں نحو میں سے چونکہ ہوئی کہ اس واؤ کو بھی واؤ قسم میں داخل کیا جس سے قسم مجہود ہی کی طرف ذہن چلا جاتا ہے اگر اس کی جگہ وہ اس کو واؤ شہادت کہتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ لیکن اعتراض متوجہ ہوتا اصل حقیقت سمجھنے میں کوئی الجھن پیش آتی۔

باب اتباع الجنائز من الایمان (جنازہ کے پیچھے چلنا ایمان کی خصلتوں میں سے ہے)

۳۶- حدثنا احمد بن عبد الله بن علي المنجو في قال حدثنا روح قال حدثنا عوف عن الحسن و محمد عن ابی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من اتبع جنازة مسلم إيماناً واحتساباً و كان معه حتى يصلى عليها و يفرغ من دفنها فإنه يرجع من الأجر بقيراطين كل قيراط مثل احد و من صلى عليها ثم رجع قبل ان تدفن فإنه يرجع من الأجر بقيراط تابعه عثمان المودن قال حدثنا عوف عن محمد عن ابی هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه.

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایمان اور نیت ثواب کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلے اور جب تک (اس کی) نماز پڑھی جائے اور لوگ اس کے دفن سے فارغ ہوں وہ جنازہ کے ساتھ رہے تو وہ دو

قیامِ ثواب کے ساتھ لوٹا ہے ہر قیامِ احد پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص صرف (اس کی) نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے واپس ہو جائے تو وہ ایک قیامِ ثواب لے کر آتا ہے۔

اس حدیث میں روح کی متابعت عثمان مؤذن نے کی ہے (یعنی انہوں نے اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی) وہ کہتے ہیں ہم سے عوف نے محمد بن یرین کے واسطے سے نقل کیا وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی روایت کے مطابق۔
تشریح: ایک مسلمان کا آخری حق جو دوسرے مسلمانوں پر واجب رہ جاتا ہے وہ یہی ہے کہ اس کو اگلی منزل کے لئے نہایت اہتمام و توجہ سے رخصت کریں نہ یہ کہ جان نکلنے کے بعد اب ہا کھل جائی بن جائے آخرت کے اس طویل سفر پر ہر مسلمان کو جانا ہے اس لئے اس سفر کی تیاری میں کوئی بے توجہی اور لاپرواہی نہ برتیں پھر جب کہ خداوند کریم کی طرف سے اس خدمت پر اتنا بڑا ثواب ہے احد پہاڑ کے برابر جس کی مثال دی گئی ہے قیامِ احد ایک اصطلاحی وزن ہے یہاں اس کا وہ اصطلاحی مفہوم ادا نہیں تمثیلًا اس وزن کا نام لیا گیا ہے مثلاً ثواب کی ایک بہت بڑی مقدار بیان کرتا ہے۔
حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کہ یہاں ایمان کے ساتھ احتساب کا ذکر اسی لئے ہے کہ لوگ جنازہ کے ساتھ جانے کو شخص آپس کے تعلق و مراسم کے تحت سمجھیں گے آخرت کے اجر و ثواب سے غفلت برتیں گے اس لئے تنبیہ فرمادی کہ اس کو یہ نیت ثواب کیا جائے گا تو اس کا بہت بڑا اجر ہے کیونکہ اس وقت مرنے والے کو پیچھے رہنے والوں کی امداد و اعانت کی شدید ضرورت ہے ان کی دعاء و مغفرت و ایصالِ ثواب سے اس کی آخرت کی منزلیں آسانی سے طے ہو سکتی ہیں جس طرح دنیا کی زندگی میں ضرورت مند غریبوں کو مالداروں کی امداد اور اسواں زکوٰۃ و صدقات سے سہولتیں ملتی ہیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ امام بخاری نے باب التزکوۃ من الاسلام کے بعد باب اتباع الجنائز من الایمان کیوں ذکر کیا۔

جس طرح ایک بڑے سے بڑا ثواب و نیکیں بھی حالت سفر میں ساتھ خالی اور بے یار و مددگار ہوتا ہے اور اسی لئے اس حاجات و ضروریات پوری کرانے کے لئے شریعت نے اس کے لئے زکوٰۃ و صدقات کو بھی جائز کر دیا اسی طرح مسافر آخرت خالی ساتھ جا رہا ہے یا اگر کچھ اعمال و حسنات کی دولت ساتھ بھی ہے تو وہ اس کے اگلے بڑے سفر کے لئے ناکافی ہے اس لئے وہ اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے نیک اعمال کا سخت محتاج ہے اور چونکہ اس کے لئے معمولی نیکی کا ثواب بھی ڈوبے کو نکلے گا سہارا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے بھی ان لوگوں کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا اجر و ثواب غیر معمولی طور پر بڑھا دیا ہے جیسا کہ حدیث الباب سے ظاہر ہے۔ اور غالباً ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں جو مثلاً کسی عمل کا ثواب تقسیم ہو کر نہیں بلکہ سب مردوں کو (جن کے لئے ایصالِ ثواب کیا گیا ہے) پورا پورا مل جاتا ہے اور اسی کو اکثر محققین نے راجح قرار دیا ہے وہ بھی اسی سبب سے اور حق تعالیٰ کی رحمت عامہ و خاصہ کے متوجہ ہونے کی وجہ سے ہے واللہ اعلم اور غالباً اسی لئے شریعت مبارکہ نے مرنے کے بعد تجنیز و تمجین وغیرہ میں تاخیر کو غیر مستحب قرار دیا کہ ایک ضرورت مند کو جلد سے جلد پاک صاف کر کے نماز جنازہ اور ایصالِ ثواب کر کے خدا کے حضور پیش ہونے دو تا کہ اس کے اعمال کی کمی تم سب کی دعوات و مغفرت و ایصالِ ثواب سے جلد پوری ہو سکے۔ اور اسی لئے شریعت نے ایصالِ ثواب کے لئے تجزیہ و تفریق کو چاہا جو یوں یا سالانہ عرس و برسی کی تعین نہیں کی کیونکہ جس کی ضرورت فوری اور زیادہ سے زیادہ ہے اس کی امداد میں ادنی تاخیر بھی عقلاً و شرعاً گوارہ نہیں کی جاسکتی افسوس کہ اہل بدعت نے نہ صرف ایسی بدعتوں کی ایجاد و ترویج کر کے ایک کامل و مکمل شریعت کو اضعاف و نقصان دینے کی سعی کی بلکہ مسافرانِ آخرت کے حقوق کی ادائیگی میں بھی رخنے ڈال دیئے اور یہ سب ان علماء کی تائید سے ہوا جن کے علم حدیث یا فقہ میں کوئی نقص تھا مثلاً ہمارے قریبی زمانہ کے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ علم فقہ میں بڑی دست گاہ رکھتے تھے مگر علم حدیث میں کمزور تھے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ان کے فائدہ دینی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے فقہ میں بڑی وسیع نظر تھی مگر حدیثی مباحث دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میدان کے شہسوار نہ تھے جس طرح حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حافظ ابن حجر پہاڑ ہیں علم حدیث کے عرفہ میں ورق نہیں خدا کا شکر ہے کہ احتاف میں سب سے بڑی مقدار ان

علاء ربنا نہیں کی ہے جو حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے اور جو علماء ہمارے یہاں بھی کسی ایک علم میں ناقص تھے ان سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنے وسیع ترین علم و مطالعہ کی روشنی میں جو فیصلے علماء امت اور مباحث مہمہ کے بارے میں فرمائے ہیں وہ انوار الباری کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ حضرت کے درس بخاری شریف خصوصاً آخری سالوں کے درس اور علمی مجالس کے ارشادات کی ہماری نظر میں انتہائی اہمیت ہے اور اگرچہ حضرت عظیم و جامع شخصیت کی طرف ان کا احتساب بھی کافی وافی ہے تاہم راقم الحروف نے حتی الامکان اس امر کا التزام کیا ہے کہ ان کی تائیدات بھی مستحکم مآخذ سے پیش کرے تاکہ ناواقف یا کم علم لوگوں کے لئے غلط فہمی یا مبالغہ آمیزیوں کا موقع نہ رہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلیل۔

بحث و نظر: احناف و شوافع میں یہ مسند زیر بحث رہا ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو اس کے آگے چلنا بہتر ہے یا پیچھے احناف کی رائے ہے کہ جنازہ کو آگے رکھا جائے اور سب لوگ پیچھے چلیں اور حدیث میں پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد بھی اتباع کا ہے۔ یعنی پیچھے چلنا۔ شوافع کہتے ہیں کہ آگے چلنا افضل ہے کیونکہ ساتھ جانے والے گویا سفارش ہیں اور سفارش کرنے والے آگے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے پیچھے جرم ہوا کرتا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۱۸۱ میں لکھا ابن حبان وغیرہ کی حدیث ابن عمرؓ سے بھی جنازہ کے پیچھے چلنے کا ثبوت ملتا ہے اور حدیث الباب کے لفظ من اتبع کے جواب میں لکھا کہ اس سے پیچھے چلنے کے لئے استدلال درست نہیں کیونکہ جہد اور اجتہاد (باب الفتح) سے دونوں کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ پیچھے چلا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی کے پاس سے گزرا اور اس کے ساتھ چلا گویا دونوں معنی میں بالاشتراك بولا جاتا ہے پھر صرف پیچھے چلنے کے معنی متعین کر کے استدلال کیسے صحیح ہوگا؟

علامہ محقق حافظ مہدی نے عمدۃ القاری صفحہ ۲۱۵ میں فتح اور اتباع کے معانی تفصیل سے بتلائے اور قرآنی آیات و لغوی محاورات سے ثابت کیا کہ اس کے معنی پیچھے چلنے ہی کے ہیں خواہ وہ خارجی اعتبار سے ہو یا معنوی لحاظ سے پھر علامہ نے صفحہ ۳۱۷ میں حدیث پر گرفت کی اور لکھا کہ جو دو معنی بیان کئے گئے ہیں اگر اشتراك ثابت ہو جائے تب بھی ان میں سے پہلا تو خفیہ کی دلیل ہے اور دوسرا معنی نہ ان کے خلاف دلیل بن سکتا ہے اور نہ شوافع کے موافق۔

خفیہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کے آگے چلنے کا کچھ ثبوت ہے تو وہ فعلی ہے جو من اتباع کے قوی ثبوت کے مقابلہ میں راجح نہیں۔ اور شاید امام بخاری بھی پیچھے چلنے کو افضل سمجھتے ہیں اس لئے آگے چلنے کے فعلی ثبوت کا ذکر نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ میت کو خدا کی بارگاہ میں بطور مجرم پیش کرنے کا نظریہ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا ہوتا تو مجرم کو پھنسنے پڑنے کیڑوں میں خستہ حال پرانندہ بال لے جاتے اس کے برعکس شریعت کے حکم سے خوب نہلا دھلا کر صاف ستھرا کر کے اچھے اور نئے کیڑوں میں بلوں کر کے خوشبو لگا کر گھر سے نہایت نظم و حکم کے ساتھ لے جاتے ہیں نماز کے وقت بھی اس کو آگے ہی رکھتے ہیں اور دعوات مغفرت وغیرہ میں اس کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شامل کرتے ہیں اس کو سزا آخرت پر رخصت کرتے ہیں۔

اپنے درمیان سے ایک ایماندار بندہ کو خدا کی بارگاہ میں اپنے لئے بھی توشہ آخرت سمجھ کر آگے بھیج رہے ہیں پھر اس کو پیچھے رکھنے کی بات قلب موضوع نہیں تو اور کیا ہے؟

جس کو رخصت کرتے ہیں جس کو کسی کے پاس بطور مقدمہ انگیز بھیجے ہیں اس کو آگے رکھتے ہیں یا پیچھے؟ اس کے علاوہ آگے رکھنے میں دوسری مصالغ شرعیہ بھی ہیں وہ نگاہ کے سامنے رہے گا تو قدم قدم پر عبرت حاصل ہوگی کہ کل وہ کیسا بالقدار با اختیار تھا آج مجبور دلا چار دوسروں کے سہارے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے ہر کس کو ہمارے لئے یہ بھی یہ وقت آنا ہے خدا کا تقویٰ اور آخرت کی یاد کا حصول زیادہ سے زیادہ ہوگا احوال قبر احوال قیامت اور مردہ پر آنے والی کیفیات کا تصور ہوگا اور اس کی تکفین منزلوں کی آسانی اور گناہوں کی معافی کے لئے برابر دعا کریں کرتے چلے جائیں گے ظاہر ہے جنازہ کو پیچھے رکھنے میں اسی قدر احتضار و احساس اور اس کے فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔

علامہ عینی نے یہ بھی لکھا کہ جنازے کے پیچھے چلنے کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام اوزاعی نے بھی اختیار کیا ہے اور کچھ حضرات نے دیوں وصول کو برابر قرار دیا مثلاً امام شافعی نے یہ اسباب امام مالک میں سے ابو مصعب نے یہ اختلاف صرف فضیلت کا ہے ورنہ جواز سب کے نزدیک مسلم ہے۔

نماز جنازہ کہاں افضل ہے

نماز جنازہ کے بارے میں افضل خفیہ کے یہاں یہ ہے کہ مسجد سے خارج ہو اور مسجد کے اندر مکروہ ہے اگرچہ جنازہ مسجد سے باہر ہی ہو کیونکہ ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ مقبرہ ہی میں پڑھتے تھے اس کے بعد مسجد نبوی کی دیوار سے متصل ہر جگہ دعائی گئی جس کو ”مصلیٰ البیضاء“ کہا جاتا تھا وہاں نماز پڑھ کر پھر مقبرہ میں لے جانے لگے تھے۔ اگر مسجد کے اندر نماز درست ہوتی تو باہر اس کے لئے مخصوص جگہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بجز ایک دو مرتبہ مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے اور ایک دو بار پڑھنے کو ضابطہ اور قاعدہ کلیہ نہیں بنایا جاسکتا تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی سے باہر نکلے تو ظاہر ہے کہ وہاں تو مسجد کے طوط ہونے کا بھی احتمال نہیں تھا اگر کراہت نہ ہوتی تو مسجد ہی میں ادا فرماتے۔

مسک شوافع

شوافع کا مسک یہ ہے کہ نماز جنازہ اگرچہ افضل تو بیرون مسجد ہی ہے مگر مسجد کے اندر اگر پڑھی جائے تو کسی قسم کی کراہت نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ہے علامہ سرخسی نے خفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا کہ شاید آپ اس وقت مسجد میں متکلف ہوں گے یا بارش وغیرہ کسی عذر سے مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھی ہوگی۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے قاضی عیاض سے مصلیٰ البیضاء کا ذکر کیا کہ خارج مسجد تھا۔ مگر اس کو متعین نہ کر سکے کیونکہ انہوں نے صرف دو بار حج کیا مکانات کی تحقیق و تدقیق کا موقع ان کو نہیں مل سکا البتہ ان کے شاگرد کمودی کو مدینہ منورہ میں طویل مدت تک ٹھہرنے کا موقع ملا ہے جس میں انہوں نے تمام مقامات کی تحقیق کی ہے اسی لئے اسی قسم کے مسائل میں کمودی کا قول زیادہ موقع و معتبر ہے۔ مقصد ترجمہ:- امام بخاری کا مقصد باب مذکور اور حدیث الباب سے مراد اہل بدعت کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ اعمال کی کوئی اہمیت نہیں حالانکہ حدیث میں چھوٹے چھوٹے اعمال کی بھی ترغیب وارد ہے باقی اعمال کی کوئی دیشی سے ایمان میں بھی کمی دیشی ثابت کرتا یہ شخص دل خوش کرنے کی بات ہے واللہ اعلم۔

باب خوف المؤمن من ان يحبط عمله وهوا ليعر وقال ابراهيم التيمي ماعرضت قولی علی عملی الا حثیت ان اکون مکذبا وقال ابن ابی ملیکۃ ادرکت للثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلهم یخاف اتفاق علی نفسه مامنهم احد یقول انه علی ایمان جبریل و میکائیل و یذکر عن الحسن ماخافه الامؤمن ولا امنه الا منافق وما یحذر من الاصرار علی الثقاتل والعصیان من غیر توبۃ لقول اللہ تعالیٰ ولم یصروا علی ما فعلوا وهم یطمون۔

(مومن کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں کسی وقت غفلت و بے شعوری میں اس کا کوئی عمل اکارت نہ جائے اور انہم بھی نے فرمایا کہ جب بھی میں اپنے قول و عمل میں موازنہ کیا تو یہ خوف ہوا کہ کہیں مجھے جہنم نہ سمجھا جائے ابن ابی ملیکہ نے فرمایا کہ میری ملاقات تیس صحابہ سے ہوئی ان میں سے ہر صحابی اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتا تھا اور ان میں سے کوئی بھی یہ نہ کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرئیل و میکائیل جیسا ہے حضرت حسن بصری سے مقول ہے کہ نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے منافق اس سے بے فکر رہتا ہے اور ان امور کا بیان جن سے مومن کو اجتناب کرنا چاہئے (مثلاً) باہمی جنگ و جدال

اور گن ہوں پر بغیر توبہ کے اصرار کرنا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (مومنوں کی شان یہ ہے کہ) وہ لوگ جان بوجھ کر گناہوں پر اصرار نہیں کرتے ہیں)

۴۔ حدثنا محمد بن عروۃ قال حدثنا شعبۃ عن زبید قال سألت ابا وائل عن المرحۃ فقال حدثنی عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سباب المسلم فسوق وقناله کفر۔

ترجمہ:- حضرت زبید بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو وائل سے مرحہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- ”مسلمان کو گالی دینا (برا کہنا) فسق ہے اور اس سے جنگ وجدال کرنا کفر ہے“

تشریح:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مرحہ کے عقائد باطلہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ لوگ ایمان کے ساتھ کسی معصیت کو معص نہیں سمجھتے۔ حالانکہ معاصی میں سے کچھ فسق کے درجہ کے ہیں اور کچھ ان سے بھی اوپر کفر کے قریب تک پہنچا دینے والے ہیں ارشاد باری ہے ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان۔ (الحجرات) لیکن خدا نے (محض اپنے فضل و رحمت سے) تمہارے لیے ایمان کو محبوب کر دیا اور اس کو تمہارے دلوں کی زیب و زینت بنا دیا (جس کے بعد) کفر، فسق و عصیان کی برائی تمہارے دلوں میں چا گزین ہو گئی، معصوم ہوا کہ کفر کے بعد سب سے زیادہ فحیح درجہ فسق کا اور اس کے بعد عصیان و نافرمانی کا درجہ ہے، فسق کا اطلاق کہاڑ معاصی کے علاوہ ان برائیوں پر ہوتا ہے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، مثلاً کسی مسلمان کو سب و شتم کرنا اس کی حرمت و ناموس و مال پر حملہ کرنا وغیرہ عصیان ایسی نافرمانی پر بولا جاتا ہے جس کا تعلق اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے جدال و قتل کی حدیں چونکہ کفر کی سرحدوں ملتی ہیں اس لیے زیادہ قرب کے باعث ان کو کفر سے تعبیر فرمایا جیسے کہ جنت الدواع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- لا تر جعوا بعدی کفاراً یا مضرب بعضکم و قاب بعض‘۔ (بخاری) میرے بعد بے دین کا کفروں کے طریقے اختیار نہ کرنا کہ آپ میں ہی ایک ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، کیونکہ مسلمانوں پر تلوار اٹھنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ تم ان کو مسلمان نہ سمجھو اور کسی مومن و مسلم کو کافر سمجھ لینا اتنی ہی ممکن ہے کہ تم کفر و اسلام میں فرق و تمیز نہ کرو جس سے خود تمہارے کفر کا خطرہ ہے۔

بحث و نظر: امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ابن ابی ملیکہ کا یہ قول نقل کیا کہ ”میں نے تیس صحابہ کو پایا جو سب ہی اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے اور ان میں سے کسی کو بھی یہ کہتے نہیں سنا کہ اس کا ایمان جبرئیل و میکائیل کے ایمان پر ہے۔“

امام صاحب پر تعریض

بظاہر اس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر تعریض ہے، کیونکہ آپ سے ایمانی کا ایمان جبرائیل کے الفاظ نقل ہوئے ہیں تعریض اس طرح ہے کہ جب صحابہ سے ایسی بات منقول نہیں تو امام صاحب سے بھی قابل قبول نہیں ہونی چاہئے گویا امام صاحب نے مسلک صحابہ و مطلق سے ہٹ کر ایک بات کہی ہے، لیکن ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ یہ اور قسم کی دوسری تعریض تھی جو امام بخاری نے امام صاحب کے خلاف کی ہیں وہ سب امام

۱۔ یہ محمد بن عروہ بصری کا جنتی تھہ صدوق ہیں امام بخاری نے آپ سے میں حدیثیں روایت کیں اور تہذیب سے معلوم ہوا کہ مسلم و ابو ذؤب نے بھی آپ سے روایت کی ہے مگر تعریض میں بخاری ابو ذؤب و دؤب کا نشان ہے حافظ ابن حجر نے مشہور حنفی ابن قانع (استاذ حدیث دار قطنی) کے حوالے سے بھی آپ کی وثیقہ کی ہے۔ ۵۷۵ھ سال کی عمر میں ۲۱۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۲۔ عیال بن عروہ غائب ہی کے بھائی ہیں جن سے صحیح ستیادوسری کتب صحاح میں کوئی روایت حدیث نہیں کی گئی مگر امام بخاری نے ان کے حوالے سے امام اعظم کی برائی نقل کرنے میں کوئی حائل نہیں کیا، یہی تعریض ہے ان کے حالات کی تلاش کی گئی مگر اب تک اس میں کامیابی نہ ہو سکی تھی کہ خود تاریخ امام بخاری سے بھی ان کی وثیقہ یا دوسرے حالات منہل سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صاحب کے خلاف ہے یا تشدد ہے، اور بہت سی باتیں امام صاحب کی طرف مجہول، متعصب اور غیر مستند رواۃ کے ذریعہ منسوب ہو گئی ہیں۔

ائمہ حنفیہ کے عقائد

یہ ایک حقیقت ہے کہ ائمہ حنفیہ کا مسلک عقائد کلام اور فقہی مسائل کے لحاظ سے عادل ترین مسلک ہے جو قرآن و سنت و تعامل صحابہ و تابعین اور اجماع و قیاس کی روشنی میں سب مذاہب حقہ سے پہلے اکابر محدثین و مجتہدین کی رہنمائی میں شوریٰ طرز سے مرتب و مدون ہوا۔ شرزمہ تقلید نے کسی غلط فہمی، عناد و حسد کے تحت اس کی مخالفت کی، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

محدث ایوب کی حق گوئی

بقول محدث شہیر حضرت ایوب سختیانی:۔ "یریدون ان یظفوا نور اللہ بالوہم و یاہی اللہ الایمہ نورہم نے دیکھ لیا کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ پر بے بنیاد الزامات لگائے تھے ان کے مذاہب چند روز چل کر ختم ہو گئے یا کم حیثیت ہو کر رہ گئے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قیامت تک باقی رہے گا ان شاء اللہ بلکہ جس قدر پرانا ہوگا اس کے انوار و برکات بڑھتے ہی جائیں گے۔ (عقود الجواہر صفحہ طبع قطعنیہ)

حافظ ابن تیمیہ اور عقائد حنفیہ

حافظ ابن تیمیہؒ نے کتاب الایمان صفحہ ۱۶۳ و صفحہ ۱۶۴ میں لکھا کہ خدا نے اپنے مسلمانوں بندوں پر خاص رحمت کی نظر کی ان کو ائمہ اربعہ اور دوسرے جلیل القدر محدثین و مجتہدین کی لسان صدق سے رہنمائی عطا کی ان سب نے قرآن، ایمان اور صفات خداوندی کے بارے میں حمیہ و غیرہ فرق باطلہ کے غلط عقائد پر نگہری اور وہ سب سلف کے عقائد پر باہم متفق تھے اس موقع پر جن حضرات کے نام حافظ ابن تیمیہؒ نے صراحت کے ساتھ لکھے ہیں ان میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ امام ابو یوسف و امام محمد کے اسماء گرامی بھی ہیں نیز اس عبارت سے چند نتائج واضح ہیں۔ (۱) ائمہ اربعہ کی رہنمائی خدا کا خصوصی فضل و انعام ہے۔

(۲) ائمہ اربعہ اور امام ابو یوسف و امام محمد نے عقائد باطلہ کی تردید فرمائی ہے۔

(۳) ان حضرات کے عقائد حق و وہی تھے جو ان سے پہلے سلف کے تھے۔

(۴) ان سب حضرات کا عقائد میں کوئی اختلاف نہیں تھا (جو کچھ اختلاف نہیں تھا) جو کچھ اختلاف تھا وہ غلطی اور اجتہادی مسائل غیر منصوصہ میں تھا۔

(۵) امام بخاریؒ و غیرہ نے جو غلط عقائد کی نسبت امام اعظم یا امام محمد کی طرف کی ہے وہ صحیح نہیں۔

(۶) امام بخاریؒ یا بعد کے لوگوں نے جو کچھ ایمان کے مسئلہ میں امام صاحب و غیرہ پر تعریضات کی ہیں وہ حد سے تجاوز ہے جو امام بخاریؒ جیسے القدر محقق محدث کے لیے موزوں نہ تھا۔

ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "منہاج السنہ" صفحہ ۲۵۹ میں لکھا:۔ امام ابوحنیفہؒ سے اگرچہ لوگوں نے بعض امور میں اختلاف کیا ہے، لیکن ان کے فقہ فہم اور علم میں کوئی ایک شخص بھی شک و شبہ نہیں کر سکتا، بعض لوگوں نے ان کو مطعون کرنے کے لیے ان کی طرف ایسی باتیں بھی منسوب کر دی ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں جیسے خنزیر بری وغیرہ کے مسائل۔

امام بخاریؒ کی جزء القراءة

ہم بتلا چکے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنا رسالہ جزء القراءة خلف الامام میں خنزیر بری کی حلت امام صاحب کی طرف منسوب کی ہے جہاں

یہ بھی لکھا تھا کہ امام صاحب قرآن کو مخلوق کہتے ہیں حالانکہ امام احمد جو امام بخاری کے شیخ بھی ہیں اور وہ ان لوگوں کے سخت ترین مخالف تھے جو قرآن کو مخلوق کہتے تھے، وہ بھی امام اعظم کی انتہائی تعظیم کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک یہ بات امام ابوحنیفہ کے متعلق ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی کہ وہ قرآن کو مخلوق کہتے تھے۔

امام صاحب اور امام احمدؒ

اس مقولہ کے راوی ابو بکر مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے یہ بات سن کر خدا کا شکر کیا اور پھر امام محمد سے سوال کیا کہ امام ابوحنیفہ کا علمی مرتب کیا تھا؟ امام احمدؒ نے فرمایا ”سبحان اللہ! ان کے علم اور ان کے کلام اور آثار آخرت کا تو وہ درجہ ہے کہ کوئی دوسرا اس درجہ پر پہنچ بھی نہیں سکتا انہوں نے تو عہدہ فاضلہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے کوڑوں کی سخت مار برداشت کی، مگر اس کو کس طرح قبول نہ کیا ان پر خدا کی رحمت و رضوان“۔ (عقود الجواہر) حافظ ابن تیمیہ کے علم فضل اور جلالت قدر پر غیر مقدس زمانہ بھی پورا اعتقاد کرتے ہیں امام احمدؒ تو چار عظیم القدر ائمہ مجتہدین میں سے ایک ہیں۔

علامہ طوفی حنبلی کا دفاع عن الامام

اسی طرح علامہ سلیمان بن عبد القوی طوفی حنبلی نے ”شرح مختصر الروضہ“ میں لکھا جو اصول حنبلیہ میں بلند پایہ کتاب ہے۔
 ”واللہ! میں تو امام ابوحنیفہ کو ان سب باتوں سے معصوم و بری ہی سمجھتا ہوں جو ان کے بارے میں لوگوں نے نقل کی ہیں اور ان چیزوں سے منزہ جانتا ہوں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور امام صاحب کے بارے میں میری رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے کسی مسئلہ میں بھی سنت رسول کی مخالفت عداوت ہرگز نہیں کی، اگر کہیں خلاف کیا ہے تو اجتہاد کیا ہے، جس کے لیے ان کے پاس واضح جہتیں صالح و روشن دلائل ہیں اور ان کے دلائل لوگوں کے سامنے موجود ہیں، جن سے مخالفوں کو حق و انصاف کی رو سے بازی لینا آسان نہیں اور امام صاحب کے لیے بصورت خطا بھی ایک اجر ہے اور بصورت صواب تو دو اجر ہیں ان پر طعن و اعتراض کرنے والے یا تو حاسد ہیں یا ان کے مواقع اجتہاد سے جا ملے ہیں ان کے بارے میں امام احمدؒ سے بھی آخری بات جو ثابت ہوئی ہے وہ ان کی مدح و ثناء ہی ہے، جس کو ہمارے اصحاب میں سے ابوالورد نے کتاب ”اصول الدین“ میں ذکر کیا ہے۔“ (تانیہ الخطیب صفحہ ۱۴۳)

مولانا عبید اللہ مبارکپوری کا تعصب

افسوس ہے کہ اس دور میں بھی کہ علی نو اور دو خانزادہ گھر پہنچ رہے ہیں اور علم کی روشنی برابر پھیلتی جا رہی ہے ہمارے زمانہ کے فاضل محدث مولانا عبید اللہ مبارکپوری نے اپنی تازہ تالیف شرح مشکوٰۃ مرعاة المصالح میں ائمہ حنفیہ پر سخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی و عناد رکھنے کی تہمت داغ دی، ان کو خاص طور سے علامہ طوفی حنبلی کی مذکورہ بالا عبارت پڑھ کر اپنی بے جا و بے محل جساتوں سے توبہ کرنی چاہئے۔ واللہ یوفقنا وایا ہم لما یحب ویرضی۔

علامہ زبیدی کا ارشاد

علامہ زبیدی نے اپنی کتاب ”اتحاف السادة المتقین“ صفحہ ۲۳۲ میں لکھا۔ (امام ابوحنیفہؒ پر (بعد کے) لوگوں کا طعن کس طرح جائز ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے معاصرین وغیرہم سے ائمہ کبار مثلاً امام مالک سفیان امام شافعی امام احمد اوزاعی وبراہیم بن ابراہیم بن جیوں نے امام صاحب کی مدح و ثناء کی ان کے عقائد فقہ و عبادت و امور دین میں احتیاط کی تعریف کی ان کے اجتہاد اور علوم شریعت میں کامل مکمل ہونے کی داد دی جو بڑی کتابوں میں مذکور ہے ان کا منظرہ بھی جہم بن صفوان رئیس فرقہ جمہیہ سے مشہور ہے وہ ایمان کو صرف تصدیق

قلبی کہتا تھا آپ نے اس کو دلائل و براہین سے سمجھایا کہ ایمان تصدیق قلبی و اقرارسانی دونوں کا مجموعہ ہے اور اس کو لا جواب کر دیا۔
 کبھی نے اپنے ”مقالات“ میں اور محمد بن حنیبل نے ایمان کے بارے میں امام اعظمؒ کی طرف ایسی جھوٹی بات منسوب کر دی ہے۔
 جس سے وہ بری ہیں اسی طرح مکہ معظمہ میں امام صاحب کا عمر بن عثمان حمزی (راس المذنبہ) کے ساتھ جمع ہونا اور ایمان کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کا افسانہ بھی معتزلہ کے بہتانوں میں سے ہے۔

معتزلہ اور امام صاحب

امام صاحب سے معتزلہ کو بھی سخت جلن اور عداوت تھی، کیونکہ آپ ان کے اصول و تاباں پر کبیر کرتے تھے اور ان کو اہل ہوا میں سے قرار دیتے تھے لیکن حق تعالیٰ نے امام صاحب کو ان کے سب افتراءات سے بری فرمادیا۔

عمر بن عبید اور امام صاحب

یہ حمزی عمرو بن عبید معتزلی کا تلمیذ خاص تھا، جس کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت حسن بصری کی مجلس میں بیٹھتا تھا، ان سے احادیث سنیں روایت کیں بڑی شہرت پائی، پھر واصل بن عطا معتزلی نے اس کو مذہب اہل سنت سے منحرف کر دیا، تو قدری بن گیا، بہت بڑا زائد و عبادت گزار تھا، اور ظاہری اخلاق میں بہت اچھا تھا لیکن بدعت و اعتزال و قدریت کی وجہ سے اہل نقل نے اس کو نظر انداز کر دیا، آجری نے امام ابو داؤد کا قول نقل کیا کہ ”ابو حنیفہ عمرو بن عبید جیسے ہزار سے بہتر ہیں“ (تہذیب صفحہ ۸/۷۰)

امام بخاریؒ کی کتاب الایمان

اب امام بخاریؒ کی کتاب الایمان کی طرف آجائے، امام احمد الحدیث علامہ زبیدی نے عقود الجواہر میں لکھا کہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں جس طرح ابواب و تراجم باندھے ہیں ان کے ظاہر سے اس امر کا حکم ہوتا ہے کہ وہ اہل اعتزال سے تھے، لیکن یہ بات چونکہ خلاف تحقیق ہے اس لیے ان کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ امام بخاری اہل اعتزال اور ان کے مذہب سے بری ہیں اور انہوں نے ایمان کے مسئلہ میں بھی معتزلہ کا مسلک اختیار نہیں کیا، اسی طرح اکثر اصحاب اہلسنت و الجماعت کے سردار امام ابو حنیفہؒ کے متعلق بھی خیال کرنا چاہئے کہ وہ اہل ارجاء واران کے مذہب سے بری ہیں اور جس کسی نے ان کے کسی کلام سے غلط فہمی یا قلت تدرک کے سبب ان کو اہل ارجاء میں سے سمجھا اس نے غلطی کی۔

امام بخاریؒ اور امام اعظمؒ

ہمارے نزدیک جس طرح امام ابو حنیفہؒ سادات اہل سنت و الجماعت اور عرفاء کا مین و کبار اہل کشف میں سے ہیں، اسی طرح امام بخاریؒ وغیرہ بھی عرفاء، محدثین و فقہاء میں سے ہیں، رضی اللہ عنہم ورضوائعہ

چونکہ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں لہجہ ضرورت سے زیادہ تیز کر دیا ہے، اور نہ صرف معتزلہ، خوارج، مرجئہ، کرامیہ وغیرہ کا رد کیا، بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ پر بھی تعریضات کی ہیں اور زیر بحث ترجمہ الباب میں ابن ابی ملیکہ کا قول بھی ظاہر امام صاحب پر تعریض معلوم ہوتا ہے، اس لیے ہم نے یہاں چند ضروری اشارات کیے ہیں جن سے واضح ہوا کہ ائمہ حنفیہ کی طرف عقائد و ایمان کے بارے میں کسی غلط بات کی نسبت صحیح نہیں ہو سکتی۔

امام بخاریؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ

اگر حنفی تفسات کے بیجا تشدد کی وجہ سے امام بخاریؒ ائمہ حنفیہ سے ناراض ہو گئے تھے اور آخر تک ناراض ہی رہے، تو ابن تیمیہ کو بھی تو حنفی مناظرین

و حکام سے تکلیفیں پہنچیں تھیں پھر دونوں کی کتاب الایمان میں اتنا فرق کیوں ہے؟ کہ ایک قدم قدم پر تعریض و اعتراض کا موقع ڈھونڈ رہا ہے اور دوسرا امام صاحب سے صفائی و مدافعت کا حق ادا کر دیتا ہے اور نہ صرف امام صاحب کی بلکہ دوسرے ائمہ حنفیہ کی بھی مدح و ثناء میں رطب اللسان ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ

ہمارے نزدیک بات صرف اتنی ہی ہے کہ امام بخاریؒ میں تاثر کا مادہ زیادہ تھا وہ اپنے اساتذہ جمیدی، نعیم بن حماد، خزاعی، اہلق بن راہویہ، اسماعیل بن عرعہ سے زیادہ متاثر ہو گئے جن کو امام صاحب وغیرہ سے لٹھی بغض تھا۔

دوسرے وہ زور رنج تھے فن حدیث کے امام بے مثال تھے مگر فقہ میں وہ پایہ نہ تھا اسی لیے ان کا کوئی مذہب نہ بن سکا بلکہ ان کے تلمیذ رشید ترمذی جیسے ان کے مذہب کی نقل بھی نہیں کرتے امام اعظمؒ کی فقہی باریکیوں کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ اونچے درجہ کے تفقہ کی ضرورت تھی جو نہ سمجھا وہ ان کا مخالف ہو گیا۔

امام اعظم رحمہ اللہ

امام صاحب خود بلند پایہ محدث اور عالم رجال تھے تاج و منوش کے بہت بڑے مسلم عالم تھے صحابہ و تابعین کے آثار و تعامل پر ان کی پوری نظر تھی بعد کے محدثین نے سارا مدار و اواق کے مدارج پر رکھا اس لئے ان کے اور پہلوں کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی اور اس کی وجہ سے اختلاف بڑھتا چلا گیا اور اس کے نتائج سامنے ہیں۔

ایمان کے بارے میں مزید تحقیق

اس کے بعد ایمانی کا ایمان جبرئیلؑ کی کچھ تحقیق درج کی جاتی ہے واللہ الوفی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک زیادہ قوی صحیح روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے قول مذکور کی نہیں ہے اور امام ابو یوسف و امام محمد دونوں سے انکار ثابت ہے امام ابو یوسف نے تو فرمایا کہ ”جو شخص ایمانی کا ایمانی جبرئیلؑ کہے وہ صاحب بدعت ہے۔“ (تذکرہ الحفاظ صفحہ ۲۹۲/۱) امام محمد کا قول شرح فقہ اکبر میں اس طرح نقل ہے اسی باعث امام محمدؒ نے حسب روایت خلاصہ کہا کہ میرے نزدیک یہ کہنا مکروہ ہے کہ میرا ایمان جبرئیلؑ جیسا ایمان ہے ہاں! یہ کہہ سکتا ہے کہ جن جن چیزوں پر حضرت جبرئیلؑ ایمان لائے میں بھی ان سب پر ایمان رکھتا ہوں اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ کوئی کہے میرا ایمان انبیاء علیہم السلام جیسا ہے بلکہ یہ بھی مناسب نہیں کہ اپنے ایمان کو حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کے ایمان جیسا کہے۔

مراتب ایمان کا تفاوت

گویا مراتب ایمان کا تفاوت ائمہ حنفیہ کے یہاں بھی تسلیم ہے لیکن مومن بہ کے لحاظ سے جملہ مومنین کے ایمان مساوی درجہ کے ہیں تو اگر امام صاحب سے ”ایمانی کا ایمان جبرئیلؑ“ کہنے کی اجازت بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی مراد ظاہر ہے یعنی مشابہت مومن بہ کے لحاظ سے ہوگی جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور چونکہ مشابہت میں تساوی یا مساوات علی الاطلاق کے ائمہ حنفیہ بھی قائل نہیں اس لئے امام صاحب سے بھی ”ایمانی مثل ایمان جبرئیلؑ“ کہنے کی ممانعت ہے۔

غرض نفس نقدیق بھما جاء به الوسل اور مومن بہ کے لحاظ سے چونکہ تمامی اہل ایمان عوام و خواص برابر ہیں۔ اس لئے ایمانی ”ایمان جبرئیلؑ“ کہا جاسکتا ہے بلکہ تفصیل مذکور کے لحاظ سے مثل کا لفظ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ امام صاحب سے کتاب العالم والاعلم میں مثل کا لفظ منقول بھی ہوا ہے اس طرح امام صاحب کا ارشاد اپنی جگہ پر بالکل صحیح اور واقع کے مطابق تھا اور مشکمین و ماترید یہ بھی

اسی کے قائل ہیں، مگر امام محمدؒ نے دیکھا کہ اس سے کم فہم یا بے علم لوگ مغالطے میں پڑ سکتے ہیں اس لئے انہوں نے اس تعبیر کو ناپسند قرار دیا بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ خود امام صاحب نے بھی جواز کے بعد عدم جواز کا ہی فیصلہ فرمایا ہے چنانچہ ابن عابد بن شامی نے امام صاحب سے کاف اور مشرک دونوں ہی کا عدم جواز نقل کیا ہے (جب کہ در مختار میں امام صاحب اور امام محمد دونوں سے جواز کاف) (اور عدم جواز مشرک ایک روایت میں اور دونوں کا مطلقاً جواز دوسری روایت میں نقل ہوا تھا) (بظاہر امام صاحب نے جواز سے رجوع فرمایا ہو گا تو پھر امام ابو یوسف و امام محمد نے بھی کراہت و ناپسندیدگی کا فیصلہ فرمادیا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔)

و ما یحل من الاصرار علی العقابل الخ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں بدرکراہوں کے خوف کا ذکر ہے جو نفاق معصیت و بدرکراہی میں مبتلا ہیں اور ڈر ہے کہ اس سے نفاق کفر تک نہ پہنچ جائیں اور پہلے خوف صالحین کا ذکر ہوا تھا جو باوجود سلاح و کککاری کے نفاق عملی سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ خوف و خشیت والے تھے پس ان کا خوف بھی غایت احتیاط و تقویٰ کے سبب تھا۔ و قتالہ کفر، کوئی کہہ سکتا ہے کہ فسوق کے مقابلہ میں یہاں کفر سے مراد وہی کفر ہو سکتا ہے جو ملت سے خارج کر دئے حالانکہ یہ مذہب اہل حق کا نہیں بلکہ خوارج و معتزلہ کا ہے۔ جواب یہ ہے کہ کفر سے مراد فسوق ہی کا آخری درجہ ہے جس کی سرحد کفر سے ملتی ہے اس کی شاعت و پراکشتی کا تعقیب کفر سے تعبیر کیا گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بہتر جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں قرآن مجید کا اتباع کیا گیا ہے حق تعالیٰ نے عمداً قتل مومن کی سزا خلود نار فرمائی تھی جو جوار کفر ہے اس لئے حدیث میں بھی قاتل مومن کو کفر فرمایا گیا یہ بحث الگ ہے کہ خلود نار سے مراد آیت میں کیا ہے اور یہ امر بھی جدا ہے کہ فقہاء ایسے شخص پر دنیا میں کفر کے احکام نافذ نہیں کرتے دوسرے حدیث میں وہ تعبیرات اختیار کی گئی ہیں جو زیادہ سے زیادہ عمل پر اس کے نالہ والی ہیں اس لئے بھی ان میں تشدد سے چارہ نہیں۔

بحث رجال: ابتدا میں ہم کہہ آئے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں محمد بن عرعہ راوی حدیث الباب کے لئے بخاری، مسلم اور ابوداؤد کا نشان لگایا اور تقریب میں بخاری، ابوداؤد و نسائی کا مسلم کا نہیں اس وقت اس کے بارے میں متنبیان ہی رہا پھر یہی سوچا کہ تقریب میں طاعت کی غلطی ہو گئی ہے مگر پھر حافظ یعنی کا کلام پڑھ کر وجہ مغالطہ سمجھ میں آئی جو ذکر کی جاتی ہے لکھا کہ شیخ قطب الدین نے اس کو بخاری کے مضمرات میں سے قرار دیا (یعنی یہ کہ محمد بن عرعہ سے صرف بخاری نے روایت لی ہے مسلم نے نہیں لی) مگر میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسلم نے بھی اس سے روایت کی ہے حافظ حزی نے اس پر تنبیہ کی ہے۔ البتہ صاحب کمال نے ابوداؤد پر اختصار کیا تھا اس لئے ممکن ہے حافظ نے تقریب کی ترتیب و تالیف کے وقت اسی کا لحاظ کیا ہو یا اسی کو ترجیح دی ہو واللہ اعلم۔

انہم افادہ علیہ: حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ "لما نزلت الذین امنوا و لم یسلوا ایماہم یظلم" کے تحت امام نووی نے شرح بخاری میں فرمایا۔ "اس حدیث سے مذہب اہل حق کا ثبوت ہوتا ہے کہ معاصی کے ارتکاب سے کفر عائد نہیں ہو گا" اور خود امام بخاریؒ نے بقول حضرت شاہ صاحبؒ کتاب الایمان کے اندر تو اعمال کو ایمان و عقائد میں داخل کیا اور ایک باب کفروں کا بھی قائم کر دیا اور بتلایا کہ عمل ذرا بھی کم ہو تو کفر ہو گیا مگر خود ہی ستائیسویں پارہ میں باب ہایکوہ من لعن شارب الخمر ذکر کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ عقیدہ درست ہونے پر کبیرہ گناہوں کے سبب بھی ملت سے خارج نہ ہو گا پھر امام اعظمؒ اور امام بخاری کے مسلک میں کیا فرق رہ گیا؟ اور آپ نے دیکھا کہ علامہ نووی نے بھی مذہب اہل حق و حق بتلایا جو امام صاحب وغیرہ سب کا مذہب ہے معلوم ہوا کہ ایسے مسائل میں بھی جہاں کہ بظاہر امام بخاری کا رویہ ائمہ حنفیہ کے بارے میں سخت سے سخت ہو گیا ہے کہ خود کرید کر دیکھا جائے گا تو خلاف بہت معمولی درجہ کا نیکے گا اس درجہ کا نہیں کہ اہل زنج کو خواہ مخواہ زیادہ ہاتھ پاؤں پھیلانے کا موقع ملے واللہ المستعان۔

۴۸- حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا اسمعيل بن جعفر عن حميد عن انس قال اخبرني عباد بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج يخبر بليلة القدر فتلاحى رجلان من المسلمين فقال اني خرجت لايخبركم بليلة القدر وانه تلاحى فلان وفلان فرفعت وعسى ان يكون خيراً لكم فالتمسوها في السبع والتمسوا والخمس.

ترجمہ۔ حضرت انسؓ نے فرمایا: مجھے حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بتلایا کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر بتانے کے لئے باہر تشریف لائے اتنے میں (آپ نے دیکھا) کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ میں اس لئے نکلا تھا کہ تمہیں شب قدر بتاؤں، لیکن فلاں فلاں شخص جھگڑنے لگے، اس لئے (اس کی خیر اٹھائی گئی اور شاید تمہارے لئے بہتر ہو اب اسے (رمضان کی) ستیمسوں، اخیسوں اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔

تخریج۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر کی تعیین کا علم دیا گیا اور اس کی اطلاع صحابہ کو دینے کے لئے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے، مگر دیکھا کہ مسجد نبوی میں دو مسلمان کسی معاملہ میں جھگڑ رہے ہیں، آپ نے اس کا جھگڑا ختم فرمانے کی سعی کی، اتنے میں وہ بات سب کے ذہن مبارک سے نکل گئی جو ان دونوں کے جھگڑنے کی قیادت کے سبب ہوئی، معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا آپس میں ٹبنا جھگڑنا خدا کو سخت ناپسند ہے اور اس کی وجہ سے خدا کی بہت سی نعمتوں اور رحمتوں سے محرومی ہوتی رہے گی، اس لئے اس سے بہتر ڈرنا چاہئے، تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس علم کے حاصل نہ ہونے کی صورت میں بھی دوسری وجہ تیر کی پیدا ہو گئی، جس کا ذکر آپ نے فرمایا کہ شب قدر کی تلاش وجہ تو اسے امت کے لئے دوسری جہت خیر و فلاح کھل گئیں اور اس کی فکر و طلب والوں کو حق تعالیٰ دوسرے انواع و اقسام کے انعامات سے نوازیں گے، کیونکہ ان سب راتوں میں شب قدر کی طلب و تلاش بھی مستقل عبادت بن گئی، جو تعیین کی صورت میں نہ ہوتی۔

شب قدر باقی ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فرغت سے مراد یہ نہیں کہ اصل شب قدر ہی اٹھائی گئی، جیسا کہ شیعی کہتے ہیں بلکہ اس کا علم تعیین اعضاء گیا، اگر شب قدر ہی باقی نہ رہتی تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اس کو تلاش کرنے کا حکم فرما رہے ہیں اس کا کیا فائدہ رہا۔

حدیث کا ربط ترجمہ سے

اسی سے ترجمہ کے ساتھ حدیث کے ربط کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی، کہ جس طرح باہمی نزاع شب قدر کے علم تعینی کے رفع کا سبب بن گیا، اسی طرح معاصی بھی حظ اعمال کا سبب بن جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی تحقیق

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عام شارحین نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ صرف ۲۵ ویں اور ۲۶ ویں اور ۲۹ ویں شب میں تلاش کرو، مگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے طریق و تعامل سے یہ سمجھ ہوں کہ پورے آخری عشرہ یا آخری ہفتہ یا آخری پانچ دنوں کی راتوں میں تلاش کرو (آخری عشرہ چونکہ ۲۹ دن کے لحاظ سے ۹ دن کا ہوگا، اس لئے اس کو تسع سے تعبیر فرمایا۔ جو تین ہی ہے) مطلب یہ ہے کہ گویا شب قدر ان ہی راتوں میں سے ایک رات میں ہوگی مگر قیام شب اور عبادت ان سب راتوں میں اہتمام سے ہونی چاہئے، فرمایا مجھے تو یہی بات حقیق ہوئی ہے واللہ اعلم۔

بحث و نظر... ترجمہ حدیث کی مطابقت حافظ عینیؒ کی نظر میں

علامہ محقق حافظ عینیؒ نے فرمایا کہ یہ شب قدر والی حدیث امام بخاری کے پہلے ترجمہ سے متعلق ہے آخری ترجمہ سے نہیں اور وجہ مطابقت یہ ہے کہ اس میں باہمی جھگڑوں کی مذمت و برائی دکھائی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جھگڑا لڑاؤی ناقص رہ جاتا ہے درجہ کمال کو نہیں پہنچتا کیونکہ جھگڑوں میں وقت ضائع کرنے کے باعث بہت سی خیر و فلاح کی باتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

خصوصاً جب کہ جھگڑے بھی مسجد جیسی مقدس جگہ میں کئے اور بلند آواز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے وقت میں کرے کہ اس میں زیادہ امکان اس کا بھی ہے کہ اس کے نیک اعمال اکارت ہو جائیں اور اس کو اس بدبختی کا شعور و احساس بھی نہ ہو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ولا تجهر والہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپس کی بے باکانہ گفتگو کی طرح زور زور سے طلق پھاڑ باتیں نہ کرو کہیں ایسی بناؤں سے تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور اس کا احساس بھی نہ ہو)

حافظ ابن حجر پر تنقید

حافظ عینیؒ نے لکھا کہ یہ توجیہ (جھگڑے میں آواز کا عموماً عادتاً بلند ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے باعث اس سے جپ اعمال کا ڈر) کرمانی سے ماخوذ ہے مگر اس کو آخری ترجمہ سے مطابقت کرنا آگے جڑ نکال کا محتاج ہے یعنی بڑے تکلف کی چیز ہے ہاں! جیسا کہ ہم نے وضاحت کی ہے اس کی مطابقت ترجمہ اول سے بخوبی ہو سکتی ہے مگر بعض شارحین بخاری نے (اشارہ حافظ ابن حجر کی طرف ہے) بڑی عجیب بات کی کہ کرمانی کی توجیہ کو اپنی تحقیق بنا کر لکھ دیا کہ ”اس توجیہ سے حدیث کی مناسبت و مطابقت بھی ترجمہ سے واضح ہو گئی جو بہت سے شارحین بخاری سے مخفی ہو گئی ہے“ (فتح الباری صفحہ ۸۴)

ایک دوسرے کی تحقیق ظاہر کرنا پھر یہ بھی دعویٰ کرنا کہ یہ توجیہ و تحقیق دوسروں سے مخفی رہی ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی غلطی کی کہ حدیث کو یہاں ترجمہ کے مطابق قرار دینا حالانکہ صحیح مناسبت حدیث کے قریبی ترجمہ سے نہیں بلکہ سابق و بعید ترجمہ (ان صحیحہ علیہ) کے ساتھ ہے (عمدۃ القاری صفحہ ۳۲۳)

دو ترجمے اور دو حدیث

واضح ہو کہ امام بخاری نے اس باب میں دو ترجمے قائم کئے اور پھر دو حدیث لائے ہیں ترجمہ اول خوف المومن ان یحبط عملہ سے مطابقت بعد والی حدیث کو ہے اور ترجمہ ثانی وما یحبط من الاضرار کی مطابقت اول الذکر حدیث سے ہے گویا وف وشر غیر مرتب کی صورت اختیار کی گئی ہے واللہ اعلم۔

قاضی عیاض کی تحقیق اور سوال و جواب

قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا مخالفت اور باہمی جھگڑے نظر شارع میں نہایت مذموم اور بطور عقوبت معنیہ ہیں یعنی باطنی و معنوی طور پر ان کو دنیا کا عذاب سمجھنا چاہئے خدا ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ دوسرے یہ کہ جن مواقع پر شیطان کا دخل و موجودگی ہو (جیسے مواقع خصومت) وہاں سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے اس کی تحقیق پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ طلب حق کے لیے جھگڑے کو کس طرح مذموم قرار دیا گیا؟ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب یہ دیا کہ چونکہ وہ جھگڑا مسجد میں ہوا تھا (جو ذکر الہی کی جگہ ہے لغو باتوں کی نہیں) اور وہ بھی ایسے وقت میں ہوا جو ذکر کا مخصوص زمانہ تھا یعنی ماہ رمضان اس لیے وہ مذموم قرار پایا۔

علامہ یعنی نے حافظ کے اس جواب کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ طلب حق کو یا اس کے لیے بقدر ضرورت جھگڑے کو کسی مقدس سے مقدس مقام و وقت میں بھی مذموم نہیں کہا جاسکتا لہذا جواب یہ ہے کہ یہاں مذمت کی وجہ محض طلب حق کے لیے جھگڑنا نہیں ہے بلکہ جھگڑنے کی وہ خاص صورت ہے جو قدر ضرورت سے زیادہ پیش آئی اور اس زیادتی کو لغو کیا جائے گا جو مسجد کے اندر اور بلند آواز کے ساتھ ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مزید باتوں کا مجموعہ بن گئی اس کو خوب سمجھ لو (عمدة القاری صفحہ ۳۲۷)

ہم نے مقدمہ انوار الباری میں حافظ ابن حجر کے سوا نہ میں کچھ باتیں لکھی تھیں اب ناظرین کو ان کی صحت کے بارے حق یقین بھی ہوتا جائے گا اور وہ اچھی طرح جان لیں گے کہ علامہ یعنی کا مرتبہ علم معانی حدیث و رجال میں کتنا اونچا ہے اور فقہ اصول فقہ تاریخ نحو و معانی وغیرہ علوم میں تو انکی سیادت مسلم ہے جب کہ فقہ وغیرہ میں حافظ ابن حجر کی کمزوریاں ناقابل انکار ہیں انفس کہ عمدة القاری سے ہمارے نئی علماء و اساتذہ بھی بہت کم استفادہ کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ کی نہایت ہی مدح و مقتدا بزرگ امیر المؤمنین فی الحدیث عبد اللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ ”امام ابو حنیفہ کے کسی استنباط کئے ہوئے مسئلہ کے متعلق یہ مت کہو کہ یہ امام ابو حنیفہ کے رائے ہے بلکہ اس کو شرح معانی حدیث سمجھو“ یہ تو ان کی رائے تھی اور حقیقہ امام صاحب کے تمام مسائل بالواسطہ معانی حدیث کی شرح ہی میں۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ امام غلامی اور حافظ یعنی کی حدیثی تالیفات بلا واسطہ شرح معانی حدیث کے بے نظیر ذخیرے ہیں ایک کام جو نہایت دشوار تھا امام صاحب نے اپنے دور کے محدثین و فقہاء کی مدد سے انجام دیا اور دوسرے کام کی تکمیل بعد کے احناف محدثین کے ذریعہ عمل میں آئی۔ واللہ الحمد اولاً و آخراً۔

افادات النور رحمہ اللہ

حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ نے اس باب کے تحت جو ارشادات فرمائے بنظر اقاوہ ان کا ذکر مستقل طور سے کیا جاتا ہے فرمایا مقصد ترجمہ یہ ہے کہ قتال و جدال باہمی وغیرہ کے نتیجہ میں گنہگاروں کی طرف پر کفر سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایمان سلب نہ کر لیا جائے آخر میں تخویف مقصود نہیں ہے کیونکہ فقہ و شریعت کی رو سے تو اس کو کفر نہیں کہہ سکتے ہیں لہذا اس کو احادیث کا حمل بھی نہیں بنانا چاہئے جب کہ مقصود صرف تخریب و تنبیہ ہی ہے۔ امام غزالی نے سوء خاتمہ کے دو بڑے سبب بتلائے ہیں۔

(۱) ایک شخص کے مقتادہ اعمال غلط ہوں مثلاً بدعتی ہے شریعت کو صحیح طور سے نہیں سمجھا ہے مرتے وقت اس کو منکشف ہوگا کہ جس کو وہ صواب سمجھتا تھا غلط نکلا اس پر اسے توحید و نبوت ایسے بنیادی عقائد میں بھی شک ہوگا تاہم کہ شاید اس میں بھی غلطی ہوئی ہو اس بدعات کی غلطی منکشف ہونے پر اس کو ایمانیات کی طرف سے بھی بے اعتمادی ہو جاتی ہے جس سے ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

(۲) گناہ گار فاقق مومن کا جب وقت موت قریب آ جاتا ہے اور پردہ اٹھتا ہے سرے معاصی سامنے ہو جاتے ہیں عذاب کا مشاہدہ ہوتا ہے تو خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر اس کو خدا سے بغض ہو جاتا ہے جس کے بعد ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

ہم نے دنیاوی میں دیکھا کہ ایک شخص کا مینار اتو کہنے لگا کہ خدا تیرا بیٹا ہوتا اور تیرا چچہ ہے چلتا (نعوذ باللہ من ذلک) اسی طرح جب ہم دنیاوی مصائب کی طرف دیکھتے ہیں کہ عاصی کچھ کچھ کہہ بیٹھتا ہے۔ اور خدا سے اس کو خط و نفیض ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ جب وہ اپنے معاصی کے ساتھ بغیر توبہ کے مرے گا اور مرتے وقت عذاب کا مشاہدہ کرے گا تو اس وقت اس کو خدا سے کتنا کچھ بغض نہ ہو جائے گا۔

کلہم یخاف النفاق علی نفسه پر فرمایا کہ یہ ”زردیاں اور ایش بود جیرانی“ والا معاملہ ہے یہیں میں صابہ سب کے سب اسی شان کے تھے ایمان کو خوف ورجہ کے درمیان ہونا چاہئے ان حضرات کی نظر ہر وقت خدا کی قدرت پر تھی درحقیقت سارا عالم سمندر کی طرح ہے جس

میں موجیں اور طوفان ہیں ہم سب اس کے گرد اب میں پھنسے ہوئے ہیں اور آل کار یعنی آئندہ کی نجات و ہلاکت ہم سے غائب ہے۔
لہذا خوف و چراہ و ڈنوں ہی کا جو صحیح معنی میں ہوتا چاہئے، حضرت فاروق اعظم کا مقولہ ہے کہ اگر محشر میں یہ ندا ہو جائے کہ سب دوزخ میں جائیں گے، صرف ایک جنت میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں (یہ چراہ کا کمال ہے) اور اگر برعکس اعلان ہو کہ سب جنت میں جائیں گے، صرف ایک دوزخ میں جائے گا تب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ وہ میں ہوں (یہ خوف کا کمال ہے) یہ اس مقدس ذات کا مقولہ ہے جس کا مرتب امت محمدیہ میں دوسرے نمبر پر ہے اور یہ صحیح سمجھو درایت دین کی اس سے بہت کہ جو کچھ ہے وہ اٹیس کا فلسفہ ہے جس کو میں یون فلاسفہ کہا کرتا ہوں۔

ولم یصروا علیٰ ما فعلوا و ہم یعلمون پر فرمایا کہ یہ وہم یعلمون کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ مزید ہیج کے لیے ہے علامہ ابن میسر نے قرآن مجید کی تمام تفسیریں کا بیان مفصل کیا ہے کہ کہاں کیسی ہے۔ جزاء اللہ خیرا لجزاء اصرار سے اشارہ اس اثر کی طرف ہے جو ترمذی شریف میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے۔ ما اصر من استغفرو ان عاد فی الیوم سبعین مئة (جو گناہوں سے توبہ و استغفار کرتا رہے، اگرچہ دن میں ستر بار بھی گناہ کرے) تو وہ اصرار محصیت کا مرتکب نہیں ہے حافظ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اصرار کے بارے میں علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ اصرار کے ساتھ صغیرہ صغیرہ نہیں اور بغیر اصرار کے کبیرہ کبیرہ نہیں ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اصرار کے ساتھ یعنی بغیر توبہ و استغفار کے اگر صغیرہ گناہ بھی ہوتے رہیں گے تو وہ کبیرہ بن جائیں گے (اور بغیر اصرار کے کبیرہ بھی کبیرہ نہیں رہتے) اور اگر اصرار کے ساتھ کبیرہ ہوں گے تو ظاہر ہے کہ وہ کفر کی سرحدوں سے قریب کرتے جائیں گے، صرف کبیرہ کی حد میں نہ رہیں گے۔ وفقنا اللہ کلنا لما یحب و یرضیٰ۔ آمین۔

”لا خبر کم“ پر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی سال کی شب قدر ملنا چاہتے تھے۔

باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام اولا حسان و علم الساعو بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم له ثم قال جاء جبریل علیہ السلام یعلمکم دینکم فجعل ذالک کله دینا وما بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم لوفد عبد القیس من الایمان و قوله تعالیٰ ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه
حضرت جبریل علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے علم کے بارے میں سوال اور (اور اس کے جواب میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پھر (اسی روایت میں) رسول اللہ نے فرمایا کہ جبریل تمہیں (یعنی صحابہ کو) تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے یہاں آپ نے ان تمام باتوں کو دین ہی قرار دیا، اور جو باتیں ایمان کی آپ نے عبد القیس کے وفد سے بیان فرمائیں، اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ”جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔“

۴۹ حدثنا مسدد قال حدثنا اسمعيل بن ابراهيم اخبرنا ابو حيان التميمي عن ابی زرعۃ عن ابی هريرة

قال كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بارذا یوما للناس فأتاه رجل فقال ما الایمان قال ان تؤمن بالله و ملئکته و بقلائه و رسله و تؤمن بالبعث قال ما الاسلام قال الاسلام ان تعبد الله و لا تشرك به و تقيم الصلوة و تؤدی الزکوة المفروضة و تصوم رمضان قال ما الاحسان قال ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن ترہ فانه یراک قال متى الساعة قال ما المسئول عنها باعلم من السائل و لا اخبرک عن اشرا طها اذا و لدت الامة ربها و اذا تطاول رعاة الابل ابهم فی البیان فی خمس لا یعلمهن الا الله لم تلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الله عنده علم الساعة الاية ثم ادبر فقال ردوه فلم یرو شيئا فقال هذا جبریل جاء یعلم الناس دینهم قال ابو عبد الله جعل ذلک کله من الایمان۔

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا 'ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ نے (جواب میں) ارشاد فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اس کے فرشتوں پر اور (آخرت میں) اللہ سے ملنے پر اور اللہ کے رسولوں پر اور (دو بارہ) جی اٹھنے پر یقین رکھو (اس کے بعد) اس نے پوچھا 'اسلام کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم (خالص) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کے شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ کو ادا کرو جو فرض ہے اور رمضان کے روزے رکھو۔ (پھر) اس نے پوچھا کہ احسان کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے کہ اسے تم دیکھ رہے ہو اور اگر یہ تصور نہ ہو سکے کہ اسے دیکھ رہے ہو تو پھر (یہ سمجھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (پھر) اس نے پوچھا 'قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ (اس کے بارے) میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ (البتہ) تمہیں میں قیامت کی علامتیں بتا دوں گا (وہ یہ ہیں) کہ جب یونہی پئے آق کو چنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرواہے مکاتات کی تعمیر میں باہم ایک دوسرے سے بازی لے جائیں گے (ان علامتوں کے علاوہ قیامت کا علم) ان پانچ چیزوں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، 'ان الله عندہ علم الساعة' اس کے بعد وہ شخص لوٹ گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے واپس لاؤ (صحیح ہے) اسے لوثنا ناچا ہوا ہاں انہوں نے کسی کو بھی نہ پایا تب آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے ابو عبد اللہ بخاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کو ایمان ہی کا جز قرار دیا۔

تشریح:- ایمان اسلام اور دین یہ تین بنیادی لفظ ہیں جن سے ان اصولوں کی تعمیر کی جاتی ہے جن پر ایک مسلمان یقین رکھتا ہے یہ بات کہ یہ تینوں لفظ ہم معنی ہیں یا الگ الگ معنی رکھتے ہیں اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ایمان کہتے ہیں یقین کو اسلام کے معنی اطاعت کرنے کے ہیں اور دین ایسے متعدد معنی اپنے اندر رکھتا ہے جس سے ایک مخصوص طرز زندگی مراد لیا جاتا ہے جسے عام اصطلاح میں ملت اور مذہب بھی کہتے ہیں اسی ترتیب کے لحاظ سے اول یقین یعنی ایمان کا درجہ ہے پھر اطاعت یعنی اسلام کا اس یقین و اطاعت کے لیے جن مراسم اور قوانین کی ضرورت ہوتی ہے وہ دین کہلاتے ہیں، مگر کبھی کبھی ایک لفظ دوسرے لفظ کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے جس کی متعدد مثالیں قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ اپنے مخصوص فرشتے کے ذریعہ صحیح کرام کو تعلیم فرمائی پہلے ایمان یعنی عقائد کی تعلیم دی پھر اسلام یعنی اطاعت کے طریقے بتلائے اور اس کے بعد احسان کی حقیقت ظاہر کی کہ یقین و اطاعت کے بعد جو کیفیت آدمی کی عملی زندگی میں پیدا ہو وہ یہ ہے کہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا تصور پیش نظر رہے اول تو یہ تصور کہ وہ ذات جو پوری کائنات کو محیط ہے میرے سامنے ہے، لیکن چونکہ ایسی ذات کا تصور آسان نہیں ہے جس کی کوئی مثال نہیں اس لیے کم از کم یہ خیال تو ضرور رہتا چاہئے کہ ایسی عظیم المرتبت ہستی میرے احوال کی نگرانی ہے پھر چونکہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست کوئی رابطہ آدمی کا قائم ہوتا ہے تو عبادت ہی میں ہوتا ہے اسی لیے خصوصیت کے ساتھ عبادت کو اس طرح ادا کرنے کی تاکید کی گئی تاکہ عبادت صحیح طور پر ادا ہو سکے اور اس عبادت کی برکت سے آدمی کی خارجی زندگی میں بھی اللہ کی ربوبیت و مالکیت اور اپنی عہدیت کا احساس پیدا ہو۔

قیامت کی جن دو نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے پہلی نشانی کا مطلب یہ ہے کہ اولاد اپنی ماں سے ایسا برتاؤ کرے گی جیسا کہ کنیزوں اور باندیوں سے کیا جاتا ہے یعنی ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی دوسری نشانی کا مطلب یہ ہے کہ کم حیثیت اور کم مرتبہ کے لوگ اونچے عہدوں پر قبض ہوں گے اونچی اونچی بلنگیں بنائیں گے اور اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے باقی قیامت کا اصل وقت خدا ہی کو معلوم ہے وہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں صحیح معنی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیب کا صحیح حال معلوم نہیں ہوتا خواہ وہ رسول ہو یا فرشتہ۔

بحث و نظر: حدیث الباب مشہور و معروف حدیث جبریل ہے جو اعمال کو ایمان سے زائد اور اس کے مکملات ماننے والوں کی بڑی واضح دلیل ہے، کیونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اول ایمان کے بارے میں سواں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، پھر اسلام کے بارے میں سوال کیا تو اس کا دوسرا جواب ارشاد فرمایا، معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں حالانکہ امام بخاری نے دونوں کو متحد سمجھتے ہیں اور اسی کو پوری کتاب ایمان میں ثابت کر رہے ہیں اسی اعتراض کو رفع کرنے کے لیے امام بخاری نے اس حدیث کا ایک بڑا عنوان قائم کیا، جس کے تین حصے کئے ایک میں اشارہ سوال جبرئیل علیہ السلام کی طرف کیا کہ ان کے جواب میں آپ نے جتنی چیزیں بیان فرمائیں وہ سب دین کا مصداق ہیں، دوسرا اشارہ اس جواب کی طرف کیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس کے سوال پر ارشاد فرمایا تھا، جس میں ایمان کا مصداق اسلام اور اعمال ہیں، تیسرا اشارہ آیت قرآنی کی طرف کیا کہ اسلام کے سوا کوئی دین خدا کے یہاں قبول نہ ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور دین ایک ہی ہیں، غرض امام بخاری نے پہلے تو ابواب کی بڑی تعداد ایسی قائم کی، جس سے ان کا مقصد ایک حد تک حاصل ہوا تھا، اور اب حدیث جبرئیل آئی جو دوسرے نقطہ نظر کی تائید میں اہم درجہ رکھتی ہے تو اس پر اس طرح ترجمہ و عنوان لگایا کہ کم از کم خلاف مقصد ہو سکے، اصل حدیث الباب میں گنجائش حصول مقصد کی کو ایک دوسری حدیث وفد عبدالقیس والی سے پورا کیا۔ جو ۵۳ پر باب اداء الخمس من الایمان کے تحت آگے آ رہی ہے، اور مزید کی کی تلافی ایک آیت قرآنی کے ذکر سے کی۔

حافظ ابن حجر کی تصریحات

اس موقع پر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری صفحہ ۸۵۸/۴ میں جو کچھ لکھا وہ چونکہ نہایت مفید اور منسب مقام ہے لہذا اس کو ذکر کر کے پھر حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے عالی لکھی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حافظؒ نے لکھا۔

”بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک ایمان و اسلام دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور حدیث جبرئیل کے سوال و جواب کا مقصد دونوں میں تفریق ہے ایمان مخصوص امور کی تصدیق کا نام ہے اور اسلام مخصوص اعمال کے اظہار کا اس لئے امام بخاری نے اس کا رخ، تاویل کے ذریعہ اپنی رائے اور طریقہ کی طرف لوٹانا چاہا ہے۔“

حافظ کے نزدیک ما حصل کلام بخاریؒ

پھر آگے وہابین لوفد عبد القیس پر لکھا: کہ وہاں سے معلوم ہوا ایمان و اسلام ایک ہی چیز ہے کیونکہ یہاں حدیث جبرائیل میں جن امور کو ایمان فرمایا وہاں ان کو اسلام فرمایا ہے آیت قرآنی سے بھی معلوم ہوا کہ اسلام دین ہے اور خبر ابی سفیانؓ سے معلوم ہوا کہ ایمان دین ہے ان امور کا اقتضاء یہی ہے کہ ایمان و اسلام امر واحد ہے یہ امام بخاری کے کلام کا ما حصل ہوا۔
دورائیں:- ابوہریرہؓ اسرائیلی نے اپنی شیعہ میں مزی (صاحب امام شافعی) سے بھی دونوں کے ایک معنی میں ہونے کا جزم و یقین نقل کیا اور فرمایا کہ

”لے ہذا ہر حافظ کے لفظ تاویل (تفسیر) کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث جبرئیل میں اسلام و ایمان کے متحدہ معنی ہونے کی صورت دیکھو، جتنی اس لئے حدیث وفد عبدالقیس کی طرف ذہن کو منتقل کیا گیا اور ایک آیت بھی تائید مقصد کے لئے پیش کی گئی حالانکہ یہاں مناسب یہی تھا کہ صرف وہ عنوان و ترجمہ الباب ذکر کیا جاتا جو حدیث جبرئیل کا مقصد ہے اس کیلئے باب سوال جبرئیل عن الایمان و الاسلام و الاحسان و علم الساعۃ اخرج بہت کافی تھا، حدیث وفد عبدالقیس کے سوا جواب و غیرہ کو یہاں ترجمہ میں زائد کرنے کا جبرائیل کے کیا فائدہ نکلا کہ ذہن حق کو حدیث الباب سے ہٹ کر دوسری طرف متوجہ کر دیا گیا، تا کہ حدیث الباب کی وجہ سے امام بخاری کی رائے کو ضعیف نہ سمجھا جائے، لہذا امام بخاری کے ترجمہ الباب میں خبر ابی سفیان کا ذکر نہیں ہے مگر حافظ نے یہاں اس کا بھی اضافہ کیا شاید اس خیال سے کہ لکھنے کے بلاترجمہ میں امام بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے اور چونکہ وہ اب بلاترجمہ ہے بلکہ بعض نسخوں میں باب کا لفظ بھی نہیں ہے اس لئے اس حدیث کو بھی اسی کے تحت داخل سمجھنا چاہئے اور گویا امام بخاری اپنی زبان حال سے اس کی تائید بھی لینا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔“

میں نے خود ان سے ایسا سنا ہے لیکن امام اٹھ ساس امر کا جزم یقین نقل کیا کہ دونوں متضاد اور الگ الگ ہیں اور دونوں اقوال کے متعارض دلائل ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ ”مسئلہ مذکورہ میں دو بڑے اماموں نے جدا جدا تصانیف کیں اور دونوں نے اپنی اپنی تائید میں بہ کثرت دلائل ذکر کئے جو ایک دوسرے سے متقابل و متضاد ہیں اور حق یہ ہے کہ ایمان و اسلام میں باہم عموم و خصوص کی نسبت ہے کیونکہ ہر مومن مسم ضرور ہوتا ہے اور ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں انھیں کلامہ ملخصاً۔

امر مذکور کا مقتضی یہ ہے کہ اسلام کا اطلاق ایک ساتھ عقائد و عمل دونوں پر نہیں ہوگا بخلاف ایمان کے کہ اس کا اطلاق ان دونوں پر ہو گا اس پر اعتراض ہوگا کہ آیت و وصیت لکم الاسلام دینا میں تو اسلام عمل و اعتقاد دونوں کو شامل ہے کیونکہ بداعتقاد حامل کا دین خدا کو پسند نہیں ہو سکتا اور اسی سے حنی اور ابو جعفر بخوی نے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے حدیث جبریل ہذا پر کلام کرتے ہوئے لکھا کہ:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اسلام کو ظاہر اعمال سے متعلق کیا ہے اور ایمان کو باطنی اعتقاد سے، مگر ایسا کہ اس لئے نہیں ہے کہ اعمال ایمان سے نہیں ہیں یا تصدیق اسلام سے نہیں ہے بلکہ وہ سب ایک مجموعہ کی تفصیل ہے جو سب کے سب ایک ہی ہیں اور ان کے مجموعہ کو دین کہا جاتا ہے چنانچہ اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل علیہ السلام تمہیں دین سکھانے آئے تھے اور حق تعالیٰ نے فرمایا وصیت لکم الاسلام دینا اور فرمایا ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ظاہر ہے کہ دین صرف اسی وقت رضا و قبول کا درجہ حاصل کر سکتا ہے جبکہ اس میں تصدیق موجود ہو۔“

حافظ کا فیصلہ

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد حافظؒ نے جو فیصلہ دیا وہ بھی ملاحظہ ہو۔ تمام دلائل پر نظر کرنے کے بعد کچھ صحیح ہوا وہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام دونوں کی الگ الگ حقیقت شریعہ ہیں جس طرح کہ ان کی الگ الگ ہی حقیقت لغوی بھی ہیں لیکن ہر ایک دوسرے کو مستزم ہے اس لحاظ سے کہ ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث ہے پس جس طرح ایک عامل بغیر صحت عقدہ کے کامل مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی ایک خوش اعتقاد شخص بغیر عمل کے کامل مومن نہیں ہو سکتا اور جہاں کہیں اسلام کی جگہ پر ایمان کا یا ایمان کی جگہ اسلام کا احاطہ ہوتا ہے یا ایک کو بول کر دونوں کا مجموعہ مراد ہوتا ہے وہ بطریق مجاز ہے اور موقع محل سے مراد کا تعین ہو جایا کرتا ہے مثلاً اگر دونوں ایک ساتھ مقام سوال میں جمع ہو جائیں تو دونوں کے حقیقی معنی مراد ہوں گے اور اگر دونوں ساتھ نہ ہوں یا سوال کا موقع نہ ہو تو مقامی قرائن کے لحاظ و اعتبار سے حقیقت یا مجوز پر محمول کریں گی یہی بات محدث اسامی صلی نے اہل سنت والجماعت سے نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایمان و اسلام دونوں کا مدلول و مصداق ایک جگہ ذکر ہونے کی صورت میں مختلف اور الگ الگ ہوا کرتا ہے اور الگ الگ ذکر ہوں تو ایک دوسرے کے ضمن میں شامل ہوا کرتا ہے اسی تفصیل کی روشنی میں محمد بن نصر کے کلام کا محمل مدلول حدیث عبدالقیس کو سمجھنا چاہئے جس نے اکثر حضرات سے ایمان و اسلام میں اتحاد و مساوات نقل کی ہے اور ان کے اتباع میں ابن عبدالبر نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور لا نکائی و ابن سحنائی کے کلام کا محمل مدلول حدیث جبریل قرار دیتا چاہئے جنہوں نے اہل سنت سے یہ بات نقل کی کہ وہ ایمان و اسلام میں قرین کرتے تھے۔ واللہ الموفق

فیصلہ حافظ کے نتائج

حافظ ابن حجرؒ کی مذکورہ بالا تصریحات سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے

(۱) امام بخاریؒ کی رائے ایمان و اسلام کے اتحاد کے بارے میں حدیث جبریل سے مطابق نہیں اسی لیے امام بخاری نے اپنی رائے

کی تائید کے لیے دوسرے راستے تاویل کے اختیار کئے۔

(۲) امام بخاری نے جس قدر زور اعمال کو ایمان ثابت کرنے کے لیے صرف کیا تھا وہ حدیث جبریل میں پہنچ کر بے اثر ہو گیا کیونکہ حافظ ابن حجر ہی کے فیصلہ سے حدیث جبریل اس مدعا کے خلاف ہے۔

(۳) امام بخاری نے جو بہت بڑا دعویٰ کیا تھا کہ سلف سے ایمان کے معنی قول و عمل ہی ثابت ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے بڑی نافرمانی کا اعہاد کر کے ایسے لوگوں سے صحیح بخاری میں روایت نہیں کی جنہوں نے ایمان کا رکن و جزو عمل کو نہیں سمجھا وغیرہ علاوہ اس کے کہ ان کا ایسا تشدد ہی سابقہ معروضات سے بے محل ثابت ہو چکا ہے یہاں حافظ کے فیصلہ سے بھی حق و انصاف نہیں ٹھہرتا کیونکہ حافظ لکھائی و ابن سعہانی جیسے محققین نے اہل سنت کا وہی مسلک قرار دیا ہے جو امام ابوحنیفہ وغیرہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے قابل رد قرار دیا گیا تھا۔

لیکن خدا کی تقدیر میں ایسا بھی ہوا ہے اور آئندہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کر دیا وہی پتھر ساری عمارت کی زینت و استحکام کا بڑا سبب بنا امام صاحب کے بارے میں امام بخاری نے بے علمی کی تعریض کی جو نہ چاہے تھی مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ ایسے بے علم لوگوں کی تقلید کرنے والے ہر زمانے میں امت محمدیہ کے دو تہائی افراد ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے ہزار ہا اہل علم امام صاحب کی شاگردی پر فخر کریں گے بلکہ خود عبداللہ بن مبارک بھی فخر کرتے تھے جس کا علم شاید امام بخاری کو نہ ہو سکا۔

ناظرین بخوبی واقف ہیں کہ ہم امام بخاری قدس سرہ کی جلالت قدر سے ایک لمحہ کے لیے بھی عاقل نہیں ہیں اور ہم نے ان کی طرف سے دفاع کا حق بھی ادا کیا ہے ان کی علمی و حدیثی بلند پایہ خدمات و احسانات سے بھی ہماری سب کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں مگر جہاں حق و انصاف کی بات کہنے کی ضرورت پیش آئے گی اس کا مقام و مرتبہ ہر شخصیت سے معمولی بلکہ نہایت ہی بلند و برتر ہے ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں اور صحابہ کرام کے سوا کوئی شخصیت تنقید سے بالاتر نہیں ہے ہم اپنے نہایت ہی محترم و مقلد پیشوا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی معصوم نہیں سمجھتے اور ان کی بھی جو بات قرآن و حدیث کے معیار پر پوری نہ اترے گی اس کو ترک کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں ایک جاہل عالم نے ہمیں لکھا کہ اگر امام بخاری پر تنقید کرتی تھی۔

تو شرح حدیث کے لیے کسی اور کتاب حدیث کو اختیار کرنا تھا۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ ایسے شخص کو جاہل عالم کا خطاب دیا کرتے تھے۔ جو بظہر برکھیا پڑھا ہونے کے باوجود کسی علمی بات کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو یا اس کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے احادیث بخاری کی اصحیت و اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ فقہ البخاری تو واجب التسلیم نہیں اس کو تنقید سے بالا کہہ سکتے ہیں۔

امام بخاری کی صحیح اس لحاظ سے دوسری کتب حدیث سے نہایت ممتاز ہے کہ اس میں انہوں نے صرف اپنے اجتہاد کے موافق احادیث جمع کی ہیں اور تراجم ابواب میں بھی اپنے ذاتی مسائل اجتہاد پر ہی کی تائید بڑے زور شور سے کرتے ہیں اسی لیے بعض حضرات نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ صحیح بخاری حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب کہلائے کی سختی ہے چنانچہ اس میں ایک طرف مواضع زیادہ ہوتا ہے اور اس کی شرح بھی لگی و جودہ سے دشوار ہے اول تو صحیح بخاری کے درجہ کی جوابی احادیث کی تلاش دشمنین رجال کی بخوں پر نظر پھر فقہ البخاری سے عہدہ برآ ہونا ان حالات میں سب سے زیادہ مشکل کام شرح بخاری ہی کا ہے تاہم خدا کے فضل و تائید پر بھروسہ کر کے اس کام میں سر ہکانے کا عزم کر لیا گیا ہے یہ دوسری جلد فقہ پر ہے اور ناظرین اندازہ کریں گے کہ علوم نبوت کی تمام سابقہ تشریحات کا بہترین مجموعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی اور اس سلسلہ کا موجودہ نوعیت کا کام کرنے کا حوصلہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے درسی و مجلسی ارشادات کے سب سے ہو سکا ہے۔ واللہ الموفق والمیسر۔

حدیث جبریل کی اہمیت

بات لمبی ہو گئی یہاں ضروری بات یہی کہنی ہے کہ امام بخاری نے حدیث جبریل پر جو ترجمہ الباب باندھا ہے وہ بات کو گول مول بنا دینے کی

ایک سنی ہے اور حافظ نے اس موقع پر جو کھری ہوئی بات اور حق گفتی وضاحت کی ہے وہ بڑی قابل قدر ہے کہ ایمان و اسلام کی جس طرح الگ الگ منفی حقیقت ہے شرعی حقیقت بھی یقیناً قطعاً الگ الگ ہے ان دونوں کو ایک قرار دینا صحیح نہیں اور حدیث جبریل اس کی بڑی دلیل ہے۔

حدیث جبریل میں قواعد و اصول کی بہت سی انواع اور بہت سے مہم فرائد بیان ہوئے ہیں جن میں سے کچھ تشریح و بحث کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں اسی لیے علامہ قرطبی نے اس کو 'ام السنۃ' کا لقب دیا ہے کیونکہ پورے سنت کا اجمالی علم اس میں سودیا گیا ہے۔

خاصی عیاض نے فرمایا کہ تمام وہ خائف عبادت ظاہری و باطنی بھی اس میں ہیں اور اعمال جوارح بھی اخلاص نیت و سرائر بھی اس میں ہے۔ اور آفات اعدا سے تحفظ بھی غرض تمام شریعت کی اصل ہے (شرح بخاری صفحہ ۲۵۳)

علامہ نووی نے خطابی سے نقل کیا کہ صحیح یہی ہے کہ ایمان و اسلام میں عموم و خصوص ہے ہر مومن مسلم ہے لیکن ہر مسلم کا مومن بھی ہونا ضروری نہیں اور جب یہ بات ثابت و محقق ہوئی تو تمام آیات کی تفسیر صحیح ہوگئی اور اعتدال کی صورت پیدا ہوگئی پھر فرمایا کہ ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استعمال و انقیاد ہے۔ (شرح البخاری صفحہ ۲۵۱)

حضرت شاہ صاحب کی مزید تحقیق

اب اس تحقیق اثبت سے ایک قدم اور آگے بڑھانے کے لیے ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی مزید تحقیق سنئے! فرمایا امام بخاریؒ کی طرف سے اس موقع پر ان کے جواب کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حافظ کی وضاحت کے مطابق چونکہ کسی مقام پر دونوں الفاظ کے ایک جگہ یا ایک سوال میں جمع ہو جانے پر ان کی تشریح الگ الگ ہو سکتی ہے ایسے ہی یہاں حدیث جبریل میں بھی ہوا ہے اگرچہ امام بخاریؒ اس تغایر کی صورت کو صحیح زمانہ میں 'اور اتحاد والی صورت کو حقیقت پر رکھیں گے' جیسا کہ مترادفات میں ہوا کرتا ہے کہ مقامی طور سے جب دو مترادف الفاظ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ان کے معانی میں فرق کر دیا جاتا ہے الگ الگ استعمال ہوں تو ایک ہی معنی لیے جاتے ہیں اور اس کی تائید میں امام بخاریؒ نے دوسری حدیث عبد القیس والی اور آیت پیش کر دی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دین و اسلام کا اتحاد تو آیت سے اور اسلام و ایمان کا اتحاد حدیث عبد القیس سے ہی پہلے ثابت شدہ ان کر حدیث جبریل کے تغایر کو مقامی و عارضی تغایر محمول کریں۔

امام بخاری کا جواب محل نظر ہے

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کے جواب کی یہ دونوں صورتیں محل نظر ہیں کیونکہ مقامی تغایر کی بات جب چل سکتی ہے کہ دونوں لفظ ایک ہی عبارت میں دفعۃً و احدۃً سامنے آ جاتے تاکہ یہ کہنہ درست ہو سکتا کہ مجیب نے مترادفات کی طرح رعایت کر کے الگ الگ وضاحت کر دی یہاں تو یہ صورت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایمان کے بارے میں سوال کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے بالکل خالی الذہن ہیں کہ سائل کچھ دیر کے بعد اسلام کے بارے میں سوال کرے گا اس لیے آپ کے نزدیک ایمان کی جو کچھ بھی حقیقت تھی وہ بے کم و کاست بیان فرمادی قطع نظر اس سے کہ اسلام کا مفہوم کیا ہے پھر جب اسلام سے سوال کیا گیا تو اس پر بھی آپ نے اسی نوعیت سے صرف اس کی حقیقت واضح فرمادی لہذا فرق مقامی کے اعتبار سے جواب یہاں نہیں چل سکتا ہاں! اگر تمام سوالات ایک مرتبہ ایک عبارت میں آچکے ہوتے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارشاد فرماتے تو اس جواب کی گنجائش ہوتی۔

دونوں حدیث میں فرق جواب کی وجہ

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں حدیثوں میں جواب کے فرق کی وجہ یہ ہے کہ جواب سائل کے علم و

استعداد کے مطابق ہوا کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے سوال اور ان کے حال سے ان کے علمی کمال و فطانت کا اندازہ فرمایا تھا، لہذا جواب بھی ان کے حسب حال دیا کہ تفصیل فرما کر تحقیقات علیہ بیان فرمائیں اور ایمان و اسلام کی حقیقت الگ الگ کھول دی اور حمام بن عبدالعزیز کو آپ جانتے تھے کہ ابھی نئے اسلام لائے ہیں ان کو اجمالی طور سے جواب دینا کافی سمجھا، حقائق بیان کرنے کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس طرح دوسرے مواقع پر بھی موٹا موٹا اسلام و ایمان تشہید و عبادات وغیرہ بتلا دیں۔

واعظ و معلم کی مثال

غرض دونوں حدیثوں میں الگ الگ جواب خاصین کی رعایت سے ہے جس طرح ایک واعظ اپنے وعظ میں عوام کو ترغیب و ترہیب کے لیے ضعیف احادیث بھی غنا ہے اور ان کا تفصیلی حال بیان نہیں کرتا کہ کون سی احادیث کس درجہ کی ہے۔ تارک صلوٰۃ کو کافر کہہ دیتا ہے اور کثروں کو کفر کی بحث ان کے سامنے نہیں کرتا کیونکہ وہ ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے لیکن ایک معلم و مدرس کے لیے اس سے چارہ نہیں کہ وہ ہر مسئلہ کی حقیقت بتلائے اس کے بارے میں جو کچھ مسامحات ہوئے ہیں ان پر تنبیہ کرے مسئلہ کے متعلقات اور مالہ و ماعلیہ کی تفصیل کرے کیونکہ وہ اپنے مخاطبین کے لحاظ سے اظہار حقائق کے منصب پر فائز ہے۔ غرض درس میں اعطاء علم ہوتا ہے اور وعظ میں اعطاء عمل سمجھ لو۔ اسی طرح حدیث جبریل کا حاصل افاضہ علم و بیان حقیقت ہے، بخلاف حدیث وفد عبدالقیس کے کہ اس کا مقصد صرف اعمال کی ترغیب ہے جس میں اجمال و تسامع چل سکتا ہے اور شریعت نے بھی ترغیب و ترہیب میں تفصیل کو ترک کیا ہے۔

ایمان کا تعلق مغیبات سے ہے

الا یمان ان تو من باللہ الخ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے سلسلہ میں اشیاء خارجہ کا ذکر فرمایا جیسا حافظ ابن تیمیہؒ تحقیق سے کہ ایمان کا تعلق صرف مغیبات سے ہوتا ہے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعمال کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ اعمال کے اجزاء انہیں ہیں۔ جو امام اعظم و دیگر اکابر و سلف کا مسلک ہے۔

لقاء اللہ کا مطلب

ایمان کے تحت ایک جزو ایمان بلقاء اللہ بھی فرمایا ہے علامہ خطابیؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار ہے لیکن امام نوویؒ نے اس کے خلاف کہا کہ لقاء سے روایت مروی نہیں اس لیے کہ کوئی شخص اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کو رویت حاصل ہوگی رویت کا مدار بولت ایمان مرنے پر ہے اور کسی کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مراد صرف اتنی بات پر ایمان لانا ہے کہ حق تعالیٰ کی رویت امر واقعی اور حق ہے اور آخرت میں حاصل ہو سکتی ہے یا مراد یہ ہے۔ کہ اس دنیا سے دار آخرت کی طرف انتقال ضروری ہے جہاں لقاء خداوندی ہوگا پھر یہ کہ کس کو ہوگا اور کس کو نہ ہوگا اس سے یہاں بحث نہیں ہے (شروع البخاری صفحہ ۳۳۸)

حضرت شاہ صاحب کی تحقیق

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ لقاء خداوندی ہی کا وہ عقیدہ ہے جس سے مذہب اسلام کو دوسرے باطل مذاہب عالم سے بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ دینِ مہادی کا ہے لہذا یونان کا عقیدہ یہ تھا کہ جتنے علوم حقہ ہیں وہ ارواح کو ایمان سے جدا ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور اسے اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہاں بھی رویت باری کا شرف حاصل ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو دیدار کا شرف اس دار دنیا میں حاصل نہیں ہوا بلکہ ملکوت علیا میں ہوا ہے جس پر دنیا کا اطلاق نہیں ہوتا۔ (عمدہ القاری صفحہ ۳۳۸)

تمام چیزیں ان کے سامنے ہو جاتی ہیں! جن سے ارواح کو بڑا سرور و اہتاج حاصل ہوتا ہے اور یہی ان کی جنت و جہنم ہے۔ اور گروہ علوم حاصل نہ ہوں یہ خلاف واقعہ حاصل ہوں تو وہ ان ارواح کے لیے اپنی غم و اہم کا موجب ہوں گے اور وہی ان کے لیے بطور عذاب و جہنم ہوں گے۔

فلسفہ یونان اور عقول

ان کے یہاں ملائکہ کی جگہ عقول ہیں اور فلسفہ یونان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سیر ہے، عقل اول تین پاؤں عقل ثانی آدھ سیر اور عقل ثالث پاؤں بھر ہے اور اسی طرح دوسری عقول درجہ بدرجہ ہیں انہوں نے عقول کے لیے بھی علم محیط و غیر مانتا ہے جو شرک ہے اور لقاۃ خداوندی ان کے یہاں محال ہے۔

دیوتا و اوتار

ہندوستان کے ہندو مذہب والے اجسام میں طوس الوہیت کے قائل ہیں اور ان کو دیوتا و اوتار وغیرہ کہتے ہیں ان کی عبادت بھی کرتے ہیں اور تاج مانتے ہیں وہ بھی دین ساوی کے طریقہ پر لقاۃ خداوندی کے قائل نہیں۔

اسلام میں لقاۃ اللہ کا عقیدہ

ہمارے یہاں لقاۃ خداوندی کا کھلا عقیدہ ہے، فمن كان يرجو لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احدا (کہف) ”یہ جس کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق ہو۔ (یا اس کے سامنے حاضر کیے جانے کا خوف ہو)۔ اسے چاہئے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ظاہر و باطن کسی کو بھی کسی درجہ میں شریک نہ کرے، یعنی شرک جلی کی طرح شرک خفی سے بھی بچتا رہے۔“ اللهم اجعلنا مملکة ممن یرجو لقاءک یارب۔

مسافرت درمیان دنیا و آخرت

حضرت شاہ صاحبؒ نے مناسبت مقام سے بھی افادہ فرمایا کہ اس دنیا اور دار آخرت کے درمیان کوئی مسافت نہیں ہے جس کو قطع کر کے وہاں پہنچیں گے بلکہ اس دنیا کے درمیان پر ہم ہونے پر اسی میں سے پھوٹ کر آخرت نمودار ہو جائے گی اور یہی اس کا مقام ہوگا جس طرح کر زمین کے اندر دبی ہوئی کشتی کے پھول پھٹنے کے بعد درخت نکل آتا ہے، میں نے اپنے ایک فارسی قصیدہ میں برزخ، شہر و بشر اور اس کے واقعات کی تھیل چٹیں کی ہے۔

احسان کی حقیقت

شارحین حدیث سے احسان کی دو شرحیں منقول ہیں ایک کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے اختیار کیا دوسری کو علامہ نوویؒ نے پہلی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی حقیقت سمجھنے کے لیے دوں نلوں کی طرف اشارہ فرمایا ان میں سے اوپے درجہ کی حالت یہ ہے کہ انسان اپنے قلب سے مشاہدہ حق اس طرح کرنے لگے کہ گویا اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اسی کی طرف آپ نے کانک تواء سے اشارہ فرمایا ہے دوسری حالت یہ ہے کہ اس کے قلب پر مشاہدہ حق کا غلبہ تو نہیں ہوا مگر اس کے قلب میں اتنی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے کہ وہ اس امر کا احتضار ضرور کر سکتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ہر حال سے مطلع ہیں اور اس کے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کی طرف آپ نے فائزہ پر اک سے اشارہ فرمایا گویا احسان کے دو حال ہیں ایک وہ جو انسان کے لیے بطور حال وصف و صفت نفس بن جاتا ہے اسی لیے اس کو مشاہدہ حق کا شرف حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حال وصف اس پر غالب و راجح ہو جاتا ہے دوسرے درجہ علم و عقیدہ کا ہے کہ حق تعالیٰ تو اس کو ہر حال میں دیکھ ہی رہے ہیں یہ احتضار کی کیفیت بھی کچھ وقت قائم رہنے کے بعد حال بن جاتی ہے تاہم یہ علم سے زیادہ قریب رہتی ہے مشاہدہ والی کیفیت کی طرح صفت نفس نہیں بنتی۔

غرض شارح یہ ہے کہ اگر پہلی حالت کسی کو حاصل نہ ہو تو دوسری کم درجہ والی تو ضروری حاصل ہونی چاہئے، گویا مطلوب دونوں ہی ہیں اول اس لیے ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ کمال استغراق کی صورت اور حال و صفت نفس ہے اور دوسری صرف علم کے درجہ کی چیز ہے جس کا مرتبہ حال سے کم ہے، کیونکہ علم کی کیفیت ہی رسوم کے بعد صفت نفس بن جانے پر حال ہو جاتی ہے۔

دو مطلوب حالتیں اور ان کے ثمرات

یہ دونوں حالتیں معرفت خداوندی اور حق تعالیٰ کے خوف و خشیت سے پیدا ہوتی ہیں چنانچہ روایت عمارۃ بن القعقاع میں اور حدیث انسؓ میں بھی ان شخصی اللہ کانک ترواہ وارد ہوا ہے حافظ عینی نے اس مقام پر نہایت اعلیٰ تحقیق فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا تعلق ترک معاصی، التزام طاعات، اور مباحات میں ترک لایعنی سے ہے اگر حق تعالیٰ کی معرفت پوری طرح حاصل ہو کہ وہ ہماری ہر حرکت و سکون اور تمام جاوے اعمال پر مطلع ہے، ظواہر و سرائر سب اس پر روشن ہیں تو وہ ہر وقت اور ہر جگہ حق تعالیٰ کی ذات یا اس کے برہان کا مشاہدہ کرتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی طرح برہان رب کا مشاہدہ فرمایا تھا۔

جب حق تعالیٰ کی معرفت و خشیت دل میں جا گزین ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے نہ صرف معاصی سے بچنے کی توفیق ملتی ہے اور طاعات میں پوری حلاوت حاصل ہوتی ہے، بلکہ لایعنی باتوں اور بے سود مشاغل سے بھی اس کو رستگار مل جاتی ہے

عافل تو بیک لفظ ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعلیہ (کسی شخص کے اچھے اسلام کی یہ بھی بڑی علامت ہے کہ وہ لایعنی باتوں کے پاس نہیں پھٹکتا) چونکہ دنیا میں اور دنیا کی ان آنکھوں سے ہم حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے حق تعالیٰ کی جناب میں استغراق اور قلبی مشاہدہ کو کمال تک ترہ سے بغیر فرمایا، جس طرح خانہ کوہ نگاہوں کے سامنے ہونے کے وقت حق تعالیٰ کی اس جلی گاہ کی وجہ سے ہر شخص کو بقدر معرفت و ذہیہ مشاہدہ حق کی کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصول ہو جاتا ہے اسی طرح قلبی مشاہدہ و مراقبہ کی کیفیات دوسری جگہوں کی عبادات و طاعات میں بھی حاصل ہو سکتی ہیں اور اس حالت کی تحصیل مطلوب ہے، اگر کسی پر غفلت و انہماک دنیوی ہی طاری رہتا ہے اور وہ اس حالت کو حاصل نہیں کر سکتا تو دوسرے درجہ میں دوسری حالت کی تحصیل مطلوب ہے، کم از کم اپنے قلب میں اسی کا استحضار کرے کہ حق تعالیٰ میری طاعات و عبادت کو دیکھ رہے ہیں۔

یہ وہ شرح ہے جس کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے اختیار کیا اور اس صورت میں فان لم تکن ترہا میں ان شرطیں رہتا ہے جو اس کا عام اور کثیر استعمال ہے اور یہ بہت اونچی شرح و تحقیق ہے۔

علامہ نووی کی شرح

دوسری شرح وہ ہے جس کو علامہ نووی نے اختیار کیا کہ مقصد شروع عبادات و طاعات میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنا ہے، یعنی اس طرح عبادت و بندگی کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی خدا اس کو دیکھ رہا ہے، اس لیے اگرچہ ہم خدا کو نہیں دیکھتے مگر وہ تو ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے، یعنی سارا ازور اس امر پر دیا جا رہا ہے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے

اس لیے عبادت کو بہتر سے بہتر بنانے کی تدبیر یہی ہے کہ ہم اس تصور کو قوی کریں کہ وہ ہمیں ہماری طاعات و نیات سب کو دیکھ رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس کی خدمت و اطاعت کی جائے اگر وہ خادم و مطیع کو اس حالت میں دیکھتا ہے تو یہ زیادہ خوشی سے اس خدمت و اطاعت کو انجام دیا کرتا ہے، اس صورت میں فان لم تکن ترہا میں ان شرطیں نہیں بلکہ وصلیہ ہوگا، جو اس کا عام و کثیر استعمال نہیں ہے، بلکہ اس کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملیں گی۔

کون سی شرح رائج ہے

بظاہر پہلی شرح کو ترجیح حاصل ہے اور حافظ ابن حجر کا یہ تحقیق بھی یہ نسبت علامہ نووی کے بہت بلند ہے مگر ایک مطبوعہ تقریر درس بخاری میں نظر سے گزرا کہ ”یہاں ان وصلیہ ہے اور ان شرطیہ کہنا درست نہیں“ بعض لوگوں نے ان کو شرطیہ مان کر دور جے تسلیم کئے ہیں پہلا درجہ مشاہدہ کا ہے جو بلند ہے اور دوسرا درجہ اس سے کم اور نیچا ہے، مقصد یہ ہے کہ پہلا مقام اگر تم کو حاصل نہ ہو سکے تو دوسرا تیبہ حاصل کرتا چاہئے، لیکن کلام اس تو جیسے سبباً کہتا ہے پہلی تو جیسے زیادہ مناسب ہے، اگر ان شرطیہ کہنا نادرست ہے اور کلام بھی اس تو جیسے ہے لپا کرتا ہے تو اس تو جیسے کو بھی نادرست ہونا چاہئے چنانچہ صرف کم مناسب اور زیادہ مناسب کا فیصلہ کیا؟ اس لیے بظاہر اس رائے کی نسبت حضرت شیخ کی طرف درست نہیں معلوم ہوتی، واللہ اعلم۔

علامہ عثمانی کے ارشادات

حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے فیہ المہم صفحہ ۱۶۸ میں تحریر فرمایا کہ حدیث الباب (حدیث جبریل) کے یہ جملے ان تعبد اللہ کانک تو اہ ان لہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم سے ہیں جن کے الفاظ کم اور معانی بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ ان سے مقام مشاہدہ مقام مراقبہ وغیرہ بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خود عبادت کے بھی تین مراتب و مقامات ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی ادائیگی ایسے طریقہ پر کر دی جائے کہ ظاہری ارکان و شرائط پورے ہو کر وظیفہ تکلیف ساقط ہو جائے دوسری صورت اس طرح ادا کرنے کی ہے کہ اپنے قلب میں پورا استحضار اس امر کا کرے کہ حق تعالیٰ اس کی بندگی و اطاعت کو مشاہدہ و معائنہ فرما رہے ہیں جو مقام مراقبہ ہے ظاہر ہے کہ یہ صورت اول سے بہتر ہے۔ تیسری صورت سب سے اعلیٰ و ارفع یہ ہے کہ مکلفہ کے دریاؤں میں غوطہ زنی کرے حق تعالیٰ کے ہمہ وقت دھیان و استغراق سے اپنے قلب کو مشغول کرے اور حضور و ام کی دولت سے مالا مال ہو جس کا ثمرہ دوام ذکر ہے یعنی حق تعالیٰ کو ہر آن حاضر و ناظر سمجھے گا تو اس کی یاد سے بھی دل غافل نہیں ہو سکتا جب یہ صورت حاصل ہو جاتی ہے تو گویا اس کو حق تعالیٰ کی رویت و مشاہدہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، یہی مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحنہ فداہ) کو حاصل تھا اور اسی لیے..... آپ نے فرمایا جعلت قرة عینی فی الصلوۃ۔ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے کیونکہ طاعت میں آپ کو لذت اور عبادت میں راحت ملتی تھی) اور چونکہ آپ کے قلب انور کو انوار کشفیہ الہیہ محیط ہو چکے تھے اس لیے غیر اللہ کی طرف توجہ و التفات کے تمام دروازے اور درجیاں بند ہو چکی تھیں۔

استغراق و محویت کے کرشمے

یہ جب ہی ہوتا ہے کہ قلب کے تمام گوشے محبوب کے ذکر و تصور سے معمور ہو جاتے ہیں اندرونی حواس کی نرس میں ای کی یاد و خیال سما جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ بھی وہ دنیا کے ظواہر و رسوم سے دیکھتا ہے وہ سب بے خیالی بے دھیانی کی نظر ہوتی رہتی ہیں اس کے بعد اس کے ظاہری حواس کان آنکھ وغیرہ بھی وہی کچھ سنتے دیکھتے ہیں جو اس کے محبوب حقیقی کی محبوب و مرضی ہوتی ہے اب وہ ظاہری کان آنکھ سے سب کچھ دیکھتا سنتا ہے مگر کچھ نہیں سنتا دیکھتا اور اندرونی حواس اس قدر بیدار و کار گزار ہو جاتے ہیں کہ وہ سب کچھ دیکھتا سنتا ہے جو ہم ظاہری حواس سے کبھی بھی دیکھ اور سن نہیں سکتے۔

حدیث میں ہے کہ ایک بندہ مجھ سے قریب ہوتے ہوتے اتنا قریب بھی ہو جاتا ہے کہ بھر میں ہی اس کی سح و بصیرت جاتا ہوں جن سے وہ سنتا اور دیکھتا ہے حق تعالیٰ اپنے حبیب و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صدقہ میں ہمیں بھی ان سعادتوں میں سے کوئی حصہ نصیب فرمائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزيز۔

مذکورہ بالا دو مشہور شروح کے علاوہ ایک شرح اور بھی ہے جو صوفیہ کی طرف منسوب ہے اور اس کو محدثین میں سے حافظ ابن حجر وغیرہ شارحین بخاری نے رد کیا ہے اور ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اس کی کچھ توجیہ بھی کی ہے وہ یہ کہ فان لم تکن میں کان قائم ہے ناقص نہیں مطلب یہ کہ اگر تمہارا وجود فنا ہو جائے جو حق تعالیٰ کی رویت و مشاہدہ سے بڑا جب و مانع ہے تو تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ لو گے غرض فنا یا فنا الفناء کا درجہ اگر حاصل ہو جائے تو قلب خدا کی رویت سے بہر یاب ہو سکتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے یہ درجہ صوفیہ کے یہاں کثرت ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔

افادات النور

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احسان اچھے طریقہ پر کیے جانے والے تمام انواع اذکار و اشغال وغیرہ کو شامل ہے، مجرد اذکار کا اطلاق صرف اوراد و سنونہ پر ہوتا ہے اشغال سے وہ طریقہ مراد ہوتے ہیں جو مشائخ طریقت و صوفیہ کے معنوں میں نسبت ان کی اصطلاح میں اس ربا خاص کو کہتے ہیں جو عام رباط خالقیت و مخلوقیت کے واسطہ حاصل ہوتا ہے جس کو یہ رباط خاص حاصل ہو جاتا ہے وہ صاحب نسبت کہلاتا ہے۔ تصوف کے مشہور سلسلے چار ہیں سہروردی، قادری، چشتی و نقشبندی اور ہمارے جدا میں سہروردی سلسلہ فی سلسلہ بعد نسل دس پشتوں تک متصل رہا ہے۔

شریعت، طریقت و حقیقت

خدا کے جوامع و توائف و وعد و وعید وغیرہ ہم تک پہنچے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں شریعت کے سب احکام و ہدایات کو بطور عادت ثانیہ پابندی و دوام کے ساتھ معمول بہ بنالینا طریقت ہے اس طرح زندگی گزارنے والے کے تمام اعمال پر ایمان کی نورانیت چھا جاتی ہے اور یہی حال سلف کے اعمال کا تھا، مگر اب وہ وقت آگیا کہ علم ہے تو عمل ندارد ایمان ہے مگر قصد بقی جوارح مفتقد ظاہر میں کتنے ہی قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے بھی ایسے اہل زلف طلیس گے کہ ان کے ذلیف باطن کے سبب قرآن مجید ان پر رنعت کرتا ہوگا اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے آمین۔

شریعت و طریقت کی مندرجہ بالا تشریح کے بعد فرمایا کہ دینی زندگی کے سب سے بلند مقصد میں کامیابی اور اعلیٰ و ارفع مطلوب کے حصول کو حقیقت کہا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ طریقت و شریعت میں کوئی اختلاف و مغایرت نہیں ہے، حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت، طریقت و حقیقت کی تفصیل فرمائی ہے یعنی اس حدیث میں سب مرحلے مذکور ہیں شریعت، حقیقت سب پر حاوی ہے اور طریقت اس سے جدا نہیں ہے صاحب تصرفات غیر منشرع بھی ہو سکتا ہے کیونکہ تصرف کی قوت مجاہدہ و ریاضت سے ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ جاہل صوفی شریعت، طریقت و حقیقت کو سمجھنے کے لیے جاہلانہ تعبیرات اختیار کیا کرتے ہیں میں نے کہا کہ طریقت مثل مشعل کے ہے جس سے شریعت کا راستہ ملے کریں گے اور منزل مقصود پر پہنچیں گے تو وہی حقیقت ہے۔

ایک جاہل میرا اپنے مریدوں کو سمجھایا کرتا تھا کہ اللہ کوئی شیر یا ہوا ہے کہ اس سے ڈریں؟ اس لیے ایمان بین الخوف والرجاء کا مطلب بتلاتا تھا کہ خوف کو ایک طرف پھینک دو اور چاہے دوسری طرف پھینک دو (ہاتھ کے اشارہ سے بتلاتا تھا) پھر کہا کہ سچ میں سے چلے جاؤ۔ میں نے کہا خوف کو ادھر سے لادو اور چاہے کو ادھر سے لادو (ہاتھ کے اشارہ سے ہی فرمایا) پھر سچ میں لا کر ایک پاؤں ایک پر کھو اور دوسرا دوسرے پر کھو سوار ہو کر چلے جاؤ۔

امام غزالی کا ارشاد

امام غزالیؒ نے لکھا کہ ایک علم وہ ہوتا ہے جو صاحب علم کو عمل پر مجبور نہیں کرتا دوسرا وہ ہے جو عمل پر مجبور و مضطر بنا دیتا ہے اس لیے اس کے جوارح و اعضاء طاعات میں سہولت مشغول ہو جاتے ہیں اور یہی علم کی قسم درحقیقت سلف کے یہاں ایمان کی حقیقت تھی اور اسی کو میں کہا کرتا ہوں کہ۔

ایمان و اسلام کا باہمی تعلق

ایمان باطن سے پھیل کر جو اس تک آتا ہے اور اسلام کے اثرات ظاہر کی طرف سے باطن میں داخل ہوتے ہیں، گویا تصدیق باطن جب غیب پر کراے جوارح کو طاعت میں مصروف کر دے تو وہ اسلام بن جاتی ہے اور اس وقت ایمان و اسلام متحد ہو جاتے ہیں یہی مطلب ہے اتحاد مسافئین کا اور اسی کی طرف حدیث الباب میں ان تعبد اللہ کانک تواد الخ سے اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ جو عبادت جوارح سے متعلق ہیں اور وہ خشوع و خضوع کے ساتھ ادا ہوں تو گویا ایمان اعضاء کی طرف آیا اور اسلام قلب کی طرف پہنچا اور اس طرح دونوں طرف کی مسافئین ایک مرکز پر جمع ہو گئیں پس ایمان و اسلام کو بھی اس صورت میں ہم شئی واحد کہہ سکتے ہیں اور اگر تصدیق قلب تک ہی رہی اعضاء پر اس کے آثار ظاہر نہ ہوئے یا اسلام و ظاہری طاعت صرف اعضاء تک رہی اور درجہ احسان حاصل نہ ہوا تو اسلام کو بھی اعضاء ہی اسلام کہیں گے جس کا تعلق دل سے کچھ نہ ہوگا اور اس صورت میں ایمان و اسلام الگ الگ ہی ماننے پڑیں گے۔

قرب قیامت اور انقلاب احوال

اذا ولدت الامة دبھا پر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ فروع اصول کا درجہ حاصل کر لیں اور اصول فرد سے درجہ میں اتر آئیں یعنی قرب قیامت میں سب باتوں کے اندر انقلاب ہو جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانظر الساعة (جب نااہل لوگوں کو منصب ملے لگئیں گے تو قیامت کا انتظار کرو) اسی ارشاد کی روشنی میں تمام احادیث اشراف قیامت کو سمجھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی شخصیں اس جملہ کی شارحین نے کی ہیں مگر ان میں سے اکثر میرے نزدیک مرجوح ہیں نیز اس جملہ سے اہمات الاولاد کی بیخ کا جواز و عدم جواز نکالنا تو بالکل ہی بے محل بات ہے۔

فی خمس اور علم غیب

فرمایا۔ مراد یہ ہے کہ وقت قیامت کا علم بھی ان ہی پانچ میں داخل ہے پھر فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں چونکہ امور تکوین سے متعلق ہیں امور تشریع سے ان کا کوئی تعلق نہیں اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو ان کا علم نہیں دیا گیا الا ماشاء اللہ اور یہ بھی فرمایا۔ و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ (اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا) کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد تشریع ہی ہے جس کے لیے علوم شریعت موزوں ہیں علوم تکوین نہیں۔

علم غیب سے مراد

پھر علم غیب سے مراد اصول کا علم ہے علم جزئیات نہیں ہے جو اولیاء کرام کو بھی عطا ہوا ہے کیونکہ علم جزئیات حقیقت میں علم ہی نہیں ہے علم تو حقیقت میں وہی ہے جس سے ایک نوع کے تمام افراد کا علم حاصل ہو جائے اور وہ علم اصولی ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ ہزاروں چیزیں یورپ سے بن کر آ رہی ہیں ان کو ہم دیکھتے ہیں پہچانتے ہیں لیکن ہم ان کے اصول سے ناواقف ہیں تو علم جزئیات بغیر علم کلی کے علم ہی کہلانے کا مستحق نہیں ہے کسی چیز کا علم کلی اگر ہمیں حاصل ہو جائے تو ہم اس نوع کی تمام جزئیات بر مطلع اور ان کے حقائق سے باخبر ہو سکتے ہیں اسی کو حضرت حق جل مجدہ نے مفاتح سے تعبیر کیا ہے۔

کون سا علم خدا کی صفت ہے

غرض جو علم بطور مفتاح ہے وہ صرف خدا کی صفت ہے اس لیے لا یعلمھا الا ھو کسی تفسیر یا کسی تاویل کے سمجھ میں آجائے گی۔

پانچ کا عدد کس لیے

باقی رہا یہ کہ صرف پانچ کی کیوں تخصیص فرمائی؟ حالانکہ اور ہزاروں چیزوں کے اصول بھی صرف خدا ہی کو معلوم ہیں جو اب دیا گیا کہ یہاں ایسی انواع ذکر کر دی گئیں جو سب کا مرجع و اصل ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہاں سائل کا سوال صرف ان ہی پانچ سے متعلق تھا جس کی تفصیل حافظ سیوطیؒ نے اس آیت کے شان نزول میں کی ہے اور جو عدد کسی سوال کی موافقت کے سبب ذکر ہوتا ہے وہ بتفاق علماء اصول تحدید کے لیے نہیں ہوا کرتا۔ میرے نزدیک یہی جواب سب سے بہتر ہے (دیکھو لباب النقول فی اسباب النزول اور الدر المنثور)

باب ۵۰ حدثنا ابراہیم بن حمزہ قال حدثنا ابراہیم بن سعد عن صالح عن ابن شہاب عن عبد اللہ بن عبد اللہ ان عبد اللہ بن عباس اخبرہ قال اخبرنی ابو سفیان بن حرب ان ہر قل قال لہ سالتک هل یزیدون ام ینقصون؟ فزعمت انہم یزیدون و کذلک الا یمان حتی یتیم و سالتک هل یوتد احد سخطہ لدینہ بعد ان یدخل فیہ فزعمت ان لا و کذلک الا یمان حین یتخالط بشاشۃ القلوب لا یسخطہ احد۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے خبر دی کہ انہیں ابوسفیان بن حرب نے بتایا کہ جب ان سے ہرقل (شاہ روم) نے کہا کہ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ لوگ (رسول کے پیرو) کم ہو رہے ہیں یا زیادہ؟ تو تم نے کہا، وہ بڑھ رہے ہیں اور یہی حالت ایمان کی ہوتی ہے جب تک وہ مکمل ہوا اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا ان میں سے کوئی اس دین کو قبول کر کے پھر اسے برا سمجھ کر ترک بھی کر دیتا ہے؟ تم نے کہا کہ نہیں اور یہی کیفیت ایمان کی ہوتی ہے جب اس کی بشاشت دلوں میں اتر جاتی ہے تو پھر اس سے کوئی ناخوش نہیں ہو سکتا۔

تشریح: سابق الذکر حدیث جبریل علیہ السلام کے تحت ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ پوری حدیث ان حضرات کی تائید میں ہے جو ایمان و اسلام کی حقیقت الگ الگ سمجھتے ہیں، اور آخر میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ”یہ جبریل تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے“ اس سے اتنی بات ثابت ہوئی تھی کہ دین کا اطلاق مجموعہ ایمان و اسلام و احسان پر ہوتا ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، ائمہ احناف اور دوسرے محدثین و متکلمین بھی مانتے ہیں کہ مجموعہ دین ہے، یہاں ام بخاریؓ نے باب بلترجمہ قائم کر کے غالباً باب سابق کی اس کمی کو پورا کرنے کی سعی فرمائی ہے اور یہاں حدیث ہرقل کا ایک کٹواٹس فرما کر اپنے مقصد کی تائید فرمائی کہ دین و ایمان میں اتحاد ہے، ہم پہلے پوری تفصیل سے ثابت کر چکے ہیں کہ دین و ایمان کو متحد یا ایک قرار دینا خلاف تحقیق ہے دین کا اطلاق اسلام پر بھی ہوتا ہے اور ایمان و اسلام دونوں کی حقیقتیں الگ الگ ہیں، ہاں ام بخاریؓ کا ہرقل کے قول سے استدلال کرنا اس کے بارے میں چند امور بحث طلب ہیں۔

بحث و نظر ایک اشکال یہ ہے کہ ہرقل غیر مومن ہے اس کے قول سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ علماء اہل کتاب میں سے ہے اور جو کچھ اس نے سوالات کئے اور جوابات پر تبصرے کئے، ان کا تعلق کتب ساویہ سابقہ میں بیان کردہ نشانوں سے ہے اس لیے اس کی رائے کو تائید میں پیش کیا گیا۔

دوسرے یہ کہ کتب سابقہ میں بھی جو تمہیں ایسی ہیں کہ وہ ہمارے دین و شریعت کے خلاف نہیں یا جن سے ہمیں تائید ملتی ہے تو ان کو قبول کر سکتے ہیں اور یہی ام بخاریؓ کا مسلک بھی ہے اس لیے اس سے تائید حاصل کی ہے۔

امام بخاریؒ کے وجوہ استدلال پر نظر

مگر ان وجوہ استدلال میں کام ہو سکتا ہے اول یہ کہ ہرقل کے قول میں کوئی حوالہ کتب سابقہ کا نہیں ہے اور بغیر حوالہ و تحقیق کے ہم کس طرح ایک غیر مومن کی شہادت کو قبول کر لیں؟ دوسرے یہ کہ جوابات ہمارے یہاں قرآن و حدیث کی روشنی میں قطعی طور سے طے شدہ نہیں ہے (مثلاً اسلام

دایمات کا ایمان دین کا ایک ہوتا یا ان کا الگ الگ حقیقتیں ہونا امام بخاری پہلی بات مانتے ہیں اور دوسرے محققین دوسری (تو ایسی مختلف فیہ چیز کے لیے کتب سابقہ سے تائید و عدم تائید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان کہہ یوں کی وہی باتیں تو ہم قبول کر سکتے ہیں جن کی صحت پر ہم قرآن و حدیث کے فیصلوں کی روشنی میں اطمینان کر سکیں اور جو امر فیصلہ شدہ نہیں ہے اس کی ایک جانب کو کتب سابقہ یا کسی غیر مومن کتابی کے قول سے ترجیح کس طرح دی جاسکتی ہے؟ غرض امام بخاری کے یک طرفہ رجحان کا غلو ہے کہ اس کے لیے اس قسم کی کمزوری جو بھی استدلال میں پیش فرمادیں۔

”زبردست شہادت“ پر نقد و نظر

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مطبوعہ اردو فقہیہ مدرسہ بخاری شریف میں لکھ گیا ہے کہ امام بخاری نے دین و اسلام و ایمان تینوں کے اتحاد پر زبردست شہادتیں پیش کر دیں ایک جبریل کے بیان سے دوسرے اہل کتاب کے عالم برقل کے بیان سے دوسری جگہ لکھ گیا کہ ”امام بخاری نے دونوں باب سے ایمان و دین کی ایک ہی حقیقت ثابت کی“ اولاً ثبوت شریعت محمدی کے اعتبار سے تھا اور ثانیاً شریعت سابقہ سے

یہ دونوں عبارتیں اس موقع کے لیے مناسب نہ تھیں کیونکہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ امام بخاری کا استدلال حدیث جبریل سے نہایت کمزور ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحب نے بھی فرمایا کہ حدیث جبریل میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کے مجموعہ کو دین فرمایا تھا جس میں سرے سے کوئی نزاع ہی نہیں ہے اس لیے اس سے دین و اسلام و ایمان کے اتحاد پر زبردست شہادت کس طرح پیش ہوگئی؟ کیا مجموعہ اور اس کے ہر فرد کا حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے امام بخاری کو خود بھی احساس ہے کہ حدیث جبریل میں ان کے استدلال کے لیے کوئی بہتر موقع نہیں اور اسی لیے ایسا گول مول سا ترجمہ قائم کیا جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں مگر ہماری خوش فہمی کہ اس پر بھی ہم ان کی کمزوری کو زبردست شہادت کہیں یا سمجھیں دوسری عبارت میں ثبوت کا دعوے اور وہ بھی شریعت محمدی سے ہے نہ جگہ جگہ جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے اور دوسرا ثبوت شریعت سابقہ سے بھی ممکن کلام ہے جس کی وضاحت اوپر ہو چکی یہ ضرور ہے کہ امام بخاری اپنے نظریات کی تائید کے لیے ہر قریب و بعید قوی و کمزور دلیل سے استفادہ کرتے ہیں مگر یہ سمجھنا ہمارا کام ہے کہ کس موقع پر انہوں نے زبردست دلیل پیش کی اور کس موقع پر زبردستی کا استدلال کیا جیسا کہ یہاں زیر بحث موقع میں ہے۔

خرم کا جواز و عدم جواز

امام بخاری نے یہاں اپنے نظریہ کی تائید کے لیے حدیث کا ایک ٹکڑا پیش کیا ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں خرم کہتے ہیں اور صحیح بخاری میں انہوں نے کثرت ایہ کیا ہے کیونکہ اسی طریقہ سے انہوں نے اپنے خاص اجتہادی مسائل کے لیے تائیدی اشارات پیش کئے ہیں۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ خرم چارے یا تین یا بعض حضرات محدثین اس کو طعناً جاز کہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کو بلا طعن ناچ و بزم قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر خرم (حدیث کا ٹکڑا) پورے معنی ظاہر کرتا ہے تو ایسا خرم (یا قطع و برید) جاز ہے اور اگر اس کے معنی اتنے نکلے سے پورے اور نہیں ہوتے یا اس سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے تو ایسا خرم چار نہیں امام بخاری کا خرم بھی حدود جواز ہی میں ہوتا ہے واللہ اعلم۔

علمی تحقیق

یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں خرم امام بخاری کی طرف سے یا اوپر سے ہے؟ علامہ کرمانی شارح بخاری کی رائے ہے کہ یہ امام بخاری سے نہیں بلکہ امام زہری سے ہوا ہے نیچے کے رواۃ میں سے غالباً شیخ ابراہیم بن حمزہ نے ایمان کے دین ہونے پر استدلال کرنے کے لیے صرف اسی قدر ٹکڑا روایت کیا ہوگا۔ حافظہ یعنی نے فرمایا کہ کرمانی کی رائے صحیح نہیں کیونکہ امام بخاری نے اسی سند سے یہی

حدیث مکمل طور سے کتاب الجہاد (باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الا سلام و النوبة صفحہ ۴۱۲) میں ذکر کی ہے اس لیے خرم امام بخاری ہی کی طرف سے ہے جو امام بخاری نے اپنے نظریہ پر استدلال کے لیے کیا ہے۔ (عمدة القاری صفحہ ۳۴۲)

باب فضل من استبرأ لدينه۔ (اس شخص کی فضیلت جس نے اپنے دین کی صفائی پیش کی)

(۵۱) حدثنا ابو نعیم حدثنا زکریا عن عامر قال سمعت النعمان بن بشیر يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الحلال بين و الحرام بين و بينهما مشبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه و عرضه و من وقع في المشبهات كراخ يراعى حول الحمى يوشد ان يواقعہ الا و ان لكل ملك حمى الا ان حمى الله في ارضه محارمه الا و ان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله الا و هي القلب۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچے تو گویا اس نے اپنے دین اور آبرو کو سلامت رکھا اور جو ان شبہات (کی دلدل) میں پھنس گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو (اپنے جانوروں کو) سرکاری چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے ڈر ہے کہ وہ اپنے دھن کو اس چراگاہ میں چاہے گھسائے گا انہی طرح کن لو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے یا درکوہ کو اس کی زمین میں اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ اور کن لو کہ جسم کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ گھڑ جاتا ہے تو پورا جسم گھڑ جاتا ہے کن لو کہ یہ (گوشت کا ٹکڑا) دل ہے۔

تشریح: حدیث میں کتنے پر حکمت اور قیمتی جملہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انسانی جسم کا اصل تعقل دل سے ہے جب تک وہ کام کرتا ہے انسان کا سارا جسم متحرک ہے اور جس دن اس نے کام چھوڑ دیا کسی وقت زندگی کا سلسلہ ختم ہے یہی دل انسانی اعضاء کی طرح انسانی اخلاق کے لیے بھی کنبی کی حیثیت رکھتا ہے اگر دل ان تمام بد اخلاقیوں سے بچا رہے اور خبثتوں سے پاک رہے جن سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو انسان کی ساری زندگی پاک و صاف ہوگی اور اگر دل ہی میں فساد بھر گیا تو پھر آدمی کا ہر فعل فتنہ انگیز اور فاسد پرور بن جاتا ہے اس لیے سب سے پہلے قلب کی اصلاح ضروری ہے اسی لیے احکام سے پہلے عقائد کی درستگی پر زور دیا جاتا ہے اگر دل سنور گیا تو آدمی کے جسم و روح دونوں کی اصلاح ممکن ہوگی۔

۱۔ یہ ابو نعیم نے بیان کیا ہے لیکن عمرو بن خالد بن زہیر قرشی (م ۲۱۹ھ) امام بخاری کے بڑے شیخ ہیں جن سے امام بخاری ملا۔ اس روایت کرتے ہیں اور دوسرے ارباب صحاح سے ہونا۔ اس روایت کے بے نہایت طویل القدر محدث تھے بلکہ یہ بھی تذکرہ میں لکھا ہے کہ کثر کا شیوخ میں ان جیسے کم ہیں امام احمد وغیرہ نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد محدثین نے آپ کی مدح کی ہے آپ سے دوسرے بھی بڑے ائمہ و اعلام کہا کہ حفاظ حدیث سے روایت حدیث کی ہے مثلاً ابن مبارک امام احمد بن ابی شیبہ ابن ابی خنیس ابن راہویہ امام ذہبی ابو ذر ابو حاتم وغیرہ آپ کو آئین اہل زمانہ کہا گیا ہے آپ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں احمد شیوخ سے ملا میں نے کسی کو نہیں پایا جو خلق قرآن کا قائل ہوا ہو بلکہ یہ بھی دیکھا کہ جس پر اس کی تہمت گئی وہ نہذوق قرار دیا۔

۲۔ یہ مقدمہ انوار الیاری صفحہ ۹۱ میں تہذیب الکمال اور تبصیر الصحیفہ کے حوالے سے نقل کیا گیا کہ آپ بھی امام اعظم ابو حنیفہ کے علاوہ حدیث میں سے ہیں اگرچہ تہذیب نے اس نسبت کو حذف کر دیا ہے۔

یہاں اقیات اور محقق سے امام صاحب کی طرف بھی خلق قرآن کی نسبت کر دی ہے جس کی صفائی خود امام احمد وغیرہ سے ہم نے ذکر کی تھی یہاں ابو نعیم موصوف بھی اپنے شیوخ کو اس الزام سے بری کر رہے ہیں اور اگر آپ کے شیوخ میں سے امام صاحب ایسے مشہور و معروف شیخ اس کا قائل ہوئے ہوتے تو ابو نعیم ان کا ضرور ذکر کرتے بلکہ ممکن ہے کہ کچھ بڑوں کی طرف اس قسم کی غلط فہمیاں ہی کی صفائی کے لیے ایسا جملہ ارشاد فرمایا و اللہ اعلم

۳۔ یہ نیز ابن ابی زائدہ کا حدیث میں ابو نعیم ابن کوفی (م ۱۳۹ھ) ارباب صحاح سے شیوخ میں ہیں امام اعظم کے تلمیذ حدیث ہیں امام صاحب سے مساندید روایت کی ہے اور آپ کے حوالہ سے بھی ابن زکریا بھی بڑے جلیل القدر محدث تھے جو امام صاحب کے صاحب میں ارشاد کا دین و تین قسے تھے۔ (دیکھو مقدمہ صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴)

حضرت شاہ صاحب کے تشریحی ارشادات

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ استبراء سے مراد احتیاطی الدین ہے اور یہ اگرچہ بعض اعتبارات سے دین سے خارج چیز ہے مگر امام بخاری نے اس کو بھی دین میں داخل کیا ہے۔ یعنی اگر ایک شخص اپنے دین پر بعد ضرورت عامل ہو اور اس کے بعد محتاط زندگی گزارے تو اس کی اس احتیاط کو بھی دین کا جزو سمجھا جائے گا یا نہیں؟ حدیث الباب سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وہ بھی دین ہی سے ہے اگرچہ دین کے اعتبار سے وہ دین سے زائد ایک چیز ہے، مگر امام بخاری نے یہ دوسری تقسیم دین و ایمان کی بتلائی کہ بعض لوگ محتاط زندگی گزارتے ہیں، بعض نہیں اور احتیاط والوں کو دوسروں پر زیادہ فضیلت حاصل ہے لہذا معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی مراتب ہیں۔ وهو المقصود۔

پھر فرمایا کہ یہ حدیث نہایت مبہم و مشکل اور کثیر المعانی احادیث میں سے ہے بہت سے علماء و فضلاء نے اس کی شرح میں مستقل تصانیف لکھی ہیں۔

حافظ قتی الدین و علامہ شوکانی کا ذکر

حافظ قتی الدین بن دقاق العینی رحمۃ اللہ علیہ کا احکام میں اس حدیث پر گزرے ہیں اور ان سے بہتر کسی نے نہیں لکھا مگر وہ بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ علامہ شوکانی نے بھی رسالہ لکھا مگر اس میں کچھ مغز نہیں ہے، پیاز کی طرح پھٹکے تار تارے چسے گئے ہیں، حاصل کچھ نہیں ہے بلکہ اس سے اچھا تو میں لکھ سکتا ہوں، گو میں بھی اس کو تمام نہیں سکتا، آگے امام بخاری اس حدیث کو کتاب الطہور میں بھی لائیں گے اور اس وقت میں بتلاؤں گا کہ اس کے تمام جوانب کا بھی احاطہ نہیں کر سکے ہیں، اگر حدیث مذکور کی پوری حقیقت منکشف ہو جاتی تو ہمیں صاحب شریعت سے ایک عمل ضابطہ و قاعدہ کلیہ حلال و حرام کا مل جانا باب مشہبات کے ابہام کی وجہ سے ہم اس سے محروم ہو گئے اور اب صرف جزئیات نکالے جا سکتے ہیں، ضوابط و کلیات نہیں، تاہم اس حدیث سے ایک نہایت اہم اشارہ اس امر کی طرف ملتا ہے کہ نجات کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ افعال کو چھوڑ کر ترک کو اختیار کیا جائے، پھر فرمایا کہ عبادت و جدوی چیز ہے کہ اس میں زیادتی مطلوب ہے، زیادہ دنیا کی لذتوں سے بے رغبتی کا نام ہے اور خدا کے یہاں زیادہ قدر زبردستی کے ہے، گو لوگوں کے یہاں زیادہ قدر عبادت کی ہے، درج ہے کہ شکوک و شبہات سے بچنے، علامہ سیوطی نے حدیث ذکر کی ہے کہ ”ورع“ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔“ غرض یہ دو درج سب عدی ہیں، عبادت کی طرح سے جدوی نہیں۔

حدیث الباب کا مقصد: حدیث کے پہلے حصہ میں احکام و مسائل کی طرف اشارہ ہے کہ حلال و حرام سب شریعت نے واضح کر دیے ہیں، اور دوسرے حصہ میں حوادث و وقائع کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کے لیے ایک عرفی ضابطہ ذکر فرمایا کہ جو شخص شبہات اور تہمت کے مواقع سے بچنے کا وہ اپنے دین کو ضائع ہونے سے اور آبرو کو مٹھون ہونے سے محفوظ رکھے گا، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ تم ایسے کاموں سے بھی بچو، جن کو عام لوگوں کے دل ناپسند کریں، اگرچہ تمہارے پاس ان کا گذر ہو کیونکہ بہت سے لوگ جو بری بات کو دیکھتے اور سنتے ہیں، تمہارے غدر کو سننے اور قبول کرنے کو تیار نہ ہوں گے۔

اس وضاحت سے وہ مشہد بھی دفع ہو گیا کہ حلال و حرام کے ذکر میں آبرو کی حفاظت کس مناسبت سے ذکر ہوئی پس حدیث بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول مذکور کی طرح صرف مسائل کے بیان میں نہیں ہے، بلکہ ان کے علاوہ دوسرے حالات و حوادث بھی مراد ہیں۔ اور استبراء کی صورت یہاں میرے نزدیک ایسی ہے کہ جس طرح مدعی علیہ عدالت میں عائد شدہ الزامات کی طرف سے صفائی پیش کیا کرتا ہے، جو شخص شہر امور اور مواضع تہمت سے بچے گا، وہ بھی اپنے دین و آبرو دونوں کی طرف سے صفائی پیش کر دے گا۔

امام محمد و امام شافعی: حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس حدیث کی شرح اگر امام محمد یا امام شافعی ایسے دقیق انظر حضرات کرتے تو حق ادا ہوتا۔ امام شافعی چونکہ خوفی یا غشی تھے اسی لیے انہوں نے اپنے استاذ امام محمد سے پورا استفادہ فرمایا اور ہمیشہ امام کی تعریف فرماتے تھے، کبھی فرماتے کہ امام محمد انکھوں اور دلوں و دلوں کو سیراب کرتے تھے (کیونکہ حسین و جلیل بھی تھے اور ذی علم و حکمت بھی) کبھی فرماتے کہ امام محمد جب کسی

مسئلہ پر کلام کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ان پر وحی اتاری ہے کبھی فرماتے کہ میں نے امام محمد سے دو اونٹ کے بوجھ کی برابر علم حاصل کیا لیکن جو صرف محدث تھے انہوں نے نہ امام محمد کے علم و مرتبہ کو پہچانا نہ ان کی تعریف کی بلکہ ایسے محدثین کے لیے مزید ایک جہان سے توش کی پیدا ہو گئی وہ یہ کہ امام محمد نے سب سے پہلے فقہ و حدیث کو الگ الگ مدون کیا جب ان سے پہلے تالیف و تصنیف کا طرز آخارہ فقہ کو جمع کرنے کا تھا پس یہ طریقہ کا اختلاف بھی وجہ طعن بن گیا حالانکہ پھر تمام ہی مذاہب اربعہ والوں نے اسی امام محمد والوں کے طریقہ کو اختیار کیا مگر انصاف دنیا میں کہاں ہے؟

حدیث الباب اور علامہ نوویؒ

امام نوویؒ نے شرح بخاری میں لکھا کہ ”حدیث احوال بین اربع نہایت عظیم القدر حدیث ہے وہ ارکان اسلام میں سے ایک ہے اور ان احادیث میں سے ہے جن پر اسلام کا مدار ہے اس کی شرح کے لیے بہت سے اوراق جلد بہت سے دفتر چاہئیں بہت سے علماء نے اس کو تمام اصول اسلام کا ایک تہائی اور بعض نے چوتھائی قرار دیا ہے۔ اس کی مختصر شرح یہ ہے کہ کچھ اشیاء حلال ہیں جن کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کچھ حرام ہیں جن کی حرمت بے شک و شبہ ہے اور ایک تیسری قسم ان کی ہے جن کا حکم مشتبہ ہے جو شخص ایسی مشکوک و مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے گا اس نے اپنے کو معصیت سے بچالیا اور ایسی مشکوک چیزوں کی تفصیل سب فقہ میں موجود ہے۔

مشہدات اور خطابی

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ”وبینہما مشہدات لا یعلمہا کثیر من الناس“ خطابی وغیرہ علماء نے فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کچھ لوگوں پر مشتبہ ہوتی ہیں کچھ پر نہیں کیونکہ ان کے اندر ذاتی اشتباہ و ابہام نہیں ہوتا ہے ورنہ وہ سب یہ مشتبہ ہو جائیں چنانچہ اہل علم ان کو جانتے پہچانتے ہیں ان پر کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔

علامہ قسطلانی کی رائے

علامہ قسطلانی نے لکھا کہ کثیر کی قید سے معلوم ہوا کہ قلیل افراد اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی مجتہدین و علماء جو ذریعہ نص یا قیاس کے یا اصحاب وغیرہ سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔

نواب صاحب کی رائے

نواب صاحب نے بھی عون الباری میں ان حضرات مجتہدین و علماء کے استثناء کو صحیح قرار دیا ہے اور جب یہ امر تسلیم ہو گیا کہ کثرت غیر مجتہدین وغیرہ علماء کی ہے تو اگر نہ جاننے والے جاننے والوں کے علم پر اطمینان کر کے ان کی تقلید نہ کریں گے تو اور کیا صورت ان کے عمل کی ممکن ہو سکتی ہے اور تقلید ائمہ مجتہدین کو شرک یا غیر شرعی امر قرار دینا کیونکر صحیح ہوگا؟ البتہ اگر علماء مجتہدین کے فیصلہ کے بعد بھی کسی پر وہ امر بدستور مشتبہ و مشکوک رہے تو اس کے لیے ضرور بجائے عمل کے صورت ترک و اجتناب ہی متعین ہوگی۔

بحث و نظر.... تحقیق مشتبہات

حافظ عینیؒ نے شرح بخاری شریف میں لکھا کہ اس میں پانچ روایات ہیں۔

(۱) مشتبہات :- یہ روایت اصیلی کی ہے اور ابن ماجہ میں بھی یہی روایت ہے۔ (۲) مشتبہات :- یہ روایت طبری کی ہے۔

(۳) مشبہات :- یہ روایت سمرقندی کی ہے اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔ (۴) مشبہات :- (۵) مشبہات۔

پھر لکھا کہ ہر ایک اشتباہ الامر سے ماخوذ ہے اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی امر واضح نہ ہو اوال کے معنی مشکلات امور ہیں کیونکہ ان

میں دو متضاد و متقابل جانہوں کا احتمال ہوتا ہے اس سے بھی پوری مشابہت اس سے بھی مماثلت فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے کہ کس کے ساتھ رکھیں دوسرے کا مطلب بھی ایسا ہی ہے مگر اس میں تکلف بھی معلوم ہوتا ہے جو باب تفضل کا خاصہ ہے تیسرے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ وہ دوسری چیزوں سے مشابہت رکھتی ہیں جس کی وجہ سے کوئی متعین حکم نہیں لگا سکتے بعض نے یہ معنی لیے کہ وہ حلال سے مشابہت رکھتی ہیں چونکہ اس معنی سے یہ کہ وہ اپنے کو حلال سے مشابہ کرنے والی ہیں یا نجویں کا معنی بھی یہی ہے صرف باب تفضل و افعال کا فرق ہے قاضی کا فیصلہ یہ ہے کہ پہلی تینوں صورتیں معنی مشکلات ہیں یہ شبہ یہ مشکل ہے اور اسی سے ان البقر تشابہ علیہا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مشتبہات وہ ہیں جن کا حکم معلوم نہ ہو اور ایسی ہی قرآن مجید کی متشابہات بھی ہیں جن کی مراد معلوم نہیں متشابہات سے اصولیوں کے قیاس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ علت جامعہ کے ذریعہ سمجھتے ہیں متشابہات بھی اصولیوں کے موافق ہے میرے نزدیک حدیث کا اصل لفظ متشابہات ہی ہوگا جو راویوں کی تعبیرات میں بدل گیا۔

اشکال ۱: ایک اشکال یہاں یہ ہے کہ آیت قرآنی منہ آیات محکمات من ام الکتاب و اخر متشابہات میں بھی متشابہات کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے متشابہات کے معنی میں لیا ہے جس پر اعتراض ہوا کہ حق تعالیٰ نے دوسری جگہ پورے قرآن مجید کو کتاب تشابہ فرمایا ہے یعنی ایسی کتاب جس کا بعض حصہ دوسرے بعض کی تصدیق کرتا ہے اور یہ اس کی مدح ہے نہ اس کی کتاب کداس کے بعض حصے دوسرے بعض سے ملے ہو جائیں کہ صورت التماس و اشتباہ کلام خداوندی کے شایان شان نہیں اسی لیے دوسرے مفسرین نے و اخر متشابہات میں بھی تصدیق ہی کے معنی لیے ہیں اور یہی معنی حضرت مجاہدؒ سے بھی مروی ہے (ملاحظہ ہو باب التفسیر بخاری)

جواب میری رائے یہ ہے کہ لفظ تشابہ بمعنی تصدیق کرنے والا حکم ہی کا ہم معنی ہے دونوں میں زیادہ فرق نہیں ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں دونوں کو مقابل قرار دیا ہے اور متشابہات کا اجماع کرنے والے کو اہل زلیق قرار دیا ہے اس لیے مجاہد کی تفسیر مروج ہے مناسب تھا کہ اس کو امام بخاری ذکر نہ کرتے اگرچہ ان کی طرف سے عذر ممکن ہے جس کو اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا لہذا متشابہات سے مراد ملخصات ہی ہیں۔ البتہ کتاب تشابہات میں تصدیق ہی کے معنی مراد ہیں۔

دوسرا اشکال و جواب

اگر یہ غلبان ہو کہ اس سے مطالب قرآن میں انتشار ہوگا کہ ایک لفظ کے معنی ایک جگہ کچھ ہیں اور دوسری جگہ کچھ اور تو اس کا جواب یہ ہے کہ انتشار اس لیے نہیں ہوگا کہ صلات کے اختلاف سے معانی میں اختلاف ناگزیر ہے یہاں بھی لفظ تشابہ کا صلہ جب علی ہوتی ہے تو اس کے معنی التماس کے متعین ہیں جیسے ان البقر تشابہ علیہا میں ہے اور اسی طرح و اخر متشابہات میں بھی صلہ علی ہی ہے جو حذف معنوی ہے اور جب اس کا صلہ لام ہوگا تو بمعنی تصدیق ہوگا جیسے کتاب تشابہات میں کہ لکھ یہاں حذف ہے جس لفظ کے معنی اختلاف و تغایر صلہ کے سبب مختلف ہوتے ہیں وہ متشکک معنوی ہوتا ہے۔

اہم علمی افادہ: لکل ملک حمی ”پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنیف کے یہاں بادشاہوں کا اپنے لیے چرگاہیں تصور نہ جائز نہیں البتہ امام و امیر وقت مصاح شرعیہ کے لیے ایسا کرے تو جائز ہے جس طرح حضرت عمرؓ نے جہاد کے گھوڑوں کے لیے ریشہ بنایا تھا تو اس تشبیہ سے مخالف نہ ہونا چاہئے کہ اس سے جواز سمجھ لیا جائے یہاں تشبیہ مذمومہ کی صورت ہے مسائل و احکام کو تشبیہات سے نہیں نکال سکتے تشبیہ کا

مقتصد صرف یہ ہے کہ عام لوگ عرف عام سے ایک بات کو اچھی طرح سمجھ لیں گے، کیونکہ بادشاہوں کے طریقے ای طرح اس سے یہاں بحث نہیں کردہ جائز تھے یا ناجائز گو یا عیشہ یہاں فقط اس قدر ہے کہ جس قدر دنیا کے بادشاہ ایک حصہ کو اپنے لیے مخصوص کر کے اس کی حرمت سب پر لازم کر دیتے ہیں اور باقی حصے میں صراح رہتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے بھی حرمت کی ایک باطنی بنی ہوئی ہے اس کے پاس بھی نہ جانا چاہئے ورنہ خطرہ ہے کہ اس کے قریب ہوتے ہوئے کسی وقت اس کے اندر ہی داخل ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب و غضب کا سبب بن جائے۔

یہ مقتصد نہیں ہے کہ خدا کے یہاں ان دنیا کے شاہوں کی حماؤں (رکھوں چڑا گا ہوں) کی کوئی قدر ہے یا ان کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ شاہان عرب میں دستور تھا کہ بے نفع بھی اپنی بڑائی کے اظہار کے لیے عجمی کر دیتے تھے اور انگریزوں نے بھی ہندوستان میں بہت سے جنگل بن اور کارگاہیں خاص کر دی تھیں جن میں خاص لوگ بھی بغیر اجازت نہ جاسکتے تھے۔ اس لحاظ سے حدیث الہاب کی تشبیہ اور بھی اعلیٰ ہوگی۔ (کنز الدقائق الاوراد للہم قدہ و امور)

قلب کے خصائص و کمالات

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وحی القلب پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قلب کی نسبت جسم کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسی امیر کی مامور کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ اصل ہے اور سب جسم و اعضاء بطور اس کی فرع کے ہیں۔ قلب ہی علوم و معارف کا معدن اور اخلاق و ملکات کا مخزن ہے جامع صغیر سیوٹی میں یہ روایت بھی ہے کہ قلب بادشاہ ہے اور تنہائی میں ہے کہ کان قلب کے لیے بطور قیف کے ہیں جس کے ذریعہ خارجی مسموعات اس کے پاس جمع ہوتی رہتی ہیں دونوں آنکھیں بطور تھیمار ہیں جن سے حجر و شکر کی ٹکر پائی جاتی ہے دونوں ہاتھ باز و دونوں پاؤں سواری جگر حرکت، تلی ٹھک، پیچہ پڑے سانس لینے کا سامان ہیں اگر یہ اثر صحیح ہے تو ٹھک کا تعلق تلی سے ثابت ہو گا، لیکن اطباء نے اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی میرے نزدیک ٹھک کا سبب پیچہ پڑوں کا انقباض و انبساط (سنسنا پھیلنا) ہے قلب ہی تمام لطائف کی اصل ہے۔ بجز روح کے کہ وہ خارج سے ہے اور نفس کا معدن جگر ہے جو لذات و شہوات کی طلب کرتا ہے اور قلب کو بھی نفس کہا جاتا ہے جب کہ وہ لذات و خواہشات نفسانی میں محو و مستغرق ہو جاتا ہے جو فانیات کا درجہ ہے قلب ہی پر بدارصلاح و فلاح ہے و حق انوار الہیہ کا مہبط و مورد اور اسرار خداوندی کا منبع و مخزن ہے اسی کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور شیطان نے اس کے اندر گھس کر دیکھا کہ اس کے اندر کئی منافذ (سوراخ) بھی ہیں۔ تو کہا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے پر قابو نہ رکھ سکے گی پھر ایک گوشہ میں ایک چھوٹی کوٹھری بند (قلب کی) دیکھی تو کہنے لگا کہ مجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا ہے؟

میں نے اس سے سمجھا کہ قلب چونکہ تجلیاتِ محمدیہ کا مظہر ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس کو گھوس کر دیا اور اس میں کوئی منفذ (سوراخ) بھی نہیں رکھا اب اس کو ایک بلند قد و گندہ کی طرح سمجھو جس کی سب جوانب بند ہوں سب دروازے و کھڑکیاں مقفل ہوں پھر ظاہر ہے کہ ایسی بند اور محفوظ چیز کے پھید کو خدا نے عظیم و خیر کے سوا کوئی جان سکتا ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ درحقیقت انسان مضطرب قلب ہی ہے اور تمام بدن بمنزلہ انجن و مہاپ کے ہے کہ جزوی جزوی کام دیتا ہے لطیف قلب صوفیاء کے یہاں ایک وسیع مقام ہے میرے نزدیک یہی سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے اور اس کو کوئی نہیں سمجھا معلوم ہوا کہ صوفیہ کا سلوک طے کرنا معمولی چیز نہیں ہے مگر اس دور جہالت و بے دینی میں کس کو سمجھایا جائے کہ قدم قدم پر پیشہ ور باہل یا کم علم صوفی اور پیر بیعت سلوک کے جال پھیلا رہے ہیں اور ہر کدہ کو خلافت سے بھی نواز رہے ہیں۔

”جیسی اب ہے تری محفل، کبھی ایسی تو نہ تھی“

سال میں بھی طے کر لے تو وہ میرے نزدیک ناکام نہیں ہے۔

تحقیق لطائف

فرمایا: میرے نزدیک حقیقی و اصلی لطائف تین ہی ہیں: روح، قلب، نفس جن کا منبع کہہ ہے اور باقی لطائف 'سرخفی'، 'خفی' (جو مجدد صاحب وغیرہ نے بتلائے ہیں) وہ سب اعتباری ہیں۔ قلب برزخ ہے درمیان مادی و روحانی کے اور یہی میرے نزدیک مقصد ہے حدیث الباب کا اور حدیث و قرآن اس چیز کو کہتے ہیں جو لوگوں کو معلوم نہ ہو قلب کی خاص حالت سے پتہ چلا کہ وہ علوی چیز ہے اس لیے کہ نباتات کو دیکھا تو وہ سب نیچے سے اوپر کو جاری ہیں حیوانات سب مستوی ہیں ان کا رخ نہ اوپر کو ہے نہ نیچے کی طرف ہے۔ لیکن انسان کی تمام ساخت انھد ارکی حالت میں ہے سر بھی اس سے نیچے کی طرف کو نھد رہے چہرہ بھی داڑھی بھی ہاتھ پاؤں بھی اور بال بھی اور اسی طرح مضاف قلب بھی (جو گویا انسان کبیر کے اندر ایک انسان صغیر ہے) یہ انھد ار (اوپر سے نیچے کی طرف میلان) بتلا رہا ہے کہ انسان علوی مخلوق ہے جو اوپر سے نیچے کو آیا ہے اس کا برعکس نہیں ہے اور قلب کو بائیں جانب اس لیے رکھا تھا کہ اس کی بادشاہت داہنی جانب رہے۔

عقل کا محل کیا ہے

اس کے بعد ایک اہم بحث یہ ہے کہ عقل کا محل قلب ہے یا دماغ؟ شافعی اکثر متکلمین و فلاسفہ کی رائے یہ ہے کہ وہ قلب ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے یہ ہے کہ دماغ ہے اور یہی رائے اطباء کی بھی ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ حدیث الباب سے عقل کا قلب میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور جو کچھ سر میں ہے اس کا تعلق بھی قلب ہی سے ہے یعنی اسی کے سبب ہے حافظ ابن حجرؒ نے بھی استدلال مذکور صحیح سمجھا ہے۔

علامہ قسطلانی نے لکھا کہ اطباء کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ خراب ہو جاتا ہے تو عقل بھی خراب ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے اس کا جواب دیا گیا کہ دماغ ان کے نزدیک بطور آلہ استعمال عقل ہے اس لیے محض آلہ کے خراب ہونے فساد عقل کا حکم نہیں کیا جاتا۔ (شروع صفحہ ۲۵۹)

مگر امام نووی نے شرح بخاری میں لکھا کہ حدیث الباب سے استدلال مذکور صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں جانہین کے لیے کوئی جہت نہیں ہے (عمدۃ القاری صفحہ ۳۵۲ و شرح البخاری صفحہ ۲۵۶)

طرفین کے مفصل عقلی و نقلی دلائل اور مکمل تحقیق ہم آئندہ کسی موقع پر ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ و منہ التوفیق۔

آخر میں گزارش ہے کہ ہم نے جو کچھ وجہ مناسبت حدیث الباب کو یہاں ذکر کرنے کی ابتداء میں ذکر کیا جو کچھ شارحین بخاری یا مدرسین ذکر کرتے ہیں وہ سب دور کی مناسبتیں ہیں۔ اور امام بخاریؒ کے اپنے نظریہ خاص کے تحت ہیں ورنہ فی نفسہ اس حدیث کو کتاب الایمان ہی میں لائے کی توجیہ و شمار ہے یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے اس حدیث کو کتاب الایمان میں ذکر نہیں کیا بلکہ وہ اس کو کتاب البیوع میں لائے ہیں۔ اسی طرح امام ترمذی و امام ابوداؤد و امام نسائی بھی بیوع ہی میں لائے ہیں۔ اور امام ابن ماجہ نے اس کو کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق زیادہ تر فروع اعمال یا معاملات وغیرہ سے ہے جن میں درع و تقویٰ کی ضرورت اور مشہدات سے احتراز کی حاجت ہے تاکہ دین و آدمی پر حرف نہ آئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

بسم اللہ